اشاعت خاص
ماہنامہ
القاسم
تذکرہ و سوانح
حضرت مولانا سید اسعد مدنی
مرتب
مولانا عبد القیوم حقانی
القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

عالمی اسلامی تحریکوں اور جامعہ ابوہریرہ کا ترجمان

اشاعتِ خاص
تذکرہ وسوانح
حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحؒ

جلد 10 / جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۷ھ / جولائی اگست 2006ء / شمارہ 4,3

زیرِ سرپرستی

مولانا عبدالقیوم حقانی

☆☆☆

مدیر مسئول

حافظ محمد قاسم

رابطہ کیلئے

جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس
خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

Jan Mohammad Jan
Composing:

بدل اشتراک

سالانہ	200 روپے
فی شمارہ	20 روپے
بذریعہ وی پی	230 روپے
بیرونی ممالک	35 امریکی ڈالر

☆☆☆

بذریعہ ڈرافٹ/چیک

اکاؤنٹ نمبر 8-21399
حبیب بینک نوشہرہ کینٹ

☆☆☆

فون نمبر
(0923)630237
فیکس : 630094

نام کتاب : تذکرہ وسوانح حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

مرتب : مولانا عبدالقیوم حقانی

کمپوزنگ : جان محمد جانؔ رُکن القاسم اکیڈمی

ضخامت : 512 صفحات

تعداد : 1000

تاریخِ طباعت اوّل : جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ/ جولائی 2006ء

تاریخِ طباعت دوم : ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ/ جنوری 2007ء

ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون نمبر : 0923-630237 .... فیکس : 630094

موبائل نمبر : 0333-9102770

ملنے کے پتے

- ☆ صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس 458 گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی
- ☆ مولانا سید محمد حقانی ، مدرس جامعہ ابو ہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ
- ☆ مکتبہ رشیدیہ ...... جی ٹی روڈ ...... اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ ، مدینہ کلاتھ مارکیٹ ، راجہ بازار ، راولپنڈی
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید ، ۱۰ الکریم مارکیٹ ، اردو بازار ، لاہور
- ☆ مولانا خلیل الرحمٰن راشدی صاحب، جامعہ ابو ہریرہ، چنوں موم ضلع سیالکوٹ
- ☆ مکتبہ عمر فاروقؓ .... شاہ فیصل کالونی ...... کراچی

اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے
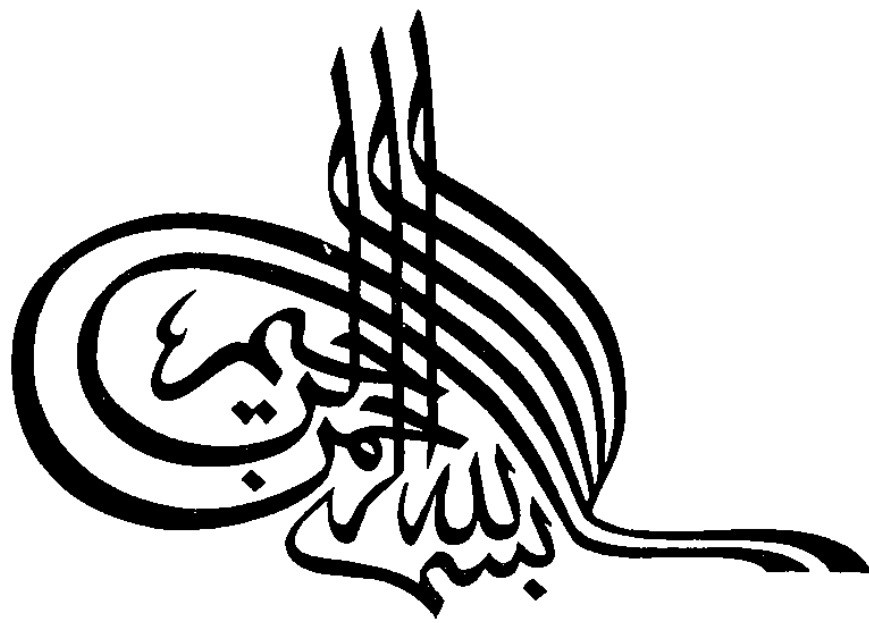
عقل تو سود و زیاں کے فکر میں اُلجھی رہی
جم گئے اہلِ جنوں خوف و خطر کے سامنے

....

مدتیں گزریں اُنہیں جس راہ سے گزرے ہوئے
روز لے آتا ہے دل اس رہ گذر کے سامنے

....

خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں رازِ حُسن و عشق
اہلِ دل ' اہلِ جنوں ' اہلِ نظر کے سامنے

....

میرا مقصد جستجو ہے اور پیہم جستجو
میری منزل ہے مری گردِ سفر کے سامنے

فہرستِ مضامین

تذکرہ وسوانح مولانا سید اسعد مدنیؒ

باب : ۱ .... نقوشِ زندگی، خاندانی حالات، تحصیل وتکمیلِ علم اور سیرت وسوانح کے مختلف روشن پہلو

باب : ۲ ...... سیرت وسوانح، علم وفضل، اوصاف وکمالات اور جامعیت ۔ ۶۳

باب : ۳ .... عظمتِ مقام، رفعتِ شان اور عالمانہ جلالتِ قدر ۔ ۱۰۵

باب : ۴ ...... شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، اوصاف وکمالات اور خدمات میں مماثلت ۔۔۔۔۔ ۱۲۷

باب : ۵ ...... امیر الہند فدائے ملتؒ، اعزہ واقرباء کی نظر میں ---- ۱۶۳

باب : ۶ .... نقوش وتأثرات ---------- ۱۹۳

باب : ۷ ...... قیادت وشجاعت' تدبر وبصیرت' سیاسی کارنامے

اور قومی وملی خدمات ---------- ۲۴۳

باب : ۱۰ ...... سلوک وارشاد اور مدنی نسبتیں ۔۔۔ ۳۶۳

باب : ۱۱ ...... مواعظ، خطبات اور افادات ۔۔۔ ۳۹۹

باب : ۱۲ .... منظوم خراجِ عقیدت ۔۔۔ ۴۳۷

باب : ۱۳ .... سفرِ آخرت ---- ۴۷۷

باب : ۱۴ .... متفرقات ---- ۵۰۳

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنگِ گراں ہیں راہ میں لاکھوں تو کیا ہوا
منزل چھپی ہوئی تو میرے حوصلوں میں ہے

....

منزل ہے دور، پھر بھی مسرّت یہ کم نہیں
ہمت بڑھی ہوئی ہے، کمی فاصلوں میں ہے

عرضِ مرتب

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الرسالہ۔

امیرالہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ ارتحال ملتِ اسلامیہ کا عظیم سانحہ اور حادثہ ہے۔ آپ جمعیت علماءِ ہند کے عظیم قائد، مسلمانوں کے بے باک رہنما، دارالعلوم دیوبند کے محافظ و پاسباں، ہزاروں مدارس کے سرپرست ونگہباں ہی نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ کے ولولوں اور اُمیدوں کے آخری سہارا تھے۔ آپ کی رحلت سے جمعیۃ علماءِ ہند، دارالعلوم دیوبند اور مدارسِ اسلامیہ ہندیہ بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ یتیم ہوگئی ہے۔

اصابت رائے، عزم و ہمت، جرأت و بے باکی، قوتِ عمل، ہمت مردانہ، اٹل ارادہ، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت، ملی وسماجی شعور، فکری اعتدال، احقاقِ حق و ابطالِ باطل آپ کا طرۂ امتیاز تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو علم وعمل، اخلاص وتقویٰ، کردار واخلاق، عزم واستقلال ملت کی درمندی اور ہمدردئ خلائق کے تابناک جوہر عطا کئے تھے۔

ان گوناگوں اوصاف وکمالات کے ساتھ آپ کی پوری زندگی جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کا عملی نمونہ تھی ملت اسلامیہ کے اس عظیم مجاہد اور معمارِ قوم نے جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی دینی ودنیوی فلاح وترقی، جان و مال کی حفاظت، دستوری حقوق کی بازیابی، شہریت کے تحفظ، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مظلوموں کی اعانت ودادرسی، ریلیف وبازآبادکاری، مدارسِ اسلامیہ اور تعلیمی اداروں کی سرپرستی

ونگہبانی، اسلامی اوقاف کی حفاظت، سماجی ومعاشرتی اصلاح، مسلم پرسنل لاء کی حفاظت، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، اقتدار میں حصہ داری اور مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی نمائندگی جیسے صدہا ملی مسائل کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اسی کے ساتھ یہ مردِ مجاہد فرقہ پرستی کی مخالفت، قومی یکجہتی کے فروغ، جمہوریت وسیکولرزم کے بقاواستحکام، امن وقانون کی بالادستی، ملک وملت کی تعمیر وترقی کے لئے سرگرمِ عمل رہا اور جمعیۃ علماءِ ہند کے اسٹیج سے پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا تک مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی اور حفاظت کے لئے ہمہ تن مصروفِ جہاد رہا۔ علاوہ ازیں آپ نے بیعت وارشاد کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کی ظاہری وباطنی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ الحاصل ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں جہاں آپ کی جدوجہد کے روشن نقوش موجود نہ ہوں۔

حضرت فدائے ملتؒ کے وصال کے بعد آپ کے پاکیزہ افکار وخیالات کو عام کرنا، مجاہدانہ خدمات سے نسلِ نو کو آگاہ کرنا اور آپ کے مشن اور ملی تحریکات سے روشناس کرانا، تمام وابستہ افراد اور اداروں بالخصوص جمعیۃ علماءِ ہند' دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماءِ اسلام پاکستان اور دیگر متوسلین کی ذمہ داری ہے، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ براری کے لئے ہر دونوں جمعیتیں اس کے لئے اقدام اور لائحہ عمل اختیار کرنے کے لئے اپنے اپنے اہداف پر کام کررہی ہیں۔ ماہنامہ القاسم نے بھی خریدارانِ یوسف میں اپنا نام لکھوانے کے لئے مولانا سید اسعد مدنیؒ نمبر کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے تاکہ آپ کی حیات وخدمات کے مختلف پہلو محفوظ ہوجائیں اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک تحریک اور ایک ادارہ تھے۔ وہ ایک ہمہ گیر وہمہ جہت وہمہ پہلو شخصیت تھے۔ قدرت نے انہیں نگاہِ بلند سخنِ دل نواز اور جان پرسوز ایسی صفاتِ حمیدہ سے نوازا تھا۔ وہ بیک وقت مفسر، محدث، خطیب، داعی مدبر، مجاہد، روحانی پیشوا، خادمِ خلق، پیکرِ ایثار، پیامِ انسانیت کے علمبردار اور ہندوستان کی سیاست میں اُمتِ مسلمہ کے لئے گل وگلزار تھے۔

جس نمبر کو پیش کرنے کی سعادت ماہنامہ القاسم کو ہورہی ہے، اس کے مضامین میں اور بیان کئے گئے اوصاف کے ہر وصف گویا ایک مستقل باب بلکہ کتاب ہے جو قارئین کی چشمِ بصیرت وبصارت کو تسکین دینے کے لئے، روح کو گرمانے کے لئے، قلب میں سوز پیدا کرنے کے لئے، برصغیر پاک وہند کے اربابِ

رشحاتِ قلم اور دنیا کے کونے کونے سے اصحابِ علم ودانش کی علمی وادبی کاوشوں سے جمع کئے گئے ہیں۔

بحمد للہ ڈیڑھ ماہ کی شبانہ روز محنت اور مسلسل کاوش کے بعد ہم اِس فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ اپنے محدود وسائل اور اپنی بے مایہ صلاحیتوں کے ساتھ اس عظیم نمبر کی تکمیل وتزئین کے لئے ہم جتنا کچھ بھی اپنی طالب علمانہ بساط کی حد تک اپنے جذبوں کو بروئے کار لا سکتے تھے، اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کا اندازہ آپ ہی فرمائیں گے کہ ہمیں اپنے ارادوں اور کوششوں میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

خدا کرے کہ یہ تمام محنت اور کوشش خلقِ خدا کی ہدایت اور راہنمائی کے کام آئے اور عند اللہ مقبول ہو۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی' جامعہ ابو ہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

۲۰ / جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ / ۱۷ / جون ۲۰۰۶ء

نتیجۂ فکر ! شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

قصیدۂ دار العلوم دیوبند

یہ قصیدہ حضرت شیخ الہندؒ نے ۲۰؍صفر ۱۳۲۴ھ کو ایک مجلس میں خود سنایا اور مجلس کو مضطرب و بے قرار بنا دیا۔ یہ نایاب اور بابرکت قصیدہ سینئر مولانا قاری محمد عبداللہ نے بھیجا ہے، ان ہی کی پسند اور انتخاب ہے اور ان کے شکریہ کے ساتھ نذرِ قارئین ہے ....(ادارہ)

رحمتِ حق کی ہے تمہید سمجھ او نادان ۔۔ پیش دنیا میں جو کچھ آتا ہے اندوہ و الم

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو ۔۔ ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

کل کی ہے بات کہ تھی جہل کی گھنگھور گھٹا ۔۔ جس طرف آنکھ اُٹھاتے تھے محیطِ عالم

آبِ حیواں کی طرح علم ہوا تھا مخفی ۔۔ ظلمتِ جہل سے مخلوق تھی اعمٰی و اصم

رحمتِ حق ہوئی حامی تو یکایک اُٹھے ۔۔ چند مردانِ خدا باندھ کے صف ٹھونک کے خم

سلسلہ ڈالا فقیرانہ بنامِ ایزد ۔۔ کوڑہ میں کہ جہاں بیٹھے ہیں ارباب ہمم

اتنے میں دیکھتے بس کیا ہیں کہ اِک مردِ خدا ۔۔ آرہا تیز روی سے ہے لئے ساتھ علم

اس مربی دل و جاں کی مسیحائی سے ۔۔ علمِ دیں زندہ ہوا جہل نے لی راہِ عدم

دولتِ علم سے سیراب کیا عالَم کو ۔۔ قاسم علم بھلا کیوں نہ ہو پھر اس کا علم

کام اس مدرسہ کا فضل و کرم سے اس کے ۔۔ الغرض روبہ ترقی ہی رہا ہر ہر دم

پھر تو کیا تھا دی خدا نے وہ ترقی اس کو ۔۔ دیکھ لیں آپ کہیں اپنی زباں سے کیا ہم

پیروی کرتے رہو سعی کو ہاتھوں سے نہ دو ۔۔ بدمے یا درمے یا قدمے یا بقلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ بنام مولانا محمد اسعد مدنیؒ

عزیزم اسعد سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
تمہارا خط پہونچا اور کتابوں کے امتحان اور نمبر کا حال معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ خدا کرے باقیماندہ کتابوں میں بھی ایسے ہی بلکہ اس سے اچھے نمبر آئیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے کتابوں کے پڑھنے اور یاد کرنے میں اچھی محنت کی ہے۔ اسی کی بہت ضرورت ہے۔ خوب محنت کے ساتھ کتابوں کو پڑھو اور جلد کامیابی کے ساتھ تمام علوم اور فنون سے واقفیت حاصل کر لو۔ علم ہی سے انسان شرافت حاصل کرتا ہے۔ یہ سب تمہاری محنت اور سعادتمندی کیلئے ذریعہ ہوگا۔ جناب تایا جی صاحب کی توجہ اور عنایت تمہارے لئے اکسیر ہے۔ ان کا حکم برابر مانا کرو۔ وہ تم پر بہت شفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہان میں فائز المرام فرمائے آمین۔ اور اپنی آپا کو ہمیشہ خوش رکھو۔ اور ان کا کہنا مانو اور کسی قسم کا فکر نہ کرو۔ میں نے اس سے پہلے خط بھیجا ہے تم کو ملا ہوگا۔ تم کو میری گرفتاری کا کچھ بھی خیال نہ ہونا چاہئے۔ اللہ کو منظور ہے تو میں جلد آؤں گا۔ سب لوگوں سے خصوصاً اپنی آپا، شبراتن، اپنی دونوں پھوپھیوں اور گھر کی تمام عورتوں سے سلام کہدو۔ نیز شبیر، نصیر، محمد امین، محمد مختار، متولی جی، حافظ جی، نیز محمد شفیع صاحب اور دیگر پرسان حال احباب سے سلام مسنون کہدو۔ والسلام

تمام اوستادوں کا ادب کیا کرو۔ کسی کی شان میں نہ پیچھے نہ سامنے کوئی گستاخی نہ کرو۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
۲۵ - رجب ۱۳۶۱

یہ خط تیرے جیب میں تھا۔ میں نے پہلے لکھا تھا مگر مولوی یسین صاحب نکالنا بھول گئے۔ تم نے مجھ کو کہا تھا کہ نصیحت تمکو لکھنا۔ میں نے پہلے خط میں بھی ضروری نصیحتیں لکھی تھیں اور اب بھی لکھ رہا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مطمئن الخاطر رہو کسی قسم کا فکر اور اضطراب دل میں نہ آنے دو اور نہ کسی سے اظہار کرو۔ اپنی آپا اور تایا جی صاحب کا حکم مانو کبھی خلاف نہ کرو۔ اوستادوں اور دیگر بزرگوں کا ادب کرو۔ پنجگانہ نماز اور جماعت کا خیال رکھو کسی وقت کی نماز قضا نہ ہو۔ صبح کے وقت کی نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرو۔ سب سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ بیشرم اور بدوضع لڑکوں اور طلباء کے پاس مت جاؤ۔ تمہارا خط ابھی صاف نہیں ہوا اسلئے لکھنے کی مشق زیادہ کرو۔ کتابوں کے پڑھنے میں پورا دھیان لگاؤ اور محنت کرو۔ سعادتمند اور ارشد، فریدہ، سعیدہ، شبیہ، صفیہ، رضیہ سب سے محبت سے پیش آؤ۔ بھائی محمد طیب صاحب، بھائی محمد ظفر صاحب، عزیزم فضل الرحمن اور ان کی والدہ ماجدہ، مولوی حمید الدین اور دیگر اعزہ سب کے سب تمہارے عزیز ہیں۔ خصوصاً بھائی طیب صاحب اور بھائی محمد شبیر صاحب ہم سب بھائیوں سے بڑے اور بجائے والد مرحوم کے ہیں ان کا ادب اور لحاظ کیا کرو۔ یہ سب تمہارے دادا مرحوم کا گھرانہ ہے۔ نیز ڈاکٹر زوار حسین صاحب اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ تا [illegible] اور محمد خلیل صاحب [illegible] صاحب تمہارے نانا مرحوم کی اولاد اور بہت قریبی رشتہ دار ہیں ان سے بھی ادب اور احترام کا معاملہ رکھو۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ
۲۵ رجب ۱۳۶۱

عزیزم اسعد علمکم اللہ تعالیٰ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

تمہارا خط پہنچا اور کتابوں کے امتحان اور نمبر کا حال معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ خدا کرے باقی ماندہ کتابوں میں بھی ایسے ہی بلکہ اس سے اچھے نمبر آئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے کتابوں کے پڑھنے اور یاد کرنے میں اچھی محنت کی ہے۔ اسی کی بہت ضرورت ہے، خوب محنت کے ساتھ کتابوں کو پڑھو اور جلد کامیابی کے ساتھ تمام علوم اور فنون سے فراغت حاصل کرلو۔ علم ہی سے انسان شرافت حاصل کرتا ہے۔ یہ سب تمہاری محنت کا اثر اور سعادتمندی کے لئے ذریعہ ہوگا۔ جناب قاری صاحب کی توجہ اور عنایت تمہارے لئے اکسیر ہے۔ اُن کا حکم برابر مانا کرو۔ وہ تم پر بہت شفیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو دونوں جہاں میں فائز المرام فرمائے۔ (آمین) اور اپنی آپا کو ہمیشہ خوش رکھو اور اُن کا کہنا مانو اور کسی قسم کا فکر نہ کرو، میں نے اس سے پہلے خط بھیجا ہے تم کو ملا ہوگا۔ تم کو میری گرفتاری کا کچھ بھی خیال نہ ہونا چاہئے۔ اللہ کو منظور ہے تو میں جلد آؤں گا۔ سب لوگوں سے خصوصاً اپنی آپا، شبراتن، اپنی دونوں پھوپھیوں اور گھر میں آنے والی عورتوں سے سلام کہدو۔ نیز شبیر، نصیر، محمد امین، محمد مختار، متولی جی، صوفی جی، منشی محمد شفیع صاحب اور دوسرے پرسانِ حال اصحاب سے سلام مسنون کہدو۔ والسلام

تمام استادوں کا ادب کیا کرو، کسی کی شان میں نہ پیچھے نہ سامنے کوئی گستاخی کرو۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ ...... ۲۰ رجب ۱۳۶۱ھ

یہ خط میرے جیب میں تھا، میں نے پہلے لکھا تھا مگر مولوی یٰسین صاحب نکالنا بھول گئے، تم نے مجھ سے کہا تھا کہ نصیحت مجھ کو لکھنا۔ میں نے پہلے خط میں بھی ضروری نصیحتیں لکھی تھیں اور اب بھی لکھ رہا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ مطمئن الخاطر رہو، کسی قسم کا فکر اور اضطراب دل میں نہ آنے دو اور نہ کسی سے اظہار کرو۔ اپنی آپا اور قاری صاحب کا حکم مانو، کبھی خلاف نہ کرو، استادوں اور دیگر مدرسین کا ادب کرو، پنجگانہ نماز اور جماعت کا خیال رکھو، کسی وقت کی نماز قضا نہ ہو، صبح کے وقت کی نماز کا بہت زیادہ انتظام کرو، سب سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ، شریر اور بدوضع لڑکوں اور طلبا کے پاس مت جاؤ۔ تمہارا خط ابھی صاف نہیں ہوا ہے اس لئے لکھنے کی مشق زیادہ کرو۔ کتابوں کے پڑھنے میں پورا دھیان لگاؤ اور محنت کرو۔ ریحانہ اور ارشد، فرید، سعید رشید، صفیہ، رضیہ سب سے محبت سے پیش آؤ۔ بھائی محمد ظہیر صاحب، بھائی محمد شبیر صاحب، عزیزم فضل الرحمٰن، اُن کی والدہ ماجدہ، مولوی حمید الدین اور دوسرے اعزہ سب کے سب ہمارے تمہارے عزیز ہیں۔ خصوصاً بھائی ظہیر صاحب اور بھائی محمد شبیر صاحب ہم سب بھائیوں سے بڑے اور بجائے ہمارے والد مرحوم کے ہیں، ان کا ادب اور لحاظ کرو، یہ سب ہمارے دادا مرحوم کا گھرانہ ہے۔ نیز ڈاکٹر زوار حسین صاحب، اُن کی ہمشیرہ صاحبہ فاضلہ لوبو اور منشی خلیل صاحب گارڈ صاحب یہ سب بھی ہمارے نانا مرحوم کی اولاد اور نہایت قریبی رشتہ دار ہیں، ان سے بھی ادب اور احترام کا معاملہ رکھو۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ ...... ۲۰ رجب ۱۳۶۱ھ

باب : ۱
نقوشِ زندگی، خاندانی حالات،
تحصیل و تکمیلِ علم، اور سیرت و
سوانح کے مختلف روشن پہلو

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

حیاتِ طیبہ پر ایک نظر

پیدائش: ۴؍ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷؍اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام دیوبند (اسی سال آپ کے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ دار العلوم کی صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بچھرایوں ضلع مرادآباد کے حکیم سید غلام علی صاحب کی چھوٹی صاحب زادی تھیں، جن سے حضرت شیخ الاسلامؒ نے مالٹا سے واپسی کے بعد نکاح فرمایا تھا)

والدہ کا وصال: ابھی آپ کی عمر ۹؍سال تھی کہ ۱۳۵۵ھ میں آپ کی والدہ محترمہ کا وصال ہوگیا۔

ابتدائی تعلیم: حضرت شیخ الاسلامؒ کے خادم خاص اور خانوادۂ مدنی کے مربی حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ سے آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم اور فراغت: اس کے بعد دار العلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۵ھ میں دار العلوم سے فراغت حاصل کی، بعد ازاں چند سال مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

تدریسی خدمات: ۲۸؍شوال ۱۳۷۰ھ کو آپ کا دار العلوم دیوبند میں تقرر ہوا اور ۱۳۸۲ھ تک ۱۲؍سال آپ نے درس نظامی کی ابتدائی اور متوسط کتابوں کا درس دیا۔

قیادت کے افق پر: ابتدا میں آپ جمعیۃ علماء شہر دیوبند کے نائب صدر بنائے گئے، ۱۹۶۰ء میں آپ اتر پردیش جمعیۃ کے صدر بنے، ۱۹۶۳ء میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند نے آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی نامزد کیا، اور اگست ۱۹۷۳ء میں آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا، جس پر آپ آخر تک جلوہ افروز رہے اور اس منصب پر رہتے ہوئے قوم وملت کے لئے بے مثال خدمات انجام دیں۔

پارلیمنٹ کی رکنیت: آپ تین مرتبہ پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا راجیہ سبھا کے رکن رہے، پہلی مرتبہ: ۱۹۶۸ سے ۱۹۷۴ تک، دوسری مرتبہ: ۱۹۸۰ سے ۱۹۸۶ تک اور تیسری مرتبہ: ۱۹۸۸ سے ۱۹۹۴ء تک۔

منصب رشد وہدایت پر: آپ حضرت شیخ الاسلامؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کے حکم سے آپ کو خلافت دی، نیز حضرت شیخ الاسلامؒ کے سبھی خلفاء نے مل کر آپ کو اجازت بیعت سے نوازا اور

حضرتؒ کے متوسلین کو آپ کی طرف رجوع ہونے کی تلقین کی، چناں چہ تادم واپسیں آپ نے مدنی خانقاہ کو آباد اور شاداب رکھا، اور بلا ناغہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا تسلسل قائم رکھا، اور ڈھائی سو سے زیادہ افراد کو آپ نے بیعت کی اجازت دی۔ آپ کا روحانی فیض چاردانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

حج وزیارت: آپ کو حرمین شریفین کی حاضری اور حج وزیارت سے خصوصی انس تھا، سالوں سے بلا ناغہ ہر سال حج کا معمول تھا۔ احقر کے اندازہ کے مطابق آپ نے ۴۰ر سے زیادہ حج کیے ہوں گے۔ اور درمیان سال میں بھی عمرے کے لئے کئی کئی سفر ہو جایا کرتے تھے۔

ملی خدمات کے اہم عنوانات: تحفظ مدارس ومساجد، تحفظ اوقاف، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، مسلمانوں کے لئے ریزرویشن اور فسادات میں معقول معاوضہ کی تحریک، ملک وملت بچاؤ تحریک، فرقہ واریت مخالف کونشن، سیاہ بل کے خلاف تحریک، ادارۃ المباحث الفقہیہ، فتنۂ قادیانیت کی بیخ کنی، تردید عیسائیت، تردید مودودیت، تردید منکرین حدیث، ملت مسلم اتحاد، سیکولر سیاسی پارٹی کے قیام کی کوشش وغیرہ اور دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ۔

وفات: ۷ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ر فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر بوقت شام پونے چھ بجے بمقام اپولو ہسپتال دہلی۔

نماز جنازہ: ۸ر محرم الحرام مطابق ۷ر فروری صبح ۲۵-۷ منٹ پر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تدفین: مزار قاسمی دیوبند میں (حضرت شیخ الاسلامؒ کے دائیں جانب) دفن کیا گیا، ہزاروں ہزار افراد نے نمناک آنکھوں سے اپنے ہردل عزیز قائد کو الوداع کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً ☐☐☐

قاری تنویر احمد شریفی کراچی

حضرت امیر الہندؒ کا سوانحی خاکہ

نام: مولانا سید اسعد مدنیؒ ابن مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

ولادت: ۶ رذی قعدہ ۱۳۴۶ھ/ ۲۷ اپریل ۱۹۲۸ء بہ روز جمعۃ المبارک

بہ مقام: بچھراؤں ضلع سہارن پور

اساتذۂ کرام: والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا قاری اصغر علیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا عبدالحق اکوڑویؒ۔

دورۂ حدیث سے فراغت: دارالعلوم دیوبند۔ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ/ جولائی ۱۹۴۶ء

تعلق بیعت وارادت: والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ اگست ۱۹۴۶ء میں مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے مشورے سے قائم کیا۔

فراغت کے بعد: مدینہ منورہ میں دوڈھائی سال مقیم رہے۔

نکاح اول: مولانا سید احمد مہاجر مدنیؒ کی صاحب زادی سے نکاح ہوا۔ مرحومہ کا مدینہ منورہ میں ہی انتقال ہوا۔ اس کے بعد دوسرا نکاح مولانا حمید الدینؒ کی صاحب زادی سے ہوا۔

تدریس: دارالعلوم دیوبند۔ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ/ جولائی ۱۹۵۱ء تا ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء = بارہ سال۔

خلافت: ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا انتقال ہوا۔ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے حکم پر خلفائے حضرت شیخ الاسلامؒ نے خلافت دی اور مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے بھی خلافت عطا فرمائی۔ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بھی خلافت حاصل ہے۔

جمعیت علمائے ہند: صفر المظفر ۱۳۸۳ھ/ جولائی ۱۹۶۳ء میں جمعیت کے ناظم عمومی مقرر ہوئے۔ شعبان

المعظم ۱۳۹۲ھ/ستمبر ۱۹۷۱ء میں صدر اور امیر منتخب ہوئے۔ ۲۸ربیع الاول ۱۴۰۷ھ/یکم دسمبر ۱۹۸۶ء میں نائب امیر الہند مقرر کیا گیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، جو امیر الہند کے منصب پر تھے، کے انتقال کے بعد ۶رذوالحجہ ۱۴۱۲ھ/ ۷رجون ۱۹۹۲ء کو امیر الہند کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا۔

ممبر پارلیمنٹ: مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے انتقال کے بعد مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ۱۹۶۴ء میں پہلی مرتبہ ممبر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد کئی مرتبہ مقرر ہوئے۔

تصانیف: تصنیف وتالیف کا کام اپنی مصروفیات کے باعث انجام نہ دے سکے، لیکن پھر بھی چند تاریخی تحریرات یہ ہیں:

۱۔ خود ساختہ داستان- حقائق کے آئینے میں!

۲۔ بابری مسجد- تاریخ حقایق کی روشنی میں!

۳۔ صدائے حق (پارلیمنٹ کی تقاریر کا مجموعہ)

۴۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سے مراسلت

۵۔ خطبات امیر الہندؒ (زیر ترتیب)

وفات: ۷رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ/۶رفروری ۲۰۰۶ء

عمر: ۸۰ سال ۲ ماہ ایک دن/۷۷ سال ۶ ماہ ۷ دن

اولاد: مولانا احمد مدنی فاضل ومہتمم مدرسۂ علوم شرعیہ۔ مدینہ منورہ

مولانا سید محمود احمد مدنی فاضل دیوبند، ناظم جمعیت علمائے ہند

مولانا سید مسعود احمد مدنی فاضل دیوبند

مولانا سید محمد مدنی فاضل دیوبند

مولانا سید مودود مدنی فاضل دیوبند

دو صاحب زادیاں ہیں۔ ایک مولانا انوار الرحمٰن ابن مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری کے نکاح میں ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا شیر محمد امینی

حیات وخدمات پر ایک نظر

۶ر فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ر محرم ۱۴۲۷ھ کو شام پونے چھ بجے، دہلی کے اپولو ہسپتال میں جمعیۃ علماء کے صدر امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی - رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ - کی زندگی کا افتاب غروب ہوگیا، یہ دن ملی، قومی و دینی حوالے سے ایک عظیم سانحہ کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں، ایک امت کا ہے، رونا ایک خاندان کا نہیں، پوری ملت کا ہے، لیکن موت ایسی اٹل حقیقت ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں، ہر موجود کو فنا کے گھاٹ اترنا ہے، کل نفس ذائقة الموت سے ہر ایک کا سابقہ اتنا ہی یقینی ہے، جتنا ہر موجود کو ہر آنے والی سانس پر زندگی کا احساس۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

امیر الہند، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی - نور اللہ مرقدہ - کی شخصیت اس دور میں جہد مسلسل اور حق کی حمایت کے لئے شبانہ روز محنت اور جدو جہد کا عنوان تھی۔ آپ کی ۸۰ر سالہ زندگی کے بیشتر لمحے قوم وملت کے لئے وقف رہے، آپ کی مخلصانہ اور دور اندیشانہ رہنمائی سے ملت اسلامیہ برابر مستفیض ہوتی رہی۔

مولانا مرحوم اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، جب کبھی دین وملت کے خلاف کوئی ناز یبا بات سامنے آتی، وہ سینہ سپر ہو جاتے اور آواز اٹھاتے، تاریخ میں ایسی شخصیات کم گزری ہیں، جنھوں نے سیاست کے ساتھ اصلاحِ باطن کو بھی جمع کیا، اور عوامی وسماجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی علمی اشغال اور تزکیۂ نفس کی طرف توجہ کی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پوری ایمانی جرأت و جمعیت کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا، اور

متعدد بار جیل بھی گئے، وہ ایک ربانی بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے، دوسری طرف تربیت وتزکیۂ نفس اور دعوت واصلاح کا کام بھی کرتے تھے، ان سب خصوصیات کو ان کے فرزند اکبر مولانا سید اسعد مدنیؒ نے اپنے اندر جمع کرلیا تھا۔ چنانچہ وہ تعلیم وتدریس سے بھی وابستہ رہے، انھوں نے دعوت واصلاح کے کام کے ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اختیار کیا، جس کی انھوں نے ملت کے فلاح وبہبود کے لئے ضرورت سمجھی۔

ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے، جہاں آپ کی جدوجہد کے روشن نقوش موجود نہ ہوں، آپ نے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت ایسے وقت سنبھالی، جب کہ جماعت کے صف اوّل کے قائدین دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اور ملک کے طول وعرض میں ہولناک فسادات نے ملک کو دہشت زدہ کردیا تھا، آپ ملک میں امن وامان کے قیام اور قومی یکجہتی قائم رکھنے اور سیکولر اقدار وروایات کی حفاظت کے لئے آخری دم تک محنت کرتے رہے، اسی دوران آپ نے جمعیۃ علماء کو ایک ہمہ گیر، بلکہ عالم گیر تنظیم کی شکل میں تبدیل کردیا۔

جمعیۃ علماء ہند کے مختلف اجلاس عام کے خطباتِ صدارت اور دیگر کانفرنسوں کی صدارتی و افتتاحی کلمات مولانا مرحوم کی بیدار مغزی، ژرف نگاہی اور بصیرت افروزی کے عمدہ نمونے ہیں، ان کی قیادت میں جمعیۃ علماء مسلمانوں کی موثر ترجمان اور تعمیر ملت کی داعی تنظیم کی حیثیت سے ابھری، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی باز آبادکاری میں تاریخی ومثالی رول ادا کیا ہے، انسانی حقوق کی پاسداری، اور کمزور طبقوں کی تعلیمی واقتصادی ترقی کے لئے ان کے کام سے جمعیۃ کو بڑا وقار اور احترام ملا، ان کے عہد نظامت وصدارت میں ملک وملت کا شاید کوئی مسئلہ ہو، جو جمعیۃ علماء ہند کا مرکز توجہ نہ بنا ہو، وقت کے تمام مسائل اس کے احاطۂ جدوجہد میں رہے ہیں، سیکڑوں دینی، سماجی، فلاحی اداروں کی سرپرستی ورکنیت کا انھیں شرف حاصل رہا ہے، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرمہ، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، موتمر اسلامی تیونس، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، مرکزی وقف کونسل، اردو کونسل، ہمدرد ٹرسٹ، مرکزی حج کمیٹی کے رکن ہونے کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ، اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے بانی ارکان میں سے تھے۔ مولانا مدنی کی شخصیت مختلف شعبہ ہائے زندگی کو محیط اور ملک وبیرونِ ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی دینی، ملی رہنمائی، دعوت وتبلیغ، روحانی تربیت سب ان کا محور تھیں۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظر اور اپنے اثر کو، مسلمانوں کے مسائل

کو جمعیۃ علماء ہند کی وساطت سے قومی اسٹیج تک لے جانے کی کوشش کی، جمعیۃ علماء ہند کی نمائندہ حیثیت منوانے کے لئے مسلمانوں کے مسائل کو مسلم محلوں کی گلیوں تک محدود نہیں رکھا، اسی احساس کے تحت جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کو گلی قاسم جان سے وہ آئی. ٹی. او کے قریب مسجد عبدالنبی میں لے گئے، یہ شہر کا مرکزی مقام ہے۔ وہ مسلمانوں کے مسائل کو مسلمانوں کی نظر سے دیکھنے اور دکھانے کے قائل نہیں تھے۔ یہی خصوصیت ان کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند کو مسلمانوں کی دیگر تنظیموں سے ممتاز کرتی ہے۔ مولانا کا یہ کارنامہ معمولی نہیں کہ انھوں نے جمعیۃ کا دفتر ایسی جگہ پر بنادیا، جس پر ساری دنیا کی نظر پڑتی ہے۔

مولانا کے دورِ قیادت میں، مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں جو جلسے اور اجلاس ہوئے، وہ سپر ہاؤس میں ہوئے، فکی آڈیٹوریم میں ہوئے، رام لیلا گراؤنڈ میں ہوئے، ان جلسوں میں ہر سیاسی پارٹی کے نمائندوں کو مدعو کیا گیا، اس طرح مسلمانوں کے بارے میں ایک قومی رائے پیدا کرنے کی کوشش کی، انھوں نے اپنے کام کو جلسے جلوس تک محدود نہیں رکھا، جب ضرورت سمجھی، عوامی پُرامن احتجاجی تحریک شروع کرنے میں تکلف نہیں کیا، اس سلسلے میں ''ملک وملت بچاؤ'' کے دو دور قابل ذکر ہیں، ان تحریکوں کو ملک کے ہر حصے سے حمایت ملی، ان تحریکوں کی بدولت ہر سیاسی پارٹی مسلمانوں کے مسائل پر غور کرنے اور ان کے حل کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگی ہے۔ ترقی پسند اتحاد حکومت نے اپنے کم سے کم پروگرام میں اس کو جگہ دی ہے۔ تازہ ترین وزارت سازی میں اقلیتی امور کی وزارت کا قیام اس جہت میں ایک اہم پیش رفت ہے۔ اس کے علاوہ اس دستخطی مہم کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، جو مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ، اسمبلیوں، سرکاری محکموں اور تعلیمی اداروں میں ریزرویشن دلانے کے لئے چلائی گئی تھی، آزادی کے بعد اردو کے حق میں چلائی گئی وسیع دستخطی مہم کے بعد یہ دوسری بڑی مہم تھی، ان مطالبات کے حق میں میمورنڈم اکیس لاکھ افراد کے دستخطوں سے صدر جمہوریہ کو پیش کیا گیا۔ حضرت مولانا کے دور میں جن اہم کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا، ان میں سے چند کے نام اور عنوان ملاحظہ فرمائیں: جیسے دینی تعلیمی کنونشن، جمہوری کنونشن ۱۹۶۴ء، اوقاف کانفرنس ۱۹۷۹ء، تعلیمی وملی کانفرنس ۱۹۸۴ء، فرقہ واریت مخالف کنونشن ۱۹۹۱ء، قومی اتحاد کانفرنس ۱۹۹۲ء، تحفظ شریعت کانفرنس ۱۹۹۳ء، تحفظ شریعت کنونشن ۱۹۹۳ء، قومی کانفرنس ۱۹۹۴ء، یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن ۱۹۹۵ء، ان کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام کا ہر خطبۂ صدارت ملک وملت کے مسائل پر جامع تبصرہ اور مفصل تجزیہ ہوا کرتا تھا۔ ان کے دورِ صدارت میں اجلاس عام کو خاص اہمیت دی گئی، اس کو ملی مسائل کو قومی منظر پر ابھارنے کا وسیلہ بنایا

گیا، یہ عنوانات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل پر ان کی گرفت کتنی مضبوط تھی، اس کے علاوہ فرقہ وارانہ فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی دادرسی و بحالی کے لئے ان کی قیادت میں جو کام ہوا، وہ پوری کتاب کا مستحق ہے۔

گجرات کے مسئلے پر جمعیۃ نے مسلمانوں کے ساتھ ہوئے ظلم کو سختی سے ملک کے لیڈروں کے سامنے اُٹھایا، اور بڑے پیانے پر گجرات میں متاثرین کی باز آبادکاری کا کام کیا، پچھلے چند سالوں میں جب سے امریکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک طرح سے نفرت آمیز دشمنی کا مورچہ کھولا ہے، اور پوری دنیا میں مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے، مولانا علیہ الرحمہ نے علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ جلسے اور کنونشن کر کے غیر مسلم عوام اور حکومت کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، اور یہ مسئلہ مولانا نے مختلف ممالک میں اٹھا کر مسلمانوں کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش فرمائی۔

مدارس اسلامیہ کی اہمیت و مرکزیت اور افادیت کے پیش نظر، تحریک مدارس کے سرخیل، مفکر ملت مولانا سید اسعد مدنی نے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مدارس کی ترقی واستحکام میں قابل قدر اور لائق رشک خدمات انجام دی ہیں، مدارس کے ذریعہ ملک وملت کی خدمت کا یہ جذبہ ان کا موروثی تھا، جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی -نور اللہ مرقدہ- سے انہیں ملا تھا۔ دارالعلوم اور جمعیۃ علماء کے بنیادی اغراض و مقاصد میں علوم عربیہ واسلامیہ کی اشاعت وترویج اور مختلف مقامات پر مدارس عربیہ کا قیام شامل تھا، اس غرض کو روبہ عمل لانے کے لئے، اکابر کے نقش قدم پر، مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمہ نے بھی مکاتب و مدارس اسلامیہ کے قیام کے سلسلے میں بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے دینی تعلیم کے فروغ کے لئے ایک مستقل بورڈ قائم کر رکھا تھا، مولانا مرحوم نے اس کو ترقی اور فعالیت کی راہ پر گامزن رکھا، اور اس کے لئے درج ذیل نظام تجویز فرمایا:

(۱) دینی تعلیم کو ہر گھر، ہر مکتب اور ہر اسکول، کالج تک عام کرنے کے لئے جدوجہد اور ہر مسجد کو دینی تعلیم کا سینٹر بنانا۔

(۲) دینی مکاتب و مدارس کے لئے تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرنا، اور اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لئے سینٹر قائم کرنا۔

(۳) پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کرنا، دینی تعلیمی اداروں میں باہمی تعاون و اشتراک کی فضا قائم کرنا۔

(۴) دینی تعلیم کی ترویج واشاعت کے لئے عام مسلمانوں میں دینی اجتماعات منعقد کرنا، اور مشاہیر علماء کرام اور ماہرین تعلیم کا ایک بورڈ قائم کرنا، جو ملک کا دورہ کرے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے مطابق ان کی رہنمائی کرے۔

حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ کے طویل دور نظامت وصدارت میں مذکورہ امور کی انجام دہی جاری رہی، اور ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی جمعیۃ علماء ہند کی اکائیوں کو ہدایت دی گئی کہ مجوزہ نظامِ عمل اور رہ نما اصولوں کی روشنی میں دینی تعلیم کا نظم قائم کیا جائے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے چپے چپے میں دینی مکاتب اور اسلامی مدارس کا جال بچھ گیا۔ مولانا مرحوم مدارس کے مسائل بڑی توجہ سے سنتے اور ان کو حل کرنے کے لئے ہر ممکن تعاون فرماتے، اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دور دراز اور پسماندہ علاقوں کے مدارس کے تعلیمی واصلاحی پروگراموں میں شرکت فرماتے، جمعیۃ کے اجتماعات میں ذمہ دارانِ مدارس کو مدعو کرتے، ملک وملت کے حوالے سے اپنی امیدوں اور اندیشوں سے فرزندانِ توحید کو آگاہ فرماتے، درپیش خطرات سے بچنے کی موثر تدابیر پیش کرتے، حالات کی نامساعدت کے باوجود مدارس کی تعمیر وترقی کا جامع پروگرام آپ نے جاری رکھا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

فرقہ پرست عناصر نے جب امن وامان اور شرافت وانسانیت کے گہواروں یعنی مدارس کو بدنام کرنا شروع کیا، مدارس کو ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز اور دہشت گردی کی آماج گاہ تک کہا جانے لگا تو حضرت مولانا نے پوری پامردی کے ساتھ ان کو للکارا اور ان کی بھرپور مذمت کی، مدارس اسلامیہ کو داخلی اور خارجی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے مولانا مرحوم نے مدارس کے باہمی ربط واتحاد کے فروغ پر زور دیا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا کی تحریک پر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے فیصلے کے مطابق، دارالعلوم دیوبند میں اکتوبر ۱۹۹۴ء میں پورے ملک کے مدارس عربیہ اسلامیہ کے نمائندوں کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں اتفاق رائے سے مدارس کی تنظیم ”رابطہ مدارس اسلامیہ“ کا قیام عمل میں آیا۔ اس رابطہ کے بڑے نتائج مرتب ہوئے، مدارس اسلامیہ کے حوالے سے مولانا مرحوم کی خدمات کا تذکرہ ادھورا رہے گا، اگر دارالعلوم دیوبند کا ذکر نہ کیا جائے۔ کون نہیں جانتا کہ بحرانی دور سے دارالعلوم کو نکالنے اور تعمیر وترقی کی وسیع شاہراہ پر گامزن رکھنے میں ان کی مساعی جمیلہ کا بڑا دخل ہے، تعلیمی اور تعمیری ہر لحاظ سے پچھلے چند سالوں میں دارالعلوم نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، نظم وضبط بہتر ہوا ہے، معیارِ تعلیم وتربیت بلند ہورہا ہے،

پرانی عمارتوں کی مرمت اور جدید عمارتوں کی تعمیر بڑے پیمانے پر جاری ہے، یہی وجہ ہے کہ دار العلوم دیو بند کے در و دیوار اپنے اس عظیم معمار کے انتقال پر ماتم کناں اور سوگوار ہیں۔

ویران ہے میکدہ ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ کو محبوبیت وفدائیت کا مقام حاصل تھا۔ تاحیات منصب رشد و ہدایت پر فائز رہے، اگرچہ انھیں اصلاً خصوصی خلافت واجازت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی، تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تمام خلفاء و خدام نے متفق ہو کر اجازت سے نوازا تھا۔ اس اعتبار سے آپ کا حلقہ بہت وسیع ہے، اس سلسلے میں آپ کے اتنے دعوتی وتبلیغی اسفار، ملک و بیرون ممالک ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے سیاح بھی ان سے پیچھے رہ جائیں گے۔ عبادت اور ذکر وفکر کا انہاک و معمول مثالی تھا۔ مدھیہ پردیش کے مفتی مولانا عبدالرزاق اور دوسرے بہت سے حضرات یہ کہتے تھے کہ ہمیں مولانا اسعد مدنیؒ کی نماز نے گرویدہ بنایا ہے، سیاسی حلقوں میں بھی انھیں احترام حاصل تھا، تمام سیاسی پارٹیوں کے ذمہ دار لحاظ کرتے تھے، اور ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے، حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے ہم سے جدا ہو جانے سے ایک بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے، جس کا پورے ملک وملت کو شدت سے احساس ہے، مولانا کی زندگی ہمارے لئے سراپا جدوجہد اور قوم وملت کے لئے بے مثال قربانی پیش کرنے کی ترغیب اور تحریک وعمل کا پیغام ہے۔ مولانا نے دین وسیاست، اصلاح وتربیت اور ملی جدوجہد کے جذبہ و آتش کو جس طرح نباہ کر دکھایا، وہ غیر معمولی اور ناقابل فراموش ہے، بقول شاعر۔

بر کفے جام شریعت ، بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

مولانا ملک وملت کی گراں بار ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھاتے اٹھاتے تھک چکے تھے، اس لئے ان کے پروردگار نے انھیں ابدی آرام کے لئے اپنے پاس بلالیا۔ خدا اس مردِ جلیل کی مغفرت فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اُس گھر کی نگہبانی کرے

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری

خاندانی نجابت، تعلیم وتربیت، درس وتدریس اور قومی وملی اور سیاسی خدمات

مؤرخہ ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶؍فروری ۲۰۰۶ء بروزِ پیر جمعیۃ علماءِ ہند کے صدر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے ربِّ حقیقی سے جاملے (انا للّٰہ و انا الیہ راجعون) آپ کی نمازِ جنازہ دیوبند میں حضرت مولانا طلحہ صاحب کی امامت میں ادا کی گئی۔ بعض حضرات کی اطلاع کے مطابق چار لاکھ لوگوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ اپنے والد گرامی حضرت شیخ الاسلامؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ بڑے ذاکر، شاغل، پاکباز و باخدا انسان تھے۔ مستجاب الدعا ایسے کہ جس نے ستایا اوران کے لئے بددعا نکلی تو وہ پنپنے نہیں پایا۔ کشف ان کا بہت قوی تھا، ویسے حضرتؒ کے اسلاف سب کے سب اولیاء اللہ تھے۔ حضرتِ اقدس مدنیؒ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ہمارے خاندان اولیاء اللہ اور سچے فقراءِ باطن کا ہے، جہاں تک میں نے والد مرحوم سے سنا ہے دادا مرحوم یا ان سے پہلے لوگ اہلِ وطن اور اہلِ نسبت تھے، دنیادار اور مال ومتاع وزمین کے کتے نہ تھے''۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۹۸ ج ۴، مکتوب نمبر ۱۰۸)

آپ تقویٰ وطہات، علم وعمل، سیاسی بصیرت، ملی وقومی خدمت میں اپنے والد گرامی کے صحیح جانشین اور خلف الصدق تھے۔

آپ کی ولادت ۶؍ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷؍اپریل بروزِ جمعہ دیوبند ہوئی۔ حضرتِ اقدس مدنیؒ نے اپنے اسفار اور کثرتِ مشاغل کی وجہ سے آپ کی تربیت حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب (معتمدِ خصوصی

حضرت شیخ الاسلامؒ) کے سپرد کی تھی۔ قاری صاحبؒ نے اس طرح تربیت فرمائی کہ بلاضرورت گھر سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی، ضروریات کی ہر چیز اور تفریحات کا ہر سامان گھر میں مہیا کیا جاتا تھا۔ باہر سے آئے ہوئے مہمانوں اور حضرتؒ کے مریدین سے بلاضرورت ملاقات وگفتگو تک کی اجازت نہ تھی کہ مبادا ان حضرات کی عقیدت وشیفتگی عجب ونخوت یا دوسرے ذمائم کا سبب بن جائے۔

تربیت کا ایک واقعہ :

ان حالات میں ایک مرتبہ حضرتؒ کو ایک مغتنم فرصت میسر آ گئی کہ قاری صاحب بیمار ہوکر اپنے وطن تشریف لے گئے اور حضرت والد صاحبؒ کے متعلق یہ علم تھا، وہ آج ۱۰ ربجے صبح کی ٹرین سے سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں، چنانچہ آپ چند دوستوں کے ساتھ پک نِک کے طرز کی ایک تفریح کے لئے شہر سے باہر چلے گئے اور صبح سے گئے تو شام ۳ ربجے واپس آئے۔ کئی میل کا پیدل سفر تھا، تھک کر چور ہو گئے، مگر طبیعت مطمئن تھی اب کھانے اور کھیلنے کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں اور کوئی نگران بھی باز پرس کرنے والا نہیں، مگر جوں جوں آبادی کے قریب ہوئے یہ طلسم ٹوٹتا گیا، جو شخص بھی ملتا حیرت سے دیکھتا اور کہتا حضرت (مدنیؒ) نے تمام شہر میں تم لوگوں کی تلاش میں آدمی دوڑائے ہیں، القصہ آپ پہنچے، حضرتؒ باہر مجلس عام میں تشریف فرما تھے، اندر تشریف لائے اور ضَرَبَ یَضْرِبُ کی عملی گردان شروع فرمائی، چار طمانچے مارے اور فرمایا تو نے یہ سمجھ لیا کہ میں سفر پر رہتا ہوں تو، تو آزاد ہو گیا ہے، جس دن میں قبر میں چلا جاؤں اس دن سمجھنا تو آزاد ہے۔ اکثر اولاد کو ڈانٹتے ہوئے یہ فرماتے :

''گدھے! دوزخ کا کندہ بننا چاہتا ہے، کیا اسی لئے پیدا ہوا تھا''؟

(شیخ الاسلام نمبر ص ۲۳۳، ردوبدل کے ساتھ)

ابتدا سے انتہا تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد ۱۳۷۰ھ سے ۱۳۸۲ھ تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس طرح مسلسل بارہ سال متوسط کتابوں کا درس دیا۔

اللہ تعالیٰ کو آپ سے سرزمینِ ہند پر مختلف النوع خدمات لینی تھیں تو درس وتدریس کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور ملی وقومی خدمات میں زندگی بھر مصروف رہے۔ آپ کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

تدریسی ذمہ داری سے فراغت پر ابتداء میں جمعیۃ علماء اُترپردیش کے صدر منتخب کیے گئے، پھر ۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علماءِ ہند کے ناظمِ عمومی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس دور میں آپ نے جس مجاہدہ ومحنت سے قوم وملت کی خدمات کی ہیں، اس کی تفصیل بڑی طویل اور قابلِ رشک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے اپنی بے مثال جدوجہد سے جماعت میں ایک نئی جان ڈال دی، اور ۱۹۷۲ء میں جمعیۃ علماءِ ہند کے بالاتفاق صدر منتخب کئے گئے اور

تادفات اس عہدۂ عظیم پر فائز رہے۔

جمعیۃ علماء کی ترقی آپ کی توجہات اور انتھک محنت کی رہینِ منت ہے۔ ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۴ء تک مختلف مرحلوں میں مجموعی طور پر ۱۸؍سال تک پارلیمنٹ کے ایوانِ اعلیٰ (راجیہ سبھا) کے ممبر بھی بنے۔

۱۹۶۲ء میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ کے سانحۂ ارتحال سے مظلوموں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے لئے اور فرقہ پرستی، ناانصافی کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کے سلسلے میں جو خلا پیدا ہوا تھا، اسے حضرتؒ نے بخوبی پُر کیا۔ جرأت و ہمت، حق گوئی میں علماءِ دیوبند کے صحیح وارث تھے، کسی بھی مقام پر مداہنت کو گوارہ نہ فرما کر بغیر کسی خوف وملامت کے احقاقِ حق کا جو فریضہ انجام دیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پارلیمنٹ میں کی گئی تقاریر کسی کی نظر سے گزری ہوں تو وہ محسوس کرے گا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس درجہ جرأت وہمت عطا فرمائی تھی۔ بطورِ نمونہ چند اقتباسات ناظرین کی خدمت میں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اُڑیسہ بہار کے سیلاب زدگان کی مدد کے لئے آپ نے مرکزی سرکاری پر زور ڈالتے ہوئے فرمایا کہ :

> ''کسی پارٹی کی گورنمنٹ ہو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ غریب لوگ مرتے جائیں اور راجہ بیٹھے رہیں منسٹر بنے ہوئے اپنی کرسیاں سنبھالے رہیں اور انسان کی جان کی کوئی قدر نہ ہو''۔ ایسی کرپٹ گورنمنٹ ہے جو اپنی کرسی بچانے میں لگی ہوئی ہے اور اس سے آپ رپورٹ مانگتے ہیں، یہ پارٹی کا سوال نہیں، انسانیت کا سوال ہے''۔ (صدائے حق ص۷۶، ۷۷)

ایک موقع پر فرقہ پرست عناصر نے الزام لگایا کہ مسلمان کئی کئی شادیاں کرتے ہیں اور اس کے لئے پارلیمنٹ میں نکاح بل پیش کیا گیا تو حضرتؒ نے اس کی مخالفت میں سخت بیان دیا اور فرمایا :

> ''اگر گورنمنٹ مردم شماری کرے تو شاید مسلمانوں میں ہزار میں سے ایک دو فیملیاں بھی ایسی نہیں نکلیں گی جنھوں نے کئی کئی شادیاں کر رکھی ہوں، جس چیز کا عام وجود نہیں اس کے لئے یہ واویلا کیوں؟ اس سے کہیں زیادہ قتل، چوریاں، ریپ اور زنا اور طرح طرح کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ عورتیں ہماری بہنیں ہیں' مائیں ہیں' بیٹیاں ہیں' صرف بیویاں نہیں' ہم کو عورتوں کی عزت وآبرو عزیز ہے۔ آج سینما اور فحش تصویروں سے طرح طرح کی خرابیاں بڑھ رہی ہے، صرف چند روپے کمانے کے لئے کہ سینما کمپنیاں لکھ پتی ہو جائیں اور گورنمنٹ کو زیادہ ٹیکس ملے تمام معاشرہ کو عیب دار بنایا جارہا ہے۔ اس واقعہ کے خلاف، میں احتجاج کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس طرح کیوں بدنام کیا جاتا ہے؟ اس ہاؤس میں اس طرح کی باتیں کرنے کی کیوں

اجازت دی جاتی ہے''؟۔(صدائے حق ص۱۰۰)

۴/مارچ ۲۰۰۳ء کو بڑی صفائی کے ساتھ فرمایا:

''یاد رکھئے ! ایک ظلم سے ہزار ظلم جنم لیتے ہیں اور معاملات خراب ہوتے ہیں۔آج مسلمان انتہائی مصیبت اور پریشانی میں ہیں، ایسے وقت میں اس معاملہ کو نہ دیکھنا اور صحیح رُخ اختیار نہ کرنا غداروں کا کام ہے، جھوٹ اور بے ایمانی ہے اور یہ ملک کے ساتھ کوئی وفاداری ہرگز نہیں ہے، وفاداری کا تقاضہ یہ ہے کہ ملک کے تمام بسنے والوں کو چین، امن اور سکھ سے رہنے کا موقع دیا جائے اور ملک کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے''۔(صدائے حق ص۲۵۷)

الغرض مسئلہ آسام، شہریت کے مسائل، بابری مسجد، مقابر و مساجد کے تحفظ، فسادات کی روک تھام، ریلوے، امن و قانون کی بحالی، مسلم یونیورسٹی، اس کا اقلیتی کردار، اقلیتوں، خصوصاً مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ، زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کی مناسب نمائندگی، یکساں سول کوڈ، مسلم پرسنل لاء اور وقف جیسے مسائل و مشکلات پر حضرتؒ نے جس جرأت و صفائی سے اپنے نقطۂ نظر و خیالات کو پیش کیا ہے، حتیٰ کہ اپنے پارٹی کے خلاف بھی جس بیباکی سے محض انصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور امن و قانون کی بالاتری کے لئے آوازِ حق بلند کی ہے، وہ صداقت شعاری، حق گوئی کی روشن مثالیں ہیں۔(حضرتؒ) کی ایوانِ اعلیٰ میں کی گئی وہ تقاریر ''صدائے حق'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے)ان تقریروں کے مطالعے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ حضرتؒ نے مظلوموں کی حمایت اور حب وطنی کی ایک تاریخ رقم کی ہے، ایسی مثال بہت کم ہے کہ پارٹی کے مفاد سے اوپر اُٹھ کر محض انصاف اور سچائی کے حق میں آواز بلند کی گئی ہو، لیکن حضرتؒ نے اس شاندار روایت کی پوری پاسداری کی ہے۔(صدائے حق، ص۷)

برطانیہ کے سفر میں راقم نے متعدد مرتبہ آپ کا بیان سنا، پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ بغیر کسی کی پرواہ کئے کہ کوئی میرے بیان میں آوے، نہ آوے، کوئی مسجد والا میرا بیان رکھے، نہ رکھے، اپنی بات مکمل کر فرماتے۔

مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کو اسلامی اسکول کی ترغیب دیتے اور لوگوں کو متوجہ فرماتے کہ اپنے اسلامی اسکول ہر ہر شہر میں کھولیں، بہت صاف الفاظ میں فرماتے، اگر ان ممالک میں رہتے ہوئے تمہارے دین کی حفاظت مشکل ہو یا تمہاری اولاد دین سے نکل رہی ہو تو تمہارے لئے ان ممالک میں قیام کرنا حرام ہے اور تم پر ہجرت فرض ہے۔

حضرتؒ کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ کل ہند امارتِ شرعیہ کا قیام بھی ہے، جس کے پہلے صدر حضرت

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور نائب صدر حضرتؒ منتخب کے گئے۔۹۲ء میں حضرت محدثؒ کی وفات کے بعد ۹؍مئی ۹۲ء کے عظیم الشان نمائندہ اجتماع نے آپ کو امیر الہند منتخب کیا اور وفات تک اس عہدہ پر قائم رہے۔

ایک سال قبل حکومت سعودی عرب نے حضرتؒ کو غسلِ کعبہ کی تقریب سعید میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر مدعو کیا تھا، جس میں حضرتؒ نے شرکت فرمائی ......

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست

دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ میں بدقسمتی سے علماءِ دیوبند دو جماعت میں بٹ گئے اور یہ اختلاف اتنا شدت اختیار کر گیا کہ مقدمہ تک نوبت آ گئی، ایک دوسرے کے خلاف اشتہار بازی ہوئی۔ اکابر سے زیادہ اصاغر نے حصہ لیا، پون صدی تک اختلافات کی خلیج قائم رہی، مگر پچھلے سال حج کے موقع پر حضرتؒ کی شدتِ علالت کی وجہ سے جب آپ شاہ فہد ہسپتال جدہ میں داخل کئے گئے تو حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہٗ کا فون مزاج پُرسی کے بہانے سے گیا اور اللہ تعالیٰ نے عداوت کو محبت سے بدلنے کا فیصلہ فرمایا' حضرتؒ روبہ صحت ہو کر ہندوستان تشریف لائے تو فوراً حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا، جس نے اس اختلاف کی آہنی دیوار کو ایک دم ڈھا دیا۔

حضرتؒ کا گرامی نامہ مولانا محمد سالم مدظلہٗ کے نام :

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

اُمید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے خاکسار کی صحت وعافیت اور خیریت پوچھی۔ حج سے فراغت کے بعد طبیعت حد سے زیادہ ناساز ہونے کی وجہ سے کنگ فہد ہسپتال کے آئی، سی، یو، میں داخل ہو گیا، جہاں ڈکٹروں کی خصوصی توجہ رہی، اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی، تین دن ہسپتال میں رہ کر کل ۳۰؍جنوری ۲۰۰۵ء کو بخیر وعافیت مدینہ منورہ سے دہلی واپسی ہوئی۔ الحمدللہ رفتہ رفتہ روبہ صحت ہو رہا ہوں۔ خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نانوتوی قدس سرہٗ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں، ہم تو ان کی خاک کے برابر بھی نہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے اور ہیں، اس لئے جو کہا، کیا اور رہا، اس

کو معاف کرنا چاہئے اور آخرت کے لئے نہیں رکھنا چاہئے۔ دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

اس گرامی نامہ کے جواب میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے بھی جواباً جو مکتوب تحریر فرمایا وہ بھی قابلِ مطالعہ ہے (ترجمان دیوبند مارچ ۲۰۰۵ء میں وہ شائع ہو چکا ہے)

اس چیز کا تذکرہ یہاں کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ یہ دونوں اکابر تو ایک دوسرے سے مل کر، معافی مانگ کر اپنی آخرت درست کر گئے اور جنہوں نے ان حضرات کے اختلافات پر کسی ایک کی حمایت میں دوسرے کی غیبت یا تحقیر و تذلیل کی انہیں اپنی آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ بہر حال اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق لینا ہے کہ اکابر کے اختلافات کے سلسلہ میں زبان درازی، ایک دوسرے کی حقارت و غیبت سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' ہر صاحبِ علم کو ضرور پڑھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے قلم سے اس کتاب میں ایسی باتیں جمع کروادی ہیں جنہیں اگر خالی الذہن ہو کر اصلاح کی نیت سے پڑھا جائے تو زبان کی بُرائی، اہلِ علم کی توہین اور اکابر کی دل میں کدورت سے ضرور حفاظت ہو جائے گی۔

مولانا عزیز احمد اعظمی آپ کے متعلق لکھتے ہیں :

''صاحبزادہ عزیزم اسعد سلمہ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور آج کل دارالعلوم ہی میں مدرس ہیں۔ موصوف بہت اچھے مقرر، نیک صالح ہیں، مہمان نوازی، تواضع و انکسار اور اخلاق وایثار میں اپنے والدؒ کے صحیح جانشین ہیں۔ موصوف اپنے والدؒ سے بیعت ہیں اور اشغالِ باطنی میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے زیر سرپرستی پوری جدوجہد کی۔ حضرت شیخ الاسلام کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مجاز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے اور حضرت شیخ کے دیگر خلفاء نے صاحبزادہ اسعد سلمہ کو بیعت کی اجازت دی ہے''۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۲۳۹)

راقم کا بیعت کا تعلق حضرتؒ ہی سے تھا۔ غالباً ۱۹۶۸ء میں جب حضرتؒ برطانیہ تشریف لائے تو ٹنی ٹن (برطانیہ کی ایک بستی کا نام ہے، اس زمانہ میں میرا قیام وہیں تھا) تو میں نے بعد نمازِ عشاء بیعت کی درخواست کی۔ اوّل تو اپنے مخصوص انداز میں پوچھا، کون ہے؟ حضرت جد امجد مولانا مفتی مرغوب احمد صاحبؒ کا پوتے ہونے کی نسبت معلوم کر کے فرمایا صبح بعد فجر ملنا، نمازِ فجر سے فراغت پر خود یاد فرما کر تنہائی میں بیعت فرمایا۔ صبح و شام کی

تسبیحات کے ساتھ ذکرِ جہری کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور حضرت مولانا حسن صاحب مدظلہ (خلیفۂ مجاز حضرتؒ) سے فرمایا کہ اس کو ذکرِ جہری سکھا دیں۔ تین دن کے بعد دردِ سر کی وجہ سے ذکرِ جہری موقوف کروا دیا۔ صرف تسبیحاتِ صبح وشام پر پابندی کی ترغیب دی۔ افسوس اس طویل عرصہ میں حضرتؒ سے سوائے رسمی بیعت کے کچھ حاصل نہ کر سکا۔

حضرت شیخؒ کی سوانح میں ایک ملفوظ نظر سے گذرا، جس میں حضرتؒ کے متعلق دُعا کا تذکرہ ہے تو خیال آیا کہ اسے بھی یہاں نقل کر دوں :

> ''ہندوستان کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، بڑے ہنگامے ہو رہے ہیں، ہمارے مولوی اسعد نے سنا ایک الٹی میٹم بھی دیا ہے ان کو کہ فلانے وقت تک اگر بند نہ ہوئے تو میں سول نافرمانی شروع کروں گا، وہ وہی وقت ہوگا جو میرے وہاں جانے کا ہوگا، دیکھئے! کیا کروں ۔بھئی! بہت دُعا کیجیو ۔اللہ تعالیٰ مولوی اسعد کی بہت ہی مدد کرے، بے چارہ تنِ تنہا ہے وہ اور لڑ پڑا۔ اس کا خط مدینہ آیا تھا، اس میں لکھا تھا میں نے یہ اعلان کیا ہے، دعا کیجیے بھی اور کرائیے بھی ۔ وہاں بھی دوستوں سے کہتا رہا، تم حضرات سے بھی عرض کروں گا۔ بھئی ! مولوی اسعد کے واسطے بہت ہی اہتمام سے دعا کیجئے، اللہ تعالیٰ بہت ہی کامیابی عطا فرماوے''

(حضرت شیخ الحدیث اور ان کے خلفائے کرام ص: ۳۷۰، ج ۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی ریاست علی قاسمی

ایک شجرِ سایہ دار

برصغیر میں دینی، ملی، قومی، ملکی اور سیاسی خدمات کے حوالہ سے جن ممتاز اور نامور شخصیات کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان میں عالم اسلام کے عظیم رہنماء، عبقری شخصیت، فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سابق صدر جمعیۃ علماءِ ہند کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے، جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے :

خاندان اور ولادت :

آپ حسینی سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو تقریباً انیس پشت قبل ہندوستان آیا تھا، آپ کی والد ماجد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ہندوستان کے نامور بزرگ، شہرۂ آفاق محدث، تحریکِ آزادی ہند کے عظیم قائد ورہنما دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث اور مشہور شیخ طریقت تھے اس بابرکت خاندان میں ۱۶ / ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷ / اپریل ۱۹۲۸ء بروزِ جمعہ بمقامِ دیوبند آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے دیوبند آکر مقیم ہوگئے تھے، بعد میں آپ نے دیوبند میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

تعلیم اور فراغت :

آپ کا تعلیمی سلسلہ از ابتداء تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں جاری رہا، قرآن کریم حفظ وناظرہ، دینیات، تجوید اور درسِ نظامی کی جملہ کتب دارالعلوم ہی میں پڑھیں اور ۱۹۴۷ء میں فراغت پائی۔

اساتذۂ کرام :

آپ کے اساتذہ کرام میں آپ کے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے علاوہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، امام المعقولات علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی، مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری، مولانا قاری اصغر علی صاحب سہسپوری، مولانا جلیل احمد

صاحب کیرانوی، مولانا سید فخر الحسن مراد آبادیؒ جیسے جلیل القدر اکابرین اور علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب شامل ہیں۔

خاص اور ممتاز رفقاءِ درس :

آپ کے خاص رفقاءِ درس میں مولانا قاری محمد میاں صاحب گلاؤٹھیؒ سابق صدر جمعیۃ علماءِ صوبہ دہلی و استاذ حدیث مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، مولانا قاری مشتاق احمد بلند شہریؒ، سابق شیخ الحدیث جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ، مولانا عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنی، مولانا قاری شریف صاحب گنگوہیؒ، مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

درس وتدریس :

فراغت کے بعد مختصر مدت کے لئے اپنے والد کے ہمراہ صرف اوران کی خدمت کی سعادت حاصل کی، پھر شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء مسلسل بارہ سال تک درسِ نظامی کی کتب کا درس دارالعلوم دیوبند میں دیا، آپ کے زیرِ تدریس عام طور سے متوسط درجہ کی کتب رہتی تھیں، پھر ملی ضروریات اور قومی خدمات کے پیش نظر تدریسی سلسلہ موقوف ہوگیا اور آپ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے۔

جمعیۃ علماءِ ہند سے وابستگی اور مختلف عہدوں پر خدمات :

جمعیۃ علماءِ ہند اور اس کے مقاصد سے تعلق آپ کو ورثہ میں ملا تھا، تاہم اس کے ساتھ عملی طور سے وابستگی کا آغاز جمعیۃ علماءِ دیوبند کے نائب صدر کی حیثیت سے ہوا۔ اس وقت ان کے والد بقید حیات تھے، پھر جمعیۃ علماء اُتر پردیش کا صدر منتخب کرلیا گیا، اس دوران آپ کی قومی، ملی اور اجتماعی خدمات جمعیۃ علماء کی تاریخ کا سنگ میل ہیں۔

جمعیۃ علماءِ ہند کی نظامتِ عمومی اور صدارت :

۹؍اگست ۱۹۶۳ء کو آپ کو جمعیۃ علماءِ ہند کی نظامتِ عمومی کے منصب پر فائز کیا گیا اور اپنی بے مثال جدوجہد سے پوری جماعت میں تازگی پیدا کی، جمعیۃ علماءِ ہند کے ورکروں میں نئی روح پھونک دی اور مکمل دس سال تک آپ نے اس عظیم منصب کو زینت بخشی، پھر ۱۱؍اگست ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ کی مرکزی صدارت نے آپ کی قدم بوسی کی اور اتفاقِ رائے سے جمعیۃ علماءِ ہند کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور اپنی حیات مستعار کے

آخری سانس ۶ رفروری ۲۰۰۶ء تقریباً ۴۳ سال تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی لڑائی اربابِ اقتدار سے لڑی، ملی اُمور اور مسلمانوں کے مسائل میں کبھی مصلحت کوشی سے آپ نے کبھی کام نہیں لیا۔ آپ نے اسلاف کے سچے جانشین اور اکابر کے ورثہ کے امین اور رہنما ہونے کے ناطے جمعیۃ علماءِ ہند کے وقار اور اس کے اثرات ہی میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس کے وسائل اور ذرائع میں بھی اضافہ کیا ہے۔

آپ نے اپنے دورِ صدارت و نظامت میں پورے ملک میں جمعیۃ علماءِ ہند کی شاخوں کا جال پھیلا دیا اور اس کے تمام شعبوں کو اتنا شاندار متحرک اور فعال بنا دیا کہ جمعیۃ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جمعیۃ علماءِ ہند کے تعلق سے آپ کی خدماتِ جلیلہ کے عنوانات (جو اپنی جگہ مستقل تاریخ ہیں) کی مختصر فہرست اس طرح ہے۔ فسادات کی روک تھام اور مظلومین کی امداد اور فریاد رسی، مسئلہ کشمیر، مسئلہ آسام مسلم اوقاف کی حفاظت اور جدوجہد اردو کا تحفظ اور اس کی بقاء عالم اسلام سے ملت کا واسطہ اور تعلق، بابری مسجد، مسلم یونیورسٹی کا تحفظ اور اس کے اقلیتی کردار کی بحالی کے لئے جدوجہد، مسئلہ ارتداد اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ، مسلمانوں کی اقتصادی بحالی کے پروگرام، مسلم پرسنل لاء، تحفظ حرمین شریفین، مسئلہ فلسطین، مسئلہ افغانستان، چیچنیا، بوسنیا ہرزے گووینا، مسئلہ عراق وکویت، تحفظِ شریعت، تحفظِ حقوق شہریت، یکساں سول کوڈ، اصلاحِ معاشرہ، رویتِ ہلال، امارتِ شرعیہ، مسئلہ کوسٹوڈین، جبری نسبندی، تعمیری وتعلیمی پروگرام ابتدائی علاقوں میں مکاتب کا قیام عصری تعلیمی اداروں کا قیام اور اس کے لئے جدوجہد ملت اسلامیہ ہندیہ کے حقوق کی بازیابی کے لئے جدوجہد اور کوشش فرقِ باطلہ اور فرقِ ضالہ کا دفاع، فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی کے لئے جدوجہد، مسلک دیوبند اور اکابرینِ دیوبند کی خدماتِ جلیلہ کا عالمِ اسلام میں تعارف دارالعلوم دیوبند اور دیگر عظیم مدارس کی سرپرستی اور شوریٰ کی رُکنیت، محاکم شرعیہ کا قیام، ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام اور مشکل مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے پورے ملک کے مفتیانِ کرام اور بابصیرت علماءِ کرام کے فقہی اجتماعات ہیں جو مستقل تصانیف کی متقاضی ہیں اور ان شاءاللہ کوئی مؤرخ اس عظیم خدمت کو انجام دے گا۔

امیر الہند کا منصبِ جلیل :

ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے امارتِ شرعیہ کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کی دیرینہ آرزو اور علماءِ کرام کی جدوجہد کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ اس کا آغاز انگریزی دورِ حکومت میں ۲۰ رفروری ۱۹۱۹ء سے ہو گیا تھا۔ جمعیۃ علماءِ ہند نے اپنے قیام کے روزِ اوّل سے کل ہند طریقہ پر امارتِ شرعیہ کے قیام کی جانب بھرپور توجہ مبذول رکھی اور مختلف مواقع پر اس کے لئے کسی نہ کسی حد تک جدوجہد جاری رہی، چنانچہ صوبہ بہار میں جمعیۃ علماءِ ہند

کی جدوجہد سے امارتِ شرعیہ کا نظام ۱۹۲۱ء سے برابر جاری ہے اور اس وقت مولانا نظام الدین صاحب دامت برکاتہم بہار کے چھٹے امیر شریعت ہیں، اس سعی مسلسل کے نتیجہ میں جمعیۃ علماءِ ہند کی دعوت پر ۲؍نومبر ۱۹۸۶ء مدنی ہال بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں علماءِ کرام، مفتیانِ عظام اور دانشورانِ ملک وملت کا ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا جس میں پورے ملک کے چودہ صوبوں سے تین ہزار سے زائد افراد شریک تھے اور باتفاقِ رائے امارتِ شرعیہ ہند کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، اس کا اوّلین امیر الہند محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ اور نائب امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو منتخب کیا گیا، پھر فوراً بعد امیر الہند کے دست مبارک پر حاضرین نے بیعت فرمائی اور شرعی اُمور میں سمع وطاعت پر عہد کیا۔ پھر امیر الہند اوّل حضرت محدث کبیرؒ کے وصال کے بعد ۹؍مئی ۱۹۹۲ء کے عظیم الشان نمائندہ اجتماع میں حضرت والا کو امیر الہندؒ منتخب کیا گیا۔ مجاہد ملت کے وصال کے بعد پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا میں کوئی مسلمانوں کا ترجمان باقی نہ رہا تھا، اس لئے حضرت والا نے ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کی رکنیت قبول فرمائی اور مسلسل اٹھارہ سال (تین ٹرم) تک حضرت مولانا راجیہ سبھا کے رُکن رہے اور برابر حضرت والا کی حق وصداقت کی آوازوں سے ایوانِ حکومت گونجتا رہا۔ آپ کی پارلیمانی تقاریر (صدائے حق) کے نام سے شائع ہوچکی ہیں۔ آپ اگرچہ پشتینی کانگریسی تھے اور کانگریس کی حمایت بالواسطہ نہیں بلکہ براہِ راست کرتے تھے لیکن انہوں نے جمعیۃ علماء ہند کو کانگریس یا کسی اور سیاسی پارٹی کی ذیلی تنظیم نہیں بننے دیا اور کانگریس میں رہتے ہوئے کانگریس کے غلط اقدامات پر برابر نکیر فرماتے رہے اور ان کی غلط کاریوں سے ایوانِ حکومت کو مطلع کرتے رہے اور مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لئے برابر کوشاں رہے۔

دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کی سرپرستی :

آپ دارالعلوم دیوبند کے فرزندِ جلیل اور نامور فیض یافتگان میں سے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند ہی سے آپ کو سب کچھ حاصل ہوا۔ بلاشبہ آپ اپنے مادرِ علمی کے مخلص سپوت ہیں، اس لئے مادرِ علمی کی خدمت اور اس کی ترقی واستحکام کے لئے جدوجہد آپ کا نصب العین رہا ہے۔ فراغت کے بعد مسلسل بارہ سال تک تدریسی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے، پھر بعض ملی، قومی تقاضوں کے پیش نظر اگرچہ آپ نے تدریسی ذمہ داریوں سے خود علیحدگی اختیار کرلی تھی مگر باہر رہ کر دارالعلوم دیوبند کی خدمت انجام دیتے رہے۔ چنانچہ صدر جمہوریہ عالی جناب فخر الدین علی مرحوم کی دارالعلوم دیوبند تشریف آوری کے موقع پر اس طرح اجلاس صد سالہ کے موقع پر دارالعلوم کے لئے آپ کی خدمات دارالعلوم کی تاریخ میں سنہرا باب ہیں لیکن شعبان ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کی ہیئت حاکمہ

میں شامل ہو گئے اور دار العلوم کے وسائل کی توسیع اور دیگر اُمور میں آپ کی مخلصانہ کاوشیں آخری دم تک قائم رہیں، اور آپ کی مساعی جمیلہ سے دار العلوم کا حلقۂ اثر داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے شاہراہ ترقی پر رواں دواں رہا۔ دار العلوم دیوبند میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام، شعبہ تخصص فی الحدیث، شعبہ انگریزی ادب، شیخ الہند اکیڈمی وغیرہ کا اضافہ آپ کی خصوصی دلچسپی کا ثمرہ ہے۔ نیز ۸/ربیع الاوّل ۱۳۷۸ھ سے مسلسل آپ مجلسِ شوریٰ مدرسہ شاہی مرادآباد کے رُکنِ رکین ہیں۔ مدرسہ شاہی کی تعمیری، تعلیمی اور انتظامی اور آپ کی دلچسپی تادم حیات قائم رہی ہے، مدرسہ شاہی میں آپ کی حیثیت سرپرست اعلیٰ کی تھی۔ مدرسہ شاہی آپ کی اصابت رائے، عاقبت اندیشانہ فیصلوں سے برابر مستفید ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ عربیہ خادم الاسلامہ ہاپوڑ، دار العلوم حسینیہ مظفرنگر، مدرسہ محمودیہ سروٹ، مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ، نور العلوم بہرائچ، ادارہ محمدی لکھیم پوری کھیری، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، مدرسہ حسینیہ جونپور نیز بہار، بنگال، آسام، گجرات، راجستھان، میوات، ہریانہ، پنجاب، مہاراشٹر، آندھراپردیش، مدھیہ پردیش، اُڑیسہ، کرناٹک وغیرہ کے مدارس شامل ہیں۔

دیگر ذمہ داریاں :

مدارس کی سرپرستی، جمعیۃ علماءِ ہند کی صدارت، امارتِ شرعیہ ہند کی قیادت کے علاوہ آپ جن اداروں سے بحیثیت رکن وابستہ رہے، ان کے نام اس طرح ہیں، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مرکزی وقف کونسل، ہمدرد ٹرسٹ دہلی، مرکزی حج کمیٹی، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر اسلامی تیونسیا، مؤتمر فقہی ریاض، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وغیرہ ان تمام اداروں سے وابستہ رہ کر آپ نے قوم وملت کی بےلوث خدمات انجام دی ہیں۔

بیعت وارشاد :

آپ کا بیعت وارشاد کا تعلق اپنے والد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے تھا، انہی کی زیرسرپرستی رہ کر آپ نے سلوک کے منازل طے فرمائے اور شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد تمام ہی خلفاء شیخ الاسلام نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، پھر خواص اور عوام الناس کی عظیم تعداد نے آپ سے بیعت ہوکر اپنی اصلاح فرمائی۔ ملک وبیرونِ ملک میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مریدین ہیں، جن میں سینکڑوں کی تعداد میں خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے ہوں گے، ماہ رمضان میں مسجد رشید دار العلوم دیوبند آپ کے شیدائیوں سے کچھا کچھ بھری رہتی اور معرفت کے جام پی کر عشقِ الٰہی میں مست رہتے۔ آج آپ کی رحلت سے

ایک دنیا سونی ہوگئی ہے اور ایک عظیم خانقاہ اُجڑ گئی ہے۔ ایک عظیم تربیت گاہ پر ماتم کے بادل چھا گئے ہیں ......

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مجمع حسنات وخصائل :

غرض آپ کمالات وفضائل کا مجمع البحار تھے اور آنے والی نسل بلاشبہ آپ کے لائق تقلید کارناموں سے فائدہ اُٹھائے گی اور آنے والے مؤرخین آپ کی حیاتِ طیبہ کے مخفی گوشوں پر لکھتے رہیں گے۔

علالت اور وفات :

آپ متعدد مواقع پر طویل بیماریوں کے عوارض سے دوچار ہے اور طبیعت سنبھل جانے کے بعد اپنی ملی، قومی واصلاحی خدمات میں مصروف ہو جاتے تھے اور آپ کے ملک و بیرونِ ملک طویل اسفار سے ہم جیسے کم ہمتوں کو رشک آتا۔ آخری مرتبہ ماہِ رمضان ۱۴۲۶ھ میں آپ کو عارضۂ قلب کا دورہ پڑا، پھر عید الفطر کے بعد آپ گر پڑے اور آپ کے سر میں چوٹ آئی، پھر برابر آپ کو غشی طاری رہی۔ اپولو ہسپتال میں زیر علاج رہے اور مکمل علاج آپ کو فراہم کیا گیا۔ عالمِ اسلام میں آپ کی صحت کے لئے دعا ہوئی، مگر وقت موعود آ چکا تھا۔ بالآخر ۶ رفروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ بروزِ پیر شام قبل مغرب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

جنازہ دیوبند لے جایا گیا، بعد نمازِ فجر مورخہ ۸ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو آپ کی نمازِ جنازہ حضرت مولانا محمد طلحہ مدظلہ کی امامت میں لاکھوں افراد نے ادا کی اور مقبرہ قاسمی میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میاں محمد الیاس کنجاہلوی

مختصر سوانح

امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ جو شیخ الاسلام مولانا سیدنا حسین احمد مدنیؒ کے لختِ جگر اور جانشین تھے اور لاکھوں مسلمانانِ ہند کا مرجع اور مرکز تھے۔ ۶ رفروری بروزِ پیر اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انّا الیہ راجعون۔

مولانا اسعد مدنیؒ ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت مدنیؒ اپنے عہد کے علماء کے امام وامیر' دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث اور اہل علم کے سرتاج و ماہتاب تھے۔ آپ کی تربیت اس عالم ربانی اور محبوب سبحانی کے ہاتھوں ہوئی جس سے بڑھ کر تربیت کرنے والا اس وقت روئے زمین پر نہ تھا اور تعلیم اس شخص کے زیر سایہ ہوئی جس سے بڑا معلم کرۂ ارض پر نہ تھا۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ نے اوّل سے آخر تک دار العلوم دیو بند میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبد الحق حقانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب مراد آبادیؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے اساطینِ اُمت شامل ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے دار العلوم دیو بند میں تدریس سے عملی زندگی کا آغاز کیا اور حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں، اپنے والد حضرت مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور انہی کے زیر سایہ روحانی درجات طے کیے۔ آپ کی روحانی تربیت اکابر ثلاثہ حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ کے زیر سایہ ہوئی۔ ۱۹۵۷ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد حضرت مدنیؒ کے خلفاء کی متفقہ اجازت سے آپ حضرت مدنیؒ کے جانشین قرار پائے۔

حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ کی خوش بختی تھی کہ حضرت الامام مدنیؒ کے چشمۂ علم وعرفان سے جہاں اوروں نے اپنی بساط اور ظرف کے مطابق شراب طہور کے جام بھرے۔ آپ نے خم کے خم لنڈھائے، مگر نہ تو مست ہوئے نہ کسی کو خبر ہوئی۔ اس کا پتہ تبھی چلا جب انہوں نے خود کو علمی اور اصلاحی میدان میں اپنے والد کا نعم البدل

ثابت کر دکھایا۔ خدمت اور صرف خدمت اس مدنی زادے کی نس نس میں بسی ہوئی تھی، اپنے والد کی قیادت میں صاحبزادہ بننے کے بجائے خادم زادہ بن کر رہے اور اس کے بعد بھی خادم ہی کی حیثیت سے عمر بتا دی۔

دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد سیاست میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے شانے سے شانہ ملا کر چلتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد جمعیت علمائے ہند کے امیر چنے گئے اور ہندوستان میں مسلم حقوق کے سب سے بڑے علمبردار، محافظ اور پشتیبان کے طور پر اپنے آپ کو منوایا۔ ۱۹۶۷ء میں پہلی بار بھارتی لوک سبھا (قومی اسمبلی) کے ممبر منتخب ہوئے اور تھوڑے سے وقفہ کے استثناء کے سوا عمر بھر رُکنِ پارلیمنٹ منتخب ہوتے رہے۔ وہ طویل سیاسی اور پارلیمانی تجربہ رکھتے تھے اور پارلیمنٹ کے اندر اور باہر مسلمانوں کی سب سے مضبوط آواز سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمان جس حال میں اور جس حیثیت میں بس اور جی رہے ہیں، اس حال میں ان کے قومی تشخص کو منوانے کے لئے آپؒ عمر بھر شب و روز سرگرمِ عمل رہے۔ ہمہ وقت مسلمانانِ ہند کی خدمت اور ان کے وجود و شعائر کا تحفظ مولانا اسعد مدنیؒ کا شِعار رہا۔ مسلمانوں کے دینی و دنیوی مدارس و کالجز، اوقاف واملاک کا تحفظ اور ملازمتوں میں بلحاظِ آبادی نمائندگی کو یقینی بنانا ان کی نمایاں خدمات ہیں، مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ مسلم فنڈ کا قیام ہے جو انہوں نے انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ شروع کیا تھا، مگر آج مسلمانانِ ہند کا سب سے بڑا اور مؤثر مالی ادارہ ہے جو ان کو تجارت و کاروبار کے لئے بلاسود قرضے دیتا ہے، مختلف کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدرسوں میں زیرِ تعلیم طالب علموں کو وظائف دیتا ہے۔ غریب و مسکین اور بے بس مسلمانوں کو ماہانہ وظیفے جاری کئے ہیں اور حقدار مسلمانوں کی بچیوں کی شادی اور بے گھروں کیلئے مکانات کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔

چنانچہ بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم فنڈ سے کروڑوں مسلمان مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ تاوفات دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ ملیہ دہلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مجالس شوریٰ کے رکن، آل انڈیا شریعت بورڈ، مؤتمر عالم اسلام کے ممبر، جمعیت علماءِ ہند کے امیر اور دارالعلوم دیوبند کے ابنائے قدیم کی مؤتمر کے صدر رہے۔ اس کے علاوہ لاکھوں طالبانِ حق کے مرشد و مرجع بھی تھے۔ آسام سے پنجاب اور دامن ہمالیہ سے بحرِ ہند کے ساحلوں تک پھیلے ہوئے ملک ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں مسلمان ان کے دامنِ معرفت سے وابستہ تھے اور وہ اپنے حلقۂ ارادت کے لوگوں کی عملی اصلاح اور روحانی تربیت کے لئے مسلسل سفر میں رہتے۔ دین متین کی دعوت و تبلیغ کے کام میں ہمیشہ مستعد رہتے۔ وہ فی الواقع آسمانِ ہند تلے سرمایۂ ملت کے نگہبان بن کر زندہ رہے اور اسی حیثیت میں انتقال فرمایا۔

مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ علم وعرفان کی جن منزلوں پر تھے، اپنے والد کی زندگی میں کسی کو نظر ہی نہ آتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں اسباق کے بعد جو وقت بچتا وہ حضرت مدنیؒ اور ان کے مہمانوں کی خدمت میں گزرتا، مگر دسمبر ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد مدنی سلسلہ کے شیوخِ طریقت نے جب اصلاح و تربیت کا بوجھ ان کے کندھوں پر ڈال دیا، تب وہ عمر کی صرف تیس بہاریں ہی دیکھ پائے تھے اور ظاہر ہے کہ تیس سال کی عمر میں اپنی اصلاح تو کی جاسکتی ہے، مگر ہزاروں لاکھوں مریدوں کو سنبھالنا عمر خضر کا تقاضا کرتا ہے۔ اس میدان میں علم سے کہیں زیادہ تجربہ اور مشاہدہ کام دیتا ہے۔ مگر مولانا محمد اسعدؒ نے یہ کام بھی کر دکھایا اور سلہٹ سے خیبر تک پھیلے ہوئے لاکھوں مریدانِ مدنیؒ کی اصلاح وتربیت کا فریضہ سرانجام دیا اور عمر بھر دیا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے ہزاروں لاکھوں مرید وعقیدت مندوں کے مسکن پاکستان کے کئی اسفار کیے۔ لاہور کا جامعہ مدنیہ جہاں حضرت شیخ الاسلامؒ کے سلسلۂ طریقت میں مجاز مولانا سید حامد میاںؒ اپنا چراغ جلائے ہوئے تھے، مولانا سید اسعدؒ مدنی نے پاکستان میں اسی جامعہ کو اپنا مستقر بنایا اور ہزاروں ''مدنی'' یہاں آ کر ان سے اصلاح لیتے تھے۔

وہ اپنے اسلاف واکابر کی محبت وعقیدت سے سرشار تھے۔ پاکستان آمد پر حضرت مولانا عزیر گلؒ ''اسیر مالٹا'' کی خدمت میں ضرور حاضری دیتے اور ان کے گاؤں سخاکوٹ کا مستقل سفر کرتے۔ راستے ہی میں اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک سے ملاقات کرتے اور دعائیں لیتے۔ جمعیت علماءِ اسلام کے ناظمِ عمومی مفکر اسلام حضرت مفتی محمودؒ اور ان کی وفات کے بعد قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ سے خصوصی ملاقاتیں ہوتیں اور ان کو اپنی مفید مشاورت سے نوازتے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ جو حضرت شیخ الاسلامؒ کی محبت میں سرشار اور ان کے عاشقِ زار تھے، ان کا ہمیشہ معمول رہا کہ مولانا اسعدؒ مدنی جب بھی پاکستان تشریف لاتے، راولپنڈی اور اٹک میں ان کا پروگرام رکھتے۔ دارالعلوم تعلیم القرآن روالپنڈی کی جامع مسجد میں ان کا اصلاحی بیان ہوا کرتا تھا او رہزاروں لوگ ان سے بیعت کی سعادت حاصل کرتے۔ اس کے علاوہ کراچی، ملتان، چکوال، فیصل آباد اور بہاولپور بھی تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعدؒ مدنی کی پاکستان آمد ۲۰۰۱ء میں ہوئی تھی جب آپؒ خدماتِ دارالعلوم دیوبند انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے لئے پشاور تشریف لائے تھے، آپؒ اتحاد بین المسلمین بالخصوص اتحاد علمائے دیوبند کے جذبے سے سرشار تھے، اگرچہ قضیہ دارالعلوم دیوبند کی وجہ سے ہندوستان میں ان کی ذاتِ گرامی پر بعض دیوبندی حلقوں کی طرف سے اعتراضات بھی ہوئے مگر بحیثیت مجموعی ان کا کردار ہمیشہ مصلحانہ رہا۔ بالخصوص پاکستان کے لئے تو ان کی ہمیشہ کوشش رہی کہ تمام علماء باہم شیر وشکر ہوکر رہیں اور علمی اختلافات کی بنیاد پر نفرتوں کے

نہ ہوئیں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت مولانا اکابر علماء کی محبت اوران کے احترام سے سرشار تھے اور ہمیشہ ان کی خواہش اور رائے کے سامنے جھک جاتے۔ اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والوں سے عمر بھر تعلق رکھا۔ ذیل کا واقعہ اکابر علماء سے محبت وعقیدت کے عنوان پر ان کے کردار کی شہادت دیتا ہے جو حضرت مولانا حسین علی واں بھچرویؒ کے حفید پروفیسر صفی الرحمٰن نے گذشتہ روز فون پر سنایا :

''واں بھچراں کا ایک شخص ملک کلیم بھچر PIA میں ملازم تھا اور لاہور کے ہوائی اڈے پر ڈیوٹی دیتا تھا۔ بریلوی العقیدہ تھا اور ہمارے دادا مرحوم (مولانا حسین علیؒ) کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ مولانا اسعدؒ مدنی تشریف لا رہے تھے اور بہت سے علماء ان کے استقبال کے لئے جمع تھے اور ملاقات میں سہولت کے لئے قطار بنائی تھی، میں بھی ان میں کھڑا ہو گیا، مولانا آئے ایک ایک سے خیریت دریافت کی میں تو محض رسماً کھڑا تھا، مولانا نے پوچھا بھائی آپ کہاں سے آئے ہیں؟ تو بتایا کہ واں بھچراں سے، اس پر انہوں نے مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا آپ تو ہمارے مرشد حضرت مولانا حسین علیؒ کے گاؤں کے ہیں'' اور پھر حضرتؒ کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا، میں نے سوچا کہ بھائی اگر مولانا حسین علیؒ ایسے ہی تھے جو یہ ہندوستانی بزرگ بتا رہے ہیں تو ہم تو بڑے بے وقوف ہیں جو انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ملک کلیم نے بتایا کہ پھر میں نے علماءِ دیوبند کے عقائد کا مطالعہ کیا اور دیوبندی ہو کر داڑھی بھی رکھ لی، یہ سب مولانا محمد اسعدؒ مدنی صاحب کا فیض ہے''۔

قارئین ! اس واقعہ سے حضرت مولانا محمد اسعدؒ مدنی کے کردار کے حسن کی ایک جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ بہت بڑے شیخ طریقت تھے، بہت بڑے عالم دین تھے، بہت ہی مدبر سیاست دان تھے، مگر ان کی شخصیت اور تمام تر اوصاف وکمالات اپنے والد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی بھاری بھرکم شخصیت تلے دب گئی تھی اور انہوں نے بھی اس کے نیچے دبے رہنے کو ہی سعادت سمجھا اور وہی ان کی پہچان تھے۔ دیکھنے والے مولانا اسعدؒ مدنی کو دیکھتے تو نظر شیخ الاسلام مدنیؒ پر جا ٹھہرتی اور مولانا اسعدؒ نے چالیس سال میں ثابت کر دیا کہ وہ اس حسین احمد مدنیؒ کے بیٹے ہیں جو عرب وعجم کا شیخ تھا، جو شیخ الاسلام تھا، جو امیر المؤمنین فی الحدیث تھا جو اس دھرتی پر اپنے وقت کے کاملین کا امام تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد سلمان منصور پوری

مدتوں رویا کریں گے ......

بالآخر وہ خبر سن ہی لی گئی جس کو سننے کے لئے کان تیار نہ تھے، اور جس پر یقین کرنے کو دل آمادہ نہ تھا۔ ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی شام جب کہ سورج معمول کے مطابق غروب ہونے کو تیار تھا، عین اسی وقت دہلی کے اپولو اسپتال میں ۸۰؍سال تک غیر معمولی فعالیت، جدوجہد وعمل اور بے مثال قوت ارادی کے ساتھ زندگی گذارنے والی شخصیت بھی حیاتِ مقدسہ کے آخری پڑاؤ پر پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہنے کی منتظر تھی۔ سفر آخرت کا بگل بج چکا تھا، متاع زندگی توشۂ آخرت بن کر تیار تھا، مسافر کی نظریں گویا کہ راستہ پر لگی ہوئی تھیں، آخرکار قضاوقدر کے فیصلہ کے مطابق مقررہ وقت آپہنچا، اور ملت اسلامیہ ہند کا وہ گوہر نایاب جو نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک ملی قیادت کے افق پر چمکتا رہا، اسلامیان ہند کا وہ لعل جس نے کبھی بھی کسی موڑ پر ملت کی خیر خواہی اور مخلصانہ خدمت سے گریز نہیں کیا، دینی حمیت وغیرت کا وہ کوہ گراں جو ہمیشہ باطل طاقتوں اور گمراہ کن فتنوں کے سامنے سدسکندری بن کر سینہ سپر رہا، اور اصلاح امت اور رشد وہدایت کا وہ سفیر جس نے اپنی حد تک دین محمدی کی اشاعت اور اپنے اکابر واسلاف کی امانت کو امت تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، وہی عزم وہمت کا ماہتاب اور استقامت وعزیمت کا آفتاب اسی شام پونے چھ بجے اپنے رب رحیم کا نام لیتے ہوئے غروب ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی جدائی کا غم امت آسانی سے بھلا نہ پائے گی، ملی سفر کے قدم قدم پر آپ کی یاد آئے گی۔ بالخصوص مشکلات کی گھڑی اور نت نئے اٹھنے والے فتنوں کے وقت آپ کی اصابت رائے اور قوتِ عمل کے نقوش مٹائے نہ مٹ سکیں گے۔

فدائے ملت

ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں آپ کی جدوجہد اور خدمات جلیلہ کے زریں اثرات موجود نہ ہوں، آپ نے جس گھر میں آنکھیں کھولی تھی وہاں مہمان نوازی، ایثار وقربانی اور دین پر مرمٹنے ہی کا شب وروز ذکر ہوتا تھا، تحریکات آزادی پورے زور وشور سے جاری تھیں، اسی ماحول میں آپ نہ صرف پروان چڑھے بلکہ آپ نے اپنے عظیم ترین والد؛ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے افکار ونظریات اور عادات واطوار میں اپنے آپ کو پوری طرح ڈھال لیا، اور پوری زندگی انہی افکار کے تحفظ میں گذار دی، حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ نے نوعمری کے باوجود جس انداز میں حضرتؒ کے چھوڑے ہوئے کاموں کو سنبھالا تو دیکھنے والوں نے اسی وقت اندازہ لگالیا تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر ملت کا مسیحا اور ملک وقوم کا عظیم قائد بنے گا۔ چناں چہ ان توقعات کو پورا ہونے میں دیر نہیں لگی، اور جلد ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ عظیم باپ کا یہ عظیم فرزند جب ملت کی امانت ''جمعیۃ علماء ہند'' کا امین بنا تو پھر اس نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اور جس طرح تقسیم ملک کے موقع پر

''مجاہد ملت'' حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ نے دہلی کے فسادات میں بے باکی اور جرأت کی تاریخ رقم کی تھی، اسی طرح اس قائد جمعیت نے کلکتہ، راوڑکیلا، جمشید پور وغیرہ کے فسادات میں بے خوف وخطر میدان خدمت میں اتر کر شجاعت وبہادری اور جرأت وحمیت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ بجا طور پر قوم ان کو ''فدائے ملت'' کا لقب دینے پر مجبور ہوگئی، پھر آپ نے اس لقب کا بھرم اس طرح رکھا کہ تا زندگی ملک میں جب بھی اور جہاں بھی فساد ہوا، آپ تڑپ اٹھے اور کتنی ہی مرتبہ یہ صورت پیش آئی کہ آپ فساد زدہ علاقوں میں سب سے پہلے ایسے وقت پہنچے جب کہ خون کی ہولی جاری تھی، اور متاثرہ علاقوں سے آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے۔ آپ نے تڑپتی لاشوں کو اٹھانے، زخمیوں کو امداد پہنچانے اور بے سہاروں کو سہارا دینے میں اپنے پورے وسائل صرف فرمادئے۔ اپنے کمروں میں بیٹھ کر سخت مذمتی بیان دے دینا یا کسی پر امن جگہ جا کر احتجاج کر دینا بہت آسان ہے، لیکن جان ہتھیلی پر رکھ کر موقع پر پہنچنا اور متاثرین کو دلاسہ دینا اور ان کی ہمت بڑھانا یقیناً ایسا کام ہے؛ جو ہر ایک کے بس میں نہیں ہے، ایسے حالات کو سن کر ہی لوگوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یقیناً اس مجاہد جلیل ہی کا حوصلہ تھا کہ اس نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر ایسے خطرات کے مواقع پر اپنی وسعت بھر خدمات انجام دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ یہیں نہیں بلکہ جب جب ملک وقوم پر کوئی افتاد پڑی اور آسمانی حوادث آئے تو بھی اس ناصح ملت نے آگے بڑھ کر متاثرین کو امداد بہم پہنچانے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ گجرات اور کشمیر کے ہولناک زلزلوں اور جنوبی ہند میں گذشتہ سال آنے والے سمندری طوفان کی تباہی کے بعد وہاں کے بے سہارا افراد بالخصوص مسلمانوں کی باز آبادکاری کے لئے آپ کی ہدایت پر جمعیۃ علماء ہند نے آپ کے صاحب زادے جناب مولانا سید محمود صاحب مدنی زید فضلہ کی نگرانی میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ ملی خدمت کا ایک سنہرا باب ہے، آخر آخر تک آپ اسی فکر کو اوڑھے رہے۔ رمضان المبارک میں شدید علالت، پیرانہ سالی اور حد درجہ ضعف کے باوجود پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ جیسے ہی پاکستان کا ویزا ملے گا فوراً وہاں کے زلزلہ زدہ علاقہ کا دورہ فرمائیں گے، اور اس سفر کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ ملت کے لئے ایسی ہمدردی اور بے چینی رکھنے والی ذات کی جدائی پر جس قدر بھی غم کیا جائے کم ہے۔

قائد جمعیت

جمعیۃ علماء ہند کو ایک باوقار، فعال اور ملک گیر تنظیم بنانے میں آپ کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جس وقت آپ نے جماعت کی ذمہ داری سنبھالی تو اس کا مرکزی دفتر بلی ماران (دہلی) کی ایک عمارت تک محدود تھا، لیکن آپ کی تگ ودو سے وہ مسجد عبدالنبی (آئی ٹی او) میں منتقل ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے راجدھانی کے قیمتی ترین اور اہم ترین مرکزی علاقہ میں شاندار کمپلیکس میں تبدیل ہوگیا۔ ملک کی کسی بھی جماعت کے پاس ایسا شاندار دفتر نہیں ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ آپ کے دور صدارت ونظامت میں جمعیۃ علماء اور اس کی عظیم خدمات کا دائرہ کشمیر سے

کیرالا اور بمبئی سے منی پور تک پھیل گیا، اور یہ جماعت مسلمانوں کی سب سے بڑی، باوزن اور مؤثر جماعت بن گئی، فالحمد للّٰہ علی ذلک۔

دارالعلوم دیوبند کے روح رواں

ملت اسلامیہ کا سب سے عظیم سرمایہ "دارالعلوم دیوبند" جو آج بے نظیر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہے اور جس کا تعلیمی معیار اور مستحکم شورائی نظام قابل رشک بن چکا ہے، اس ادارہ کو اس بلند مقام تک پہنچانے میں بھی حضرت امیر الہندؒ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں اٹھنے والا قضیۂ نامرضیہ حضرت امیر الہندؒ کی زندگی کا سب سے الم ناک موڑ تھا۔ میں نے خود نومبر ۱۹۸۱ء میں ایوانِ غالب دہلی میں منعقد ہونے والے "تحفظ دارالعلوم کنونشن" میں حضرت مولانا کی وہ اثر انگیز تقریر سنی تھی، جب تقریر کے دوران آپ کے دل کا درد آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کی جھڑی کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، جو اپنی ہم فکر اور ہم مشرب جماعت کے آپسی اختلافات پر آپ کے دل کی کسک کا مظہر تھا۔ اس معاملہ میں آپ کو جس قدر ذہنی کلفتیں اٹھانی پڑیں اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، مگر آپ اپنے اصولی موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، اور دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ کا فرض اس طرح انجام دیا کہ بعد میں آپ کے ناقدین بھی ماننے پر مجبور ہوگئے اور مقام مسرت ہے کہ آخر عمر میں فریقین کی وسعت ظرفی اور خلوص کی بدولت جماعت دیوبند میں اتحاد واتفاق اور یکجہتی وہم آہنگی کی مسرت بخش ہوائیں چل پڑیں، اور دیوبند کی تاریخ کا ایک ناگوار باب ہمیشہ کے لئے بند کردیا گیا، اس پر جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

مصلح امت

حضرت امیر الہندؒ نے اپنی زندگی کا اصل مقصد اشاعت وحفاظت دین کو بنایا تھا، آپ کو بہت سے لوگ محض ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن اگر آپ کی پوری زندگی اور مصروفیات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سب سیاسی سرگرمیاں ملا کر آپ کی مصروفیات کا دس فیصد حصہ بھی نہیں بن سکتیں۔ آپ کی نوے فیصد سے زیادہ سرگرمیاں خالص دینی تھیں، آپ کے روزمرہ کے ملکی وبیرون ملکی اسفار کا بیشتر حصہ دینی واصلاحی پروگراموں یا مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں پر مشتمل ہوتا تھا، اور ملی ودینی اسفار کی کثرت میں آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، کسی جہاں دیدہ شخص نے آپ کے اسفار کو دیکھ کر کہا تھا کہ: "معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے لائنیں مولانا مدنی کے سفر کے لئے ہی بچھائی گئی ہیں" اور اسفار میں وعدہ کی پاسداری ایسی تھی کہ جب پروگرام دے دیا تو پھر خواہ طوفان ہو یا آندھی، لو کے تھپیڑے ہوں یا موسلا دھار بارش ہر ممکن طور پر وقت پر پروگرام کی جگہ پہنچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بلاشبہ عالم کی لاکھوں مسجدیں اور سجدہ گاہیں آپ کی نمازوں کے سجدوں کی گواہ بنیں گی، اور آپ کے درجات کی بلندی کا سبب بنیں گی۔

مضبوط سیاسی نظریہ

آپ قومی ضرورت کے تحت سیاست کی خار دار وادی سے وابستہ رہے، مگر کبھی اپنے عالمانہ وقار پر آنچ نہ آنے دی، آپ مصلحت اور حکمت عملی تو ضرور اپناتے تھے، مگر خوشامد اور چاپلوسی سے آپ کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا، جب بھی قوم وملت کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو ارباب حکومت سے پوری مضبوطی سے بات کرتے اور بڑے سے بڑے منصب والے سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ کا ایوانِ بالا (راجیہ سبھا) اٹھارہ سال تک آپ کے جرأت مندانہ بیانات سے گونجتا رہا۔ انڈین نیشنل کانگریس سے تعلق ضرور رہا، مگر آپ نے پارٹی میں رہتے ہوئے بھی کبھی حق گوئی سے گریز نہیں کیا، اور جب بھی پارٹی کی طرف سے کوئی غلط پالیسی سامنے آئی تو اس پر برملا نکیر کی، اور حتی الامکان اسے غلط نظریات سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر مسلمان پوری طرح اس سیکولر قومی پارٹی سے کٹ جائیں گے تو اس پر جن سنگھی لابی حاوی ہوجائے گی جو ملک وقوم کا بڑا نقصان ہوگا۔ آپ ''متحدہ قومیت'' کے مضبوط مؤید تھے اور ہندوستان میں اس نظریہ کو مسلمانوں کی بقا کی ضمانت سمجھتے تھے، آپ جس طرح ہندو فرقہ پرستی کے سخت خلاف تھے اس سے زیادہ مسلم فرقہ پرستی کو ملک وقوم کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپ کسی بھی ملی مسئلہ کو ہندو مسلم رنگ دینے کے بجائے انصاف اور ناانصافی اور برابری اور امتیاز کی حیثیت سے بحث کا موضوع بنانے کے قائل تھے۔

مجھے یاد ہے جب بابری مسجد کا مسئلہ پورے شباب پر تھا، اور شہر در شہر لوگ فرقہ وارانہ کشیدگی کی آگ میں اپنی قیادت چمکانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، جمعیۃ علماء کے ایک اجلاس میں اراکین نے بہت زور دیا کہ اس وقت جمعیۃ علماء کو بھی میدان میں آکر قوم کی قیادت کرنی چاہئے، مگر حضرت مولاناؒ پوری بصیرت کے ساتھ یہی فرماتے رہے کہ ''اس وقت قوم کی زرد قیادت'' جس رخ پر جارہی ہے وہ عافیت کا نہیں بلکہ ملک کی تباہی کا راستہ ہے، بابری مسجد کا معاملہ سڑکوں پر ہرگز حل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے صرف اور صرف عدالتی لڑائی لڑنی چاہئے۔ اور یہ کام جمعیۃ علماء روز اول سے کررہی ہے''۔ افسوس کہ اس وقت اس دوراندیش رہنمائے قوم کی اس رائے کو کمزوری اور بزدلی جیسے طعنوں سے نوازا گیا، لیکن چند ہی سالوں کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ نہ صرف یہ کہ بابری مسجد شہید ہوئی، بلکہ سیکڑوں مسلمان جاں بحق ہوئے، کتنی عزتیں تار تار ہوئیں، کس قدر املاک تباہ ہوئیں اور ان حالات میں سب خود رو قائدین روپوش ہوگئے، اور بات لوٹ پھیر کر وہیں آگئی کہ عدالت کے فیصلہ کے علاوہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔

آپ جمعیۃ علماء کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں بار بار اس حقیقت کو اجاگر کرتے تھے کہ آزادی کے بعد سے اب تک ملک کے اقتدار اور دولت پر ایک مخصوص اقلیتی طبقہ (برہمن لابی) حاوی ہے، اور اس نے اپنی شاطرانہ سیاست سے اپنے کو اکثریت بنا رکھا ہے، حالاں کہ یہ ملک اقلیتوں کی اکثریت کا ملک ہے (یہ حضرتؒ کی خاص

اصطلاح ہے) یہاں سب سے بڑی تعداد "دلت سماج" کی ہے، جنہیں برہمن لابی بھڑکا کر فسادات وغیرہ میں کام لیتی ہے، اگر مسلمان ان دلت لوگوں کو اپنالیں تو نہ صرف یہ کہ فسادات کا خاتمہ ہوگا بلکہ مسلمان دلتوں کے ساتھ مل کر ملک کی سب سے بڑی طاقت بن جائیں گے، اور طاقت کی کنجی ان کے پاس آجائے گی۔ چناں چہ بالخصوص گجرات کے ہولناک فسادات کے بعد آپ نے عملی طور پر "دلت مسلم اتحاد" کا اقدام کیا، اور فسادات کے بعد جب کہ پورے ملک کا مسلمان بی جے پی حکومت کے سخت گیر اقدامات کی وجہ سے سہما ہوا تھا، آپ نے دلت لیڈر "ادت راج" کے ساتھ مل کر رام لیلا میدان دہلی میں زبردست اجلاس کیا، جس میں لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی اور قوم کے اندر پھر ایک ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا، بعد میں بھی آپ نے پورے ملک میں اس تحریک کو عام کیا۔ حیدرآباد کے دلت لیڈر "غدر" اور آسام کے قبائلی لیڈروں سے بھی روابط پیدا کئے، اور اخیر تک اس مشن کو جاری کئے رہے۔

امن وامان کے نقیب

آپ اس ملک میں کسی طرح کی بھی تخریبی کارروائی کے شدید مخالف تھے، بالخصوص مدارس اور دینی جماعتوں کو اس بارے میں نہایت سخت الفاظ میں متنبہ فرماتے رہتے تھے۔ بعض لوگوں کو آپ کی یہ شدت بری بھی لگتی تھی، لیکن پیش آمدہ واقعات نے آپ کی تشویش کو سچ کر دکھایا، اور آپ کی اسی تلقین کا اثر تھا کہ مدارس ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے محفوظ رہے اور ایڈوانی جیسا فرقہ پرست لیڈر بحیثیت وزیر داخلہ پارلیمنٹ میں یہ بیان دینے پر مجبور ہوا کہ ملک کا کوئی مدرسہ دہشت گردی میں ملوث نہیں پایا گیا۔

فتنوں کے مقابلہ میں سد سکندری

حضرت امیر الہندؒ اس دور میں مسلک حقہ کی روشن علامت تھے، آپ کو دین کی اس قدر تڑپ تھی کہ جب اور جہاں دینی فتنہ انگیزی کی بات سنتے فوراً بے چین ہو جاتے۔ اور فتنہ کو فرو کرنے کے لئے ممکنہ حد تک اسباب ووسائل اور تدبیریں اختیار فرماتے تھے، باطل عقائد ونظریات کے سلسلہ میں مصالحت اور مداہنت کا آپ کے یہاں کوئی خانہ نہ تھا۔ ہندوپاک اور بنگلہ دیش ونیپال میں آپ نے فتنۂ قادیانیت، ردعیسائیت اور رد غیر مقلدیت کے لئے وہ عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں جن کی بدولت ہزاروں افراد ارتداد اور گمراہی سے محفوظ رہے، وہ یقیناً آپ کے لئے صدقۂ جاریہ اور رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

تحمل مزاجی

آپ کو اپنی زندگی میں اپنوں اور غیروں کی طرف سے قدم قدم پر سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، کتنے ہی لوگوں نے آپ کی مخالفت کو اور تیکھے تبصروں کو گویا اپنی زندگی کا مشن بنالیا، وقتاً فوقتاً یہ ابال اٹھتا رہتا اور اخبارات ورسائل کے صفحات سیاہ کئے جاتے رہتے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آپ کے عقیدت مند اور جانثار دل

سوس کر رہ جاتے مگر آپ نے کبھی ان باتوں کا اثر نہیں لیا، بلکہ گرد و پیش سے بے پرواہو کر جس بات کو حق سمجھا اس پر ثابت قدم رہے۔ کئی بار خود احقر نے حضرتؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''بھائی! ہم تو ''گالی پروف'' ہو گئے ہیں، ہمارے اوپر کسی کی اچھائی یا برائی کا کچھ اثر نہیں پڑتا''۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں بھی آپ یہی بات دہراتے کہ لوگوں کی خوشی یا ناخوشی کا خیال کئے بغیر امت کا مفاد پیش نظر رکھنا چاہئے۔ امام احمد ابن حنبلؒ اپنے مخالفین سے فرماتے تھے کہ ''بیننا و بینکم یوم الجنائز'' ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ اس دن ہوگا جب ہمارے جنازے اٹھیں گے۔ چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ ان کے مخالفین کے جنازوں میں کاندھا دینے والے بھی بمشکل دستیاب ہوئے، جب کہ امام احمد بن حنبلؒ کے جنازہ میں ۲۴ ؍لاکھ افراد کی شرکت کا اندازہ لگایا گیا۔ یہی کچھ صورتِ حال حضرت امیر الہندؒ کے جنازہ میں بھی دیکھنے میں آئی کہ مختصر وقت، شدید سردی اور کہرے کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اور کھلی آنکھوں آپ کی محبوبیت اور مقبولیت کا نظارہ نظر آیا، مجمع کا عالم یہ تھا کہ اگر نماز میں اس قدر عجلت نہ کی جاتی اور نماز جنازہ ۹ ریا دس بجے ہوتی تو مجمع کو کسی طرح بھی کنٹرول کرنا ممکن نہ ہو پاتا۔

شفقتیں یاد آئیں گی

اس ناکارہ کو حضرتؒ کے ساتھ سفر و حضر اور جلوت وخلوت میں ساتھ رہنے کا الحمد للہ بہت موقع ملا، متعدد مرتبہ سفرِ حج میں بھی معیت نصیب ہوئی، اور ۱۹۸۸ء میں میرٹھ کے ایکسیڈنٹ کے بعد جب آپ اسپتال میں رہے تو مکمل چار مہینہ مسلسل حضرتؒ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بلاشبہ یہ ایام احقر کی زندگی کے نہایت قیمتی لمحات تھے۔ احقر نے دیکھا کہ ہاتھ اور کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہونے کی وجہ سے تقریباً دو مہینہ مکمل صاحب فراش رہے، مگر اس حالت میں بھی اسپتال میں نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، آپ نے اپنا بیڈ قبلہ رخ کروایا تھا، ہم خدام ارد گرد کھڑے ہو جاتے اور آپ جماعت میں شامل ہو کر نماز ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح اس حالت میں بھی تہجد کی نماز فوت نہ ہونے دیتے، تہجد کے وقت احقر کو آواز دیتے، احقر تیمم کراتا اور آپ نماز میں مشغول ہو جاتے، علالت کے دوران خالی وقت میں احقر مکتوبات شیخ الاسلام سناتا اور حضرت مشکل مقامات کی تشریح فرماتے، جس سے آپ کی علمی استعداد اور معارف وحقائق پر گہری نظر کا پتہ چلتا تھا۔ کبھی احقر اعرابی غلطی کرتا تو اس کی بھی تصحیح فرماتے۔ راقم الحروف نے بارہا محسوس کیا کہ آپ کا ذکر قلبی اور پاس انفاس (سانس کے ساتھ ذکر) بے اختیار جاری رہتا تھا، یہ ناکارہ ۱۹۸۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد حضرت الاستاذ المعظم فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی سفارش پر حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوا، آپ نے سب سے پہلے پاس انفاس کی تلقین کی، پھر دیگر اسباق کے بعد دہلی کے اسپتال کے قیام کے دوران مراقبہ کی تعلیم دی اور اُسی سال رمضان المبارک میں اجازت سے سرفراز فرمایا، اس سیہ کار کو ہیبت کی وجہ سے اگر چہ

حضرت سے زیادہ بات چیت کرنے کی ہمت نہ ہو پاتی، لیکن جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تو حضرت ضرورت سے زائد خیال فرماتے، اور انتہائی شفقت کا اظہار فرماتے، اور احقر اگر کوئی بات عرض کرتا تو اس کو بڑی اہمیت سے سماعت فرماتے، اور ہمیشہ ''مولوی سلمان'' کہہ کر مخاطب ہوتے، یہ سب آپ کی خوردنوازی کے نمونے تھے، افسوس کہ اب یہ شفقتیں محض خواب بن گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

احقر ۲ر شوال کو جب مغرب کے وقت دیوبند پہنچا تو آپ کے وہیل چیئر سے گرنے کا واقعہ پیش آچکا تھا، احقر مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً خدمت میں حاضر ہوا تو بدن کا بایاں حصہ مفلوج ہو چکا تھا، زبان بند تھی لیکن داہنے حصہ میں حرکت باقی تھی اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں، احقر کو دیکھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور حسب معمول قدرے مسکرائے، اور منہ میں تھوک جمع ہو گیا تھا اسے نکالنے کا اشارہ کیا، ہم لوگوں نے پیچھے سے اٹھا کر اگالدان سامنے کر دیا اس میں تھوکا، لیکن پھر بے ہوشی گہری ہوتی چلی گئی۔ آپ کو فوراً دہلی لایا گیا، اور بالآخر ۳ر مہینہ پانچ دن امید وبیم کی کیفیت میں رہ کر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ مدرسہ شاہی کے سرپرست اعلیٰ تھے، اور آپ کے وجود باجود سے یہ ادارہ مسلسل ۴۸ر سال تک مستفیض ہوتا رہا، اس لئے حضرت موصوفؒ کا یہ حق ہے کہ ''ندائے شاہی'' حضرت مرحوم کی حیات وخدمات پر ''خصوصی نمبر'' شائع کرے۔ چناں چہ ۱۶ر صفحات کے اضافہ کے ساتھ سردست جو مضامین دستیاب ہوئے وہ تو اس وقت شائع کئے جا رہے ہیں، تاکہ سبھی قارئین حضرت کی زندگی اور اوصاف وکمالات کی کچھ جھلکیاں دیکھ لیں۔ پھر انشاء اللہ مستقبل قریب میں ندائے شاہی کا مبسوط ''فدائے ملت نمبر'' شائع کیا جائے گا۔ متعلقین حضرات سے درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے تأثرات اور چشم دید حالات وواقعات لکھ کر بھیجیں تاکہ انتخاب میں سہولت ہو۔

محمد مزمل الحق الحسینی
ناظم اعلیٰ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند

شخصیت کے چند امتیازی پہلو

مولانا سید اسعد مدنیؒ کچھ منفرد خصوصیات وامتیازات کے حامل تھے، ان کی شخصیت جفاکشی، ارادے کی پختگی اور ہر عمل میں عالمانہ وقار کے عناصرِ ترکیبی سے تشکیل پائی تھی، ان کی مجاہدانہ زندگی کا محور زیادہ تر جمعیۃ علماء ہند رہی، نوجوانی اور جوانی کا بڑا حصہ اس کی توسیع واستحکام میں گزرا۔ آزادی کے بعد جمعیۃ کی بیشتر معاصر تنظیمیں اپنی حرکت وعمل یا تو ختم کر چکی تھیں یا انہوں نے اپنے آپ کو بہت محدود دائرے میں سمیٹ لیا تھا، یہ مولانا ہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ جمعیۃ آزادی کے بعد بھی پہلے کی طرح مضبوط، متحد اور مسلمانوں کی ہر قسم کی رہنمائی کے قابل ہے، آزادی سے قبل اس کا ممتاز نصب العین مکمل آزادی تھا، اور پھر آزاد ہند میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اس کا نصب العین قرار پایا۔ مولانا کی فعال قیادت نے اسے اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیشہ سرگرم، زندہ اور تابندہ رکھا۔ آج وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم نہیں تو کم از کم حاوی نمائندہ تنظیم ضرور ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کو مولانا کے عطایا میں سے ایک عظیم عطیہ اس کا مالی اور اثاثی استحکام ہے، مولانا کی تگ ودو کا کافی بڑا حصہ جمعیۃ کو مالی اور اثاثی حیثیت سے خود کفیل بنانے اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں صرف ہوا، یہاں تک کہ وہ آج اپنے اثاثوں کے اعتبار سے بھی ہندوستان کی گنی چنی تنظیموں میں شامل ہے۔ اس کے اپنے صدر دفتر کی عالیشان عمارتوں کے علاوہ اس کے کئی صوبہ جاتی اور ضلعی دفاتر کی عمارتیں مولانا ہی کی تحریک وتحریص کا ثمرہ ہیں۔

مولانا کی جدوجہد کا ایک اہم پہلو دینی مدارس اور تحریک مدارس کی سرپرستی تھا۔ اس کے لئے انہوں نے شدید موسموں میں تھکا دینے اور اُکتا دینے والے دور دراز کے اسفار کیے۔ اس سلسلے میں پورا ملک بلکہ پورا برصغیر ان کا دائرۂ عمل تھا، زندگی میں شاید چند ہی ایسے واقعات ہوں جہاں وہ تاریخ دے کر نہ پہنچ سکے ہوں۔ خصوصاً مدارس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کے لئے وہ طوفانی دورے فرماتے اور وقت مقررہ پر اپنے پہنچنے کو یقینی بنایا کرتے تھے، کسی بھی مدرسے میں مولانا کی آمد اس کے جلسے کی کامیابی کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ مولانا کی یہ قربانی مدارس اور اہل

مدارس کے لئے بڑی حوصلہ بخش ثابت ہوا کرتی تھی۔

مولانا کی شخصیت کا ایک اور امتیازی پہلو بالخصوص علماء اور بالعموم مسلمانوں کی سیاسی قیادت اور نمائندگی تھی، وہ اٹھارہ سال کے طویل عرصے تک پارلیمنٹ کے ایک باکردار اور باوقار ممبر رہے، نظریاتی اعتبار سے وہ جنگِ آزادی میں جمعیۃ علماء ہند کے نظریے سے ہم آہنگ جماعت کانگریس سے پورے ثبات کے ساتھ وابستہ رہے، مگر اس کے لئے انہوں نے کبھی مسلمانوں کے مسائل سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے مسائل کو لے کر کانگریس کے خلاف تحریک چلائی جو اور کسی سیاسی رہنما کا دل گردہ نہ تھا۔ پارلیمنٹ کی لائبریری میں ان کی درجنوں ایسی تقریریں موجود ہیں جو انہوں نے کانگریسی حکومت کے خلاف کی تھیں، اگر یہ تقریریں شائع ہوں تو علماء اور مسلم رہنماؤں کی نسلوں کے لئے جرأت و بے باکی اور ملت کے لئے جگر سوزی کا ایک بے مثال اور قابلِ تقلید نمونہ ثابت ہوسکتی ہے۔

۱۹۶۵ء کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار پر بحث کے دوران جب ایک کانگریسی ممبر نے کہا کہ مسلمانوں کو یونیورسٹی کے نام سے ''مسلم'' کا لفظ ہٹا دینا چاہئے، تو مولانا نے پارلیمٹ میں گرج کر کہا تھا کہ اگر ہندو برادران بنارس ہندو یونیورسٹی سے ''ہندو'' کا لفظ ہٹا دیں تو میں علی گڑھ یونیوسٹی کے ماتھے سے مسلم کا لفظ کھرچ دوں گا لیکن پھر آپ کو کانگریس کے آئین سے ''سیکولر'' کا لفظ بھی نکال دینا ہوگا''۔ اس پر پارلیمنٹ ہاؤس میں سناٹا چھا گیا تھا۔ مولانا نے کبھی جذباتی سیاست نہیں کی، انہوں نے زندگی میں سینکڑوں مظاہرے جلسے جلوس اور ریلیاں نکالیں اور تحریکیں چلائیں لیکن کبھی کسی مسلمان کے ناخن کو بھی خراش نہیں آئی جبکہ بسا اوقات چھوٹے چھوٹے احتجاجوں میں بیش قیمت جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

مولانا کی شخصیت کا ایک اور امتیازی وصف ان کی وہ خودداری اور عزتِ نفس تھی جو ان کو اپنے عالی مرتبت والد اور خانوادے سے وراثت میں ملی تھی۔ اپنی نوعمری اور جوانی کے عالم میں بھی وہ بڑی سے بڑی عالمی شخصیت سے ہر معاملے میں دراز قد اور بلند قامت ہو کر ملے، جو ان کے عالمانہ وقار اور منصب کے عین مطابق معلوم ہوتا تھا۔ ان کی موجودگی میں کسی کو کسی نازیبا حرکت یا ناشائستہ قول وعمل تو کیا بلا ضرورت لب کشائی کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء اور وزراء ان کی خدمت میں حاضر ہونا اپنی سعادت اور شان تصور کیا کرتے تھے۔ مولانا قدآور قومی اور عالمی شخصیات سے مساویانہ اور برادرانہ لب ولہجے میں مخاطب ہوتے اور بڑے سے بڑے معاملے میں بھی بے نیازی اور استغناء کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیتے۔

وزیر اعظم ہند محترمہ اندرا گاندھی کئی بار جمعیۃ علماء ہند کے دفتر تشریف لائیں، اسی طرح متحدہ عرب

امارات کے سابق صدر شیخ زائد بن سلطان آل نہیان، امامِ حرم مکی شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ السبیل، سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف جیسے عالمی رہنماؤں نے مولانا سے ان کی قیام گاہ دفتر جمعیۃ میں تشریف لاکر ملاقاتیں کیں۔ یہ جہاں ان بزرگوں کی بڑائی کا ثبوت ہے، وہیں مولانا کی عظمت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ مولانا اپنے والد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی حیات میں اپنی عمر اور سلوک کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچے تھے جب طبیعتیں بارِ خلافت کی متحمل ہوجایا کرتی ہیں، اس لئے آپ کو حضرت مدنیؒ سے براہِ راست خلافت حاصل نہ ہو سکی، البتہ حضرت مدنیؒ کی رحلت کے بعد ان کے معتمد خلفاء نے مل کر آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا تھا۔ ملک کے طول وعرض بلکہ بیرونِ ملک بھی آپ کے خلفاء اور مریدوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اپنے مریدوں اور خلفاء کی وفاداری اور جاں نثاری میں آپ اپنے والد حضرت مدنیؒ کے شریک وسہیم ہیں، نمازوں میں آپ کا اطمینان ودل جمعی اور دیگر عبادات میں آپ کی رغبت وانشراح قابلِ دید اور قابلِ تقلید ہوا کرتے تھے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، جمعیۃ علماءِ ہند اپنے نظام اور اثر ورسوخ کے اعتبار سے ہندوستان کی وسیع ترین جماعت ہے۔ اس کا دائرۂ کار پورا ملک اور موضوع کار دین، ملت اور سیاست سبھی میدان ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں نظریات وترجیحات کے تعین میں اختلاف ہونا بھی کوئی امرِ محال نہیں۔ مولانا کو بھی متعدد مرتبہ اپنے بعض بزرگوں اور خاص الخاص مخلص ترین رفقاء اور معاصرین کا اختلاف رائے برداشت کرنا پڑا۔ بالخصوص ''قضیۂ دیوبند'' کے موقع پر ان اختلافات نے شدت اختیار کی مگر یہ تمام اختلافات، آراء کے اختلافات تھے، جو اگرچہ بعض مرتبہ جسمانی بعد اور راہِ عمل کے افتراق تک بھی منتج ہوئے، مگر دل ودماغ میں ایک دوسرے کے لئے اُلفت ویگانگت کی چنگاری بھی فروزاں رہی۔ تقریباً ایک سال پیشتر اس کا بڑا مسرت آگین نمونہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب مولانا سید اسعد مدنیؒ اور مولانا محمد سالم قاسمی کی ملاقاتوں کی تجدید ہوئی۔

مولانا کی ایک اور انفرادیت یہ تھی کہ ان کی شخصیت میدانِ عمل میں قدم رکھنے کے بعد سے وفات تک اپنے دینی، ملی، سیاسی معاصرین اور مؤیدین وناقدین کے اعصاب پر طاری رہی، مشکل ہی سے کوئی مجلس ہوتی ہوگی جب ان موضوعات پر آزادانہ تبصرہ ہوتا ہو اور مولانا کا ذکر نہ آتا ہو، خواہ وہ ذکر مؤیدانہ ہو یا نکتہ چینانہ۔

مولانا کی اپنی ترجیحات اور اپنا طریقۂ کار تھا، وہ اپنی ذمہ داریوں سے بزرگانہ شان کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور ملت کے لئے اپنے کارناموں، قربانیوں اور خدمات کا ایک ایسا اثاثہ چھوڑ کر گئے ہیں جن سے وہ تا بقائے بقا مستفید ہوتی رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حاجی میاں فیاض الدین دہلی

چند مشاہدات اور چند یادیں

۴۶-۱۹۴۵ء میں جدوجہد آزادی اپنے آخری مراحل میں تھی اور یہ وہ وقت تھا جب میں نے ہوش سنبھالا۔ اپنے والد محترم حاجی حافظ ظہور الدین کی زبانی مسلم مجاہدینِ آزادی کے تذکرے سنتا تھا اور خاص طور پر علمائے کرام اور اکابرینِ دیوبند کی قربانیاں اور کارنامے آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ میرے والد مرحوم بھی مجاہدِ آزادی تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کی خلافت کی تحریک ہو یا علمائے کرام کی ریشمی رومال تحریک ہو یا اسیرانِ مالٹا کی صعوبتیں یا پھر کانگریس کمیٹی کے اجلاس، شیخ الاسلام اور مفتی کفایت اللہ کے بغیر کانگریس کے اجلاس کامیاب نہیں ہوتے تھے۔ میں اپنی کم عمری میں ان حضرات کو بڑی عقیدت واحترام سے یاد کرتا تھا۔ خدا کے فضل وکرم سے ملک آزاد ہوا اور تقسیم ملک کے بعد برصغیر ہند وپاک میں تبادلۂ آبادی اور خون خرابہ ہوا۔ آج بھی جب تصور کرتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی پاکستان ہجرت میں بہت شدت تھی۔ مسلمان ہندوستان میں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں گاندھی جی کی موت کے بعد ایک جمعہ کو نمازِ جمعہ جامع مسجد میں جمعیۃ علماءِ ہند کی طرف سے مسلمانوں کو تسلی وتشفی دینے کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا احمد سعیدؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور دیگر اکابرین ملک نے خطاب کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جامع مسجد دہلی کے حوض سے ان حضرات کی تقریریں سن رہا تھا، جس وقت مولانا مدنیؒ تقریر کر رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی فرشتہ تقریر کر رہا ہے۔ سفید لباس، سر پہ ہرا عمامہ، واسکٹ اور سنہری فریم کا چشمہ اور نہایت ہی مدہم آواز میں تسلسل کے ساتھ تقریر کرنا فرشتہ صفت ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ چنانچہ میرے دل میں ان سے مصافحہ کرنے کی اُمنگ پیدا ہوئی، مگر مجھے بچہ جان کر لوگ پیچھے ہٹا دیتے تھے اور میں بے چین ہو اُٹھتا تھا۔ جامع مسجد کے جنوبی دروازہ پر مولانا کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ میں مولانا سے ہاتھ ملانے کے شوق میں گاڑی کے دروازے سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ چند منٹ بعد مولانا تشریف لائے اور گاڑی میں سوار ہونے لگے تو میں نے لپک کر فوراً السلام علیکم کہا اور مولانا کا ہاتھ مصافحہ کی غرض سے میں نے تھام لیا۔ مولانا نے میری طرف دیکھا اور دعائیں دیں۔ جب میں گھر لوٹا تو والد محترم کو سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سن کر والد صاحب بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد میں اکثر روز نامہ الجمعیۃ جو جمعیۃ علماءِ ہند کا ترجمان تھا، اس میں

جمیعۃ کی کارکردگی، حالاتِ حاضرہ اور دینی مضامین پڑھتا تھا۔ کیونکہ جمیعۃ کا دفتر گلی قاسم جان میں واقع تھا، جہاں میں اکثر وبیشتر اپنے بڑے بھائی حافظ اسیر دہلوی کے ساتھ جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک جمیعۃ سے وابستگی ہے غالباً ۱۹۵۴ء کی بات ہے کہ دہلی کی ایک معروف برادری جس کو عرفِ عام میں جوتے والوں کی برادری کہا جاتا ہے ایک تاجر حاجی نواب الدین صاحب ماڈرن بوٹ ہاؤس حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے بہت معتقد تھے۔ اسی برادری کے ایک اور بزرگ حاجی نجم الدین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے معتقد تھے۔

ایک روز صبح ناشتہ پر حاجی نواب الدین صاحب نے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو مدعو کیا۔ اس دن مولانا سے نیاز حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر حاجی نجم الدین صاحب نے بتایا کہ تمہارے ماموں حاجی بدر الدین انجولی والے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خاص مرید اور معتقد ہیں۔ حاجی صاحب نے دورانِ گفتگو یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ کا جب مزاح کیلئے دل چاہتا تھا تو اپنے طلبہ سے فرماتے تھے کہ ارے بھئی! حاجی صاحب تشریف لائے ہیں، ان کی خاطر مدارات نہیں کریں گے۔ طلبہ سمجھ جاتے تھے کہ حضرت کا اشارہ کس طرف ہے۔ بس چاروں طرف سے طلبہ حاجی صاحب کو گھیر لیتے تھے اور حاجی صاحب کو فرش پر لٹا دیا کیونکہ حاجی صاحب کافی تندرست وتوانا تھے، ایک دو کے قابو میں آنے والے نہیں تھے، کوئی حاجی صاحب کی ایک جیب میں ہاتھ ڈال رہا ہے تو کوئی دوسری جیب میں ہاتھ ڈال رہا ہے۔ حاجی صاحب بھی بڑے زیرک تھے۔ وہ دو چار سو روپے وہاں خرچ کرنے کی نیت سے جاتے تھے لیکن پیسے جیبوں کی بجائے نیفے میں اڑس کر رکھتے تھے۔ جیبوں کی تلاشی کے بعد جب طلبہ کو مایوسی ہاتھ آتی تھی، تب طلبہ حضرت سے کہتے کہ جیبیں خالی ہیں، آپ جواب میں فرماتے بھئی اچھی طرح تلاشی لو اور پھر نیفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے کہ بھئی چھوڑو چھوڑو حاجی صاحب کو پریشان مت کرو اور حاجی صاحب حضرت کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے کہ دیکھئے حضرت یہ مجھے پریشان کررہے ہیں اور پھر حاجی صاحب کے ان پیسوں سے مٹھائی آتی اور طلبہ محظوظ ہوتے۔ اس نوع کے سینکڑوں واقعے موجود ہیں جن کا ذکر یہاں مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگانِ دین کو مزید اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ سے میری دوسری ملاقات جب ہوئی جب آپ راجیہ سبھا کے ممبر نامزد ہوئے۔ آپ دورانِ قیام مدینہ منورہ میرے چچا خلیل حبیب اللہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ اسی اثنا میں جب چچا دہلی تشریف لائے تو مولانا سید اسعد مدنیؒ صاحب نے ان کی دعوت کی۔ اس دعوت میں یہ حقیر فقیر بھی شامل تھا اور چچا نے میرا تعارف حضرت سے یہ کہتے ہوئے کرایا کہ یہ حاجی میاں حافظ نورالدین دہلوی مہاجر مدنی کے پوتے ہیں (میرے دادا حاجی حافظ نورالدین ۱۹۳۷ء میں ہندوستان سے مدینہ منورہ عشقِ رسول میں ہجرت کر گئے تھے) وہاں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور خلیل حبیب اللہ دادا جانؒ کے پاس آتے۔ اس کے بعد دفتر جمیعۃ علماءِ ہند واقع مسجد عبدالنبی میں جاتا رہا اور جمیعۃ کے بیشتر نشیب وفراز بھی دیکھے۔ کچھ لوگوں نے جمیعۃ سے کٹ کر

الگ اپنی جماعتیں بنائیں، مگر کامیاب نہ ہوسکے، لیکن حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے بڑا تدبرانہ رویہ برقرار رکھا اور اسی اثناء میں لوگوں نے مختلف قیاس آرائیاں کیں لیکن مولانا سید اسعد مدنیؒ ایک مفکرانہ روش پر گامزن رہے۔ میں اکثر جمعیۃ علماءِ ہند کی مجلسِ عاملہ کی میٹنگوں میں مدعوِ خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوتا رہا۔محمودیہ لائبریری اور مدنی ہال کے افتتاح کے موقع پر مہمانوں کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ جمعیۃ علماءِ ہند کے بیس پر دہلی میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں اکثر میٹنگیں ہوتی تھیں۔ واضح رہے کہ اُردو پارک میں مذکورہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔اللہ تعالیٰ نے میرے توسط سے جامع مسجد دہلی کے تعلقات استوار کرائے اور اُردو پارک میں بخیر وخوبی یہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ میں نے اور مینا بازار اور علاقہ جامع مسجد کے تاجران نے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں میرے ساتھ بے انتہا تعاون کیا۔ کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا صدر بابو دوست محمد اور احقر کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا تھا، جس کی برکت سے مولانا سے قرب وشرف کے مزید مواقع میسر ہوئے۔اسی طرح دوسرے سال یہی کانفرنس جمنا پارک جعفر آباد کی عیدگاہ میدان میں منعقد ہوئی اور خاکسار کو ہی جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

میرے حسنِ انتظام کے مدنظر جمعیۃ کے ۲۶ ویں اجلاس کے انتظام کے لئے میٹنگوں میں ذمہ مجھ کو دیا گیا اور میں نے صحیح مشورے دیئے اور تمام مہمانوں کے لئے اجلاس کے دن صبح صبح ناشتے کا بندوبست بھی میرے ذمہ کیا گیا جس وقت اکابرین جمعیۃ ناشتہ فرمارہے تھے تو حضرت مولانا محمود مدنی صاحب نے دریافت کیا کہ حاجی میاں کہاں ہیں، انہیں بلاؤ انہوں نے جواب دیا کہ مہمانوں کو ناشتہ کرانے میں مصروف ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چھوٹوں کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔اسی طرح ۲۷ ویں اجلاس میں بھی مجھے یاد کیا گیا جو بے حد کامیاب ہوا تھا میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بغیر تواضع کے واپس نہیں آنے دیتے تھے اکثر وبیشتر آپ غیر ملکی دوروں پر رہتے تھے اور جب ملک میں ہوتے تھے تو ملک وملت کی بقاء اور فلاح وبہبود کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ یقیناً ایک درد مند باپ کے حساس جانشین تھے میرے ساتھ ان کا جو مشفقانہ رویہ اور حسنِ سلوک تھا، اسے میں کہاں تک بیان کروں جمعیۃ کے تحت مختلف تعلیمی ادارے سرگرم عمل ہیں۔اسی کے ساتھ ساتھ تکنیکی وطبی انسٹی ٹیوٹ بھی ہیں۔آفاتِ ناگہانی خواہ وہ آسمانی ہوں یا زمینی آپ کے زیر سرپرستی مولانا محمود مدنی کی نگرانی میں ملک گیر پیمانے پر کام کرتے تھے۔

کل من علیھا فان ۔چونکہ ہر شے اور ہر فرد کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔آخر کار آپ بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔میں دعاگوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا سید اسعد مدنیؒ امیر شریعت ہند کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔مولانا سید محمود مدنی کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

یہ مختصر حالات جو یاد آئے تحریر کر دیئے، حالات وواقعات بہت ہیں، کہاں تک ضبطِ تحریر میں لاؤں۔

مولانا محمد اختر قاسمی بہرائچی

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کون اور کیا تھے؟

یوں تو کائنات میں ہزاروں انسان آئے اور آکر چلے گئے اور یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے تا قیامت جاری رہے گا، لیکن کچھ انسان آکر اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے جن کی یادیں دلوں میں سما گئیں۔

کتنے حسین لوگ تھے مل کر کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے دل و جاں میں سما گئے

انہی مقدس ہستیوں میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مرحوم و مغفور کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، جہاں علم وخطابت کا پیکر تھے، وہیں مسلم قوم کے مایۂ ناز ترجمان بھی، پوری زندگی خدمت دین میں گزار دی، صبح و شام تبلیغ اسلام کے لئے سفر کیا، قریہ قریہ، نگر نگر، وعظ ونصیحت کا کام کیا، ایک ایسا منفرد الانداز امیر جس کا چہرہ نورانی خندہ پیشانی آنکھوں میں رعب، لباس میں سادگی، اکابر سے تعلق، اصاغر سے انس، اغیار سے ایسا سلوک اور محبت کہ دشمن بھی معترف ہے، صدیوں میں ایسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں ...... ؎

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

ان کی توصیف میں قلم ساکت و دماغ حیران کئی صفات کے حامل اور ایک عظیم عالم اور مجاہد تھے، آج مجھے اس عالَم میں ایسا کوئی مجاہد نظر نہیں آتا .... ؎

سویا ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہے
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت مولانا اپنی لازوال ذہنیت اور مجاہدانہ کارناموں کی بناء پر کل بھی رہبر قوم وملت تھے، آج بھی ہیں اور آپ کے تمام مجاہدانہ طریقے گاہے بگاہے ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے .... ؎

تو سامنے نہیں ہے میرے رہبرِ حیات
لیکن تیری بتائی ہوئی راہ گزر تو ہے

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

امیر ملتؒ نے اپنی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے کو دین کی عظمت اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے وقف کر دیا تھا، صبر و استقلال کے اس پہاڑ کو جابر حکومت اور دشمنانِ ملک نے اس مقدس مشن سے ہٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی، مگر ان کو سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوسکا، کیوں نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی سوچ وفکر، مجدد الف ثانیؒ کا تدبر، قاسم نانوتویؒ کا صبر و استقلال اور شیخ الہندؒ کی دانائی و حکمت اور حسین احمد مدنیؒ کی جرأت عطا فرمائی تھی، خوف نام کی کوئی چیز آپ کے پاس سے نہیں گزری، کیونکہ علماء، انبیا علیہم السلام کے صحیح جانشین اور علمی وارث ہیں، نبوت کا سلسلہ تو جناب محمد ﷺ پر ختم ہے، لیکن نبوت کا ہر مشن قیامت تک جاری رہے گا اور داعیانِ حق اور مجاہدینِ ملک وملت ہمیشہ دعوت وعمل کا کام کرتے رہیں گے۔ مختصر یہ کہ جب حکومتِ ہند نے مکاتب ومدارس کی تعمیر وترقی کو روکنے کے لئے سیاہ بل جیسے قانون کو لاگو کرنے کی کوشش کی تو حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے جرأت مندانہ قدم اُٹھا کر جمعیۃ علماءِ ہند کے جھنڈے کے سائے میں سیاہ بل کانفرنس کر کے ان کے اس کالے قانون کو اسی بل میں واپس کروادیا، جس بل سے وہ آیا تھا، اسی طرح جب غیر مقلدین نے حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ عظام جیسی مقدس ہستیوں پر الزام لگانے کا ارادہ کیا تو حضرت والا مرحوم نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے تحفظ سنت کانفرنس کر کے ناموسِ صحابہ کرام وائمہ عظام کی پاسداری کی اور ان باطل طاقتوں کا منہ توڑ جواب دیا اور اسی طرح جب بھی اسلام اور مسلمانوں پر کوئی آنچ آئی ہے تو حضرت مدنیؒ نے اپنی تمام تر محنت وکوشش سے اس کو بجھانے کی انتھک جدوجہد کی ہے اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت مولانا تمام مسلمانوں کی عزت وآبرو تھے اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آخری دم تک مسلمانوں کے مسائل کو پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بلا کسی خوف وخطر کے پہنچاتے رہے، مولانا نے صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور مسلمانوں کی تمام عمر راہنمائی کرتے رہے اور ان کے مسائل پر روتے رہے اور ہر طرف کی چہ می گوئیوں کے کانٹوں کے بیچ اس طرح زندگی گزاری کہ آج بھی ہم تمام لوگوں کو ان کی زندگی پر رشک ہے اور ان کی عدم موجودگی کا احساس تمام عمر ہوتا رہے گا ....

زندگی ایسی جیو کہ دوسروں کو رشک ہو
موت ہو ایسی کہ دنیا دیر تک ماتم کرے

اس شعر کی وہ عملی تفسیر بن گئے تھے۔

باب : ۲
سیرت وسوانح، علم وفضل،
اوصاف وکمالات اور جامعیت

مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک باکمال شخصیت

اکابر علماءِ دیو بند کے مسلکِ اعتدال کے امین وترجمان، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی طویل علالت کے بعد بالآخر ۷رمحرم بمطابق ۶رفروری ۲۰۰۶ء بروزِ پیر انتقال کر گئے۔فانّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی ولادت ۱۹۲۹ء میں دیو بند میں ہوئی تھی۔دارالعلوم دیو بند ہی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فرزندِ ارجمند ہونے کے ناطے انہیں اکابر دیو بند کی جملہ روایات ورثے میں ملیں۔آنکھ کھولی تو اپنے عظیم باپ کو اپنی صداقت بیانی کے ذریعہ قوم کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک جھنجھوڑ کر طوقِ غلامی گردن سے نکالنے کے لئے آمادہ کرنے میں سرگرم اور سرگرداں پایا۔ہر وقت ان کا ایک قدم جیل میں دیکھا، اس لئے حب الوطنی، حریت خواہی، حریت پروری، خدمتِ ملک وقوم انہیں ورثہ میں ملی۔۱۹۴۲ء سے جمعیۃ علماءِ ہند سے باقاعدہ وابستہ رہے۔ایک سال مدینہ منورہ میں بھی قیام فرمایا۔۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علماءِ ہند کے جنرل سیکرٹری و ناظمِ عمومی بنے اور ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہوئے اور پھر کئی سیشنوں میں ممبر چنے گئے۔۱۹۷۰ء میں یوپی پردیش کانگریس کمیٹی کے نائب صدر منتخب ہوئے۔۱۹۶۸ء سے سینٹرل حج کمیٹی کے بھی رُکن رہے۔۷۰-۱۹۷۱ء میں اُس کے چیئر مین بھی رہ چکے، ۱۹۷۱ء میں کانگریس پارلیمانی پارٹی کی ایگزیکیٹو کمیٹی کے رُکن منتخب ہوئے تھے۔ناردرن ریلوے کی زونل کمیٹی کے رُکن اور وزارتِ داخلہ اور وزارتِ خارجہ اور وزارتِ اطلاعات ونشریات کی پارلیمانی مشاورتی کمیٹیوں کے ممبر بنتے رہے۔

ایک عرصہ سے عالم اسلام کی ایک بین الاقوامی تنظیم جامعۃ الازہر (قاہرہ) کی مجمع البحوث الاسلامیہ ...... کے رُکن رہے اور گزشتہ کچھ سالوں تک پابندی سے اس میں شرکت کرتے رہے۔برما، ملیشیا، جنوبی افریقہ، مصر، عراق، لیبیا، لبنان، کویت، شام، کینیا، زامبیا، ماریشش، جزائری یونین، برطانیہ، بحرین، پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر کئی ممالک کے اسفار کیئے اور وہاں آپ کے ہی ذریعہ جمعیۃ علماءِ ہند کا تعارف ہوا۔

الغرض مولانا کی پوری زندگی قوم وملت کی خدمت میں ہی گزری۔ وہ سیاست کے گلیارے میں بھی اِسی لئے گئے تا کہ ملت کا فائدہ ہو، ملت کی آواز موثر آواز میں پہنچائی جائے، ملی مسائل حل کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ اُن کے پارلیمانی بیانات اور کئی ایک حصولیابیاں اس کی گواہ ہیں۔ جمعیۃ علماءِ ہند کی تعمیر وترقی، اُس کو فعال ومتحرک بنانا، ملی مسائل کو جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے حل کرنے کی کوشش کرنا، دوسری ملی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنا، مسلمانوں میں دینی، عصری تعلیم عام کرنا، مسلم اقتصادیات کا استحکام، مسلمانانِ ہند میں حوصلہ واعتماد پیدا کرنا، ناگہانی حادثات اور فرقہ وارانہ فسادات میں اُن کی مدد کرنا اور اِن جیسے کئی ملی ورفاہی کام اُن کی زندگی کا مشن تھے۔ اِسی میں انہوں نے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ صرف کیا۔

مولانا اسعد مدنی سے متعلق سیاسی مدبرین اور بالغ نظر دانشوران کے نظریۂ سیاست اور اندازِ خدمت کے بارے میں دفتر کے دفتر تیار کرلیں گے۔ مضامین کے انبار لگا دیں گے اور اگر مجھے اس بارے میں کچھ کہنا پڑے (گو مجھے اپنی علمی بساط اور علمی حدودِ اربعہ معلوم ہے اور میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں تاہم ایک طالب علمانہ رائے ضرور رکھتا ہوں) تو بلا تکلف اقبالؒ کے وہ اشعار پڑھ کر سناؤں گا جو انہوں نے ضربِ کلیم میں ''امامت'' کے عنوان سے کہے ہیں ....

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرمادے
فقر کی شان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملتِ بیضاء ہے امامت اس کی
جو مسلمان کو سلاطیں کا پرستار کرے

مولانا اسعد مدنی کی سیاست کو ایک اور اعزاز اور امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی سیاسی قوت اور جماعتی وحدت کو اقتدار کی سودا بازی اور بڑی طاقتوں کی سازشوں کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بنایا، ورنہ وہ کونسا حکومتی عہدہ

تھا جوانہیں نہیں مل سکتا تھا، مگر انہوں نے مسلمانوں کی وحدت اور اپنی سیاسی قوت کو اقتدار کے گرداب میں نہیں پھنسایا بلکہ مکمل آزادی، خدمت اور انقلاب کی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے سیاست کا سبق مغرب کی کتاب سے نہیں پڑھا بلکہ یہ درس بارگاہِ رسالت مآب سے لیا، کیونکہ سیاسی مہنت چودہ سو سال پہلے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھنے کی آفر کیا کرتے تھے اور آج بھی عالمی طاقتیں اسی طرح کی مرغوب پیش کش ہر وقت اپنی جیب میں رکھتی ہیں، مگر مولانا اسعد مدنی نے ہر چمک کو ٹھکرادیا وہ مستضعفینِ جہاں کے نزدیک جانِ آرزو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

ہندو بنیا اور مغربی قوتیں انہیں للچائی نظروں سے دیکھتے رہے اور اپنا اپنا دام بچھا کر بیٹھے رہے کہ شاید یہ شہباز کسی دانے کی بدولت پھنس جائے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں سب کو معلوم ہو گیا ....

ع کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

مولانا اسعد مدنی نے بھی اپنے عظیم والد اور اسلاف کی طرح اسلام کو ایک انقلابی قوت ثابت کیا ہے۔ ان ہی کے دارالعلوم دیوبند کے روحانی ابناء طالبان نے اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ۔ (آلِ عمران:۲۶) (اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے) کی عملی تفسیر محض منبر پر بیٹھ کر بیان نہیں کی بلکہ طالبان کی صورت میں مسندِ حکومت پر فروکش ہو کر بیان اور ثابت کردی ہے اور جو پروپے گنڈہ رواں صدی میں ایک قسم کا عقیدہ بن چکا تھا کہ مذہب اور سیاست کا آپس میں کوئی ربط نہیں۔ اربابِ مذہب کو سیاست کی کیا سمجھ؟ مکتب و خانقاہ کی مخلوق کا سیاست سے کیا واسطہ؟ اس کے بخیئے اُدھیڑ کر رکھ دیے۔

مذہب اور سیاست کا تعلق اور ربط تو خیر ہر دور میں ثابت اور متحقق رہا، البتہ دوسری پھبتیاں اپنی جگہ قابل غور ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ اربابِ مذہب کو اس سیاست کی قطعاً سمجھ نہیں جس کا قبلہ حاجات امریکہ ہو، جو سیاست انسانی بصیرت کے بجائے گھوڑوں اور خچروں کی تجارت ہو، جس سیاست میں مکر کو ہنر، زر کو بنیادی قدر، عیاری کو فنکاری اور لوٹے پن کو فن کا درجہ حاصل ہو، مکتب و خانقاہ کی مخلوق فی الواقع اس سیاست کے لئے نااہل ہے جو زرداریوں کی لونڈی، لغاریوں کی باندی، مزاریوں کی داشتہ، ٹوانوں کی جیبی گھڑی اور نوابوں کی دستی چھڑی بن چکی ہو، اگر سیاست نام ہے استقامت کا اور کردار کا، تو زمانے کی اُلٹ پھیر اس بات کی گواہ ہے کہ سلاطینِ وقت کے محل لرز گئے، مگر فقراء کی جھونپڑی کا ایک بانس بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

امراء کے غالیچوں کے بخیئے ادھڑ گئے مگر مصلے کی چٹائی کا ایک تنکا بھی نہیں ٹوٹا، شہزادوں کے تاج نیلام

ہو گئے، مگر اللہ والوں کے دامن کا ایک بھی پیوند نہیں بکا۔ بد معاشوں کا کاسہ سر بیچ گیا مگر شریفوں کا فقر سالم وثابت رہا ،خطاب یافتہ نواب انگریزوں کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے مگر اربابِ منبر ومحراب اپنے ربّ کے در پر پڑے رہے ،مکتب وخانقاہ والوں نے کبھی اپنی قوم کا سودا نہیں کیا، انگریز بہادر کے سوؤروں کے ریوڑ نہیں چرائے، گوروں کے گھوڑوں کی لید صاف نہیں کی، میموں کے سامنے سر جھکا کر عزت کی بھیک نہیں مانگی، اور برطانیہ عظمیٰ کو کبھی مائی باپ کا درجہ نہیں دیا .... ؎

داماں توکل کی یہ خوبی ہے کہ اس میں
پیوند تو ہوسکتے ہیں دھبے نہیں ہوتے

مولانا اسعد مدنی اور ان کے گلشنِ علم کے خوشہ چین طالبان نے انقلابی سیاست کے ذریعے اس مکروہ پراپیگنڈے کی قلعی کھول دی اور اس مذموم عقیدے کی ایک ایک دھجی بکھیر کر رکھ دی اور خالص اسلامی انقلاب کا پروگرام دے کر کسی سازش اور رات کے اندھیرے میں کسی خفیہ معاہدے کے بغیر محض عوامی تائید کی بنیاد پر افغانستان میں ایک انقلابی حکومت قائم کر کے دکھادی اور یورپ کے خوشہ چینوں کے منہ میں خاک ڈال دی۔

مولانا مدنی کی سیاست کا ایک اہم جزو یہ بھی ہے کہ انہوں نے کسی قومی عصبیت، علاقائی منافرت لسانی تفریق، صوبائی تنازعے اور گروہی جھگڑے کو اپنی سیاسی جدوجہد میں داخل اور شامل نہیں ہونے دیا، بلکہ از اوّل تا آخر وہ اسلامی سیاست، امریکی تسلط کے خاتمے اور ملوکیت کی جگہ شورائیت کی بات کرتے رہے کسی ایک طبقے کو مشتعل کر کے انہوں نے اپنی قیادت نہیں چمکائی بلکہ پوری قوم کو اپنے ساتھ ملا کر تحریک وسیاست کی بنا ڈالی اسی طرح ان کے مکتبِ فکر کے ترجمان طالبان' فوج کے ٹینکوں پر بیٹھ کر نہیں بلکہ عوام کے کندھوں پر سوار ہو کر ایوانِ اقتدار میں داخل ہوئے اور اہل دنیا کو یہ پیغام دیا کہ سارے فیصلے واشنگٹن اور ماسکو میں نہیں ہوتے بلکہ اصل فیصلے عوام کی مرضی سے ہوتے ہیں، جسے عالمی طاقتوں کی خوشہ چینی پر ناز ہو وہ مجسمۂ عبرت بن جاتا ہے اور جسے مجبور ومقہور لوگوں کی ہم نشینی پر فخر ہو وہ مرجع عقیدت کہلاتا ہے .... ؎

ڈھونڈھ اُجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں

اسی طرح حضرت مدنیؒ نے سیاست میں بھی ایک طرح نو ایجاد کی، چونکہ وہ کسی چور دروازے سے سیاست میں نہیں آئے تھے، اس لئے انہیں ''سودابازی'' اور ''جوڑ توڑ'' کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ انہوں نے سیاسی عظمت کو شہیدوں کے خون کا ثمر سمجھا اور فدائیوں کی جدوجہد کا اثر قرار دیا۔ اس لئے انہوں نے اپنے خاندان کو

نواز نے، اپنے بینک بیلنس بڑھانے، عزیز واقارب کو مختلف محکموں میں کھپانے اور سیاسی مہاشوں کے محل سجانے کے بجائے ان لوگوں کے ہاتھ میں عنان قیادت و سیاست دی، جن کے جسم کارواں رواں اسلامی جدوجہد کی شہادت دے رہا تھا، انہوں نے قیادت کو ہائی جیک نہیں ہونے دیا کہ قربانی کوئی اور دے اور لطف قیادت کوئی اور اُٹھائے، جان کسی کی جائے اور فرمان کسی کا چلے، زندانوں کو کارکن بھریں اور ایوانوں کی رونق چودھری بنیں، گھر بار غریب لٹائیں اور اقتدار کا پھل امیر کھائیں۔ انہوں نے آکسفورڈ کی ڈگری کو قیادتی عہدے کا معیار نہیں بنایا بلکہ قربانی کو اثاثۂ افتخار قرار دیا۔ حضرت مدنی نے مسلم امۃ کو ایک نیا آہنگ دیا کہ وہ مشرق و مغرب پر انحصار نہ کرے بلکہ اپنے زور بازو سے خود کفالت کی راہ اختیار کرے۔

المختصر یہ کہ حضرت مولانا اسعد مدنی نے سیاست بھی اسلامی کی اور قیادت بھی انقلابی بنائی، نہ انہوں نے سیاست کے لئے یورپ کی دریوزہ گری کی اور نہ قیادت کے لئے غیروں کی پیروی کی، دنیا والے یقیناً سوچتے ہوں گے کہ ایک ایسا شخص کیسے کامیاب سیاستدان بن گیا جسے یورپ کی کسی یونیورسٹی کی سند حاصل نہیں، جس کا خاندان لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہو، جس نے کسی کلب کے بجائے مکتب میں آنکھ کھولی ہو، جس کی پیشانی صرف سجود آشنا ہو، جس کی پرورش شاہی محل کے بجائے حجرۂ مسجد میں ہوئی ہو، جو معروف معنوں میں سردار نہ ہو اور دنیوی اعتبار سے ''خاندانِ غلاماں'' کا فرد ہو، اہل دنیا اصل میں ہر جگہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں، وہ ہر ایک کو اپنی میزان میں اپنے باٹوں تولنے کے عادی ہیں، ورنہ انہیں سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آتی ....

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

مولانا ابوبکر غازی پوری

اوصاف وکمالات کا حسین امتزاج

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

یہ آیتِ کریمہ خدا کا وہ پاک ارشاد ہے جس کی صداقت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ انسان کا جب سے اس دھرتی پر وجود ہوا ہے، اس ارشادِ پاک کی صداقت وسچائی انسان دیکھتا چلا آ رہا ہے اور اس کا مشاہدہ تاریخِ انسانی تا قیامت کرتی رہے گی۔

اس فرمانِ الٰہی کی صداقت وسچائی کا ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں، اس کی صداقت پر ہمارا پختہ ایمان اور یقین بھی ہے۔ اس کارگہ ہستی میں جو بھی آیا ہے اس نے بہر حال یہاں سے جانا ہے، کوئی انسان اس دنیا میں ابدی زندگی لے کر نہیں آیا ہے، ان تمام حقائق پر ایمان ویقین کے باوجود بعض انسانوں کا اس دنیا سے جانا ہمارے لئے ایسا حادثہ بن جاتا ہے جو ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے، جس کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے اور جس کا واقع ہونا گویا قیامت کا سر پر گذرنا ہوتا ہے۔

گزشتہ ماہ ماہِ محرم الحرام میں مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا حادثۂ وفات اسی نوع کا تھا، آپ کا اس دار فانی سے کوچ کر جانا ایسا حادثہ تھا کہ ملتِ اسلامیہ کا باشعور طبقہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، اور سب نے زبانِ حال سے گویا یوں کہا کہ جس کے ہاتھ میں ملتِ اسلامیہ کی کشتی کا پتوار تھا وہ اس جہاں سے چلا گیا، ملت کا امیر کارواں رخصت ہوا، اسلام کے مردِ مجاہد کو ہم نے الوداع کہا ....

جس کے دم سے زندگی تھی قوم کی تابندہ تر
از میانِ قوم، میر کارواں جاتا رہا

حضرت مولانا مدنیؒ تین ماہ سے مسلسل بے ہوشی کے عالم میں تھے، دہلی کے گراں ترین ہسپتال اپولو میں عمدہ سے عمدہ علاج ہوتا رہا۔ ماہر ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم مولانا کی دیکھ بھال میں لگی رہی، مگر جب اجل مسمّٰی آ گئی تو رحمت کے فرشتوں نے ان کی روح کو اپنے قبضہ میں کر ہی لیا اور اس دنیا سے ان کا رشتہ وناطہ بظاہر ختم ہو گیا،

جہاں انہوں نے اپنے سالہائے زندگی کی اٹہتر (۷۸) بہاریں دیکھی تھیں۔

مولانا کی پوری زندگی ایک جہد مسلسل تھی، ملتِ اسلامیہ کے لئے آپ کے دل میں جو تڑپ تھی، جو خلوص تھا، آج اس کا شائبہ بھی دوسرے قائدین میں نظر نہیں آتا، مدعیانِ قیادت وسیادت تو بہت ہیں مگر ملتِ اسلامیہ کے لئے جو دھڑکتا ہوا دل بن جائے اس کا نمونہ اس زمانہ میں کم از کم برصغیر میں صرف مولانا اسعد مدنیؒ کی ذات تھی۔

ایک سچے اور مخلص قائد کا تعلق سب سے پہلے اپنے ربّ سے ہوتا ہے، مولانا مدنیؒ کی زندگی عبادت و تقویٰ، خشیت وانابت کا ایک نادر نمونہ تھی، مولانا کی نماز ایک عبدِ مؤمن کی نماز ہوتی تھی، سنت ونوافل کے پورے اہتمام کے ساتھ اتنی سکون سے نماز پڑھنے والا طبقۂ علماء میں کم از کم مجھے کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آیا، سفر ہو، حضر ہو، خلوت ہو، جلوت ہو، آپ کی نماز ہمیشہ خضوع وخشوع والی ہوتی تھی، سجدہ میں جب جاتے تو اتنی دیر میں سر اُٹھاتے کہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اتنی دیر میں وہ چار رکعتیں نماز کی ادا کر لیتے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، ایک ایسا آدمی جس کی پوری زندگی مصروف ترین زندگی رہی ہو، جس کی عمر کا بیشتر حصہ سفر میں کٹا ہو، وہ نماز کی ادائیگی اس خشوع کے ساتھ کرے، اس کو کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ بیماری کے عالم میں بھی ہم نے مولانا کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، خدا کی قسم رشک آتا تھا ان کی نماز کو دیکھ کر۔

نماز میں خشوع وخضوع کی یہ کیفیت اس بات کی بین دلیل تھی کہ خدا کے نزدیک مولانا اسعد مدنی ''مفلح'' تھے۔ ''قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون'' ، وہ اہلِ ایمان کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں کو خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

مولانا مدنیؒ کو اللہ نے قیادت، سیادت کی تمام صفات سے نوازا تھا۔ ظاہری رعب و وجاہت کے علاوہ اللہ نے آپ کو جس وقعت اور جس عظمت سے نوازا تھا، محبوبیت کی آپ میں جو شان دلربائی تھی ملت کے دوسرے قائدین میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ جرأت وشجاعت میں مولانا مدنیؒ اپنی نظیر آپ تھے۔ حق بات کہنا آپ کا شیوہ تھا، نازک وقت میں ملت کی دست گیری میں آپ سب سے آگے تھے، سخاوت وفیاضی کے بادشاہ تھے۔

مولانا اسعد مدنی کا حلقہ بڑا وسیع تھا، ہندو پاک وبنگلہ دیش کے علاوہ یورپ وامریکہ اور ساؤتھ افریقہ میں بھی آپ سے تعلق خاطر رکھنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے، ان ممالک میں حضرت مدنیؒ کا فیض جاری تھا۔

مولانا مدنیؒ کی پوری زندگی حرکت اور مسلسل حرکت سے عبارت تھی۔ٹھہراؤ اور استقرار کا آپ کی زندگی میں نام ونشان نہیں تھا۔مولانا مدنیؒ عزم وہمت کے پہاڑ تھے،جس بات پر ڈٹ جاتے تو اس جگہ سے ان کو کوئی ہلانے والا نہیں تھا۔اس کا نمونہ ہم نے مولانا کی زندگی میں بار بار دیکھا،طوفان اور آندھیاں مولانا مدنیؒ کا نہیں مولانا مدنی طوفانوں اور آندھیوں کا رُخ پھیر دیا کرتے تھے،بڑھاپے میں بھی ان کا جوش عمل ہزار ہزار نوجوانوں سے بڑھا ہوا تھا۔سفر اور طول طویل سفر ان کی زندگی کا جزء لاینفک بن گیا تھا،شدید بیماری اور انتہائی ضعف ونقاہت میں بھی ان کا سفر جاری رہتا۔

مولانا صبر وعزیمت کی ایک نادر الوجود مثال تھے۔ان کی زندگی میں مخالفتوں کے نہ معلوم کتنے طوفان اُٹھے،بہت سے اپنے بیگانے بن گئے،مگر مولانا کی زندگی پر ان مخالفتوں کا کوئی اثر نہیں دیکھا گیا،جس سمت اُنہوں نے قدم بڑھایا،پھر اس کو پیچھے نہیں کیا اور پھر جو مخالفین تھے خود ان کی ہمت نے مولانا کے صبر وعزیمت کے سامنے دم توڑ دیا،مخالفین کے ساتھ مولانا مدنیؒ کا معاملہ عفو،درگزر کا تھا،ان کا ذکر بہت کم ان کی زبان پر آتا اور کبھی آتا بھی تو ان کا نام ہمیشہ احترام سے لیتے،اگر ان کا شدید مخالف بھی کسی حادثہ کا شکار ہوتا تو حضرت مولانا اسعد صاحبؒ اس کی مدد کو پہنچتے،اس کی عیادت کو جاتے،مولانا کا یہ عمل مخالفین کو بھی پانی پانی کر دیتا۔

○ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے سینہ میں ایک تڑپتا ہوا دل تھا،ملت کے مسائل انہیں بے چین کئے رہتے تھے۔مولانا مدنی مغربی طاقتوں کی اسلام دشمنی سے خوب واقف تھے اور اس کے بارے میں ان کی فکرمندی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔مولانا مدنیؒ نے مسلمان نوجوان نسل کو ان اسلام دشمن طاقتوں کا شکار بننے سے بچانے کے لئے یورپ اور امریکہ میں اسلامی مدارس اور دینی مکاتب قائم کرنے کی زبردست تحریک چلا رکھی تھی،ان کی کوششوں کے نتیجہ میں نہ معلوم یورپ اور امریکہ میں کتنے دینی مدارس قائم ہو گئے ہیں،لندن کی مساجد گواہ ہیں کہ ان مساجد میں مولانا مدنی نے بار بار یہ کہا اور مسلمانوں کو للکارا کہ یہ جو تم شاندار مساجد بناتے ہو اور ان مساجد میں قیمتی قالینیں بچھاتے ہو،اس پر تمہارا پیسہ خرچ کرنا حرام ہے۔تمہارے بچے سرکاری اسکولوں میں پڑھ کر دین سے بیگانہ ہو رہے ہیں،تم کو ان کی فکر کرنی چاہئے اور مسجدوں کو خوبصورت بنانے اور ان میں قیمتی قالینیں بچھانے والا پیسہ تم کو اپنا کالج اور سکول کھولنے میں لگانا چاہئے جہاں تمہارے بچے سرکاری نصاب بھی پڑھیں جو ان کے لئے لازم اور ضروری ہے اور اپنے دین کی باتیں بھی سیکھیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کا سامان بھی کریں۔

مولانا کی کوششوں اور ان کی ترغیب سے میں نے برطانیہ میں خود دیکھا ہے کہ متعدد مدارس کھل گئے،یورپ اور مغربی ممالک میں اس طرح کے دینی مدارس کھلوانا اور اس پر وہاں کے مسلمانوں کو آمادہ کرنا مولانا رحمۃ

اللہ علیہ کی فکر کا خاص مرکز تھا۔ اس سے مولانا کے دل کی اس بے چینی اور اضطراب کا پتہ چلتا ہے، جو ملت کے ان نوجوانوں، مغربی تہذیب وتمدن کا شکار ہونے کے نتیجے میں ان کے اندر پائی جاتی تھی۔

حضرت مولانا نے ایک عرصہ دراز تک جمعیۃ علماء کے صدر کے عہدہ کی ذمہ داری سنبھالی، مولانا کی صدارت کا زمانہ جمعیۃ علماء کی ترقی کا بڑا سنہرا دور رہا ہے۔ جمعیۃ کے وقار کو مولانا نے بہت بلند کیا اور اس کے کام کی متعدد جہتیں سامنے آئیں۔ فرقہ پرست طاقتیں بھی اور حکومت بھی جمعیۃ کی طاقت اور مسلمانوں میں اس کے اثر کی گہرائی کو محسوس کرتی رہی ہے، جب بھی فرقہ پرستوں نے اپنا پرپرزہ نکالا مسلمانوں نے اپنے نڈر اور بے خوف قائد کی رہنمائی میں ان طاقتوں سے آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کی۔ حکومت نے اگر مسلمانوں کے مصالح کو نظر انداز کر کے کوئی قدم اُٹھایا تو حضرت مولاناؒ نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے حکومت کا للکارا جس سے ایوانِ حکومت میں زلزلہ سا پیدا ہو گیا، ایسی متعدد مثالیں ہیں کہ حکومت کو مولانا مدنی کے میدان میں آجانے کے بعد اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ حکومت اگر کسی کا دباؤ محسوس کرتی تھی تو وہ جمعیۃ علماء اور حضرت مدنی کی ذات تھی۔

حضرت مولانا کی پوری زندگی گواہ ہے کہ وہ حکومت کے سامنے کبھی جھکے نہیں اور نہ اپنے ذاتی مفاد کے لئے مسلمانوں کی مصلحتوں کو نظر انداز کر کے حکومت سے کبھی کوئی سودا کیا۔ اربابِ حکومت سے مولانا مدنی کس طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، بھاجپا کی حکومت تھی، حضرت مولانا حکومتِ امریکہ کے سخت مخالف تھے جبکہ ہندوستان کی حکومت امریکہ کا ساتھ دے رہی تھی، اس موقع پر اس وقت کے وزیر اعظم باجپائی نے کسی بات پر مولانا مدنی کو دھمکی دی تھی کہ وہ مولانا مدنی کو سمجھ لیں گے، تو مولانا نے باجپائی کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ مسٹر باجپائی اسعد مدنی کو سمجھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، انگریز تو ہمیں سمجھ نہیں سکا مسٹر باجپائی میں کیا ہمت ہے کہ وہ ہم کو سمجھیں گے اور پھر گرج کر یہ شعر پڑھا

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں ۔۔۔ تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

حکومتِ وقت کے سامنے اگر بات دین کی، شریعت کی اور مسلمانوں کی آجاتی تو مولانا کا لب ولہجہ اسی قسم کا ہوتا، آج کون ہے جو کسی حکومت کے پرائم منسٹر سے اس لب ولہجہ میں مخاطب ہو سکے، جرأت و بہادری وحق گوئی کہ یہ مثال مولانا کے ساتھ ختم ہو گئی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کا ایک سلسلہ ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، حضرت مولانا کی زندگی میں جب بھی کہیں فساد پھوٹتا تو مولانا مدنی اپنی جان پر کھیل کر فسادات کے مواقع پر پہنچتے، مظلومین کے زخم پر مرہم رکھتے، مظلوموں کی امداد کے لئے شب و روز ایک کر دیتے، ظالموں اور فسادیوں کو ان کے کیفر کردار تک

پہنچانے کے لئے ان کے بس میں جو کچھ ہوتا وہ سب کر گزرتے، کتنی اُجڑی بستیوں کو انہوں نے دوبارہ رونق دی، اس بارے میں مولانا کے جو کارنامے ہیں ملت اسلامیہ اسے فراموش نہیں کرسکتی۔

حضرت مدنی کی جو بہت خاص بات تھی جو کسی دوسرے مسلمان قائد میں دیکھنے کو نہیں ملتی، وہ یہ کہ دینی و ملی مسائل میں مولانا کے جذبات بڑے نازک تھے۔ اس بارے میں کسی طرح کی رواداری کے وہ قائل نہیں تھے۔ دین وایمان پر اگر کہیں سے بھی آنچ آنے کو وہ محسوس کرلیتے تو اس کا مقابلہ سردھڑ کی بازی لگا کر کرتے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور ہر طرح کا جوکھم اُٹھانے کے لئے تیار رہتے، وہ اس بارے میں کسی طرح کی مصلحت کو رکاوٹ بننے کا موقع دینے کو تیار نہ ہوتے۔

حضرت مولانا مدنی کی تین خاص باتیں جو میرے نزدیک ان کی کرامت تھی اسے ذکر کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔

پہلی تو یہ کہ مولانا کو اپنے جذبات پر بڑا کنٹرول تھا، ان کا ہر اقدام بہت سوچ سمجھ کر ہوتا، جذبات کی رو میں بہہ کر وہ کام نہیں کرتے تھے، سوچتے استخارہ کرتے تب اپنا قدم آگے بڑھاتے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے سے بہت کم پیچھے ہٹتے تھے اور پھر دوسروں کو بھی ان کے فیصلہ کی صحت پر ایمان لانا ہی پڑتا۔

دوسری بات یہ کہ مولانا اپنے مخالفوں کی بات کو بھی بڑے ٹھنڈے دل سے سنتے، مخالفت پر بھڑکتے ہوئے ان کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بہت غور سے وہ بات کو سنتے اور پھر بڑے ٹھنڈے اور مدلل انداز میں اس کا اس طرح جواب دیتے کہ ان کا مخالف چپ سادھ لیتا۔

تیسری بات یہ کہ مولانا کو اپنے غصے اور اپنی نیند پر پورا کنٹرول تھا۔ میں نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ ابھی مولانا کسی بات پر بہت خفا ہیں اور جب دوسری طرف رُخ کر کے دوسرے سے بات کرتے ہیں تو اس غصہ کا نام ونشان نہیں ملتا۔

نیند پر کنٹرول کا عالم یہ تھا کہ مولانا سید احمد ہاشمی کے ساتھ آسام کے سفر سے ہوائی جہاز سے واپس ہو رہے تھے، جہاز طوفان میں گھر کر ہچکولے کھانے لگا، سارے مسافر پریشان، سب کو اپنی جان کی فکر ستائے ہوئے ہے، موت کا نقشہ سامنے ہے، اس حالت میں مولانا ہاشمی فرماتے تھے کہ مولانا نے چادر سے چہرہ ڈھانکا اور خراٹے کی نیند میں پہنچ گئے، جب طوفان رُکا تو بیدار ہوئے۔ یہ اگر کرامت نہیں ہے تو آخر کرامت کیا ہے؟

حضرت مدنی کی وفات سے جماعتِ دیوبند کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی مولانا اس جماعت کی ہندوستان میں آبرو تھے۔ مولانا کے دم سے اس جماعت کا وقار تھا۔ جماعتِ دیوبند کے

مسلک ومشرب کے تحفظ میں مولانا کا قدم سب سے آگے تھا۔ اپنے اکابر سے ان کو والہانہ تعلق اور سچی عقیدت و محبت تھی۔ اکابر کے ساتھ ہی والہانہ تعلق کی بات تھی کہ جب سلفیت نے ایک فتنہ کی شکل اختیار کر لی اور جماعتِ دیوبند کے خلاف الدیو بندیہ جیسی کتاب لکھی گئی تو مولانا نے اپنے عمل سے اس سلفیت کا جو محاسبہ کیا تو ہندوستان کے سلفیوں کی نیند حرام ہوگئی۔ سعودی اربابِ حکومت سے اس بارے میں حضرت مولانا جس طرح کی گفتگو کرتے تھے، اس کا نمونہ میں نے خود دہلی میں سعودی سفیر سے گفتگو کرتے وقت دیکھا ہے۔ جب مولانا نے اس سفیر سے بڑے تیز لہجہ میں کہا تھا کہ اگر سعودیہ میں الدیو بندیہ جیسی کتابوں کی اشاعت جاری رہی تو میں ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی حکومتِ سعودی کے خلاف تحریک چلاؤں گا۔

جماعت دیوبند کے لئے ایسا حساس دل رکھنے والا کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا۔ اکابر کے مسلک ومشرب کے مولانا ترجمان تھے۔ اس سے ہٹ کر ایک قدم بھی چلنا اُنہیں گوارا نہیں تھا، جماعتِ دیوبند کی حقانیت پر ان کا یقین غیر متزلزل تھا، آج بہت سے اپنے ہی لوگوں میں رواداری کے نام پر اپنے اکابر کے مسلک ومشرب سے انحراف کی جو بدعت پیدا ہوگئی ہے، مولانا اس سے سخت نالاں تھے اور ایسے رواداروں سے وہ کسی طرح کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

مولانا کے جانے کے بعد جماعتِ دیوبند میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے، ویسے اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ہوسکتا ہے کہ غیب سے کوئی رجلِ رشید پیدا ہو اور مولانا کی جگہ آباد ہو سکے۔

حضرت مولانا کا احقر کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا۔ اس کا ذکر کیسے کیا جائے اور کیا جائے تو کس کو یقین ہو کہ مولانا کے نزدیک ایک حقیر فقیر کی اتنی اہمیت تھی اور اس کے کاموں کی اتنی قدر تھی، سچ تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات ہی تھی جس سے مجھے حوصلہ ملا کرتا تھا اور کام کرنے میں جی لگتا تھا، اب ادھر اُدھر نگاہ کر کے دیکھتا ہوں تو کوئی نظر نہیں آتا جس کی ہمت افزا باتوں سے حوصلہ ملے اور کام کرنے کی لگن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کی سیآت کو معاف کرے، ان کے درجات کو بلند کرے، ان کے پسماندگان کو صبر دے اور ان کو انکا نعم البدل بنائے۔

اللّٰهم اغفرله و ارحمه وعف عنه واجعل مقامه عندک

فی علیین انت السمیع العلیم و مجیب الداعین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی مدظلہ
خصوصی وقائع نگار ماہنامہ ''القاسم''

جامعیت وکمال

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو دارالبقاء سدھارے پورے چار ماہ ہونے کو ہیں مگر لگتا ہے کہ ان کا یہ سانحہ اور حادثۂ وفات کل ہی پیش آیا۔ ان کی وفات حسرتِ آیات کا صدمہ کہاں بھولا اور اتنا جلدی بھلایا بھی کہاں جا سکتا ہے کہ جس ذات میں سب کی تڑپ تھی اور سب کا درد تھا وہ سب کو تڑپا کر اور درد دے کہ خود تو خلد آشیاں مقبرہ میں اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے پہلو میں محواستراحت ہیں مگر ......

دستِ بے دادِ اجل سے بے سر و پا ہوگئے
فقرو دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عدل

....

مولانا سید اسعد مدنیؒ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ حضرت شیخ الاسلام اپنی ذات میں فضائل ومناقب اور خصوصیات وحسین روایات کا مجموعہ تھے۔ اقران وہم عصر حضرات میں اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مرجع خلائق تھے اور اپنی مثال آپ تھے۔ پورا خانوادۂ مدنی بجا طور پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ ......

ابونا اب لو کان للناس کلھم — ابٌ مثلہ اغناھم بالمناقب

....

مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے والد کا کامل نمونہ، جیتی جاگتی تصویر اور عکسِ جمیل تھے، تصوف وسلوک ہی نہیں، سیاسی حوالے سے ہندوستان ایسے ملک کی ملک گیر جمعیۃ علماءِ ہند کی مسندِ صدارت ہو، جرأت واستقامت کے ساتھ اعلاءِ کلمۃ اللہ کا معاملہ ہو، ایسا ملک جہاں بھانت بھانت کے مذہب ہوں اور مختلف زبانیں بولی جاتی ہوں، میں کسی کی ایذا رسانی کے بغیر شعائرِ اسلام کی نگہبانی اور محافظت کا معاملہ ہو، اسلام کے صدق آگیں احکام کا اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ اظہار کہ لائم کی ملامت کی پروا کئے بغیر ایمان واسلام کی مطلوبہ حکمت ودانشمندی اور پوری دانائی کے ساتھ اعلانِ حق ہو اور تواضع، عاجزی اور سادگی ہو، سخاوت وایثار وہمدردی ہو اور اُصولوں کی پاسداری ہو،

اپنے گرامی والد کے دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اپنے عظیم باپ کی طرح عمل پیہم تھے اور مجسم جہد تھے اور ایثار، اخوت و بھائی چارگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور رچی بسی تھی، بہت بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے، اپنے والد نور اللہ مرقدہٗ کے بچھائے ہوئے دسترخوان کو لپیٹنا تو دور کی بات ہے، اسے مختصر بھی نہیں کیا تھا۔ امیر الہند سید اسعد مدنیؒ ان تمام صفات ومزایا میں اپنے والد کا کامل پرتو تھے۔

عظیم باپ کے بیٹے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں ملیں گے اور جیسے کسی نے کہا کہ ''ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں'' مگر ...... ع پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

اور جانشین بننا اور الولد سرٌ لابیہ کا مجسم مصداق کارے دارد۔ جہاں ''یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید'' والا معاملہ بھی ہو جاتا ہے لیکن فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے یہ معرکہ ایسی خوش اسلوبی سے اور ایسے خاموش اخلاص آگیں حسن عمل سے سر کیا کہ ملک ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ ہند و پاک نے جانشین کہا

ع ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند ......

شاخ گل از نسیم جلوہ گر است وقت گلبانگ بلبل سحر است

''دارالعلوم'' دیوبند کے مدیر شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب اپنے غم سے لبریز ادارتی مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

''ان کی ایک زندگی نہ جانے کتنی زندگیوں کا مجموعہ تھی۔ اس لئے ان کی وفات صرف خانوادۂ مدنی کا ماتم نہیں، صرف دیوبند و دلی کا ماتم نہیں بلکہ قوم و ملک کا ماتم ہے، جہد و عزیمت کا ماتم ہے، استقلال و استقامت کا ماتم ہے، فراست و حکمت کا ماتم ہے، ایثار و غم خواریٔ خلق کا ماتم ہے ملت اسلامیہ ہند کے طالع و بخت کا ماتم ہے'' ع مرثیہ ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

امیر الہند حضرت سید اسعد مدنی رحمہ اللہ متعدد بار پاکستان تشریف لائے اور بارہا حضرت کی زیارت و ملاقات سے باریاب ہوا۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال، دارالعلوم کبیر والا اور دارالعلوم مدنیہ بہاولپور ان مدارس میں زیارت کے علاوہ تقاریر و بیانات سے بھی متمتع ہوا۔ چند خصوصیات جو مجھ ایسے بے بصر و بے بصیرت کو بھی محسوس ہوئیں ان میں ایک آپ کی حد درجہ کی سادگی تھی۔ گفتگو سادہ جس میں کوئی تصنع، بناوٹ نہ تھی، عالمانہ وقار کے ساتھ بغیر کسی ایچ پیچ کے نپے تلے الفاظ میں مطلب کی بات کہدی جاتی، سجع بندی، الفاظ بندی اور تک بندی سے بات مبراء و پاک صاف ہوتی۔ اس لئے کہ یہ ضرورت سے حد درجہ زائد کی ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے فرد اور شخصیت کے

بناؤ اور تعمیر کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تقریر اس طرح کی ہوتی کہ عام وخاص اور عالم و غیر عالم سبھی مستفید ہوتے اور عقیدہ وعمل کے موتی اپنے اپنے بقدرِ ظرف ضرور لے کر جاتے۔

آپؒ کی تقریروں کے چند اقتباسات درج ہیں۔ مقصود صرف آپ کی کمال سادگی دکھانا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حضرتؒ نے جس ہمدردی، سوز اور درد کے ساتھ پاکستانی علماء سے جو دوٹوک الفاظ میں بات کی ہے اس کا اہلِ علم تک پہنچانا بھی ہے۔ فرماتے ہیں :

''ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں علماء عیش کے عادی ہیں، علماء کو چاہئے کہ وہ باسی وسوکھی روٹی کھا کر اور پیدل چل کر دین کے لئے مصیبت اُٹھائیں، پاکستان کے علماء اس کے لئے تیار نہیں ہیں، کوئی فکر نہیں، نماز نہیں، جماعت نہیں، مسجد نہیں، دینداری نہیں، علم نہیں اور لوگ مرتد ہو رہے ہیں، علماء اپنی نزاکت، مخملی فرش سے نیچے اُتر کر جائیں اور مسجد میں نماز، جماعت اور دین سکھائیں، اس کیلئے تیار نہیں''۔ (پندرہ روزہ خدمات نمبر ص ۲۳۱)

مزید دردمندی، دلی پُرسوزی اور خیر خواہی کے انتہائی جذبہ سے سرشار ہو کر ایک خطاب میں یوں ارشاد فرمایا :

''آج تم دیوبند کے نقلی نعرے لگاتے ہو اور کہیں دیوبند نہیں، اکابر کا کوئی نمونہ نہیں، کوئی خون پسینہ ایک نہیں کرتا، کوئی دیہات میں دھکے نہیں کھاتا، کوئی فاقہ نہیں جھیلتا، کوئی اسلام کی فکر نہیں کرتا، نسل مرتد ہو رہی ہے، آپ کے پنجاب کے کئی ضلعوں پر مشتمل عیسائی ریاست بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور سازشیں ہو رہی ہیں اور آپ کو ائیر کنڈیشنڈ سے نکلنے کی فرصت نہیں، آپ گرمی میں کہاں نکلیں گے اور آپ کو کوئی فکر نہیں کہ مسجد ہے نہیں ہے، بھلے چھپر کی ہو، وہاں کوئی امام ہو، کوئی مؤذن ہو، جماعت کے بارے میں سمجھائیں، ایمان کی فکر کریں، کوئی توجہ نہیں، کوئی کام نہیں، اللہ کے ہاں گرفتار ہوں گے، پکڑیں جائیں گے، چھوٹ نہیں سکتے، صرف تنخواہ لے کر مدرسوں میں پڑھاؤ، یہ کام بہت ضروری ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے، اسلام رہے گا تو مدرسے رہیں گے، خدانخواستہ اسلام ہی مٹ جائے گا تو مدرسے کہاں سے آئیں گے، کون طالب علم ہوگا، کس کو پڑھاؤ گے، اس لئے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لئے محنت کرو، قربانیاں دو''۔ (ایضاً ص ۲۳۱)

اہلِ علم اور دیندار طبقہ سے جو کہنے کی بات تھی سو کہدی گئی اور اسلام کے بہی خواہوں کو جو سنانا تھا سنا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے۔ مزید کچھ کہنے اور نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی، مگر ایک اور اقتباس پر نظر

بڑی جی میں آیا کہ اسے بھی نقل کردوں اور اپنی سستی، کاہلی اور بے عملی پر افسوس اور ندامت کے چند اور آنسو بہالوں۔

حضرت مجذوبؒ فرماتے ہیں ....

ہوگئی خشک چشمِ تر بہہ گیا ہو کے خوں جگر
رونے سے دل مرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

حضرت امیر الہندؒ نے طلباء کرام کے ایک بھرپور اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کے بندو! دیندار علماء ہفتہ میں صرف ایک دن نکال لیں، دو چار کسی ایک گاؤں میں اسی طرح ہر ضلع کے مدرسہ کے لوگ جائیں اور جا کر پہلی بات نماز اور جماعت کی ہو، ہر گاؤں میں یہ کام ہو، اور بچوں کی دینی تعلیم ہو، اور نگرانی ہو کہ کوئی اسلام دشمن عورت یا مرد اس گاؤں میں نہ آنے پائے۔ اس کی فکر کرنی چاہئے، کم از کم اتنا تو کرنا چاہئے، لیکن وہ مدرسے والے بدقسمتی سے اے سی کولر (A.C) اور جناب کیا کہوں؟ کیسے ان کی مصیبت اُٹھانے کی قربانی کی توفیق ہو، وہ عیش وآرام میں زندگی گذار رہے ہیں اور اسلام کا بوریا بستر بندھ رہا ہے۔ آپ کو یہ تکبر ہے کہ ہمارا ملک پاکستان ہے حالانکہ اندر سے کھوکھلا ہوگیا ہے ضلعوں کے ضلعے ارتداد کے شکار ہیں اور قسم قسم کی تحریکات چل رہی ہیں، کوئی گمراہی ایسی نہیں جو آپ کے ملک میں درآمد نہ ہوئی ہو۔ آپ کچھ توجہ کیجئے، مسلمانوں کو سیدھے راستے پر لائیے، بچائیے، اللہ نے آپ کو کاریں بھی دی ہیں، پیسہ بھی دیا ہے، زکوٰۃ بھی نکالتے ہو، مدرسوں میں بھی خرچ کیجئے لیکن غریبوں کی طرف بھی توجہ کیجئے''۔ (ایضاً ص ۲۳۳)

حضرت امیر الہند کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے والدِ نامدار حضرت مدنیؒ کی طرح اُصولوں کے پابند تھے۔ حضرتِ اقدس مدنی قدس اللہ اسرارہم انگریزی کپڑا استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے متعلقین کو انگریزی کپڑا کے استعمال سے تاکیداً منع فرماتے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہم نے حضرت مدنیؒ کے احترام کی بنا پر دیسی کپڑا کا ایک جوڑا بنا رکھا تھا۔ حضرتؒ کی آمد اور تشریف آوری پر اسے زیب تن کرتے خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے انتقالِ پُر ملال پر حضرت مدنیؒ دیوبند تشریف فرما تھے، جب جنازے کی امامت کیلئے کہا گیا اور معلوم ہوا کہ کفن انگریزی کپڑے کا دیا گیا ہے، فرمایا جنازہ ضرور پڑھوں گا، مگر پڑھا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ کفن انگریزی کپڑے کا ہے۔ حضرت امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی رحمہ اللہ میں اُصولوں کی پاسداری کی اس طرز کی ایک جھلک ضرور تھی۔ آپ کا ایک اُصول تھا کہ خطاب کیلئے آپ کو جو وقت دیا جاتا اس کی

ضرور پابندی کرتے، اپنی بات اس میں سمیٹ لیتے۔ بظاہر تو یہ ایک معمولی سی بات لگتی ہے، مگر اس کی پابندی اور عدم پابندی میں بہت ساری راحتیں اور تکالیف وابستہ ہیں۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا کہ آپ کو خطاب کے مقررہ وقت میں تقریر کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور وقت گذر جانے پر بعد میں آپ کو دعوتِ خطاب دی گئی تو عذر کر دیا کہ اب معذور ہوں، میرا وقت گذر گیا، اس میں کسی اسٹیج کی ہیبت اور شوکت آپ پر اثر انداز نہ ہوسکتی۔ پشاور میں خدماتِ دارالعلوم دیوبند کانفرنس'' کا حوالہ کافی ہے ...... ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

....

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله اِلا من ثلثةٍ ...... اِلّا من صدقة جاريه او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله ۔ (مشکوٰۃ ص۳۲)

ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے سارے اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہوجاتا ہے، سوائے تین اعمال کے (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم چھوڑا جس سے فائدہ اُٹھایا جاتا رہا (۳) نیک اولاد چھوڑی جو اس کے لئے دعا کرتی رہی۔

حضرت امیر الہندؒ بفضل اللہ اس حدیث کا مصداق تھے، کتنے ہی مدارس ہیں جن کا آپ نے اجراء فرمایا اور پاک و ہند میں بہت سارے مدارس ہیں جن کی سرپرستی فرماتے رہے، یہ سب آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔

اپنے پسماندگان میں صالح اولاد چھوڑی ہے اور بہت کم ایسے بڑے ہیں جنہیں ایسی اولاد کی نعمت میسر ہے جو''**ولد صالح يدعوله**'' کا مصداق ہو۔

اور الحمد للہ آپ نے اپنے پیچھے قابلِ انتفاع علم بھی چھوڑا ہے اور آپ کے توسط سے علمِ دین کی ایسی اشاعت ہوئی جس سے انشاء اللہ اُمت تادیر نفع اُٹھاتی رہے گی۔ کجی، زیغ وضلال اور گمراہی سے محفوظ رہے گی، آپ نے کچھ عرصہ تدریس کی، پھر زندگی بھر تقاریر اور مواعظ کی مجالس اور محافل بپا کیں اور سرگرم عمل رہے اور علمی نقوش چھوڑے اس کے کم وکیف اللہ جل وعلا کی ذات خوب جانتی ہے۔ البتہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں فتنۂ غیر مقلدیت کے خلاف آوازۂ حق بلند کیا اور ہندوستان بھر کے علماء کو یکجا کیا اور عرب ممالک کے سفراء کو جمع کیا اور تحفظِ سنت کانفرنس کے عنوان سے دو دن کے دورانیہ پر مشتمل ایسی کامیاب کانفرنس کا انعقاد کیا جو یقیناً آپ کا سنہری کارنامہ ہے جس میں پُرمغز علمی، ٹھوس، مضبوط دلائل سے مبرہن اور شائستہ وسلجھے ہوئے کلام اور کوثر وتسنیم سے دھلی ہوئی زبان میں ایسے شاندار مقالہ جات پڑھے گئے ہیں جو اُمت کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے اور دیر تک ان سے استفادہ کیا جاتا رہے گا۔ اس کانفرنس کے حوالے سے مقالات' مضامین اور رسائل سے جو مجموعہ تیار ہوا، صرف اس

کی اہمیت اُجاگر کرنے کیلئے چار جلدوں پر مشتمل مجموعہ کے عنوانات اوران کی ضخامت کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عنوان	مصنف	صفحات
۱۔خطبۂ صدارت	امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ	صفحات ۱۸
۲۔اجماع وقیاس کی حجیت	مولانا جمیل احمد سکروڈی دیوبند	// ۵۴
۳۔علمِ حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا مقام ومرتبہ	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	// ۲۳
۴۔مسئلہ تقلید	مفتی محمد راشد اعظمی	// ۱۸
۵۔فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے	مفتی سعید احمد پالنپوری	// ۱۳
۶۔امام ابوحنیفہؒ پر ارجاء کی تہمت	مولانا نعمت اللہ اعظمی	// ۳۰
۷۔امام ابوحنیفہؒ اور معترضین	مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ	// ۲۱۶
۸۔صحابۂ کرامؓ کا مقام	مولانا عبد الخالق سنبھلی	// ۵۹
۹۔صحابہ کرامؓ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر	مولانا محمد ابوبکر غازیپوری	// ۶۱
۱۰۔تحریک لامذہبیت	مفتی محمد سلمان منصور پوری	// ۱۵
۱۱۔مسائل وعقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ کا توافق	مولانا محمد جمال بلندشہری	// ۳۴
۱۲۔قرآن وحدیث کے خلاف غیر مقلدین کے پچاس مسائل	مفتی سید مہدی حسنؒ	// ۱۴
۱۳۔توسل واستغاثہ لغیر اللہ اور غیر مقلدین کا مذہب	مفتی محمود حسن بلندشہریؒ	// ۲۳
۱۴۔مسائل وعقائد میں غیر مقلدین کے متضاد اقوال	مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	// ۱۶
۱۵۔ایک غیر مقلد کی توبہ	ایک اُمتی	// ۴۸
۱۶۔غیر مقلدین کے ۵۶ اعتراضات کے جوابات	مفتی سعید احمد پالنپوری	// ۱۵۱
۱۷۔مسائلِ نماز	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	// ۷۷
۱۸۔عورتوں کا طریقۂ نماز	مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی	// ۳۳
۱۹۔خواتین اسلام کی بہترین مسجد	مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی	// ۷۳
۲۰۔تحقیق مسئلہ رفع یدین	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	// ۷۲
۲۱۔رفع یدین	مولانا سید فخر الدین احمدؒ	// ۷۹
۲۲۔آمین بالجہر	// // // //	// ۳۱
۲۳۔فرض نماز کے بعد دعا	مولانا عبد الحمید نعمانی	// ۴۰
۲۴۔قرأت خلف الامام	مولانا سید فخر الدین احمدؒ	// ۱۰۲

یہ تین جلدوں کے مقالہ جات کی اجمالی فہرست ہے، چوتھی جلد ان پر مستزاد ہے جس میں متنوع اور گونا گوں مسائل پر مفید اور از حد مفید اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان سے متمتع فرمائے اور ان علوم سے بہرہ ور فرمائے۔(آمین)

حضرت امیر الہند فدائے ملت سید محمد اسعد مدنی رحمہ اللہ سے محبت اور عقیدت کے ناطے چند سطور تحریر کر دی ہیں جو حضرت موصوف سے محبت کا اظہار ہیں اور بس! ....

احب الصالحین ولست منهم لعل اللّٰه یرزقنی صلاحًا

شیخ الاسلامؒ کے برابر اسعد مدنیؒ کی قبر:

یہ جان کر مولانا اسعد مدنیؒ کے اہلِ خاندان کو حیرت ہوئی کہ ایک برگزیدہ شخصیت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے برابر میں ایک مصنوعی قبر کی مدتوں سے دیکھ بھال کرا رہے تھے۔ ہوا یوں کہ جیسے ہی امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ کے انتقال کی خبر دیوبند پہنچی تو قبر کی جگہ طے کرنے لئے کئی لوگ قبرستان پہنچے۔ کچھ دیر بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مزار کے برابر میں بنی قبر کو ہٹایا جانے لگا تو کچھ لوگوں نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ کسی کی قبر کو گرانا ٹھیک نہیں ہے۔اس پر قبرستان کے چوکیدار نے بتایا کہ جو قبر گرائی یا ہٹائی جارہی ہے، وہ مصنوعی قبر ہے جس کی دیکھ بھال کے لئے شیخ الاسلام کے خلیفہ مولانا محمود احمد ۱۲۰ روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ جب چوکیدار کی بات پر لوگوں کو تسلی نہ ہوئی تو مولانا محمود احمد نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جگہ بہت پہلے سے محفوظ تھی اور اسی لئے وہاں پر قبر کی شکل دے دی گئی تھی تاکہ وقتِ ضرورت کام آسکے۔اس کے بعد قبر کی تیاری شروع کی گئی، تدفین فجر کی نماز کے فوراً بعد طے ہوئی تھی، مگر جم غفیر کی وجہ سے تدفین ۹ بجے عمل میں آئی، کئی روز گذر جانے کے بعد بھی مولانا اسعد مدنیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والوں کا سلسلہ لگاتار جاری ہے۔(یادگار مجلّہ دہلی ص ۶۰)

مولانا حبیب اللہ مردانی
متعلم جامعہ ابو ہریرہ

ایک نادرۂ روزگار شخصیت

فدائے ملت امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کے اسمِ گرامی اور ذاتِ ستودۂ صفات سے کون ہے جو واقف نہیں۔ آپ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت لینے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ کی شادی حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے منجھلے بھائی مولانا سید احمدؒ (جس نے مدینہ طیبہ کے حرمِ اطہر میں ''مدرسۃ العلوم الشرعیہ للیتامیٰ'' قائم کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں آپ مدینۃ الرسول کے یتیم ومفلس اور غریب الوطن بچوں کی تعلیم وتربیت فرمایا کرتے تھے) کی اکلوتی بیٹی سے ہوئی۔ ساری زندگی خدمتِ دین اور مسلمانانِ ہند کی رہنمائی میں گزاری۔

امیر الہند کی قسمت قابلِ رشک ہے کہ نسبت بھی اچھی ملی، خانوادہ بھی خوب نصیب ہوا، ماحول بھی پاکیزہ میسر ہوا۔ اساتذہ بھی کمال کے تھے، مربی ومرشد بھی قابلِ فخر، غرض کم عمری میں وہ بڑوں کے درمیان بیٹھنے کے قابل ہوگئے، لکھنے پڑھنے کا شوق روزِ اوّل سے تھا۔

مولانا کو قدرت نے اخاذ ذہن، بلند فکر، محنتی طبیعت، دوررس نگاہ اور مصفّٰی روح سے نوازا تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذہنی فکر، دماغی وقلبی قوت اور علمی وروحانی نعمت کا شکر اس طرح ادا کیا کہ اپنے ذہن کو ژولیدہ نہیں ہونے دیا، دماغ کو زنگ نہیں لگنے دیا، فکر کو پست نہیں ہونے دیا، طبیعت کو کاہل نہیں ہونے دیا، دل کو مردہ نہیں ہونے دیا، روح کو تاریک نہیں ہونے دیا، تاکہ قیامت کے دن کوئی تشنۂ جواب سوال ان کی فردِ عمل میں باقی نہ رہے کیونکہ ان سب نعمتوں کے بارے میں خدا روزِ محشر میں سوال کرے گا کہ یہ صلاحیتیں کہاں کہاں کھپائیں اور یہ نعمتیں کیسے کیسے خرچ کیں؟

آپ ایک انقلابی، سیاسی اور جہادی پس منظر کے حامل خانوادے کے فردِ فرید تھے۔ آپ ایک زندہ وتوانا جذبہ رکھتے تھے، جسے شرق وغرب میں بانٹتے پھرتے تھے، آپ عمل پرور، انقلاب انگیز اور تحریکی شخصیت کے

حامل تھے۔فرقِ باطلہ کا خوب تعاقب کیا۔''مجموعۂ مقالات''ان کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ صورتاً وسیرتاً اور سیاستاً اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے جانشین تھے۔ موت برحق ہے مگر موت اکثر گلشن سے ایسے پھول توڑتی ہے جس سے پورے چمن کی رونق ہو، بزمِ دنیا کے ایسے چراغ کو بجھاتی ہے جس کی روشنی سے وہ قائم ہو، مجلسِ علم کی ایسی شخصیت پر جھپٹا مارتی ہے جو صدر نشین ہو اور خاندان کے ایسے فرد پر طاری ہوتی ہے جو پورے قبیلے کی آبرو ہوتا ہے اور دھرتی کو اس سے محروم کردیتی ہے۔

غرض موت کے مضبوط ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کردیا ہے جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے۔قوم ایک باعمل اور مذہبی پیشوا سے محروم ہوگئی ہے۔جب سے آپ چلے گئے محفلِ سخن سونی کرگئے، چراغِ علم مدہم کرگئے، یقین ووجدان کے بازار بند کرگئے، اخلاص وشرافت کی دُکان بڑھا گئے ہیں اور دارالعلومِ دیوبند کے تشنگانِ علوم نبوت کو یتیم کرگئے .... ؎

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اُٹھ جائیں گے جن کو
تم ڈھونڈھنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

دردِدل والے اپنی دوائے درد کے لئے اس مسیحا کا پتہ پوچھ رہے ہیں لیکن دارالعلومِ دیوبند زبانِ حال سے کہہ رہا ہے .... ؎

ہم نفسو ! اُجڑ گئیں مہر و وفا کی بستیاں
پوچھ رہے ہیں اہلِ دل ! مہر و وفا کو کیا ہوا

امیرالہند مولانا اسعد مدنیؒ آسمانِ شریعتِ اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے، وہ اپنے دور کے پاکباز مجاہد اور عالمِ بے بدل تھے۔دعوت واشاعت کے میدان کے شہسوار اور شریعت وسیاست کے مردِ میدان تھے، ان کی ذاتِ گرامی علم وعمل کا سرچشمہ تھی، ان کی زبان وقلم نے اللہ کے دین کی بے لوث' قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں اور اپنے فیضِ علمی سے ہزاروں'لاکھوں طالبانِ علم کو فیضیاب فرمایا ہے۔

اب دنیا ایک سید زادے اور مسلمانانِ ہند کے مربی وہمدرد اور رہنما وصدر جمعیۃ العلماء ہند کی جدائی پر برسوں تک آنسو بہاتی اور ایک نادرۂ روزگار شخص کی مدتوں تک راہ دیکھتی رہے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد زبیر قاسمی

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اللہ رب العزت نے کائنات میں نظام ہدایت کے دو سلسلے چلائے، ''کتاب اللہ'' کا، ''رجال اللہ'' کا، ''رجال اللہ'' کا سلسلہ جاری ہے تا قیامت جاری رہے گا، خدائی کارندوں کا یہ مبارک سلسلہ مختلف علاقوں میں متفرق تقاضوں اور حالات پر چلتا رہا، برصغیر ہندو پاک میں بھی چلا، بلکہ اللہ نے الف ثانی سے اس کو عالم اسلام کے مرجع اور مرکز کی حیثیت عطا کی، جس کی دلیل مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا ہندوستان میں ظہور ہے۔

اللہ نے اپنے دین کی حفاظت، اس کی اشاعت اور تجدید کا گراں بار کام کبھی شخصیات سے لیا ہے تو کبھی خانوادوں سے، ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور کاندھلہ کا صدیقی خانوادہ اس کے لئے مثالی رہے؛ ایسا ہی ایک خاندان جو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی، ملی، اسلامی رہنمائی اور ان کے تشخص کی حفاظت کی گراں قدر اور عظیم خدمات انجام دے رہا ہے وہ ''مدنی'' خاندان ہے؛ اس خاندان کے چشم و چراغ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، غمخوار قوم، بے باک قائد، ملت اسلامیہ ہندیہ کے معتمد، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات گرامی ہے۔

پیدائش برصغیر کی مردم خیز زمین، عہد آفرین علاقہ ''دیوبند'' میں ۶ رذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷ راپریل ۱۹۲۷ء کو ہوئی، گھرانہ علمی پایا، ابتدائی تعلیم و تربیت والدہ محترمہ کی نگرانی میں ہوئی، جو ایک شریف سادات گھرانہ کی سلیقہ مند خاتون تھیں، والدہ کے انتقال فرما جانے کے بعد خانوادۂ مدنی کے مربی، ولی کامل حضرت مولانا اصغر علی صاحب کے نگرانی اور تربیت میں آپ نے تعلیمی مراحل طے کئے، اور ۱۹۴۷ء میں ام المدارس دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

اللہ رب العزت جب کسی سے امت محمدیہ ﷺ کی رہنمائی، دستگیری، اور اپنے دین کے تحفظ کا عظیم کام لینا چاہتا ہے، جو اس وقت کے حالات اور مسائل کے لئے ناگزیر ہوتا ہے تو اس کی نشو نما اور ذہنی و فکری ساخت و پرداخت مخصوص ماحول میں کرواتا ہے اور اس کے اندر وہ صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے جو مطلوبہ کاز اور اسلام کی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضروری اور اہم ہوا کرتی ہیں مولانا مرحوم سے چونکہ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسوی صدی کے طلوع پر جو تاریخ کا نازک اور ملت اسلامیہ کی وقار کی حفاظت کا انتہائی اہم مرحلہ تھا، امت محمدیہ ﷺ ہندیہ کی قیادت و سیاست کا عظیم کام لینا تھا، اور آپ کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی دستگیری اور رہنمائی مقصود تھی، اس لئے آپ میں من جانب اللہ تمام قائدانہ صفات ودیعت کی گئیں۔

ایمان و یقین، علم و عمل، خشیت و انابت، خلوص وللہیت، عزیمت و روحانیت، تواضع و فروتنی، قربانی و جانفشانی، وقار و سنجیدگی، جرأت و عالی حوصلگی، ہمدردی و غمخواری، حکمت و دانائی، سیاسی بصیرت اور اسلامی حمیت، ملک کی حفاظت، ملت کی پاسداری، مخلوق خدا سے استغناء، خالق کے آگے آہ وزاری، اسلام کے معاملہ میں

مداہنت سے گریز، مصالح کی رعایت، حق پر تصلب، سنت نبوی کا اتباع، احکامات ربانیہ کا پاس، ہر صفت میں ممتاز! اور اپنے معاصروں میں نمایاں۔

مولانا مرحوم نے حالات کو بنظر غائر دیکھا اور مسائل کو سمجھا، اپنے والد کی انگریز سامراج کی مخالفت اور اس پر قید وبند کی صعوبتوں کے مشاہدے کئے تھے، حالات کو سمجھنے اور وقت کی مناسبت سے ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کے سلسلہ میں یہ اعلیٰ خاندانی پس منظر رکھتے تھے۔

امیر الہند نے بحیثیت عالم، داعی اور قائد تاریخ اسلام کے مدوجزر کا مطالعہ کیا تھا، انہوں نے سادہ دل مسلمان اور شاطر وعیار برہمن اور یہود کی کشاکش کو دیکھا اور سمجھا، غیر ملکی اقتدار کے ختم کرنے کی کوشش اور اس کے لئے دی جانے والی عظیم قربانیوں کا مشاہدہ کیا اور ان میں دلچسپی لی، پھر آزادی کا دور شروع ہونے پر انقلاب کے بعد والے مراحل کو بھی دیکھا، اس کی پیچیدگیوں اور زندگی کی قدروں پر اس کے اثرات دیکھے، نیز فرقہ وارانہ اور طبقاتی کشمکش کے دلسوز مناظر دیکھ کر ملک وملت کو بربادی سے بچانے کے جذبات اور ارادوں کے حامل بنے پھر ایک عالم دین اور حساس دل رکھنے والے مدبر، داعی حق اور ملت اسلامیہ کے دردمند فرزند کی حیثیت سے وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور اعلیٰ قدروں کی حامل زندگی استوار کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے عملی میدان میں داخل ہوئے، اور (۱۹۶۰ء تا ۲۰۰۶) پچپن سال سے زائد مدت تک ایک عظیم قائد، رہنما، اور مصلح کی ذمہ داری انجام دی، مولانا قدس سرہ نے اپنے پچپن سالہ دور قیادت میں جو اولا ریاستی پھر ملکی سطح پر تھا جو خدمات انجام دیں اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی جن موقعوں پر دستگیری اور رہنمائی کی اور جن جن قربانیوں سے گزرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کا نازک حالات میں دفاع اور تحفظ کیا اگر ان کو تفصیلی طور پر سپرد قرطاس کیا جائے تو مستقل جلدیں تیار ہو جائیں، اور بندہ اس لائق نہیں !

ابھی چند سال کا مسئلہ ہے، جنوبی ہند کے شنکر اچاریہ نے بابری مسجد مسئلہ کے مذاکراتی حل کا بیڑہ لے کے مسلم رہنماؤں سے ملاقات کا پروگرام بنایا، چنانچہ ہندوستان کی ایک اہم تنظیم کو اس کی دعوت دی گئی وہ حضرات گئے اور شنکر اچاریہ سے اس تنظیم کے نمائندوں کی بات بھی ہوئی؛ بعد ازاں واجپائی کے پی، اے، نے مولانا اسعد مدنی قدس سرہ کو فون کیا، کہنے لگا: ''شنکر اچاریہ جی بابری مسجد کے مسئلہ پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں، آپ یہاں تشریف لائیں''۔ مولانا مرحوم نے فرمایا: ''ہمارے یہاں آج ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہے میں آنے سے معذور ہوں''۔ اور سلسلہ منقطع کر دیا، کچھ دیر بعد دوبارہ فون آیا، پی اے نے کہا:

''مولانا! شنکر اچاریہ جی خود آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں، آپ کچھ وقت دے دیں''۔ مولانا نے فرمایا: ''میں میٹنگ میں جا رہا ہوں، ان حضرات سے مشورہ کے بعد آپ کو مطلع کرتا ہوں''۔ مولانا آئے اور تلاوت کلام پاک کے بعد واقعہ سے حاضرین کو واقف کروایا، اور شرکاء سے رائے طلب کی، لوگ رائے دینے لگے، اکثر کی رائے تھی ''بات کر لی جائے'' وہ خود یہاں آنے کے لئے تیار ہے، اور ملاقات وگفتگو کا مشتاق ہے، تو اس سے بات کرنے میں کوئی قباحت نہیں، لوگ رائے دیتے رہے، مولانا مرحوم خاموش سنتے رہے، حاضرین میں سے ایک نے مولانا کی خاموشی سے بے چین ہو کر مولانا کی رائے جاننی چاہی مولانا نے فرمایا:

''میری رائے یہ ہے کہ اس سے بات نہ کی جائے''۔ جواب سن کر پورا ہال مبہوت سا ہو گیا، ایک ذمہ دار نے کہا:
''حضرت دوبارہ غور فرمالیں، اس وقت عالمی میڈیا اس مسئلہ پر نگاہیں جمائے ہے، جماعت کا بھی بہت فائدہ ہے کہ میڈیا اس کو ہائی لیٹ کرے گا، آپ اس مسئلہ پر ایک دفعہ اور غور فرمائیں''۔ مولانا نے بڑا ہی بصیرت افروز، مدبرانہ اور مومنانہ جواب دیا، فرمانے لگے :

''بیشک اس میں جماعت کا فائدہ ہے لیکن ملت کا اس میں کوئی فائدہ نہیں یقیناً وہ مسجد کی تقسیم اور لیو، دیو کی پالیسی کی بات لے کر آرہا ہوگا، اور میں مسجد کی تقسیم پر اس سے کوئی بات کر نہیں سکتا کیوں کہ اسلام اس کی اس طرح کی تقسیم کی اجازت نہیں دیتا''۔

یہ اسلامی حمیت! اپنے مفادات پر ملت کو ترجیح دینا! اسلام کے مسئلہ پر سودے بازی تو درکنار سودے بازی کی شائبہ تک سے خود کو محفوظ رکھنا، خود پر زد پڑتی ہے تو پڑ جائے پر تعلیمات اسلامی پر حرف نہ آئے؛ ایسا مخلص، خدا ترس، فرض شناس، ہمدرد قوم کہاں ملے گا! اس وقت گجرات کے مسلم کش خونی فسادات کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تھی اور کسی قائد کو وہاں جانے کی اجازت بھی نہ تھی، حکومت ہند کی جانب سے پھر فون آیا اس نے بے چینی سے پوچھا: ''مولانا آپ نے کیا طے کیا''۔ مولانا مرحوم نے - اللہ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے - فرمانے لگے :

''یہ وقت بابری مسجد کے مسئلہ کے لئے گفتگو کا نہیں ہے گجرات جل رہا ہے، مسلمان مارے جارہے ہیں اور حکومت خاموش تماشائی ہے، یہ موقعہ ان فسادات کی طرف توجہ کرنے کا ہے، میں گجرات جانے والا ہوں''۔

اس نے فوراً جواب دیا: ''ٹھیک ہے آپ ضرور جایئے ہم آپ کے لئے سیکورٹی کا نظم کریں گے''۔

اللہ رے! سیاسی بصیرت کی داد دیجئے! بات کو رد کرنے کا انداز دیکھئے! مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے ذہنی تیقظ کا اندازہ لگایئے؟ ہے آج کوئی جو اس قدر نبض شناس ہو، سیاس ہو، غمخوار ہو۔ مجموعی طور پر اٹھارہ سال تک ایوان بالا کے ممبر رہے، کانگریسی ممبر! پر کیا کانگریس کیا دیگر جماعتیں جب کبھی اقلیتوں اور مسلمانوں کے مسائل کی بات آئی، اسلام کے کسی مسئلہ پر آنچ آئی، بام و در گونج اٹھا، یہ مرد خدا چیخ اٹھا، ''مسلمانوں کے معاملہ میں کسی صورت مفاہمت نہیں، کوئی مداہنت نہیں''۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو لے کر جب ہنگامہ آرائی ہوئی اور ایک کانگریسی لیڈر نے کہا :
''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' سے لفظ ''مسلم'' نکال دیا جائے۔ مولانا مرحوم فوراً گرج اٹھے، کہنے لگے: ''تم'' بنارس ''ہندو یونیورسٹی'' سے لفظ ''ہندو'' نکال دو میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لفظ ''مسلم'' میں کھرچ دونگا اور کانگریس کو سیکولر کا لیبل بھی اپنی پارٹی سے ہٹانا ہوگا''۔ حاضر جوابی ایسی کہ لوگ عش عش کرنے لگے، نباضی ایسی کہ پارلیمنٹ ہاؤس خاموش، دینی جرأت اور اسلامی حمیت ایسی کہ خود اپنی ہی معاون پارٹی پر برس پڑے۔

ہمدردی، غمخواری اور فریادرسی مولانا مرحوم کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، گجرات اور راوڑ کیلا کے مسلم کش خونیں ہولناکیاں ہوں کہ بہرائچ کے فرقہ وارنہ فسادات سب سے پہلے جس مرد مجاہد اور قائد قوم نے ان علاقوں کا دورہ کیا، اور وہاں کے مصیبت زدہ، فسادات میں گھرے، بے یار و مددگار لوگوں کی دادرسی اور مسیحائی کی، وہ بھی بلند

ہمت، عالی حوصلہ اور ہمدرد قائد تھا، گجرات کا حال تو آپ نے پڑھ ہی لیا، سب سے پہلے پہونچے اور وہ عظیم خدمات انجام دیں کہ تاریخ انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی، مورخ جب کبھی گجرات فسادات پر قلم اٹھائے گا، جمعیۃ کی بروقت امداد مستقل تعمیرات اور ریلیف کو بھی سراہے گا؛ بہرائچ اور راوڑ کیلا فسادات کے عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ مولانا مرحوم جس وقت پہونچے، آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، مسلم مکانات جل رہے تھے، مکینوں کی چربی آگ کی حرارت سے پگھل کر بہہ رہی تھی، ایسے ہیبتناک اور خونیں ماحول میں جہاں اپنی جان کے لالے پڑے ہوں، بے خوف وخطر گھس جانا، مظلوموں اور کمزوروں کی یاری کرنا، بے بسوں کی مدد کرنا، بس اسی جری قائد اور ہمدرد قوم کا حصہ تھا، فجزاھم اللہ احسن الجزاء.

تاریخ میں یہ واقعات آب زر سے لکھے جائیں گے، اور نسلیں اس کو سامان عزیمت اور سرمہ چشم عبرت بنائیں گے؛ فدائے ملت'' جس کسی نے اس کو کہا، اس نے کوئی شاعری نہیں کی، ادبی صنعت گری، لفظی شعبدہ بازی سے کام نہیں لیا بلکہ ایک حقیقت اور سچائی بیان کردی۔ اپنے پچپن سالہ دور قیادت میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے جو عظیم خدمتیں اور قربانیاں اس رحلت کرنے والے نے پیش کیں ہیں، اس کی مثال اس دور میں کون دے سکتا ہے ؟

آپ نے اس عظیم قائد کی جرأت بھی دیکھی، بے لوثی بھی دیکھی، اسلامی حمیت بھی دیکھی، سیاسی بصیرت بھی دیکھی، دردرسوں کی مثالی دادرسی بھی دیکھی، اب ذرا درویشی، خدا ترسی اور استحضار بھی دیکھتے جایئے۔

۱۹۶۸ء میں ''شبستان'' اردو ڈائجسٹ نے امیر الہند کا انٹرویو لیا؛ ریاستی، ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات پر، موجودہ حالات اور مسلم دنیا کے لائحہ عمل پر، آخر میں اس نے دریافت کیا کہ ان تمام سے آپ کا منتہائے مقصد اور سب سے بڑی آرزو کیا ہے؟ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ایمان پر خاتمہ''

درویشی، چلہ کشی، مجاہدات، ریاضات، بیعت وارشاد تمام کا مقصد یہی استحضار ہی تو ہے؟ اللہ نے اپنے اس مقبول بندہ کی اس آرزو کی لاج کیسے رکھی یہ خود انہیں کے صاحبزادہ اور جانشیں مولانا محمود مدنی سے سنتے جایئے:

''والد محترم، پچھلے تین ماہ سے اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبہ میں زیر علاج تھے جب انہیں ہوش نہیں آیا تو ڈاکٹروں کے پینل نے دماغ کے آپریشن کو ضروری سمجھا اس آپریشن کے بعد کیفیت میں معمولی بہتری آئی، ۶ فروری کو اچانک ان کے ہونٹوں نے حرکت کی انہوں نے آنکھ بھی کھولی، پہلے انہوں نے آہستہ آہستہ اللہ اللہ کی تسبیح شروع کی اور آہستہ آہستہ آواز وہاں پر موجود پھوپھو صاحبہ کی سماعت تک پہونچی تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا، پھوپھو صاحبہ نے فرمایا کہ جو کیفیت پیدا ہوئی ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ ہم سے جدا ہو رہے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہوئے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں، انہوں نے فوراً دیگر خاندان والوں کو بلانے کی ہدایت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سیکنڈ بعد ان کی روح پرواز کر گئی، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایسی موت ہمیں بھی عطا کرے''۔ (ویو ٹائمز نئی دہلی) مخلوق کے لئے جس خدا کے بندہ نے اپنی ساری زندگی لٹائی ہو، جذبات کو تج دیا ہو، خواہشات کو قربان کیا ہو، خالق اپنے اس محبوب کی آرزو کیوں پوری نہ کرتا؟۔

خوش نصیب قبر! خوش ہو کہ تجھ میں آرام پانے کے لئے اللہ کے دین کا دلیر اور باہمت سپاہی آرہا ہے، وہ حسن مردانہ کا نمونہ، غریبوں کا سہارا تھا، بے کسوں کا والی تھا ملت کا پشت پناہ اور ایک دین دار گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔

اس عظیم قائد نے سرگرم جوش عمل سے مردوں کو جلا دیا، خوابیدہ دلوں میں اسلامی اور ملی روح پھونک دی، کتنوں کو گمنام کے قعر سے گھسیٹ کر بام شہرت پر لے آئے کتنوں کے نام چمکا دئے کتنے بے کسوں اور بے بسوں کی فریادرسی کی، فلک کج رفتار کو اس کی یہ ہستائی نہ بھائی، بعض اپنوں اور پرایوں نے مخالفت کی ٹھان لی، وہ ایک ہمت کا دھنی، عزم و حوصلہ کا پیکر، کسی سے ہار نہ مانا، تن تنہا سب سے مقابلہ کرتا رہا، حالات سے ٹکر لیتا رہا، عمر کی ستہتر (۷۷) منزلیں طے کر کے آخرت کو سدھارا، دنیا اس کی جرآت داد دیتی رہے گی اور نسلیں اس کے عزم و فرض شناسی کی بلائیں لیتی رہیں گی!۔ □□□

مفتی شبیر احمد مرادآباد

عظیم المرتبت شخصیت

۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو مغرب کی نماز کی تیاری کے لئے اذان مغرب سے تقریباً ۱۲ منٹ پہلے وضو کرنے جارہا تھا حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب کا فون آیا کہ حضرت اقدس فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کی وفات کا دردناک سانحہ پیش آگیا ہے۔خبر سنتے ہی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلے اور حضرت کی زندگی کے مختلف مناظر ذہن میں گھوم گئے ،اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جن کو دنیوی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی یاد سے قطعاً غافل نہیں کرتیں اور وہ تمام تر مصروفیات کے باوجود ذکر خداوندی، نماز باجماعت اور صدقہ خیرات وغیرہ اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں، ہمارے حضرت فدائے ملت بھی ایسے ہی قابل رشک لوگوں میں شامل تھے،اس خاکسار نے ۳۰، ۳۵، سال سے حضرت کی زندگی کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعات خصوصی مجلسوں اور کانفرنسوں میں دیکھا، واقعہ یہ کہ ان جیسے عظیم المرتبت انسان دنیا کے گوشے گوشے میں ڈھونڈے جائیں پھر بھی مشکل سے مل پائیں گے۔احقر نے حضرت والا کی جوانی کا زمانہ بھی دیکھا ہے جب حضرت کی داڑھی اور سر کے بال میں سفیدی بالکل نہیں آئی تھی اس وقت حضرت کے اکابر اور اساتذہ باحیات تھے،لیکن بڑے بڑے مجامع اور اجتماعات میں ان کے اکابر اور انہیں کے اساتذہ ان کے واسطے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے۔

بے مثال مجاہدہ

نیز وہ زمانہ بھی خوب دیکھنے میں آیا کہ ایک رات میں تین تین چار چار جلسوں میں شرکت فرماتے تھے بعض دفعہ حسن اتفاق سے اس خاکسار کو بھی حضرت کے ساتھ ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔میرٹھ، مظفرنگر کے علاقہ میں جلسوں میں ہنگامی دورہ ہورہا تھا، دوتین مدرسوں کے جلسوں سے فارغ ہو کر آخر میں مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹھلہ کے جلسہ میں شرکت فرمائی، تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار بجے صبح صادق ہوجاتی تھی، تو اول وقت میں اپنی جماعت الگ سے کرکے فوراً دہلی کیلئے روانہ ہوگئے اور دہلی میں صبح آٹھ بجے سے عمومی کانفرنس تھی بغیر آرام کے سفر کر کے وقت پر دہلی پہونچ گئے اور جاتے ہی اسٹیج پر پہونچ گئے، پوری رات آرام نہیں فرمایا۔پھر کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد شاید دو ایک گھنٹہ آرام فرمایا ظہر کے بعد پھر پروگراموں میں شرکت شروع فرمادی۔مجاہدہ اور جفاکشی اس طریقے سے برداشت کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں، وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ’’اَلَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا الخ‘‘ (یعنی جو ہمارے راستہ میں جہد وجہد کرتا ہے ہم اس کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں) کا مصداق بنایا ہو۔

اعتدال اور میانہ روی

اور بعض مرتبہ ملک کے اندر نہایت ہنگامہ اور افراتفری کا ماحول پیدا ہوگیا کوئی جہاد کا اعلان کرنے لگا، کوئی ہند ومسلم کے درمیان ہنگامہ آرائی کا راستہ دکھانے لگا، کوئی سیاسی ہتھکنڈے کے ذریعہ انسانوں کا خون بہانے کا راستہ فراہم کرنے لگا ان حالات میں آپ نہایت تحمل اور تدبر سے ایسا میانہ روی کا راستہ اختیار فرمایا کرتے تھے کہ دونوں قوموں کی طرف سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہوسکے اس طرح کے واقعات ملک کے اندر ان کی زندگی میں ایک دو نہیں سیکڑوں سے زائد پیش آئے، ہر موڑ میں مخالف ہواؤں کا نہایت حسن تدبیر سے رخ موڑ کر درمیانی راستہ اختیار فرماتے رہتے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات باذن الله ذٰلک هو الفضل الکبیر (سورۃ فاطرہ آیت ۳۲) (پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا، پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے بیچ کی چال پر ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدائی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں) اس آیت کے مطابق سیاسی معاملات میں آپ میانہ روی کا راستہ اپناتے تھے۔

بیک وقت سیاست اور بزرگی

دنیا میں ایسے انسان بہت ملتے ہیں کہ عبادت وریاضت کی لائن میں یکسو ہیں، ملی اور سیاسی سرگرمیوں سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں پڑتا، اسی طرح ایسے لوگ بھی بے شمار ملیں گے جنکا تعلق صرف سیاسی سرگرمیوں سے ہوتا ہے لیکن ایسے انسان پورے عالم میں خال خال ملتے ہیں جو بیک وقت عبادت وریاضت میں سابق بالخیرات کے مصداق بنے رہیں، اور ملی اور سیاسی سرگرمیوں میں و منهم مقتصد کے مصداق بنے رہیں، احقر نے حضرت کو قریب سے دیکھا کہ سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی اسفار کے دوران نماز باجماعت اور نمازوں میں مسنون قراءت کی پابندی اور چلتے سفر میں تہجد کی پابندی اور ذکر ومعمولات کی پابندی میں کسی قسم کی کمی آنے نہیں دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد صبح صادق ہوتے ہی اپنی نماز الگ پڑھ کر دوسری جگہ کا سفر تھا، اس نااہل کو امام بنادیا گیا احقر نے فجر کی نماز میں سورۂ فیل اور سورۂ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھادی اور ذہن میں یہ تھا کہ سفر کی عجلت ہے سلام پھیرتے ہی فرمایا ''قاری صاحب کیا عجلت تھی اتنی مختصر قراءت کیوں ہوئی؟''۔ ساتھ میں حضرت اقدس حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ بھی موجود تھے انھوں نے فرمایا، مفتی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ حضرت والا سفر میں بھی مسنون قراءت کی پابندی فرمایا کرتے ہیں۔

سیاسی حکمت عملی

حضرت والا کی سیاسی حکمت عملی ملک اور بیرون ملک میں شہرت یافتہ رہی ہے، جس سے مسلم غیر مسلم اکثر وبیشتر لوگ واقف ہیں، ایک واقعہ یہاں نقل کرتا ہوں جس سے ناظرین آپ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا بآسانی اندازہ لگالیں گے، ۲۰۰۱ء میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی طرف سے پشاور (پاکستان) میں ڈیڑھ سو سالہ دارالعلوم دیوبند

کانفرنس منعقد ہوئی، اس وقت امریکہ کی نگاہ افغانستان کے اوپر بہت سخت تھی اور ادھر مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات نہایت خراب اور خطرناک تھے۔ دونوں حکومتوں کی اینٹلی جنس کے لوگ پشاور میں حضرت کے بیان کے انتظار میں تھے کہ مسئلہ کشمیر سے متعلق کیا بیان دیتے ہیں؟ حضرت کا بیان ایک بجے رکھا گیا تھا لیکن دوسرے مقررین کے بیانات کا سلسلہ ایک بجے سے تجاوز کر چکا تھا، اس کے بعد حضرت کا نمبر آیا جب حضرت کے بیان کا اعلان ہوا تو ٹھاٹھیں مارتے ہزاروں انسانوں کے مجمع میں عجیب وغریب حرکت پیدا ہوگئی اور دیر تک آپ کے استقبال میں نعرۂ ہائے تکبیر بلند ہوتے رہے، نیز ہر طرف سے آپکا بیان نوٹ کرنے والے سرکاری اور غیر سرکاری کارندے اور تمام دنیا کے ذرائع ابلاغ کے لوگ مستعد تھے۔ حضرت نے اطمینان کے ساتھ مائک پر پہونچ کر فرمایا: میرے بیان کا وقت ایک بجے کا تھا، اور ایک بجے کے بعد دعا ہونی تھی اب ایک کے بجائے ڈیڑھ بج چکا ہے میرے بیان کا وقت ختم ہو چکا ہے، اور وقت کی پابندی ضروری ہے اسلئے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا بیان موقوف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس اجلاس کو کامیاب فرمائے اور امت کیلئے خیر کے راستے نکالے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین"۔ آپ کے یہ الفاظ سنکر اجلاس میں سناٹا چھا گیا، اور دونوں حکومتوں کے اینٹلی جنس کے لوگ حیران رہ گئے اور اخبار والوں نے حضرت کے بیان کو اچھالنے کیلئے جو ذہن بنا رکھا تھا وہ سب ہاتھ ملتے رہ گئے، مگر اس کے بعد اسی دن شب میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بیان ہوا اور مسلک دیوبند اور مسلک امام ابوحنیفہ پر آپنے نہایت پر مغز تفصیلی خطاب فرمایا۔

ہندوستان اپنے قائد سے محروم

حضرت کی ذات ہندوستانی سلمانوں کیلئے ایک عظیم الشان ڈھال تھی۔ ان کے بعد ہندوستان کے مسلمان اپنے عظیم قائد سے محروم ہوگئے ہیں، آپ کے سانحہ وفات کے بعد موافق مخالف ہر طرح کے لوگ ایسا خلا محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی جگہ پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا جب بھی ہندوستان میں اسلام سے متعلق سامراجی ذہنیت کی طرف سے کوئی حملہ ہوتا تو اس کے مقابلہ کیلئے سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اُٹھتی تھیں، اور آپ ہر موڑ پر پیش قدمی کر کے فتنوں کا راستہ روکنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اتر پردیش میں جب گپتا حکومت نے مساجد اور مدارس پر ایسی پابندیاں لگائی تھیں جس سے حکومت کی اجازت کے بغیر آئندہ نہ کوئی مسجد بن سکتی تھی اور نہ کوئی مدرسہ، تو حضرت والا کی قیادت میں رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں سیاسی، غیر سیاسی دس گیارہ لاکھ کا مجمع جمع ہوگیا اور حکومت کو وہ قانون ٹھنڈے بستہ میں ڈالنا پڑا۔ اسی طرح بی جے پی کے دور حکومت میں قرآن کریم کی سورۃ توبہ کی آیتوں کی ترمیم کا شوشہ چھوڑا گیا تھا تو آپ کی قیادت میں ہر صوبہ اور ہر ضلع میں احتجاج ہوا اور قرآن کریم کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو خاموش ہونا پڑ گیا، اور ابوغریب جیل میں قرآن کریم کی بے حرمتی جو امریکی فوجیوں کے ذریعے کی گئی تھی اس کے خلاف ملک گیر انداز میں تحریک چلائی گئی، نیز مرارجی دیسائی کے زمانہ میں ملک وملت بچاؤ تحریک چلائی وغیرہ وغیرہ، حضرت کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ مختصر مضمون اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اس کے لیے سیکڑوں صفحات بھی ناکافی ہونگے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ □□□

حضرت مولانا محمد اسعد مراد آباد

میرے حضرتؒ، میرے شیخؒ

حضرت مولانا کی سب سے پہلے زیارت بچپن میں اپنے گاؤں میہاں میں ہی کی تھی ہمارے والد صاحب کا تعلق بھی اس خانوادہ سے عقیدت مندانہ تھا اس لئے بندہ بھی حضرت والا کو بڑی عقیدت ومحبت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بندہ دارالعلوم مئو میں زیر تعلیم تھا حضرت مولانا افتخار احمد صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی) وہاں کے مدرس تھے میں ان کے درس میں بیٹھا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ (والد مفتی محمد راشد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند) تشریف لائے تو حضرت مولانا افتخار احمد صاحب نے مولانا محمد مسلم صاحب سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "اس بچے کا نام اسعد ہے اور پکا اسعدی ہے، اس پر مولانا محمد مسلم صاحب نے امتحاناً مجھ سے کہا کہ یہ سیاسی کام بھی کرتے ہیں کیسے بزرگ ہو سکتے ہیں؟ اس پر میں نے برجستہ جواب دیا کہ بزرگ ہونے کیلئے ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ضروری نہیں ہے"۔

دورۂ حدیث کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد حضرت سے بیعت ہونے کی آرزو ہوئی تو حضرت کو ایک پرچہ لکھ کر دیا حضرت نے پوچھا آئندہ کا کیا پروگرام ہے میں نے بتایا کہ ابھی پڑھنے کا ارادہ ہے حضرت والا نے بیعت ہونے سے منع فرمادیا اس کے باوجود میں حضرت سے موقع بموقع درخواست کرتا رہا، ایک موقع پر رمضان المبارک ۱۹۵۹ء میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، وہاں حضرت مولانا محمد طاہر صاحب کلکتوی خلیفہ حضرت مدنیؒ بھی موجود تھے، انہوں نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ یہ بار بار آرہا ہے اس کو بیعت کیوں نہیں کر لیتے تو پھر حضرت نے فرمایا کہ ابھی پڑھنا مقدم ہے، بالآخر حضرت نے اسی بار بار جانے پر اسی سال بیعت فرمالیا اور پھر بیعت وارشاد کی تعلیم شروع ہوگئی۔

ایک موقعہ پر حضرت مولانا کو لیکر اپنے علاقہ کے ایک گاؤں میں جانا تھا میں مولانا کو بھٹنی گورکھپور سے لے کر بذریعے جیپ جارہا تھا راستے میں ایک گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے نماز سے فارغ ہوئے تو ایک بوڑھے میاں اپنے گھر دوڑ کر گئے اور گڑ کے کچھ ٹکڑے پلیٹ میں رکھ کر لے آئے، حضرت نے گڑ کے ٹکڑے لے لئے اور ساتھیوں سے بھی کہا کہ سب لوگ لے لو، حضرت والا نے بوڑھے میاں کے خلوص ومحبت کی قدر کرتے ہوئے ان کے اس معمولی عطیہ کو بھی قبول فرمایا۔

جس سال بندہ دورۂ حدیث سے ۱۹۷۵ء میں فارغ ہوا تو حضرت مولانا اس سال مدنی مسجد دیوبند میں معتکف تھے بندہ بھی وہاں حاضر رہا کرتا تھا، ۲۹رشعبان کو استاذ محترم حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے فرمایا آج سے تمہیں میرے ساتھ دور کرنا ہے، اور حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب اس وقت دور کرنے والوں کا قرآن کریم کھول کر سنا کرتے تھے، تو حضرت مولانا ارشد صاحب کے ساتھ دور کرنے اور حضرت مولانا کے سننے کا رعب بندہ پر طاری ہوا کہ حضرت والا کو کس طرح قرآن کریم سنا سکوں گا، بہر حال ہمت نہیں کر پارہا تھا کہ حضرت

والا کو کیسے قرآن سناؤں گا، لیکن حضرت استاذ محترم مولانا ارشد مدنی صاحب نے ہمت دلائی اور حوصلہ بڑھایا کہ تم تو اچھا پڑھتے ہو پھر میں بڑی محنت اور لگن سے قرآن کریم یاد کرتا تھا اور حضرت مولانا کو سنانے سے پہلے حافظ محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت شیخ الاسلام جو قرآن کے اچھے حفاظ میں شمار ہوتے ہیں ان کو سنایا کرتا تھا، پھر حضرت مولانا ارشد صاحب مدظلہ کے ساتھ دور کرتا تھا اور حضرت والاؒ بغور قرآن کریم سنا کرتے تھے اور ٹوکتے بھی تھے حضرت والا کی توجہ اور قرآن کریم سننے سے بندہ کو بڑا فائدہ ہوا، اور بڑا حوصلہ بڑھا، اس طرح پھر مسلسل کئی سال تک اعتکاف کا موقع ملا اور حضرت کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہوتا رہا۔

ایک دفعہ حضرت والا کے ساتھ سفر میں تھا مغرب کی نماز کا وقت تھا، حضرت والا سے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت نماز پڑھا دیجئے، حضرت والا نے بندہ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھا دیا اور فرمایا اسعد ہی نماز پڑھائیگا

اس طرح حضرت والا ہمت افزائی اور شفقت فرمایا کرتے تھے اللہ کے فضل سے ہمارے علاقہ میں ایک مدرسہ جامعۃ الاسلام والقرآن میہاں ہرہنگ پور دیوریا یوپی میں حضرت کی سرپرستی میں بندہ کے ذریعہ قائم ہوا اور وہاں دینی تعلیم وتربیت کا نظم ہوا حضرت والا سے درخواست کی تو وہاں اجلاس دستار بندی میں تشریف لے گئے، دوسال پہلے بھی سہ بارہ حضرت کو مدرسہ لیجانے کیلئے کوششیں کیں، حضرت والا علالت اور کمزوری کی وجہ سے تشریف نہ لیجا سکے لیکن مدرسہ کے حالات کے بارے میں معلومات فرماتے رہتے تھے، بفضلہ تعالیٰ حضرت کی دعاؤں اور مفید مشوروں کی وجہ سے یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے، آج حضرت والا کا سایہ شفقت نہیں ہے، لیکن اللہ کی ذات سے امید ہے آئندہ بھی یہ ادارہ اپنی دینی خدمات سے علاقہ کو فیضیاب کرتا رہے گا، الحمد اللہ اس وقت مدرسہ میں حفظ وقرآن کریم کے آٹھ درجے اور عربی پنجم تک تعلیم ہورہی ہے، ایک مرتبہ حضرت والا کے ساتھ بستی سے لکھنؤ کیلئے ٹرین میں سفر کررہا تھا رات کا وقت تھا، جب تہجد کا وقت ہوا تو حضرت والا تہجد کی نماز کیلئے اٹھ گئے، بندہ بھی چاہ رہا تھا کہ حضرت کی خدمت کا موقع ہاتھ آئے تو حضرت نے فرمایا کہ گرم پانی رکھا تھا وہ لائیے، تو بندہ نے جلدی سے پانی دیا حضرت نے وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔ سفر میں بھی حضرت نماز تہجد کی پابندی فرمایا کرتے تھے۔ اور بڑے اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

چند سال پہلے جمعیۃ علماء ہند نے اصلاح معاشرہ پروگرام ملکی پیمانہ پر شروع کیا تھا دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی اور دیگر بہت سے مدارس کے علماء کرام کے وفود ملک کے دیہات قصبات اور شہروں کو روانہ کئے گئے، بندہ کا نام بھی ان علماء کی فہرست میں تھا، لیکن حضرت والا نے علماء کرام کو علاقوں کے احوال کے اعتبار سے سیٹ کیا تھا، لیکن تری پورہ، منی پور کے علاقہ کے لیے کوئی مناسب نام تجویز نہیں ہو پا رہا تھا، حضرت والا نے مجلس میں فرمایا کہ اسعد کا نام لکھو وہ چلا جائے گا، بہر حال میرا نام تری پورہ، منی پور کے اصلاح معاشرہ پروگرام کے لیے منتخب ہوگیا، بندہ سفر پر روانہ ہوا بفضلہ تعالیٰ اور حضرت کی دعاؤں سے تمام سفر بعافیت مکمل ہوا اور لوگ پروگراموں میں جڑے اور مستفید ہوئے۔ ❑❑❑

مولانا نظام الدین فخر الدین
مہتمم دار العلوم نظامیہ صوفیہ، پونہ

عظیم صلاحیتیں اور فولادی عزم وہمت کی نمود

تو ارادہ پہ رہا اپنے برابر قائم
گردشِ دہر نے بھی رنگ نہ بدلا تیرا

مرشدی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ”میرے عزیزو! اسلام میں تجدید واصلاح کی پوری تاریخ افراد کی الوالعزمی کی تاریخ ہے، کہنے کو ملی اور اجتماعی تاریخ ہے اور بے شک ہے لیکن عملاً یہ از اوّل تا آخر افراد کی صلاحیتوں، ان کے عزم وہمت کی نمود ہے، جب کبھی اسلام کے لئے موت وحیات کی کوئی کشمکش پیش آئی، جب کسی طرف سے دین اسلام کو للکارا گیا تو کوئی فردِ کامل کوئی صاحبِ عزم ہستی سامنے آگئی، ایسے موقع پر نہ کوئی کونسل بیٹھتی ہے نہ کوئی مشورہ ہوتا ہے، کوئی صاحبِ یقین سامنے آجاتا ہے اور حالات کو یکسر بدل کر رکھ دیتا ہے۔

ایسی ہی ایک صاحبِ عزم ہستی وراثتِ مدنی کی حامل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی عالمی شخصیت تھی۔ حضرت مولانا ایک ہی وقت میں سپہ سالار بھی تھے، رضا کار بھی، درویش حق پرست بھی تھے اور معلم اکمال بھی، خوددار غیور وفقیر بھی اور دولت علم واخلاقِ نبوی کے امیر بھی تھے، عزم وشجاعت کے میدان میں بے باک جوان رعنا بھی، مذہبی پیشوا بھی تھے، اور سیاسی راہنما بھی، باعتبار عمر سنجیدہ مزاج بھی تھے ....

ات دن محنت سے جس کو اس جہاں میں کام تھا
ر گھڑی جہد و مشقت جس کا شغلِ عام تھا
ندگی میں اپنی جو وقفِ غم و آلام تھا
ہین سے سوتا نہ تھا بے گانۂ آرام تھا

وہ گیا ہے عالمِ برزخ میں سونے کے لئے
رہ گئے ہم اس جہاں میں آج رونے کے لئے

یقیناً حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ صاحبِ بصیرت تھے، عالمی سطح پر گہری نظر رکھتے تھے، ملت اسلامیہ کی پسماندگی پر بے چین رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے بڑے درد بھرے انداز میں عربوں سے متعلق فرمایا:

''عربوں کی پسماندگی کی داستان بڑی لمبی ہے، یہود و نصاریٰ نے بڑی بڑی کانفرنسیں کر کے اور کئی سو برس کے پلان بنا کر مسلمانوں کو تعلیم، اقتصادیات، ہر چیز میں تہی مایہ کر دیا اور ان کو ہر پہلو سے انتہائی پیچھے کر دیا، ان کی سازشیں صلیبی جنگوں کے بعد ہی سے چلتی رہیں، سب سے پہلے انہوں نے اندلس میں غلبہ حاصل کیا، اس کے بعد مختلف طریقوں سے چالیں چلتے رہے، کہیں لارینس کو بھیجا، عربوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر انہیں طرح طرح سے فریب دیا، ہر جگہ بے دینی اور عیش و عشرت میں مبتلا کر کے ان کے اوصاف کو ختم کر دیا''۔

حضرت مولاناؒ کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ آپ مسائل پر صرف تبصرہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ بذاتِ خود ان مقامات کا سفر کرتے، لوگوں سے ملاقات کر کے حالات و خیالات معلوم کرتے اور پھر مسائل کے حل کے لئے اپنی پوری قوت لگا دیتے۔ ۱۹۷۰ء میں مولانا محترم نے علی گڑھ کا سفر کیا اور مسلم یونیورسٹی کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کیں، تبادلۂ خیال کیا اور پھر اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سلسلے میں مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا اور بڑی جسارت سے فرمایا:

''مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے متعلق مسلمانوں کے ذہن میں بڑے اندیشے اور شکوک ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ یونیورسٹی کے بارے میں حکومت کے طرزِ فکر میں بنیادی تبدیلی کی جائے، کچھ تنگ نظر حلقے ہیں اور وہ مسلسل کوشش میں ہیں کہ اس کے نام و کردار کو بدل دیں، ان کی یہ کوشش سیکولرزم کے اُصولوں کے منافی ہیں''۔

حضرت مولانا کا وہ اندیشہ جس کو ۳۶ سال قبل مولانا نے اپنے نورِ بصیرت سے تاڑ لیا تھا، سچ ثابت ہوا اور سپریم کورٹ کے حالیہ ایک غیر جمہوری فیصلے نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار کا خون کر دیا ......۔

ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد وہ بھی کم بخت تیرا چاہنے والا نکلا

آج ہند و پاک تعلقات کو خوش گوار بنانے کی خوش آئند کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہی بات حضرت مولانا نے برسوں پہلے کہی تھی، جب شملہ معاہدہ ہوا تھا تو حضرت مولانا نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک اخباری بیان جاری کیا تھا کہ:

''یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دونوں ملکوں کے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، ان کے درمیان اقتصادی، ثقافتی، اور ذہنی رشتے موجود ہیں، ان رشتوں کو کمزور کرنے کی کوئی بھی کوشش دونوں ملکوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے''۔

حضرت مولاناؒ ملتِ اسلامیہ کے ناسور زدہ معاشرہ کو دیکھ کر تڑپ اُٹھتے اور فرماتے:

''مسلمانوں کے معاشرہ اور سماج میں جو کمزوریاں ہیں، بُری عادتیں ہیں، رسمیں ہیں، فضول

خرچیاں ہیں اور ایسی خرابیاں ہیں، ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، محلہ وار، برادری وار اُن کے اندر ایسا اچھا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو صحیح اسلامی ماحول ہو'۔

ملک کی آزادی کی خاطر کم وبیش ۵۷ ہزار علماء نے اپنی جانوں کی قربانی دی، ملک آزاد ہوا مگر تعصب اور فسادات نے یہ واضح کر دیا کہ ....

ہم انتظارِ صبح میں جاگے تمام رات — نکلا جو آفتاب تو وہ بھی گہن میں تھا

مولانا محترم راجیہ سبھا کے باوقار ممبر بھی رہ چکے ہیں، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے بعد اگر کوئی پارلیمنٹ میں گرجا ہے تو وہ صرف حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ تھے، جن کی گرج نے پارلیمنٹ کو ہلا کر دکھ دیا، فسادات کے سلسلے سے فدائے ملت حضرت مولاناؒ کی پارلیمنٹ میں کی ہوئی معرکۃ الآ راء تقریریں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، جس میں آپ نے بڑی جسارت سے فرمایا تھا کہ :

''اگر اربابِ حل وعقد واقعی فسادات سے پریشان ہیں تو وہ بتائیں کہ فسادات کے مجرموں کو سزائیں کیوں نہیں ملتیں، مجرم افسروں کو معطل کیوں نہیں کیا جاتا، اگر کانگریس اپنی حکومت میں مسلمانوں کے لئے پرامن حالات نہ پیدا کر سکی تو یہ سمجھنا درست ہوگا کہ حکومت آر ایس ایس کی ہے''

آج جبکہ مدارسِ دینیہ کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ان پر دہشت گردی کے بے بنیاد الزامات لگائے جارہے ہیں۔مولانا محترم نے ملک کے تمام مدارسِ دینیہ میں ربط ضبط پیدا کر کے مدارسِ دینیہ کو ایک نیا عزم وحوصلہ بخشا ہے مدارسِ دینیہ کی تاریخ میں حضرت مولانا کے اس بے مثال کارنامے کو سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔اس موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس تعارف کا نقل کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا جو مولانا نے مکتوباتِ شیخ الاسلام حصہ دوم کے مقدمے میں فرمایا ہے :

''کسی صاحبِ کمال ہستی کے کمالات وخصوصیات، شخصیت وصفات کا تعارف کرنا اہلِ نظر کا کام ہے، لیکن کسی صاحبِ کمال شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات نقوش وتأثرات کے اظہار کے لئے خود صاحبِ کمال اور صاحبِ نظر ہونا قطعاً ضروری نہیں ہے''۔

آخر میں عرض کروں گا کہ حضرت مولاناؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے تعزیتی جلسے اور تبصرے کافی نہیں ہوں گے بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر اس اضطراب کو پیدا کریں جس نے مولاناؒ کو فدائے ملت بنا دیا ....

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے — کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

ان کے مقاصدِ زندگی کو عروج وفروغ دیا جائے۔باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے خدا ......

حضرتِ مدنیؒ کو کر آسودۂ خلد و جناں — تیرا فضلِ بیکراں ان پر رہے سایہ کناں

جاوداں وہ سایۂ دامانِ رحمت میں رہیں — تیرے جلووں سے مشرف باغِ جنت میں رہیں

حکیم ظل الرحمٰن، دہلی

علم وفن کے حسین قافلے تھم گئے

حیات جس کی امانت تھی سونپ دی اس کو اُتارنا تھا یہ قرضہ بھی سر سے اپنے تجھے

قرآنِ کریم کا قول ہے'' کل من علیھا فان '' یہ ہر انسان کا مقدر اور ہر مسلمان کا ایمان ہے، پھر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ جانے والے پر افسوس کیوں ہوتا ہے، مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جانے والا کیوں گیا۔ اس کا جانا تو روزِ اوّل ہی سے متعین تھا، ہمیں اس کا علم نہیں تھا یہ اور بات ہے۔

پریشانی یہ ہے کہ جانے والا جن ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اب قحط الرجال کے اس دور میں ان کو کون سنبھالے گا۔ کیونکہ آج جو چلا جاتا ہے اس کا نعم البدل یا صرف بدل تو دور کی چیز ہے، اس کا عشر عشیر بدل بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا فخر الدینؒ کے دور کی توقعات ہی رکھنا بے جا ہے، دورِ روحانیت تو سفر رخت لے چکا، بقولِ کوثر میرٹھی کے .... ؎

ابھی کیا ہے تجھے ڈھونڈیں گے اِک دن کارواں والے کہ مرجانے پہ قدرِ آدمی معلوم ہوتی ہے
(کوثر میرٹھی)

تمہارے بعد ان کانٹوں کی عظمت کون جانے گا بھٹکتا ہی پھرے گا کارواں جب تم نہیں ہوگے
(محمود دہلوی)

مولانا مرحوم کی شخصیت کا خاکہ کچھ اس انداز کا تھا، پیرانہ سالی کے باوجود ہمت اور عزم کا مجسمہ، ملت کے مسائل کا نبض شناس، مدارسِ دینیہ کی ضروریات اور حسنِ انتظام کی نفسیات کا شناسا ہی نہیں بلکہ قابلِ اعتماد مشیر و معاون، شریعتِ اسلامیہ کی دانائیوں کا مردِ حق آگاہ حکومت کے ایوانوں میں بابانگ دہل ملّت کے مسائل پر اپنی آواز بلند کرنے والا اور زندگی کے درج ذیل اُصولوں پر کاربند .... ؎

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو اس زمیں کی پستیوں پر آسماں بن کر رہو
زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی خدا کی رحمتوں نے اس ڈھانپا آسماں ہو کر

حوادث سے اُلجھ کر مسکرانا میری عادت ہے　　مجھے بربادیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

اور آج کا حال یہ ہے .... ؎

دن کو اِک نور برستا ہے تیری تربت پر　　رات کو چادر مہتاب تنی ہوتی ہے

اور ہمارے لئے اکابر کا حکم .... ؎

ضبط گریہ کی تاکید خموشی کا بھی حکم　　اب اگر خاک نہ ہوگا تو جگر کیا ہوگا

اور ملت کا حال یہ ہے .... ؎

زمانہ برسر آزار تھا فانی مگر　　تڑپ کے ہم نے تڑپا دیا زمانے کو

اب تو باری تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست ہے .... ؎

اُجالے ان کی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو　　نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

میرا تعلق جمعیۃ علماءِ ہند سے ۱۹۸۷ء سے ہے جب میں ہمدرد دواخانہ میں ملازم ہوا۔ اس وقت ہمدرد لال کنواں پر تھا اور دفتر کے بعد گلی قاسم جان میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی خدمت میں حاضری معمول تھا۔ مولانا مرحوم سے یہ تعلق تقریباً تیس سال قدیم ہے۔ مولانا سے جو سبق میں نے سیکھا ہے وہ ہے :

یہ الم، یہ ستم، راستے پُرخطر راہرو تیرا ثابت رہے ہر قدم

وقت کی باگ ہاتھوں میں ان کے رہی تیز دھاروں کی آغوش میں جو جئے

رہروانِ راہِ منزل رہ نہ جانا راہ میں　　لذتِ صحرا نوردی دوریٔ منزل میں ہے

مقامِ زندگی تعمیر کر موجِ حوادث میں　　کناروں کا بھروسا کیا کنارے ٹوٹ جاتے ہیں

آج کے قحط الرجال کے اس دور میں کسی نایاب شخصیت کا دنیا سے رخصت ہو جانا ہماری محرومیوں میں مزید اضافہ کا باعث ہے لیکن ہمارے پاس سوائے صبر کے اور چارہ ہی کیا ہے۔ بقولِ علامہ اقبال مرحوم کے .... ؎

آرزو کو خون رُلواتی ہے بیداد اجل　　مارتا ہے تیر تاریکی میں صیادِ اجل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لئے لیکن زباں　　ہے خزاں کا رنگ بھی وجہ قیامِ گلستاں

ایک ہی قانونِ عالمگیر کے ہیں سب اثر　　بوئے گل کا گل سے اور گلچیں کا دنیا سے سفر

نذرانۂ عقیدت کے طور پر زبیر رضوی کے اشعار پیشِ خدمت ہیں .... ؎

زندگی کون سا موڑ ہے یہ جہاں　　میرے قدموں کی رفتار تھم سی گئی

جانے کیا شب کی ویرانیوں نے کہا　　راہ چلتے مسافر کو نیند آگئی

راہ ویران ہے کس کو آواز دوں　　کوئی ایسا نہیں جو میری انجمن
فکر و فن کی شمعوں سے روشن کرے
آج پھر موت کی اِک خبر ساقیا　　ایک غم اِک خلش اِک چبھن دے گئی
زندگی کون سا موڑ ہے یہ جہاں　　میرے قدموں کی رفتار تھم سی گئی
گاتے گاتے غزل کوئی چپ ہوگیا　　پیتے پیتے کوئی بادہ کش سوگیا
وہ پرستارِ علم و ہنر اُٹھ گیا　　وہ نقیب گل و نسترن اُٹھ گیا
علم و فن کے حسیں قافلے تھم گئے
وہ سراپا خلوص و وفا اُٹھ گیا　　دین و ملت کا مدحت سرا اُٹھ گیا
آج پھر موت کی اِک خبر ساقیا　　کتنے چہروں کی صبحوں کو کملا گئی
کتنی آنکھوں میں ویرانیاں چھا گئیں
بزم کی خامشی داستاں بن گئی　　زندگی موت کی میزباں بن گئی
آج کم خواب آنکھوں کو نیند آگئی　　زندگی گوشہ عافیت پا گئی

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل، جمعیۃ علماءِ ہند کو ان کا بدل بخشے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ....

نمازِ عشق پڑھنے کا تم ہی کو حق تھا دنیا میں
کہ آتا تھا تمہیں خونِ تمنا سے وضو کرنا

مولانا محمد انعام اللہ قاسمی

علوم نبوت کے شارح وامین

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صاحب علومِ نبوت کے امین اور پیغمبری جذبہ، پیغمبری تڑپ اور نبوی سوز و اضطراب کی آئینہ دار تھے۔ اسی لئے وہ ان تمام حالات سے دو چار ہوئے جن سے اس راہ کے راہی دو چار ہوتے ہیں اور تمام حالات کا انہوں نے پامردی اور ہمت سے مقابلہ کیا۔ نہ وہ کبھی گھبرائے نہ خوف و ہراس کو انہوں نے خود پر حاوی ہونے دیا، کبھی نہ بکے اور نہ ہی جھکے، یقیناً ان کی موت سے ہر قلب مضطرب ہے۔ آنکھ نمناک ہے اور اس حادثہ پر جو آنکھ نمناک نہ ہو اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں۔ یہ حادثہ مدنی خاندانی یا دارالعلوم و جمعیۃ علماء سے وابستہ شخصیات کا نہیں ہے۔ بلکہ ملک وملت کا حادثہ ہے وہ دانشور ہوں، سیاسی رہنما ہوں، دینی قیادت کے حاملین ہوں، مدارس ومکاتب سے وابستہ دردمند ہوں، تبلیغی جماعت کے داعی ہوں، عصری دانش گاہوں کے ناخدا ہوں یا دیہات اور گاؤں کے رہنے والے ہوں وہ خود کو بے یار ومددگار اور یتیم محسوس کر رہے ہیں۔

انہوں نے پیغمبر کے ایک مخلص بے لوث اور سچے جانشین کی طرح پیغمبری مقاصد کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا اور وقت، حالات اور ماحول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب پر جس طرح کا انشراح فرمایا وہ بڑی تندہی، ہمت، اعتماد اور مکمل بصیرت سے اس پر گامزن رہے اور بیک وقت انہوں نے دعوت وارشاد، تزکیہ وتربیت، سیاست وحکومت، اصلاحِ معاشرہ، فرقِ باطلہ تک صحیح پیغام رسانی، برادرانِ وطن کو اسلام وقرآن کی دعوت اربابِ انتظام کی رہنمائی ملک وبیرونِ ممالک کے اسفار، مدارس ومکاتب کا رابطہ، صرف دینی تعلیمی ادارے، صرف عصری دانش گاہیں اور دینی ماحول میں عصری تعلیم اقتصادیات کو مضبوط کرنے مسلمانوں کو سود سے بچانے کی عملی کاوشیں، ہسپتال، ٹیکنیکل ادارے اور مصیبت زدہ علاقوں کی ہر ممکن دادرسی وخیرخواہی اور ان سب سے بڑھ کر افراد سازی رجالِ کار کی فراہمی وغیرہ کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ صرف اور صرف انہیں کا حصہ تھا، ان تفصیلات کو کتاب کی ضرورت ہے۔ آج کونسا علاقہ ہے جہاں ان کے نقوش نہ ہوں، کون سا میدان ہے جو ان کی خدمات کا منہ بولتا شاہکار نہ ہو اور کس جگہ ان کے مریدین اور پروردہ افراد نہیں ہیں ....۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

انہوں نے دارالعلوم کی مدرسی کو معراج سمجھا نہ جمعیۃ علماء کی صدارت کو آخری منزلِ مقصود بنایا اور نہ ہی کسی بڑے سے بڑے عہدہ ومنصب سرپرستی رکنیت کو مقصدِ زندگی تصور کیا بلکہ کام کی فکر، انسانیت کی فلاح، احقاق حق، ابطالِ باطل اور اُمت کی فلاح و بہبودگی، مخلوقِ خدا کی ہمدردی وخیرخواہی اُمت میں امتی ہونے کا احساس دینی اداروں کی فکر اور قرآن وسنت، حاکمیت گھر میں بھی، کاروبار میں بھی، خوشی وغمی میں بھی، عسرو تنگی میں بھی اور فقروغنا میں بھی ان کی زندگی کا جزو لاینفک تھا ....

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

وہ اپنے ان مقاصد کے لئے آگے بڑھتے رہے، بے پناہ معاہدات کرتے رہے۔ راہیں ان پر کھلتی رہیں کام کا بجھاؤ پالنہار دیتا رہا اور نہ جانے کتنی صدارتیں، کتنے اعزازات اور کتنی سرپرستیاں جن کے لئے لوگ دوڑ دھوپ کرتے ہیں، توڑ جوڑ ہوتی ہے، منصوبہ بند پروگرام بناتے ہیں، وہ بغیر مطالبہ وسوال کے ان کے سامنے سرنگوں ہوتی رہیں اور جس انسان کی نیت آخرت ہوتی ہے، دین ہوتا ہے، دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے، مجھے کہنے دیجئے اس ذاتِ گرامی کو عہدوں سے عزت نہیں ملتی تھی جبکہ عہدے، مناصب اور صدارتیں اس کی وجہ سے عزت وخدمت اور زندگیاں پاتی تھیں۔

وہ بہت بڑے مصنف نہیں تھے، ان کی کتابوں کی بہت طویل فہرست نہیں ہے اور اتنے محاذوں پر رہنے والا انسان یہ کر بھی نہیں سکتا، مگر یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ انہوں نے جن فتنوں کا ادراک کیا، جن مسائل کا تقاضہ سامنے آیا اور وقت کو جن چیزوں کی ضرورت ہوئی، انہوں نے اس کے لئے نہ صرف مصنف، شارحین اور مرتبین تیار کیے، بلکہ ادارے اور تحریکوں کو وجود بخشا، جنہوں نے ان مسائل پر بڑی مفصل ومضبوط کتابیں ترتیب دی، جن کی مکمل حوصلہ افزائی، رہنمائی، اسی عظیم سپوت نے فرما کر ملت پر احسان عظیم کیا ان کی تفصیل کی یہ مختصر تحریر متحمل بھی نہیں۔

یہاں حضرت مولانا کی زندگی کا یہ کارنامہ تحریر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی قوم وملت کو بڑا اعتماد وحوصلہ بخشا ہے اور ملک میں جب بھی اسلام دشمن عناصر نے سر ابھارا اور فکرمند افراد کو پس دیوارِ زنداں کیا اور ان میں شکست خوردگی پیدا کرنے کی مختلف انداز پر کوشش کی اور ایسی فضا بنائی کہ کچھ کہنا، بولنا، لکھنا، دوبھر ہوگیا تو اس

وقت میں یہی مرد میدان میں آیا اور بڑی کانفرنسیں کیں اور اُمت کو اعتماد بخشا۔ انہیں حوصلہ دیا اور کھل کر کام کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ اگر چہ کچھ حضرات نے ان کے اس طریقہ پر نکتہ چینی بھی کی، اس کو بے فائدہ بھی بتایا، اسے قوم کے ساتھ مذاق سے تعبیر کیا، ان کی خبروں تک کو جو جگہ اخبارات میں ملنی چاہئے تھی نہ ملی۔ مگر انہوں نے اس کی مطلقاً پرواہ نہ کی۔

انہوں نے وقت کے وزیر اعظم کو خط میں تحریر فرمایا تھا کہ جس بات کی ہمیں سب سے زیادہ تکلیف ہے وہ خود آپ کا رویہ ہے۔ اقلیتوں سے متعلق اہم مسائل پر آپ کے متضاد بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ اقدار کے تئیں آپ کی ذمہ داری کے احساس کی گہرائی گھٹنے سے بھی نیچے ہے نہ صرف یہ کہ آپ نے سیکولرزم اور جمہوریت کے دشمن سنگھ پریوار کی تنظیموں کا لگام دینے سے احترام کیا ہے بلکہ بسا اوقات آگے بڑھ کر ان کی مدد اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ عوام کے بڑے طبقے میں یہ احساس تیزی سے پھیل رہا ہے کہ جن خطوط پر آپ ملک کو لے جا رہے ہیں، اس سے ہماری قومی وحدت کو سخت نقصان پہنچے گا''۔ یہ بھی ایک سچی حقیقت ہے کہ اتنے عظیم الشان کام کرنے والا کوئی بھی فرد سب افراد کو خوش نہیں رکھ سکتا ہے اور تمام طبقات کے نظریات کو متحد نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے اس کے مخالفین بھی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ بھی کھولے جاتے ہیں اور اس عشق و محبت کی نگری کا دستور بھی یہی ہے کہ کلمۂ خیر کہیے اور گالیوں سے دامن بھریئے، پھول نچھاور کیجئے اور کانٹوں سے دامن بھریئے، راستی کے مسلک پر چلئے اور تفریق بھگتئے۔ دیانت کی روش پر چلئے اور خائن کہلوایئے، زخموں پر مرہم رکھئے اور زخمی ہو جایئے، حضرت امیر الہند کے ساتھ بھی یہی ہوا، انہیں ان کی بے لوث خدمات کے سلسلہ میں ہر طرح مطعون کیا گیا ہے۔ ان کی نیت پر شک و شبہ کیا گیا، جلسے ان کی مخالفت میں ہوئے، مجلسوں میں ان کے ساتھ بدسلوکی کی گئی، ان کے کارٹون شائع کیے گئے، دارالعلوم دیوبند میں سب سے پہلے انہوں نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے ارباب علم وفکر کو آگاہ کر کے اس کے مقابلہ کی دعوت دی۔ ایک پمفلٹ منظر عام پر آیا جس کے ایک دو شعر ذہن و دماغ کے اُفق سے قرطاس پر آنے کے لئے بے تاب ہیں جس سے مخالفت کی ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے ....

دیوبند شہر میں خاموش تھے سب فتنہ گرے — کوئی تحریک، نہ اجلاس، نہ شوریٰ، نہ نعرے
اِک روز چھپی اخبار میں یہ خبرے — جلسہ ختم نبوت پہ ہے باصد کرو فرے
جن کے القاب بڑے نام بہت مختصرے — اندر کچھ تھا کہ نہ تھا کون یہ تحقیق کرے

یہ ان حضرات کا مقدر تھا، مگر وہ بندۂ خدا وہ حسینی کردار و عزم کا حامل اپنے اسلاف و اکابر کی روایات کا امین و پاسبان، نیکی کا سپاہی، تقدس کا امام، ان سے بے نیاز ہو کر انہیں تکالیف پہنچانے والوں کے لئے راحتوں کی

راہ ہموار کرتا رہا۔ انہیں زخمی کرنے والوں کی ہمدردی کی جنگ لڑتا رہا اور عشق زخم کھا کر کردار ورسن کی طرف مسکراتا ہوا بڑھتا رہا، راستہ روکنے والے راستہ روکتے روکتے تھک گئے۔

حضرت مولانا کے چلے جانے سے یقیناً خلا پیدا ہوا۔ جسے کوئی ایک فرد شاید ہی پُر کر سکے اور اس دور میں جبکہ شخصیات اُٹھتی جا رہی ہیں، ان کی یادیں مدتوں رُلائیں گی، ایسے افراد مدت کے بعد پیدا ہوتے ہیں لیکن وہ مولی اس وقت کی چارہ سازی کرنے والا ہے۔ وہ افراد تیار کرتا رہے گا جو اپنے زمانہ کے مزاج ومذاق کے مطابق کام کرتے رہیں گے اور ابھی بھی کام باقی ہیں اور کام کرنے والے بھی۔

اسلام دشمن طاقتیں میدان میں ہیں اور ہر طبقہ کو متاثر کرنے میں سرگرم ہیں اور ہمیں ابھی آپسی اختلافات سے فرصت نہیں، مقصدی چیزوں سے ہٹ کر غیر مقصدی چیزوں مین زندگی بسر ہو جاتی ہے۔ بس صرف اور صرف اپنی اپنے پریوار کی اور اپنی عزت وعظمت کی فکر ہے اور تمام تر کاوشیں اسی پر صرف ہوتی ہیں، اسلام وقرآن کے ٹائٹل بھی اب اسی کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ جن کے لئے احادیث میں بہت سخت انتباہ ہے صرف معدہ، صرف مال، صرف عہدہ اور صرف اپنی عظمت ہی تو سب کچھ نہیں، ہم تو نبی اُمی کے اُمتی ہیں، ہمارے پاس جو پیغام ہے، اس میں پوری دنیا کی فوز وفلاح ہے وہ عالمی دعوت ہے، عالمی بحران کا اس میں علاج ہے۔ وہ بوسیدہ ہوتا ہے، نہ پرانا، نیا بالکل نیا جدید تقاضوں کا رہنما ہے اور دنیا آج بھی اس کی پیاسی ہے۔ یہی چشمہ صافی، اس سسکتی دنیا کو وہ سب کچھ عطا کر سکتا ہے۔ جو جا چکے وہ تو اعمال کے مطابق جزا وسزا پا رہے ہیں۔ پر ہمیں بھی تو اپنی زندگی کارگر، نفع بخش اور فائدہ مند بنانی چاہئے یا کم از کم ہماری ذات سے کسی کے کام کا نقصان ہو اور وقت اجل پر احسان ہو کہ کوئی چل بسا، کسی نے دنیا چھوڑ دی، دنیا محروم ہو گئی۔

باب : ۳
عظمتِ مقام رفعتِ شان
اور عالمانہ جلالتِ قدر

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
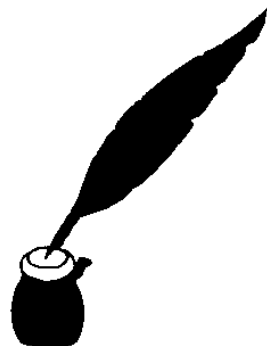
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

ملت کا لعل شب چراغ گم ہوگیا

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہما اللہ کے بعد ہماری بزم جہد وعزیمت ایک چراغ سے روشن تھی، افسوس کہ ۷رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶رفروری ۲۰۰۶ء کو بادحوادث نے اسے بھی گل کر دیا۔

ایک روشن چراغ تھا نہ رہا

یعنی حضرت امیر الہند، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی جو بمشیت ایزدی مفلوج ہو کر تین ماہ پہلے سے خاموش ہو چکے تھے، آہ وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے۔

انا للّٰہ وانا الیه راجعون، اللهم اغفرله، وارحمه، وعافه واعف عنه، واکرم نزله ووسع مدخله، وانزل علی روحه وجسده وتربته شآبیب رحمتك، واجعله من المقربین آمین یا ارحم الراحمین .

حضرت صاحب النعلین والوسادۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابیٔ جلیل معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فرمایا تھا "انّ معاذًا کان امةً قانتا" یعنی لوگوں کی نفع رسانی میں ان کی اکیلی ذات ایک امت وجماعت کی حیثیت رکھتی تھی۔

عصر حاضر میں حضرت فدائے ملت قدس سرہ کی جامع کمالات و ہمہ جہت شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی زندہ اور جیتی جاگتی تصویر تھی۔ وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم جمعیۃ علمائے ہند کی مسند صدارت کے شہ نشین ہی نہیں تھے بلکہ دین حق کے مخلص داعی تھے، سلسلۂ ارشاد وسلوک کے مرشد کامل تھے، اسلاف کی تاریخ ایثار و ہمدردیٔ خلق کے سچے امین تھے،

اسلامی آثار وشعائر کے نگہبان تھے، ملک وملت کی عظمتوں کے محافظ تھے، ظلم وناانصافی کے ماحول میں حق وانصاف کے علم بردار تھے، نفرت ووحشت کے اندھیرے میں محبت واخوت کے مینار تھے، ان کی ایمانی فراست کے آگے مخفی وپراسرار فتنے بے لباس ہوجاتے تھے، ان کی جرأت واستقامت کے سامنے حوادث کی تلاطم خیز موجیں سرنگوں ہوجاتی تھیں، ان کی حکمت ودانائی وقت کے چیلنج اور مسائل کو مواقع میں تبدیل کردیتی تھی، غرضیکہ ان کی ایک زندگی نہ جانے کتنی زندگیوں کا مجموعہ تھی، اس لئے ان کی وفات صرف خانوادۂ مدنی کا ماتم نہیں، صرف دیوبند ودلی کا ماتم نہیں بلکہ قوم وملک کا ماتم ہے؛ جہد وعزیمت کا ماتم ہے، استقلال واستقامت کا ماتم ہے، فراست وحکمت کا ماتم ہے۔ ایثار وغم خواری خلق کا ماتم ہے ملت اسلامیہ ہند کے طالع وبخت کا ماتم ہے۔

مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

آہ ہمارے لئے یہ کس قدر غمناک سانحہ ہے کہ آج ہمارا قلم اس ذات کا ماتم کررہا ہے جس نے کل تک قوم وملت کے غم وماتم سے ملک کے پورے طول وعرض کو کم وبیش نصف صدی تک پرشور رکھا۔

سوانحی خاکہ

پیدائش: ۴/یا ۶/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ - ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ اسلامی علوم وثقافت کے مرکز دیوبند میں آپ پیدا ہوئے والد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ نے اسی سال محرم الحرام میں ایشیا کی سب سے عظیم اسلامی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت تدریس کو رونق بخشی تھی۔

تعمیر حیات: ابتدائی تربیت والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت میں پائی، مگر ابھی عمر کی نو بہاریں ہی دیکھ پائے تھے کہ والدہ ماجدہ اس گلستان خزاں آباد کو چھوڑ کر خدائے رب العزت کی نوازشوں کی جنت خلد کو سدھار گئیں، اس کے بعد تعلیم وتربیت کے سارے مراحل والد بزرگوار کے خادم خاص وخلیفہ قاری اصغر علی سہسپوری رحمہ اللہ کی زیر نگرانی طے ہوئے، جنھیں بچوں کی تربیت کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی ابتداء سے انتہا تک ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، والد ماجد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے علاوہ حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی، شیخ المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا سید اصغر حسین

محدث دیوبندی، حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری، حضرت مولانا جلیل احمد کیرانوی خادم خاص حضرت شیخ الہند وغیرہم جیسے نابغہ عصر سے درسیات کی تکمیل کر کے ۱۳۶۵ھ-۱۹۴۵ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم کتاب وسنت سے فراغت کے بعد پورے طور پر یکسو ہو کر سلوک واحسان کی تحصیل میں منہمک ہو گئے اور والد ماجد حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ان کی زیر تربیت اس راہ کی منزلیں طے کیں، اس کے لئے حضرت شیخ الاسلام نے انھیں مدینہ منورہ بھیجا کیونکہ اس ارض مقدس میں ذکر واذکار اور عبادت الٰہی کی برکت وتاثیر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے، چنانچہ مدینہ منورہ کے اس دو سالہ قیام کے دوران آپ حضرت شیخ الاسلام کی حسب ہدایت پابندی کے ساتھ مسجد نبوی بالخصوص مواجہہ شریفہ میں ذکر واذکار میں مصروف رہتے، پابندیٔ اوقات کے ساتھ یہ سلسلہ پورے دو سال تک جاری رہا، اس راہ کے اہل بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس مدت میں انہیں بارگاہ ہدایت سے کیسی کیسی نعمتیں حاصل ہوئی ہوں گی۔ بارگاہ نبوت میں اس دو سالہ حاضری وقیام کے بعد کندن بن کر واپس وطن لوٹے، اور ہمہ تن حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں لگ گئے، سفر وحضر میں ساتھ رہتے اور اس طرح والہانہ ہر خدمت بجالاتے کہ دیکھنے والوں کو رشک ہوتا۔ حضرات علماء ومشائخ کی اولاد میں یہ سعادت بطور خاص انھیں کو حاصل ہے ورنہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ اولاد کے بجائے اس سعادت سے تلامذہ ومریدین ہی بہرہ ور ہوتے ہیں، اس طرح لائق بیٹے نے والد ماجد کے اکثر کمالات خصوصیات اپنے اندر جذب کر لیں حتی کہ رفتار وگفتار بلکہ زندگی کی عام روش میں ان کا نمونہ اور فیوض وبرکات کا سچا وارث بن گیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میدان جہد و عمل میں: ظاہری وباطنی علوم ومعارف کی تحصیل وتکمیل کے بعد حضرت مولانا نے اپنے جہد وعمل کے سفر کا آغاز اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے کیا اور ۲۸ر شوال ۱۳۷۰ھ کو اس کے شعبہ تعلیم سے منسلک ہو کر درس وتدریس میں مصروف ہو گئے، جس کا سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا، لیکن آپ کی تربیت جس ماحول میں اور جس نہج پر ہوئی تھی اور جن اوصاف وکمالات سے آپ کو نوازا گیا تھا وہ صاف بتا رہے تھے کہ آپ کو اس سے بھی وسیع تر خدمت کے

لئے پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ مشیت ایزدی نے آپ کو مسند درس وتدریس سے اٹھا کر قوم وملک کے اعلیٰ کاموں سے وابستہ کردیا۔ اس کے بعد دنیا نے یہی دیکھا کہ اللہ کے اس مرتاض بندہ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قوم وملت کی زندگی کے لئے وقف کردیا، جب تک جسم و جان میں سکت باقی رہی قوم وملت کی صلاح وفلاح اور توانائی وسربلندی کے لئے کارزار حیات میں سرگرداں رہا اور اس شان نزاہت کے ساتھ کہ اسے اس معذرت طلبی کی قطعاً حاجت پیش نہیں آئی۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

حضرت فدائے ملت کے میدان عمل کا دائرہ بہت وسیع ہے جس کے چند جلی عنوان یہ ہیں:
تبلیغ دین، بیعت وارشاد، اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت، مکاتب ومدارس کے قیام وبقار کی جدوجہد، اصلاح معاشرہ، معاشی واقتصادی ترقی، ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی، ملک کے جمہوری وسیکولر کردار کی حفاظت، متحدہ قومیت کا فروغ، آزاد ہندوستان میں اقلیتوں کے آئینی حقوق کی حفاظت وغیرہ اور ان سب میدانوں میں انھوں نے اپنی حوصلہ مندیوں، بے پناہ جدوجہد، اور فراست وحکمت اور قربانی وجانسپاری کے ایسے روشن نقوش چھوڑے ہیں جن سے زمانہ ایک عرصہ تک روشنی حاصل کرتا رہے گا۔

ظاہر ہے ان عنوانات میں سے ہر عنوان بجائے خود ایک دفتر کا طلب گار ہے۔ اور خود حضرت مولانا سے اپنی طویل وابستگی کی بنار پر ان سے متعلق اپنی معلومات میں جو وسعت ہے آہ کہ وہ کاغذ کے صفحات میں نہیں ہے۔

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری

عادات و خصائل: تواضع وانکساری ان کی سرشت میں داخل تھی حتی کہ اپنے مریدین ومستفیدین کی خصوصی مجلسوں میں بھی اپنی نشست گاہ میں کسی امتیاز کو پسند نہیں کرتے تھے، اسفار میں یہ صفت مزید نمایاں ہوجاتی تھی اور رفقائے سفر وخدام کے ساتھ ایسا حسن سلوک وبے نفسی کا معاملہ کرتے تھے کہ خدام کو اس وقت اپنے آپ کو سنبھالنا بہت مشکل ہوجاتا تھا۔ تحمل وقوت برداشت اس درجہ کی تھی کہ سنگین سے سنگین حالات میں بھی پیشانی پر بل نہیں آتا تھا۔ پیش آمدہ مسائل میں مشورہ سے گریز نہیں کرتے تھے مگر مشورہ کے بعد جو رائے قائم کرلیتے تھے اس پر اس قدر مضبوطی سے قائم رہتے تھے کہ اسکے مقابل دوسری بات کا سننا بھی گوارا نہیں ہوتا تھا۔ تصنع وتکلف سے طبعی طور پر نفور

تھا، سادگی و بے تکلفی گویا عادت ثانیہ تھی، مشاغل ومصروفیات کے بے پناہ ہجوم کے عالم میں بھی جب نماز میں رب کائنات کے حضور کھڑے ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کائنات سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مجاہدہ وریاضت اور محنت و مشقت ان کی طبیعت بن گئی تھی، نیند پر اس قدر قابو یافتہ تھے جب چاہتے سو جاتے اور جب چاہتے بیدار ہو جاتے، اکیلے پلیٹ میں کھانا پسند نہیں تھا اس لئے عام مہمانوں کے ساتھ ایک ہی تھال میں عام طور پر کھانا تناول فرماتے تھے دوسروں کے دسترخوان پر بھی اپنے پلیٹ میں کسی کو شریک کرلیا کرتے تھے۔

آشنا ناآشنا اپنے اور پرائے سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، اخبارات دیکھنے کی عادت نہیں تھی البتہ علمی و دینی رسائل و جرائد کا مطالعہ بوقت فرصت کرتے تھے۔ طبعاً کم سخن تھے لیکن بوقت ضرورت اپنی بات کو بڑی تفصیل سے پیش کرتے تھے۔ وعظ و تقریر میں عام طور پر آسان و سہل الفاظ استعمال کرتے تھے، سوگر کے موذی مرض نے اگرچہ بالکل نڈھال کر دیا تھا تاہم ان میں ہمت ایسی تھی جو جوانوں کو شرماتی تھی۔

آہ کہ یہ پیکر خوبی اور ملت کا لعل شب چراغ گم ہوگیا کہ اب اس دنیا میں ہم اسے کبھی نہ پاسکیں گے۔

دل میں یاد غم جاوداں رہ گئی
جانے والا گیا داستاں رہ گئی

مولانا نور عالم خلیل امینی

دشتِ جنوں کے سپاہی

•

عرصۂ دراز سے (جس میں ۳ماہ یعنی از شب ۵-۶/نومبر ۲۰۰۵ء تا شام ۶/فروری ۲۰۰۶ء، مطابق سنیچر۔ اتوار: ۲-۳/شوال ۱۴۲۶ھ تا سموار: ۷/محرم ۱۴۲۷ھ، مستقلاً موت وحیات کی کش مکش سے دوچار رہے) بیماری سے نبرد آزمار ہنے کے بعد، بالآخر مرد آہن مولانا سید اسعد مدنی نے موت کے آگے سپر انداز ہوکر ۶/فروری ۲۰۰۶ء کی شام کو ۵ بج کر ۳۵ منٹ پر، دہلی کے اپولو ہسپتال میں آخری سانسیں لے لیں اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ اللہ پاک نے ان کے لیے جتنی زندگی مقدر کر رکھی تھی، اس سے ایک لحہ بھی زیادہ وہ کیوں کر جی سکتے تھے:

عمر بھر زیست کے ہم راہ اجل جاتی ہے ✫ تاک میں رہتی ہے یک لخت نکل جاتی ہے

دنیا میں ہر آن موت وحیات کی پنجہ آزمائی جاری رہتی ہے۔ زندگی پر موت کی یقینی فتح ایک غیر معمولی واقعہ ہے، لیکن ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر موسم میں پیش آنے کی وجہ سے زندوں کا ایک ہی لمحے میں مردہ ہو جانا اور پھر لوٹ کے کبھی نہ آنا، ایک عام سا واقعہ بن گیا ہے، جس پر کسی کی توجہ مرکوز نہیں ہوتی؛ لیکن جب کوئی ایسا انسان دنیا سے منھ موڑ لیتا ہے، جس کی زندگانی خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے مفید تھی، تو افادیت کے بقدر، دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھو دینے کے بعد، اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے، خصوصاً تب جب اس کا کوئی جانشیں نظر نہیں آتا اور صلاحیت وافادیت کے حوالے سے، اس کے بعد کسی بے جوڑ انسان پر مجبوراً انحصار کرنا پڑتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا احساس مولانا سید اسعد مدنی کے اٹھ جانے کے بعد ہو رہا ہے۔ مولانا کی کمی پورے ملک میں شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کاموں کی بہت سی سمتیں تھیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ انھوں نے مدینہ منورہ میں گزارا جہاں ان کے خاندان کے لوگ متوطن ہیں۔ پھر دارالعلوم میں مدرس ہوئے۔ اس عرصے کی کوئی تفصیل مجھے معلوم نہیں؛ اس لیے اس حوالے سے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔ تدریس سے از خود سبک دوشی کے بعد، وہ جمعیۃ علماء کی قیادت کے میدان میں آگئے، جو ان کے فکر وعمل کی دوسری سمت تھی جمعیۃ علما کی نظامت سے صدارت تک کے دور میں (جس پر وہ وفات تک فائز رہے) ملک وملت کی سطح پر دو مرکزی خدمتیں انجام دیں:

(الف) مسلمانوں کے حقوق کی دست یابی اور ناانصافیوں کے ازالے کی ہمہ گیر کوششیں اور اسلامی اداروں اور مراکز اور تعلیم گاہوں اور مساجد ومقابر ومزارات کی حفاظت کے لیے زبردست اور جامع جدّ وجہد، جس میں وقتاً فوقتاً غیر معمولی بھیڑ والے جلسوں، مظاہروں اور طویل المیعاد تحریکوں کے ساتھ ساتھ، صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور متعلقہ وزراء حکام وافسران سے ملاقاتوں اور خطوط کے ذریعے ارتباطِ مسلسل شامل ہوتا۔

(ب) مسلم کش فسادات پر حکومتِ وقت سے پرزور اور مؤثر احتجاج اور ساتھ ہی متاثرین کی تعمیری اور ٹھوس مدد اور اس کے لیے قریہ بہ قریہ اور کو بہ کو مسلسل چکر اور دوڑ دھوپ۔ نیز قدرتی آفات کے موقع سے مصیبت زدگان کی ہمہ جہت مدد اور حکومت کو ان کی دادرسی کے لیے جھنجھوڑنا۔

مولاناؒ نے دونوں سطحوں پر عمل کے لیے ہمیشہ جمعیۃ علما کی تاسیسی روح اور اسکے اولین قائدین کے عملی ونظری طرزِ عمل سے روشنی کے حصول کے ساتھ ساتھ، اپنی ہمت وعزیمت، دوررس منصوبہ بندی اور نتیجہ خیز حکمتِ عملی سے فائدہ اٹھایا۔ نیز ملک کے سیکولر کردار، دستور کے مزاج اور مختلف المذاہب باشندگانِ ملک کے لیے اس کی شفقت ریز ملائمت سے نہ صرف آشنا کیا، بل کہ ہمیشہ، ہر جگہ، ہر موقع سے اس کی دہائی دی اور ملک کے سیکولر ضمیر پر ایسی زبردست دستک دی کہ مسلمانوں کے خلاف عصبیت، نفرت اور دشمنی سے مسموم فضا میں، جو انتہا پسند اور جارحانہ جذبات رکھنے والی ہندو جماعتوں اور افراد نے بنائی ہے، ان کی بات زیادہ یا کم ضرور سنی گئی اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر ضرور نکلا۔

اِسی نقطے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مولاناؒ نے ہندی مسلمانوں کے مسائل کو ہندوستان کے اربابِ حل وعقد کے سامنے کبھی بھی صرف مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ بل کہ انھیں سرکاری اور عوامی سطحوں پر مرکزِ توجہ بنانے کے لیے، ملک کے سیکولر کردار کے حوالے کو اتنی شدت کے ساتھ اُجاگر کیا کہ بعض اُن برادرانِ وطن زعما کو، جو سیکولر زعما کی دوسری صف سے تعلق رکھنے اور صفِ اوّل کے زعما سے تربیت پانے کے باوجود، سیکولرزم کی روح سے کسی غرض یا مرض یا مجبوری کی وجہ سے اغماض کرنے لگے تھے، سیکولرزم کا بھولا ہوا سبق پھر یاد آ گیا۔

اپنے اکابر مجاہدینِ آزادی (خواہ مشائخ دیوبند ہوں یا دگر بانیانِ جمعیت) کی طرح ان کا ایمان تھا کہ آزاد ہندوستان میں، محض مسلم اکائی کی بات، محض مسلم اکائی ہونے کی حیثیت سے منفردانہ طور پر نہیں سنی جائے گی اور اگر خدانخواستہ بعض نادان مسلم سیاست دانوں کی طرح، مسلم مسائل اور حقوق کی لڑائی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس سے برادرانِ وطن کی رائے عامہ کو یہ محسوس ہو کہ مسلمان اس ملک کے سارے ہندوؤں کو (جن کی اکثریت کے ہاتھ میں ہی ملک کی نکیل ہے اور رہے گی) دشمن محض ہی تصور کرتے ہیں اور ان سے دو دو ہاتھ کر لینے کے لیے تیار ہیں تو اس طرزِ عمل سے آزاد ہندوستان میں کوئی بھلا نہ ہوگا اور نہ کوئی حق حاصل کیا جاسکے گا۔ ہندوستان میں اقلیت (جس میں مسلمان بھی شامل ہیں) اور اکثریت کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ یہ مستحضر رکھنا ضروری ہے کہ ملک کی تقسیم سے (خواہ اس کا ذمے دار کوئی ہو: ہندو یا مسلمان یا دونوں) اور قیامِ پاکستان سے اکثریت یعنی ہندوؤں کے ضمیر کو خواہی نہ خواہی چوٹ لگی ہے۔ اکثریت کے بہت سے نادان افراد (جن کی تعداد انتہا پسند اور جارحیت پیشہ ہندو قائدین وزعما کی شب وروز کی جہدِ مسلسل کی وجہ سے بھیانک طور پر بڑھتی جا رہی ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی اقلیت کو پاکستان کی شکل میں حق یا انعام مل چکا ہے؛ لہٰذا اب جو یہ باقی ماندہ ملک ہندوستان کے نام سے ہے، صرف اکثریت کا حق یا اس کی بلا شرکت غیرے ملکیت ہے۔ مسلمانوں کو، اپنا حق لے لینے کے بعد بھی اگر یہیں رہنے پر اصرار ہے، تو ملک کا دستور سیکولر ہو یا لچکدار، دو نمبر کا شہری بن کے رہنا پڑے گا اور اب تو آئین کو بدلنے، اس کی سیکولر روح کو ختم کر دینے کی بھی یہ عناصر مانگ کر رہے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اگر مسلمان دو نمبر کا شہری بن کر رہنا از خود گوارا

نہیں کریں گے، تو وطنی حقوق کی تقسیم میں ہم ان کے ساتھ بے انصافی کرنے کا مکمل حق رکھتے ہیں اور اگر مسلمان زیادہ بے لگام ہوں گے، تو ہمارے پاس فسادات، مسجدوں پر قبضہ کرلینے اور انھیں مندر ثابت کردینے، نیز مسلمانوں کے سرکار سے مدد یافتہ اداروں کا اقلیتی کردار سلب کرلینے، جیسے بہت سے کارگر اسلحہ موجود ہیں، اسی کے ساتھ مسلمانوں کے دینی اداروں اور جماعتوں اور افراد کو دہشت گرد قرار دے کر، ان کے خلاف انسدادِ دہشت گردی کے قانون کی مشق اور ستم ایجادی کا ہنر بھی ہمیں معلوم ہے۔ سرکاری ملازمتوں، سرکاری حقوق وواجبات کی تقسیم کے اداروں کے مناصب تک پہنچنے کی راہیں، مسلمانوں پر آہستہ آہستہ اور بالآخر بالکلیہ بند کردینے کے عمل سے ہمیں کون روک سکے گا؟ قانون سازی کے اداروں اور انتظامیہ میں بھی ہم ہی ہیں، عملی طور پر دونمبر کی شہریت کی حامل اقلیت آٹے میں نمک کے برابر ہے بلہذا عملاً جو ہم چاہیں گے وہی ہوگا۔

مولانا مدنیؒ مذکورہ تلخ حقیقت کا اتنا ادراک رکھتے تھے، جو واقعہ یہ ہے کہ کسی معاصر قائد کو حاصل نہ تھا؛ اس لیے وہ مسلمانوں کے سارے مسائل کی ہر لڑائی، اقلیتوں اور مسلمانوں کے تئیں ملک کے دستور کی تصریحات اور تقاضوں کی روشنی میں، سیکولر ہندوؤں کو ساتھ لے کر، ہنرمندی سے لڑتے تھے اور جیت جاتے تھے یا جیتنے کی راہ ہموار کردیتے تھے۔ اللہ نے انھیں برادرانِ وطن کے سیکولر مزاج طبقے کو قریب رکھنے کا بڑا سلیقہ دیا تھا اور یہ طبقہ بھی مولاناؒ کی سیکولر مزاجی پر پوری طرح مطمئن تھا۔ بڑے سے بڑے ہندو لیڈر کو مولانا سے کوئی وحشت نہ ہوتی تھی کیوں کہ اس کو مولانا کی وطن پرستی پر مکمل اعتماد تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ مسلمانوں کی زیادہ معتبر نمائندگی کا حق رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں گروہی عصبیت اور مسلکی تحاسد اور تباغض کی بیماری نہ ہوتی تو دیگر زعما مولانا مدنیؒ سے ہر اختلاف کے باوجود، ان کی اس کام یاب حکمت عملی سے فائدہ اٹھا کر، اس ملک میں مسلمانوں کے آیندہ مسلمان باقی رہنے کی راہ، بڑی حد تک آسان بنا سکتے تھے؛ لیکن افسوس ہے کہ لوگ موت سے پہلے ہی جیتے جی بھی ایک دوسرے سے علاحدہ اور ذہنی وجسمانی طور پر دور رہنا چاہتے ہیں، حال آں کہ موت دوری پیدا کرنے کے لیے کافی ہے:

كَفَىٰ بِالْمَمَاتِ فُرْقَةً وَتَنَائِياً

بل کہ متعدد مسلم جماعتوں کے لوگ تو مولاناؒ کی اس کارگر حکمتِ عملی کو ''مداہنت'' اور ''نیم دروں اور نیم بروں'' کی پالیسی سے تعبیر کرتے تھے، تاکہ ان کی ناکردگی پر پردہ پڑا رہے۔ یہ لوگ یہ نہ سوچتے تھے کہ مولاناؒ اپنی تدبیر سے ملت کے لیے جو کچھ کرلیتے ہیں یہ لوگ اس کا عشر عشیر بھی کیوں نہیں کرپاتے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے غیر مسلم سیکولر زعماوقائدین بھی، حالیہ زمانے میں مولانا مدنیؒ کو، ملک کے سیکولر کردار کی بقا کی جنگ کے ہراول دستے کا ممتاز سپاہی تصور کرتے تھے؛ اسی لیے ان کی موت کے بعد ہفتہ عشرہ تک جس طرح قومی اور علاقائی سطح کے بڑے اور چھوٹے مسلمانوں سمیت غیر مسلم زعماوقائدین کی بڑی تعداد، جمعیۃ کے مرکزی آفس واقع آئی ٹی او دہلی کے علاوہ ان کے دیوبند کے دولت کدے پر، پارٹی، انتساب اور وفاداری سے اوپر اٹھ کر آتی رہی اور ان کی روح کو جذباتی انداز میں والہانہ طور پر خراج عقیدت اور ان کے اہل خانہ اور افراد خاندان کو دلاسا دیتی اور تعزیت کرتی رہی، اس کی مثال ہندوستان کے کسی اور مسلم زعیم وقائدین کے

حوالے سے اس دورِ آخر میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ لوگوں کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ مولاناؒ سے مسلمانوں وعلما ودعاۃ کے علاوہ، غیر مسلم زعما کی اتنی بڑی تعداد، اس درجہ تعلق رکھتی ہے کہ وہ ان کی وفات کے بعد ان کی کمی کو اس شدت سے محسوس کرے گی کہ ان کے خاکی دربار میں ان کا تانتا لگا رہے گا۔

مولانا مدنیؒ نے تین میقاتوں (۱۹۶۸ تا ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۰ تا ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۸ تا ۱۹۹۴ء) میں ۱۸ سال تک، کانگریس کی نامزدگی پر، راجیہ سبھا (ایوانِ بالا) کی رکنیت کی ذمہ داری انجام دی اور اس منصب کو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کی طرف ملک کے سب سے بڑے مقتدر ادارے کی توجہ مرکوز کرنے کے لیے استعمال کیا۔ یہاں بھی انھوں نے ملک کے سیکولر دستور کو ہی اساس بنایا اور اپنی تقریروں، تجویزوں، اور مباحثوں میں اسی کو پیش نظر رکھا۔ لفظی جذباتیت، بے اساس وبے فائدہ جوش سے احتراز کیا؛ کیوں کہ اس سے اکثریت کے اربابِ اختیار اور اصحابِ حل وعقد متاثر نہیں ہوتے؛ لیکن ضرورت کے مطابق ان کی وطنی غیرت اور قومی وفاداری کو بہت بار سلیقے سے للکارا، چنانچہ ان کی بہت سی باتیں سنی گئیں۔ پارلیامنٹ کی ان کی تقریریں چھپ چکی ہیں انھیں پڑھا جاسکتا ہے۔

مولاناؒ نے خدا کی تقدیر کے بہ موجب علمی اشغال کو اپنا وظیفۂ حیات نہیں بنایا؛ لیکن خدا نے انھیں میدانِ قیادت وسیاست میں جو کام کرنے کی توفیق بخشی، اس میں فتح مندیوں نے بے طرح ان کے قدم چومے۔ ملک وملت کے عام مفاد کے علاوہ انھوں نے جمعیۃ علما اور دارالعلوم دیوبند سے عوام کے رشتوں کو مضبوط تر کیا اور ہماری جماعت کے علما وخواص کو مسائل کے احساس، ابلتے ہوئے خطرات کے ادراک، مشکلات [illegible] کے شعور اور تقاضاہائے زمانہ کی معرفت کے ساتھ ساتھ، کسی لچک کے بغیر اپنے معتدل، متوازن اور مستقیم [illegible] جمنے کے نقطے پر یک جا کرکے ہمت اور ولولے کے ساتھ سرگرم عمل رہنے کا حوصلہ دیا اور اس مسلکِ حق کو چیلنج کرنے والے دینِ صحیح کے نام نہاد علم برداروں کو نہ صرف چیلنج دیا؛ بلکہ متعدد بار انھیں رگیدا، دوڑایا اور ان کی صفوں میں زلزلہ پیدا کردیا۔

مولانا مدنیؒ میدانِ عمل کے آدمی تھے، ان کا ذہنی سانچہ اسی کے لیے تشکیل ہوا تھا۔ محض آفس، دفتر اور کسی مرکز میں بیٹھ کر کاغذات کی ورق گردانی کرنا اور کسی پرسکون کمرے میں بیٹھ کر قرطاس وقلم کا رشتہ جوڑنے کے عمل پر انحصار کرنا، ہے تو اپنی جگہ مفید اور دیرپا اور دور رس عمل اور جو لوگ اس کے لئے مخلوق ہوے ہیں، ان کے لیے یہ کام آسان ہے اور میدانِ عمل کی ضربِ کلیمی سے سہل تر ہے، مگر بعض دفعہ اس کا وہ فائدہ مرتب نہیں ہوتا، جو میدانِ کار میں نکل کر ایک ظالم، ایک بے انصاف، ایک بے لگام جابر اور ایک جارحیت شعار سچائی کے دشمن اور تیرگی کے علم بردار پر بڑھ کے وار کرنے والے کے ذریعے مرتب ہوتا ہے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ اقدامی آدمی تھے، وہ آگے بڑھ کے حملہ کرنا جانتے [illegible] دفاعی پوزیشن قبول نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہم مسلکوں کو بھی یہی رائے دکھائی اور اس پر چلنے کا گر انہیں بتایا۔ کانفرنسوں، سمینارو ں اور جلسوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں اس کے دورِ نو میں، متعدد باطل فرقوں اور منحرف جماعتوں کے داؤ پیچ کو جاننے کے لئے، محاضرات کا پائیدار نظام قائم کروایا جو ہنوز معمول بہ ہے، انہوں نے مسیحی برطانوی استعمار کے کاشت کردہ نبوتِ محمدی کے حریف کافر فرقہ: قادیانیت کے توڑ کے لیے دارلعلوم میں باقاعدہ ختمِ نبوت کے شعبے کی تاسیس کا مشورہ دیا جو اب پہلے سے زیادہ تازہ دم ہے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ایک بڑی صلاحیت، انسان شناسی تھی، وہ بہت جلد سمجھ جاتے تھے کہ متعارفین اور لائق افراد میں کون کس خوبی اور خرابی کا آدمی ہے، جمعیۃ علماء کی قیادت کے منبر سے سال ہا سال جو ملکی وملی کار نامے انہوں نے انجام دیے، ان میں بہت بڑا رول ان کی انسان شناسی اور لیاقت کے عرفان کا رہا ہے۔ انہوں نے ان گنت کام کے آدمیوں کی دریافت کی اور ان سے مختلف الانواع کام لیے۔ لائق انسانوں کا حصول جتنا مشکل کام ہے اس کو اہل دانش اچھی طرح جانتے اور اس سے بھی زیادہ مشکل ان سے کام لینا ہے۔ ہر لائق آدمی میں ایک طرح کی ''نالائقی'' بھی ہوتی ہے آپ کو ایسا کوئی آدمی اس روئے زمین پر ہرگز نہ ملے گا جو صرف لائق ہو ۔صرف لائق فرشتے ہوتے ہیں اور انبیاء اور ان کے اصحاب - زندگی جینے، برتنے اور کام کرنے سے یہ تجربہ ہوا کہ جو آدمی جتنا لائق ہوتا ہے اس میں اس درجہ ایک طرح کی ''نالائقی'' ضرور ہوتی ہے، صرف نالائق میں غالباً اس طرح کی ''نالائقی'' ہوتی ہی نہیں جو لائق کا وجہ امتیاز ہوتی ہے۔ کام لینے والا ذمے دار، افسر اور آقا لائق کی لیاقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی ''نالائقی'' کو ہنرمندی کے ساتھ نہ صرف گوارا کرتا ہے؛ بل کہ بعض دفعہ اس کو اپنا رنگ دکھانے کا موقع بھی دیتا ہے، کیوں کہ لائق کی یہ ''نالائقی'' اس کی شخصیت کی کلید ہوتی ہے۔ اب اگر اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی جائے تو لائق کے لئے، لیاقت کے حوالے سے اپنا رول ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

میں نے لائق کی جس ''نالائقی'' کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تعبیر آپ کسی لفظ سے کر لیں ''ناز ونخرے'' ''خود اعتمادی'' ''ایک قسم کی دیوانگی'' ''احساس افادیت'' اور دگر جو موزوں الفاظ ملیں ''نالائقی'' کی جگہ ڈال سکتے ہیں، لیکن لائق میں ایسا کچھ ہونا ضروری ہے۔

مولاناؒ نے بہت متنوع کام کیے؛ لہٰذا متنوع الاستعداد لوگوں کی ''نالائقی'' سے انھیں سابقہ ہوا اور انہوں نے ہوشیاری کے ساتھ ان کی استعداد اور لیاقت سے کام لیا جو واقعی ان کی بڑائی کی دلیل ہے۔ مجھے دار العلوم کے ایک لائق اہل کار نے (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) ایک بار بڑی اچھی بات کہی: مولانا! اچھا افسر اور ذمہ دار وہ نہیں ہوتا جو خود بہت کام کرے؛ بل کہ کامیاب اور لائق افسر وہ ہوتا ہے جو دوسرں سے زیادہ کام لے لے۔ کام لینا زیادہ لیاقت کی دلیل ہے۔ خود محنت کرنا اور بہت کام کرنا احساس ذمہ داری کی دلیل ہے، افسر ہونے کی دلیل نہیں۔ قائد اور افسر کے لئے پہلی صفت کا حامل ہونا ضروری ہے، دوسری صفت کا حامل ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر پہلی صفت کے ساتھ دوسری صفت بھی ہو تو یہ سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔

مولاناؒ کاوش دشتِ جنوں کے سپاہی اور اس دشت کے فائز المرام راہی تھے۔ وہ تیز روی سے اس طرح لپکنا جانتے تھے کہ کسی لمحے کو پیچھے مڑنے کا موقع نہ ملتا تھا وہ معاصر قائدین میں اس امتیاز کی وجہ سے اپنی واضح شناخت رکھتے تھے۔ وہ کسی منزل پہ جا کر دم لینے کے قائل نہ تھے اور نہ تلووں سے کانٹوں کے نکالنے کی سوچتے تھے۔ وہ اس شعر کے مصداق تھے ؎

کاوش دشت جنوں ہے ہمیں اس درجہ پسند ✿ کبھی تلووں سے جدا خار مغیلاں نہ ہوا

جو باتوفیق آدمی اس قسم کا ہوتا ہے وہ عموماً تیزی روی کی وجہ سے کسی پڑاؤ، یا وقفے پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس

طرح کا آدمی ایک خاص قسم کا مزاج رکھتا ہے کہ بڑھے چلو اور دائیں بائیں نہ دیکھو چہ جائے کہ پیچھے؛ کیوں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا ہمت شکن ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفقائے سفر میں سے بہت سے لوگ اس سے بچھڑ جاتے ہیں یا وہ خود ان سے بچھڑ جاتا ہے، بالآخر بچھڑاؤ یا پچھڑاؤ آپسی شکوہ سنجی اور بد دلی کا باعث بنتی ہے۔ جو آدمی جس درجہ بڑے اور بہت کام کا ہوتا ہے، اس کی زندگی میں خواہی نہ خواہی پچھڑاؤ اور بچھڑاؤ کا مرحلہ ضرور پیش آتا ہے۔ یہ مرحلہ قدرتی طور پر مولاناؒ کو بھی اپنی زندگی میں پیش آیا؛ لیکن یہ، ان کی اعلیٰ ظرفی کی بات ہے کہ انھوں نے متعدد بچھڑے ہوؤں کو موت سے پہلے ہی گلے لگا لیا اور بچھڑے ہوؤں کے پاس از خود پہونچ گئے اور یک جائی کے بعد ہی اس دنیا کو الوداع کہا۔ ان میں سرفہرست ہند میں دورِ آخر میں سرمایہ ملت کے نگہ بانوں کے سرخیل امام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ العالی ہیں جن سے ان کی صلح صفائی کا تاریخی واقعہ ہزاروں فضلائے دیوبند اور محبان دارالعلوم دیوبند کی ایسی مسرت کا باعث بنا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مولاناؒ کی زندگی نے مزید وفا کیا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ صلح صفائی کی بات اس منزل تک پہنچ جاتی، جس کے تمام فضلائے دیوبند بہت آرزو مند ہیں، یعنی دونوں دارالعلوم کا مکمل اتحاد اور ایک دوسرے میں انضمام۔

اس راقم کے لیے بہ طور خاص اس فانی دنیا میں ایک دائمی مسرت اس وقت ہاتھ آجاتی اگر اسی طرح کی صورت حال مولاناؒ مدنی اور حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے درمیان پیش آگئی ہوتی؛ لیکن خدا کی مشیت سے ایسا کچھ نہ ہو سکا؛ ورنہ اس واقعے سے بھی (اگر یہ رو بہ عمل آجاتا) فضلائے دیوبند اور بہی خواہان دارالعلوم کو پہلے واقعے جیسی خوشی ہوتی۔ اب اس دنیا میں نہ مولانا کیرانویؒ ہیں نہ مولانا مدنیؒ کہ اول الذکر تو ثانی الذکر سے دس سال (۶۸) اڑسٹھ دن پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اللہ دونوں کو اپنی اعلیٰ جنت کا مکین بنائے جہاں لوگ مخلص بھائی اور دوست بن کر ہی رہیں گے، اور اس مادی دنیا کی کدورتیں وہاں ان میں سے کسی کا اثاثہ نہ ہوں گی، وہاں تو اِخوَاناً عَلیٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِینَ ہوں گے۔

بہ ہر کیف مولانا مدنیؒ بہت کام کے آدمی تھے، کام کے آدمی سے بھول چوک، کوتاہی کسی سے اتفاق، کسی سے اختلاف کے مراحل ضرور پیش آتے ہیں۔ کام کی کثرت اور تنوع کے بہ قدر راہِ عمل میں ان مراحل کی کثرت بھی ہو جاتی ہے۔ مولاناؒ نے بہت اور متنوع کام کیے؛ اس لیے یہ مراحل دگر فعال قائدین کی طرح انھیں بھی پیش آئے۔ کام کرنے والے انسان کے لیے اصل ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ دین و شریعت کے مطابق اپنی دانست میں صحیح سمت کا تعین کر کے چلتا رہے۔ جب وہ چلے گا اور مسلسل چلے گا تو ہو سکتا ہے کہ ٹھوکر بھی کھائے اور گر بھی جائے۔ جو چلتا ہی نہیں وہ کیا خاک گرے گا۔ ہم سے غلطی یہاں سے ہوتی ہے کہ ہم ہر داعی، قائد اور عالم کے متعلق یہ باور کر لیتے ہیں کہ اس کا خمیر ملکوتیت سے اٹھایا گیا ہے، حال آں کہ وہ ہمارے ہی طرح کا انسان ہوتا ہے، جب ہم سے غلطی ہوتی ہے تو اس سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں؟

مولانا کا ایک غیر معمولی کمال یہ بھی ہے کہ سیکولر مزاج زعمائے سیاست و قائدین حکومت، ان کے اہل کاروں اور ان کے مشیروں سے ضرورت کی حد تک مؤثر اور طاقت ور تعلق اور رابطے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ایک

عالم باعمل کی شان اور ایک داعی الی اللہ کی پہچان کے ساتھ شان دار دین دارانہ زندگی گزاری؛ بل کہ ان کی شناخت ہی بہت بڑے حلقۂ ارادت وعقیدت والے شیخ ومربی کی تھی، جو مرتے دم تک قائم رہی۔ عبادت وریاضت کا ان کا معمول کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ سیاست کی گلی میں اتنی کثرت سے آمد ورفت کے باوجود، دین کے سارے تقاضوں کو نمایندہ عالم وداعی کی شناخت کے ساتھ پورا کرتے رہنا مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ معاصر علماء ومشائخ کے درمیان بڑا امتیاز تھا۔ وہ بہ یک وقت مربی وعالم، سیاست داں وسیاست راں، قائد وزعیم، مصلح ومربی، اجتماعی خدمت گزار، فرق باطلہ وجماعت منحرفہ سے فاتحانہ لوہا لینے اور اندرونِ ملک وبیرونِ ملک زبردست عوامی وسرکاری مقبولیت کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ یہ امتیاز مولاناؒ کو ورثے میں ملا تھا اپنے عظیم والد دارالعلوم دیوبند کے فرزند جلیل شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے۔

یہ راقم دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی سے قبل مولانا سید اسعد مدنی کو بالکل ہی جانتا نہ تھا، کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔ دارالعلوم میں داخلے کے بعد عربی زبان کے سب سے بڑے عبقری معلم اور باتوفیق خدمت گزار مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے تعلیم عربی زبان کے حلقے میں شامل ہوگیا۔ چند روز گزرے ہوں گے کہ مولانا کی زبان سے مولانا مدنیؒ کا اتنا اور اس اس طرح تذکرہ سنا کہ کان ان کی عظمت کے قائل ہوگئے۔ جب تک دارالعلوم کا طالب علم رہا مولانا مدنیؒ کی بھرپور، مسلسل اور متنوع سرگرمیوں کے مشاہدے یا اس کی سماعت اور تذکرے کا دور رہا: مولانا مدنیؒ آرہے ہیں، جارہے ہیں، آنے والے ہیں، جانے والے ہیں: فلاں کام چھیڑنے والے ہیں، فلاں تحریک برپا کرنے والے ہیں؛ فلاں پروگرام کی ابتدا کرنے والے ہیں: فلاں ملک کے سفیر اور ڈپلومیٹ کو دارالعلوم لانے والے ہیں؛ فلاں ملک کے طویل سفر پر جانے والے ہیں؛ فلاں خطے کے طویل دورے کے بعد آج ان کی واپسی ہے۔

آج یہ شور یک لخت تھم گیا ہے اور ہمیشہ کے لیے۔ امید اس پر قائم ہے کہ ہر چھوٹے اور بڑے کو بہ ہر کیف یہاں سے جانا ہے۔ از آدم تا ایں دم ان گنت لوگ جا چکے ہیں، دنیا اسی طرح قائم ہے، جب تک خدا کی مرضی ہے قائم رہے گی۔ ماضی کے مقابلے حاضر میں اور حاضر کے مقابلے مستقبل میں ہمیشہ ہی لائق افراد کو دنیا روتی رہی ہے اور آیندہ بھی روتی رہے گی اور کارگہ حیات اسی طرح چلتا رہے گا؛ مگر مولاناؒ کے متعلق بار بار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی ☆ اک شخص سارے ''شہر کو'' کو ویران کر گیا

اگر ''شہر'' کی جگہ آپ ''ملک'' پڑھنے دیں تو زیادہ موزوں اور حسب واقعہ ہوگا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک پرلطف صحبت حرمین شریفین میں اس وقت ملی جب مکۂ مکرمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کی تاسیس کے ۲۵ سالہ جشن اور گولڈن جوبلی تقریبات میں دارالعلوم دیوبند کے حلقے سے مولاناؒ بہ حیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند اور راقم الحروف بہ حیثیت اسلامی صحافی اور اہل قلم شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس **''الدعوة الاسلاميه وسبل تطويرها نظرة إلى المستقبل''** کے عنوان سے ۱۸-۲۲ رصفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱-۱۵ ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کے عرصے میں ہوٹل انٹر کونٹینینٹل مکۂ مکرمہ کے مؤتمر ہال میں ہوئی۔ مولاناؒ کو دو روز قبل اور مجھے دو روز بعد دعوت نامہ بہ ذریعے تار ملا؛ اس لیے مولاناؒ افتتاحی نشست میں پہنچ گئے جو خادم حرمین شریفین مرحوم شاہ فہد کی سرپرستی اور صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ میں دوسرے روز

پہونچ سکا۔ اتفاق سے جیسے ہی ہوٹل کی بیرونی گیلری میں راقم نے قدم رکھا، سب سے پہلے مولاناؒ ہی (اچانک مل گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کل سے ڈاکٹر عبدالحلیم عویس مصری تمھیں کئی بار معلوم کر چکے ہیں کہ شیخ نور عالم آرہے ہیں کہ نہیں؟ بڑا اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ سامنے ہی بطاقة الضيف (گسیٹ کارڈ) کی تیاری کا کارنر تھا مولاناؒ ساتھ لے گئے اور نہ صرف کارڈ کی تیاری؛ بل کہ مہمان بہ حیثیت اسلامی صحافی واہل قلم کی ساری کارروائیوں کی تکمیل تک ساتھ رہے، پھر اس وقت کی نشست میں شرکت کے لیے چلے گئے۔ بعد میں بار بار ملاقات ہوتی رہی اور خیر خیریت دریافت کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں ہوائی اڈے پر ہی فرمایا کہ دیکھو تم بہ حیثیت صحافی اور قلم کار مدعو ہو، اسی لیے تمھیں مکۂ مکرمہ میں بھی اکیلے کا کمرہ ملا تھا، یہاں بھی یہی ہوگا، ہم چوں کہ محض "ضیف مشارک" (شرکت کنندہ مہمان) ہیں؛ اس لیے مکہ مکرمہ میں ہمارے ساتھ ایک چینی یا فلپائنی کو ٹھہرادیا گیا تھا، مفاہمت میں پریشانی ہوتی تھی، یہاں تم اپنے ساتھ ہی ہمارا نام کروالینا، اس سے ہم دونوں کو سہولت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مولاناؒ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ اللہ انھیں اپنی جنت میں نوازے اور تمام حسنات کو دوچند کرے اور سیئات کو جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں حسنات میں تبدیل کر کے اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ آمین۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

احمد سعید ملیح آبادی

شرافت اور وضع داری کی نادر مثال

مجاہد آزادی، اسیر مالٹا، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے فرزند ارجمند مولانا اسعد مدنی، صدر جمعیۃ علماء ہند نے ۶/فروری ۲۰۰۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ مولانا مرحوم کو سفر کا بہت شوق تھا، ملک کے اندر برابر دورے کیا کرتے تھے اور بیرونی ملکوں کے بھی بہت سفر کئے۔ وہ ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ تھکنا جانتے ہی نہیں تھے۔ بہت اچھے مقرر اور منتظم تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور صدر کی حیثیت سے اس کی از سر نو تنظیم اور زندگی کی آخری سانس تک خدمت کی۔ آزادی کے بعد جمعیۃ علماء کی قیادت مولانا حفظ الرحمان نے سنبھالی تھی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ تقسیم ملک کے پر آشوب حالات میں جمعیۃ علماء نے پریشان حال مسلمانوں کی ہر ممکن طریقے سے خدمت کی۔ مولانا حفظ الرحمان کی وفات سے جمعیۃ کی قیادت میں خلا پیدا ہوا تھا اسے مولانا اسعد مدنی نے پورا کیا۔ بدلے ہوئے حالات میں جمعیۃ کو مرنے نہیں دیا، زندہ رکھا اور نئی طاقت و توانائی دی۔ مرحوم اسعد مدنی کا یہ تاریخی کارنامہ ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔ ملک کی آزادی اور عالم اسلام کی سرفرازی کے لئے اکابرین جمعیۃ ہمیشہ سرگرم عمل رہے، اس راہ میں وہ کون سی مصیبت اور تکلیف ہے جو نہیں اٹھائی۔ مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید، مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد میاں، مفتی عتیق الرحمان، مولانا حفظ الرحمٰن، سرفروشان وطن و قوم کی ایک کہکشاں ہیں جس میں ان کے علاوہ بھی ان گنت چاند ستارے تاباں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وطن عزیز کی آزادی کے لئے اپنے دور کی سپر سامراجی طاقت برطانیہ سے اکابرین جمعیۃ نے آگے بڑھ کر لوہا لیا تھا، دوسرے لوگ تو ان کے پیچھے آئے۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ باوقار شاندار ماضی مسلمانان ہند کا قابل فخر ماضی اور تاریخ کا امٹ نقش ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تنگ دل اور تنگ نظر عناصر علمائے ہند اور مسلمانان ہند کے شاندار ماضی پر زمانے کی گرد ڈالنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں مگر سچائی چھپ نہیں سکتی۔ مولانا اسعد مدنی۔ جمعیۃ علماء کے اسی تابناک ورثے کی کڑی تھے۔ افسوس آج یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی، رہے نام اللہ کا!

مولانا اسعد مدنی سے میرا خاندانی تعلق تھا۔ میرے والد مرحوم و مغفور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی میں تا حیات رفاقت رہی۔ رفاقت اس وقت قائم ہوئی جب مولانا ابوالکلام آزاد نے تحریک ترک موالات کے تحت کلکتہ کے سرکاری مدرسہ عالیہ کا مقاطعہ کر کے وہاں کے دو سو طلبہ کے لئے مسجد ناخدا کلکتہ میں مدرسہ قائم کیا جس کے پرنسپل مولانا ملیح آبادی اور صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے۔ مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح مسجد ناخدا میں مہاتما گاندھی نے ۱۳/ ۱۹۲۰ء کو کیا۔ اس وقت مولانا ملیح آبادی اور مولانا مدنی میں ایسا رشتہ رفاقت و اخوت قائم ہوا کہ مرتے دم تک باقی رہا۔ کیا شان انکساری و درویشی تھی شیخ الاسلام مولانا مدنی زندگی بھر مولانا ملیح آبادی کو اس لئے اپنا افسر

کہتے رہے کہ مدینہ کی مختصر زندگی میں دونوں کا ساتھ ہوا تھا، بزرگی، شرافت اور وضع داری کی یہ مثالیں اب کہاں ملتی ہیں۔ یہی تعلق خاطر تھا کہ شیخ الاسلام مولانا مدنی جب بھی کلکتہ تشریف لاتے تو اپنے رفیق دیرینہ مولانا ملیح آبادی سے ملاقات کے لئے ضرور آتے اور اس پر کبھی راضی نہیں ہوئے کہ مولانا ملیح آبادی ملاقات کے لئے حاضر ہوں۔

جو نقش شرافت ووضع داری، عظیم المرتبت والد نے چھوڑا تھا، مولانا اسعد مدنی نے بھی اس پر قدم رکھا۔ کلکتہ آتے تو ملاقات کے لئے "آزاد ہند" کے دفتر یا گھر پر تشریف لے آتے۔ عموماً آمد اچانک ہوتی، اکثر وقت کی کمی کے سبب بس کھڑے کھڑے آتے، پل دو پل باتیں کرتے اور چلے جاتے۔ جنتا پارٹی اور جن سنگھ کی مخلوط حکومت (۱۹۷۷) کے خلاف مسلم ستیہ گرہ کی چھیڑی دفتر "آزاد ہند" میں پکی تھی اور یہ بڑی کامیاب ستیہ گرہ تھی۔ مرارجی ڈیسائی کی حکومت کے ظلم وجور کے خلاف ہزاروں مسلمانوں نے مولانا اسعد مدنی کی قیادت میں "ملک وملت بچاؤ" ستیہ گرہ میں جیلیں بھردی تھیں۔ مدنی خاندان سے جو تعلق خاطر تھا اس میں مولانا اسعد میرے بھائی جیسے تھے ہم عمر ہونے کی وجہ سے برادرانہ محبت کے ساتھ ہلکی سی دوستانہ بے تکلفی بھی تھی۔ بہت دنوں تک ہم نے ساتھ ساتھ کام کیا پھر مصروفتیں بڑھنے سے رفتہ رفتہ مولانا کا آنا جانا اور ملنا جلنا کم ہوتے ہوتے بند ہوگیا۔ لمبے عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ علالت کی خبر تھی، مولانا دہلی کے اسپتال میں زیر علاج تھے، کوما میں چلے گئے تھے، دہلی جانا ہوا تو ان کے صاحبزادے محمود مدنی سے مسجد عبدالنبی جاکر ملاقات اور عیادت کی اور مولانا کی صحت کے بارے میں دریافت حال کیا۔ اندازہ اسی وقت ہوگیا کہ جاں برلب ہونے کی امید نہیں، آخر کار کئی ماہ کی بے ہوشی میں سفر زندگی کا تھکا ہوا مسافر ابدی نیند سوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا اسعد مدنی دنیا سے رخصت ہوکر اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے گئے۔ وہ اپنے پیچھے دو قیمتی اثاثہ جات چھوڑ گئے ہیں۔ ایک تو جمعیۃ علماء ہند ہے اور دوسرا دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم دیوبند عالمی سطح کی معروف دینی درس گاہ ہے، اس کا انتظام وانصرام، قاری محمد طیب صاحب (مرحوم) کے ہاتھوں سے منتقل ہوکر مولانا اسعد کے پاس آگیا تھا۔ دارالعلوم کو اچھی طرح چلانا اور اسے مزید ترقی دینا اب ان حضرات کی ذمہ داری ہوگی جو مولانا مدنی کی جگہ کام کریں گے۔ جہاں تک جمعیۃ علماء کا سوال ہے تو ملک وملت کی زندگی میں اس کا کل بھی اہم مقام تھا اور آج بھی اس کی اہمیت وضرورت ہے اتنے بڑے ملک میں مسلمانوں کی ایک بڑی اور منظم جماعت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ کہنے کو تو ہر گلی کوچے میں کوئی نہ کوئی کاغذی تنظیم جنم لیتی ہے تو وہ بھی "آل انڈیا" کہلاتی ہے مگر اس سے کام نہیں چلتا۔ مسلمانوں کو علاحدہ سیاسی جماعت سے زیادہ ایک مضبوط ملی جماعت کی ضرورت ہے جو ان کے مسئلوں کے حل کے لئے کام کرتی رہے۔ یہ جماعت جس قدر مضبوط اور توانا ہوگی اتنی مفید ثابت ہوگی اور ارباب اختیار سے اپنی بات منوا سکے گی۔

جمعیۃ علماء ہند کو مسلمانوں کی ملی خدمات کے لئے نہ صرف قائم رہنا بلکہ اور زیادہ متحرک وفعال بننا ہے۔ اسکے لئے ضروری ہوگا کہ جمعیۃ کو خانقاہی جماعت نہ بننے دیا جائے بلکہ اسے مسلم عوام کے زیادہ قریب لایا جائے۔ جماعت کے نظم ونسق میں مزید شفافیت لائی جائے۔ اور تنظیمی انتخابات کو اور زیادہ جمہوری طرز کا بنایا جائے۔ مرحوم مولانا اسعد مدنی کے صاحب زادے محمود مدنی، جمعیۃ علماء کے جنرل سکریٹری ہیں۔ اپنے والد کی اس تاریخی یادگار کو سنبھال کر رکھیں اور چلائیں، اپنے رفقاء کار کا دائرہ وسیع کر کے عامۃ المسلمین کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کریں۔ ☐☐☐

ڈاکٹر راحت مظاہری

کس کو بٹھائیں بزم میں تیرے مقام پر

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماءِ ہند کا سانحۂ ارتحال مسلمانانِ ہند کے لئے صرف ایک غمناک خبر ہی نہیں بلکہ غموں کا ایک لا متناہی سلسلہ ہے اور اُمتِ مرحومہ کے لئے نقصان کا ایک ایسا عظیم خلاء ہے جس کو پوری صدی میں بھی پاٹنا غیر ممکن اور کارِ مشکل ہے، کیونکہ موجودہ دور تک جو عظیم شخصیات اس دارِ فانی سے کوچ کر چکی ہیں، ان کے عہدے اور منصب پُر ہوئے مگر نعم البدل شاید و باید ہی کہیں کسی کا اُمت کو نصیب ہوا ہو۔ جس نہج و معیار پر حضرت مولانا مدنیؒ نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کا بیڑا اُٹھایا، اس کو موجودہ عہد میں آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

ہر چند کہ وہ برسوں سے مختلف قسم کے امراض میں مبتلا تھے، جن میں ایک نامراد مرض شکر کا بھی شامل تھا جو کہ انسان کو نہ کہیں چلنے کیا چھوڑتا ہے نہ پھرنے کا اور غور و فکر سے تو ہر معالج دور ہی رہنے کا مشورہ دیتا ہے، مگر وہ عوارض اور پیچیدہ امراض کا شکار رہتے ہوئے بھی ہمہ اوقات اپنے سانسوں کو اُمت کے لئے وقت کیے ہوئے تھے۔ چاہے شدت کی گرمی ہو یا کڑاکے کی سردی، چاہے آندھی ہو یا برسات مگر آپ کا یہ حال تھا کہ اُمت کی فلاح کی خاطر اور اس کے مسائل کے حل کرنے کرانے کے لئے کبھی غیر ملکوں کے سفر پر ہیں تو کبھی اندرونِ ملک کشمیر میں، کبھی کنیا کماری میں، کبھی آسام میں ہیں تو کبھی مہاراشٹر میں۔ ہر چند کہ آپ کی فیملی دیوبند میں ہے مگر آپ دہلی کے دفتر میں اپنے اکثر اوقات گزارتے۔ ہر چند دہلی میں اقامت تھی لیکن دہلی میں شاید آپ تین روز بھی کبھی مسلسل اقامت پذیر نہ رہے، کیونکہ آپ نے بغیر کسی تحریر و اگریمنٹ کے اپنی زندگی کا ہر سانس اپنی قوم کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ ہر چند کہ آپ کا شمار مسلک علمائے دیوبند کے اس زمرہ میں تھا جو اپنے مسلک کا سرخیل و پیشوا طے شدہ ہے، مگر آپ کی فکر مسلکی قید سے بہت بلند و بالا تھی۔

جب کوئی مسئلہ قومِ مسلم کا آپ کو درپیش آتا تو وہ صرف مسلمانوں کا ہی مسئلہ ہوتا تھا نہ کہ شیعہ، سنی و دیوبندی، بریلوی کا۔ شاید آپ جانتے ہوں کہ ۱۹۷۰ء کے بعد ہونے والے پارلیمانی الیکشن میں بریلوی فرقہ کے

مشہور مقرر عالم دین کچھوچھ کے سجادہ نشین مولانا مظفر حسین کچھوچھوی ایک سیٹ پر انتخابات کے لئے کھڑے ہوگئے جس پر اکثریت بریلوی عقائد کے لوگوں کے مقابل مسلک دیوبند کے معتقدین کی تھی تو حضرت مولانا اسعد مدنیؒ بنفسِ نفیس اس حلقہ میں تشریف لے گئے اور مولانا مظفر کی تائید میں اپنے عقائد کے لوگوں کی ذہن سازی کی۔ الحمد للہ جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور بریلوی طبقہ کے علماء نے آپ کی اُمت سے ہمدردی اور آپ کے عملِ صالح کو خوب سراہا جیسے کہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے: انما المؤمنون اخوة ۔ آپ کا وہی طرزِ فکر اور عقیدہ تھا۔

اسی قبیل کی یعنی قوم کی ہمدردی کی ایک اور مثال آپ کے ذہن میں شاید ہو کہ اب سے چند سال قبل انڈین پولیس میں ایک مسلمان کو داڑھی رکھنے پر سخت پابندی تھی، جبکہ اسی پولیس میں ایک سکھ کے لئے اس طرح کی کوئی بندش یا قانونی اڑچن موجود نہیں۔ جب حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اس طرف غور کیا تو چونکہ ان کا قلب و دماغ اس حرکت نازیبا کو ہرگز برداشت نہ کرسکا کہ سنت رسول ﷺ جس پر مسلمان عمل کرنے میں پہلے ہی قاصر ہیں اس میں ان کو مزید حکومت اور افسران سے بھی احتجاج کا معاملہ درپیش ہو، فوراً آپ اپنے دل میں تڑپ اُٹھے اور آپ نے اس میں براہِ راست دخل اندازی کرتے ہوئے کمشنر آف پولیس اور وزارتِ داخلہ سے مراسلت کی، جس میں بفضلِ تعالیٰ حضرت مرحوم کو سو فیصد کامیابی نصیب ہوئی اور ہندوستان کے ایک سپاہی کو سنت رسول ﷺ کو زندہ کرنے کا پورا حق مل گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اُمت عملی طور پر اپنے رسول ﷺ کو خوش کرنے کی غرض سے آپ کے اس اقدام کو کتنا سراہتی ہے یا اپنے اس عظیم رہنما کو عملاً خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو مولانا آزاد کے بعد مرکزی طور پر آج تک کوئی ایسا مسلم لیڈر نصیب نہ ہوسکا جس کی قیادت پر سب لوگ متفق ہوگئے ہوں۔ کرناٹک میں صوبائی لیول پر سوائے عزیز سیٹھ مرحوم کے نیشنل لیول پر اگر تمام مسلمان کسی شخصیت پر ایک گونہ مطمئن ہوئے ہیں تو وہ تاریخ میں صرف ایک ہی نام ہے یعنی مولانا اسعد صاحب مدنیؒ۔

کوئی اخبار بین شخص یا سیاستِ حاضرہ پر ہلکی سی نظر رکھنے والا بھی یہ بات ضرور جانتا ہوگا کہ جب کانگریس کے دورِ اقتدار میں پی وی نرسمہا راؤ کی وزارتِ عظمیٰ کے منحوس ایام میں سلطنتِ مغلیہ کی ایک اہم یادگار اور پانچ سو سالہ قدیمی تاریخی یادگار بابری مسجد فرقہ پرست ملک وملت کے دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے شہید ہوئی تو مسلمان لیڈروں اور سیکولر ذہنیت کے حامی افراد اور ممبرانِ پارلیمنٹ نے وزیر اعظم ہند کو حیرت کی حدود تک مردِ خموش یعنی مرکزی وزیر رام ولاس پاسوان کی زبان ''مونی بابا'' سے مسجد کی بازیابی اور مسلم کش فسادات کے لامتناہی سلسلے اور نہ بجھنے والی آگ کے انقطاع کے بارے میں ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر کسی بے چارہ کی کوئی کوشش بار آور نہ ہوئی

اور نہ کوئی خواب شرمندۂ تعبیر ہوا تو تمام کانگریسی مسلم وزیر اس بات پر متفق الرائے ہوئے کہ وہ اپنے استعفیٰ اپنی اپنی وزارتوں سے وزیر اعظم کو سونپ کر بطورِ احتجاج گوشہ نشیں ہوجائیں کہ کل مسلم عوام کے سامنے ان کو جوابدہ ہونا بھی نہ پڑے اور کانگریس کی تاریخ میں یہ بات بھی درج ہوجائے کہ کانگریس مسلمانوں کے مسائل کے حل میں زود طلب اور خیر اندیش نہیں مگر قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کے مصداق حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے اپنی بصیرتِ ایمانی اور دور اندیشانہ نظر سے مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کے نظریہ کی صراحتاً مخالفت کی اور ان سے براہِ راست گفتگو کی۔ خصوصاً اس وقت کے کانگریس کے اہم لیڈر اور مرکزی وزیری کے جعفر شریف سے اس نازک مسئلہ کے نشیب وفراز پر روشنی ڈال کر اس اقدام کے خطرات سے ان کو پیشگی آگاہ کیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کا یہ فیصلہ نہایت عجلت میں اور اس کے پس منظر پر بغیر عمیق نظر ڈالے کیا گیا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ کانگریس کے اندر روزِ اوّل ہی سے ایسے افراد موجود ہیں جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے اور ان کی جان کے دشمن ہیں لیکن وہ اپنے گوناگوں مجبوریوں کے باعث کانگریس کے دامن سے وابستہ ہیں، کیا آپ حضرات کے اس طرح متفقہ استعفیٰ سے کانگریس میں سیکولریت مضبوط ہوگی یا کمزور پڑے گی۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور مسلم عوام کی طرف سے سفارش کرتا ہوں کہ آپ اپنے عہدوں پر نہایت مضبوطی اور ثابت قدمی سے جمے رہئے، بجائے اس کے کہ آپ باہر نکل کر کانگریس اور حکومت کی مخالفت کریں، آپ ایوان اور کانگریس کے اندر رہ کر ہی اپنی آواز کو بلند کریں، اسی میں ملک وقوم کا زیادہ بھلا ہے، نہ کہ آپ اپنے گھروں میں رہ کر خاموش پڑے رہیں یا باہر کی سڑکیں ناپیں۔ کیا آپ واقف نہیں، اکیلا چنا بھاڑ پھوڑنے پر ہرگز قادر نہیں ہوسکتا۔

حضرت مولانا مرحوم کو اُمت کا کتنا درد تھا، اس کے اندازہ کے لئے احقر حضرت والد کا اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں حضرت کا مغربی یوپی کا دورہ تھا جس میں سنبھل ضلع مرادآباد یوپی بھی شامل تھا۔ احقر ان دنوں انجمن معاون الاسلام سنبھل میں ملازمت کرتا تھا۔ انجمن کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم کے برادر خورد نے میری ڈیوٹی آپ کے استقبال کی طے کی۔ جس میں آپ کی رہبری کے لئے مرادآباد روڈ سے آپ کو مدرسہ تک لانا بھی شامل تھا۔ مرادآباد روڈ کی چنگی سے مجھے کار میں اس وقت ہم نشینی کا شرف بھی حاصل ہوا، جب آپ کی کار سنبھل کے آریہ سماج مندر کے روڈ سے گزری تو سامنے ایک جن سنگھی کو اپنی خاص وردی میں ہاتھ میں ڈنڈا لیے ہوئے تیزی سے پریڈ میں شرکت کے لئے جارتا دیکھ کر فرمایا دیکھئے اس کو کہ یہ شخص صرف اپنے عقیدہ کے مطابق ملک کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہے۔ تب اپنی پریڈ میں تیزی سے رواں دواں ہے اور ہمارے مسلمان بھائی

خدا کے حکم کو توڑ کر خوابِ غفلت میں ابھی تک اپنے نرم بستر پر سوئے ہوئے ملیں گے۔

مختصراً اگر یہ کہا جائے کہ مرحوم کی تشریف ہی دنیا میں ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت ورہبری کے لئے آئی تھی تو شاید کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اسی ضمن میں اگر ان کا کوئی سوانح نگار ان کی تمام صفات کا ذکر کرے لیکن آپ کی ''ملت بچاؤ تحریک'' کا جب تک ذکر نہ کرے تو نہ اس نے آپ کی سوانح لکھی اور نہ آپ کا تعارف قاری کے سامنے اس نے پیش کیا، کیونکہ ملک وملت بچاؤ تحریک آپ نے کئی دور میں چلائی لیکن اس کا وہ پہلا مرحلہ یاد کیجئے جو آپ نے جنتا پارٹی کے عہد میں جبکہ ہندوستان کے وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی اور چودھری چرن سنگھ وزارتِ داخلہ کی کرسی پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے رفقاء کے ہمراہ ان کو ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں ملک کی اقلیتوں کے حقوق، مسلمانوں کو درپیش مسائل اور حکومتِ وقت کی نا اہلی کو اجاگر کیا گیا تھا، جس کا حکومت پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اس نے حضرت مرحوم کو مع ان کے رفقاء کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا، مگر یہ ان کے لئے کوئی ناگہانی آفت نہ تھی، کیونکہ یہ بزرگ دیش کی آزادی کے لئے بارہا جیل کی ہوا کھا چکے تھے، لیکن یاد کیجئے اس وقت کو جب جنتا پارٹی حکومت نے حضرت کو گرفتار کیا تو آپ کے متوسلین وہمنواؤں نے حکومت کی ناک میں ایسا دم کیا کہ ہندوستان کی جیلیں فدایانِ حق کے لئے تنگ پڑ گئیں تو پارکوں میں لوگوں کو اریسٹ کرکے رکھا گیا۔ جب پارک بھر گئے تو پولیس ان کے ہم نواؤں کو صرف ایک رسّی کے احاطہ میں لے کر ان کے ناموں کی فہرست مرتب کرکے ان کو رہا کرنے لگی، پھر آپ نے خود عوام ومقام کی پریشانی کے پیش نظر یہ تحریک اس وقت ملتوی کردی، لیکن مسلمانوں کا جوش وخروش کم نہ ہوا۔

آپ کے اہم کارناموں میں دستخطی مہم پر بھی ایک نظر ضروری ہے۔ اس دستخطی مہم سے آپ کا مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے سرکاری ملازمتوں میں ان کو مناسب نمائندگی کا مطالبہ تھا جس کے تحت ۲۱ لاکھ افراد نے صدرِ جمہوریہ کو اپنے دستخط کرکے اپنے جذبات سے آگاہ کرایا۔ مسلمانوں کی فلاح کے لئے آپ نے اٹھارہ سال کے عرصے تک ایوانِ سلطنت میں بھی ان کی آواز حکومتوں کے کانوں میں ڈالی۔ حکومتوں کو مسلمانوں کے مسائل سے آگاہ کرایا۔ پارلیمنٹ میں ان کے حقوق کی آواز اُٹھائی۔

الحاصل آپ آخری سانس تک جب تک ہوش رہا قوم کے مسائل سے کسی لمحہ غافل نہ رہے۔

کس کو بٹھائیں بزم میں تیرے مقام پر
رو کر کہا فلک نے تو لاکھوں میں ایک تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۴

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، اوصاف و کمالات اور خدمات میں مماثلت

تحریر : مولانا ضیاء الدین اصلاحی
مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا سید اسعد مدنیؒ کی خدمات میں مماثلت کی چند مثالیں

افسوس صد افسوس کہ ۶رفروری ۲۰۰۶ءکو مولانا اسعد مدنیؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ان کی وفات قوم وملت کا بڑا خسارہ ہے۔

راقم نے انہیں کئی بار دیکھا اور اس حال میں دیکھا جب وہ صحت مند،توانا،تروتازہ،متحرک اور جوشِ عمل سے سرشار تھے لیکن ملاقات کا شرف دو تین بار ہی حاصل ہوا۔ مارچ ۱۹۸۸ء میں ان کے والد بزرگوار مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر مسجد عبد النبی نئی دہلی میں سیمینار ہوا تھا جس میں کنویز ڈاکٹر رشید الوحیدی مرحوم تھے۔اس میں پہلی بار ان سے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ بڑی بشاشت اور گرم جوشی سے ملے،آخری بار۱۹۹۲ء میں سعودی سفارت خانے سے حج بیت اللہ کا ویزا لینے گیا تو دفعتاً ان پر نظر پڑی،لپک کر ملا،دریافت کرنے پر اپنے کو بتایا تو قریب کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور کچھ دیر تک باتیں کیں،غالباً بیماریوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا،اس لئے مجھے بہت مضمحل اور بجھے بجھے سے نظر آئے۔

اس وقت مسلمان بڑی ابتلا اور کشمکش کے دور سے گزر رہے ہیں،ملی قیادت کا میدان مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کے بعد ہی سے خالی چلا آرہا تھا،مولانا اسعد کی جرأت وبے باکی سے اس کی تلافی ایک حد تک ہوئی مگر ان کی اُٹھ جانے سے پھر خلا ہو گیا اور مسلمانوں کی قومی بنیاد متزلزل ہو گئی۔

ان کو قوم ووطن کی خدمت کا جذبہ وراثتاً ملا تھا،قدرت نے قیادت کی صلاحیتیں بھی بخشی تھیں،۱۹۶۰ء میں جمعیۃ علمائے اُتر پردیش کے صدر مقرر ہوئے یہ بڑا پر آشوب دور تھا،سرکاری درس گاہوں خصوصاً پرائمری اسکولوں میں مشرکانہ عقائد وتوہمات،ہندو میتھالوجی اور دیومالائی قصے کہانیاں نصابِ تعلیم میں داخل کر دی گئی تھیں جن کو پڑھ کر مسلمان بچوں کا اپنے عقیدہ و مذہب پر قائم رہنا اور دین وایمان کو سلامت رکھنا ناممکن تھا۔اس کے پیش نظر

۵۹، ۶۰ء میں مرحوم قاضی عدیل عباسی نے بستی میں ایک دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کی جس میں مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے لوگ شامل تھے۔ اسی وقت دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا تھا، کانفرنس میں مولانا حفظ الرحمٰن ناظمِ عمومی جمعیۃ علمائے ہند بھی شریک تھے، لیکن ۱۹۶۲ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ جمعیۃ کے زیر اہتمام ایک اور متوازی تحریک ''دینی تعلیمی بورڈ'' وجود میں آئی، دونوں تنظیموں سے بڑا فائدہ ہوا اور گاؤں گاؤں میں مکاتب قائم ہوگئے مگر بعد میں جمعیۃ کے تعلیمی بورڈ کی سرگرمیاں کم ہوگئیں، لیکن الحمدللہ دینی تعلیمی کونسل اب بھی سرگرمِ عمل ہے اور مکاتب کے قیام کے علاوہ نصابی کتابوں کے زہر کا تریاق بھی بہم پہنچارہی ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن شروع سے لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جمعیۃ کا کوئی نمائندہ پارلیمنٹ کا ممبر نہیں رہ گیا تھا۔ مولانا اسعد ۱۹۶۸ء میں پہلی بار راجیہ سبھا کے ممبر منتخب کئے گئے اور پھر وقفہ وقفہ سے تین بار ممبر چنے جاتے رہے۔ اس طرح ۱۸ برس تک وہ راجیہ سبھا کے ممبر رہے، اس عرصے میں ایوان کے اندر اور باہر بھی وہ بہت کھل کانگریس کی غلطیوں اور فرقہ وارانہ رویے کی مذمت کرتے تھے اور فرقہ وارانہ فسادات اور مسلم مسائل پر بڑی جرأت و ہمت سے بے دھڑک آواز بلند کرتے تھے اور مسلمانوں کو باعزت مقام دینے اور ان کے جائز حقوق دلانے کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ مرار جی ڈیسائی وزیر اعظم ہوئے تو مولانا نے ملک وملت بچاؤ تحریک شروع کی تھی۔

مولانا عرصے تک کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے ہیں، اس کے علاوہ ملک و بیرونِ ملک جن تنظیموں اور اداروں سے ان کی وابستگی رہی، ان کے نام یہ ہیں :

راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ، شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مرکزی وقف کونسل، ہمدرد ٹرسٹ دہلی، مرکزی حج کمیٹی، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر الاسلامی تیونیسیا، مؤتمر فقہی ریاض، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت وغیرہ۔

مولانا اسعد مدنیؒ کو بہت سی خوبیاں اپنے والد ماجد سے موروثی طور پر ملی تھیں، تصوف وسلوک کے مراحل ان کے رہنمائی اور تربیت میں طے کیے تھے، ان ہی کی طرح ذکر، عبادت، ریاضت اور اوراد و وظائف کی پابندی کرتے اور اس میں کبھی ناغہ نہ کرتے، والد کی وفات کے بعد اس میدان میں ان کی جانشینی بھی کی اور بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا، گوناگوں مشغولیتوں کے باوجود ارادت مندوں اور مسترشدین کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کرتے۔ مہمان نوازی، سخاوت اور فیاضی میں اپنے پدر بزرگ وار ہی کی طرح حاتم طائی تھے، وہ روپے پیسے کو ہیچ سمجھتے تھے لیکن ان پر دولت کی بارش ہوتی تھی، ان کا کوئی کام پیسے کی وجہ سے نہیں رُکتا تھا، ہر شخص کی ضرورتیں پوری

کرتے، اس کے کام آتے اور مدد کرتے، کسی سائل کو محروم نہ کرتے، والد ہی کی طرح دستر خوان بہت وسیع تھا اور اس خوانِ یغما پر دوست اور دشمن کی تفریق نہ ہوتی، رمضان میں اعتکاف کے لئے لوگوں کا تانتا لگ جاتا، پہلے دیوبند کی مدنی مسجد میں پھر دارالعلوم کی رشید مسجد میں اعتکاف کرتے، معذوری کے زمانے میں بھی معتکف مہمانوں کی خاطر ومدارات کے لئے بے چین رہتے، وہیل چیئر پر بیٹھ کر جائزہ لیتے اور ہر ایک کا خیال رکھتے، والد ہی کی طرح مہمانوں کے لئے ہمیشہ بچھے رہتے ....

و انی لعبد الضیف ما دام نازلا   و ماشیمة له غیرها تشبه العبدا

مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنی تمام تر مشغولیتوں کے باوجود بہ کثرت سفر کرتے، مولانا اسعد کی جولان گاہیں اس برصغیر ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ عرب، افریقہ اور یورپ کے ملکوں کا سفر بھی برابر کرتے رہتے اور ملک کا تو ایک ایک گوشہ ان کا چھانا ہوا تھا، ابھی ایک سفر سے واپس نہیں آتے کہ دوسرا شروع ہو جاتا تھا ......

ع   وما آب من سفر الا الی سفر

سال کے گیارہ مہینے سفر کے لئے وقف تھے مگر وہ جہاں بھی ہوتے رمضان سے قبل دیوبند پہنچ جاتے، شدید ضرورت بھی ہوتی تو رمضان میں سفر نہ کرتے۔

مولانا اسعد میں غیر معمولی قوتِ عمل اور خود ارادی تھی، وہ جس کام کو ٹھان لیتے اس کر گزرتے، اس میں کوئی مشکل رُکاوٹ نہیں بنتی تھی اور نہ سستی اور کاہلی ان کے قریب پھٹکتی تھی، نکتہ چینیوں کی پروانہ کرتے، مصلحت و احتیاط بھی مانع نہ ہوتی، حماسی شاعر کے بہ قول ....

اذا هم القی بین عینیه عزمه   ونکّب عن ذکر العواقب جانبا

جمعیۃ علماء کی باگ دوڑ ان کے ہاتھ میں آئی تو اسے متحرک اور فعال بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی قوم وملت کے مفاد کے لئے نئے نئے مشکل منصوبے بناتے اور بے خطر ان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے، دوسرے لوگ حیص بیص میں سوچتے ہی رہ جاتے تھے، مولانا کی تیزی، سرعت اور قوتِ کار کا ساتھ دینا سب کے لئے آسان نہیں تھا، وہ سب کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے، غالباً اسی سے لوگوں کو شکایت ہو جاتی اور وہ اپنی نئی راہیں تلاش کرنے لگتے، ایسے مراحل ان کی زندگی میں کئی بار آئے، بہت سے آزمودہ، تجربہ کار اور منجھے ہوئے لوگ جن کی زندگیاں جمعیۃ اور دارالعلوم کی خدمت میں گزری تھیں کنارہ کش ہو جانے اور اپنی راہ الگ نکالنے کے لئے مجبور ہو گئے۔

جمعیۃ مسلمانوں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم تھا اور ان کے تمام طبقے اس میں شریک تھے۔ اس کی تاریخ شاندار اور ماضی تابناک ہے، گو اس میں علمائے دیوبند کا غلبہ ہمیشہ سے رہا، لیکن دوسرے طبقوں اور جماعتوں سے وہ

کبھی خالی نہیں رہی، مگر آہستہ آہستہ وہ اس سے کنارے ہوتے گئے اور اب تو خود علمائے دیوبند بھی اس سے کنارہ کش ہوگئے ہیں اور اس کا دائرہ بہت محدود اور سمٹ گیا۔

گویا سب مقدرات ہیں تاہم سب کو ساتھ لے کر چلنا وہ بھی دردمندوں اور مخلصوں کو بڑی خوبی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مولانا اسعدؒ بڑے متحرک، فعال اور عزم و خودداری کا پیکر تھے، وہ جب جمعیۃ علماء کے قائد ہوئے تو اس کے صفِ اوّل کے اکثر قائدین وفات پاچکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ اس سے الگ تھلگ ہو گئے تھے، ان حالات میں جب کہ آئے دن ملک میں فساد اور مسلمانوں کی جان و مال کا اتلاف ہو رہا تھا، اکیلے اپنی جان اور عواقب ونتائج کی پروا کیے بغیر ہولناک فرقہ واریت کے دہکتے شعلوں میں کود پڑنا اور فسادات اور قدرتی آفات میں لٹے پٹے، تباہ حال لوگوں کی مدد، راحت رسانی اور باز آبادکاری کے کاموں میں جت جانا وہ رتبہ بلند ہے جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، یہی ان کے صاحبِ عزیمت اسلاف کا شیوہ تھا۔

اکیلے اور تنہا ہو کر بھی انہوں نے جمعیۃ علماء کو اس کی خصوصیات کے ساتھ نہ صرف باقی رکھا بلکہ اپنی تنظیمی صلاحیتوں اور محنت و جاں فشانی سے بعض حیثیتوں سے اسے ترقی بھی دی، ان سے پہلے جمعیۃ کا دفتر پرانی دہلی کی تنگ و تاریک گلی قاسم جان میں تھا، اسے وہ نئی دہلی کی مسجد عبدالنبی میں لائے اور دفتر کو اس عظمتِ رفتہ کی حامل جماعت کے شایانِ شان اور ویران مسجد کو آباد کر دیا۔ اس کے آس پاس کی زمینیں بھی دوڑ دھوپ اور سعی و محنت سے حاصل کر کے شاندار مدنی ہال، محمودیہ لائبریری اور دوسری عمارتیں تعمیر کرائیں اور ایک سنگلاخ وادی پُر خار کو گل و ریحاں سے آراستہ کر دیا۔

اسی طرح ان کے ہاتھ میں آنے کے بعد دارالعلوم کی سرگرمیاں بھی بڑھ گئیں اور ان کی بہ دولت بہت سے تعمیری ورفاہی کام انجام پائے جن میں وسیع وعریض مسجد رشید سب سے نمایاں ہے۔

مولانا اسعدؒ نے بڑی مشغول اور مجاہدانہ زندگی گزاری، عقائد و شعائر اسلام کا تحفظ، خلقِ خدا کو فیض رسانی، دین وملت اور قوم وملک کی خدمت ان کا نصب العین تھا، وہ ملک میں مسلمانوں کو باعزت زندگی اور ان کے جائز حقوق دلانے کے لئے ہمیشہ سرگرم اور فکرمند رہے، اللہ تعالیٰ ان کی ان دینی وقومی خدمات کو قبول فرمائے اور بہشت بریں میں جگہ دے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ (آمین)

مولانا کی تدفین میں شرعی حکم کے مطابق بڑی تعجیل کی گئی، پھر بھی ڈیڑھ لاکھ آدمی جنازے میں شریک ہوئے جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مدیر ہفت روزہ ''نئی دنیا''

مجاہدِ ملتؒ کا جانشین

مولانا اسعد مدنیؒ نے جس وقت جمعیۃ علماء ہند کی قیادت سنبھالی تھی، وہ نہ صرف اس تنظیم کے لئے ایک انتہائی نازک دور تھا، بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بھی سخت آزمائشوں کا زمانہ تھا۔ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کا سانحۂ ارتحال ابھی تازہ تھا اور ناظم عمومی مولانا سید محمد میاں میرٹھ کے اجلاس میں نظامت کی امانت جمعیۃ کے سپرد کر چکے تھے۔ ایسے نازک وقت میں جمعیۃ کے جہاندیدہ صدر مولانا سید فخر الدینؒ نے محسوس کیا کہ جمعیۃ کو اس جوان کی ضرورت ہے جس نے اپنی بے مثال جرأت وعزیمت سے اچھے اچھوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے اور جو مجاہدانہ جذبات اور اصابت رائے میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کا سچا جانشین ہے۔ چنانچہ ۹؍ اگست ۱۹۶۳ء کو انہوں نے مجلس عاملہ کے مشورہ سے جمعیۃ کے جنرل سکریٹری کی ذمہ داریوں کا بارِ گراں مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دوش پر رکھ دیا۔

اس میں شک نہیں کہ اس منصب پر آپ فائز ہوئے تو آپ کے چاہنے والوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، لیکن یہ عہدہ کوئی تخت حکمرانی یا پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا تاج تھا۔ جس کو بڑی ہمت اور حوصلے سے آپ نے سنبھالا اور ہندوستانی مسلمانوں کا ایک مضبوط سہارا بننے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ یہ مسلم کش خونی فسادات کا زمانہ تھا۔ آپ نے محسوس کیا کہ اگر حکومتی سطح پر اور اکثریتی فرقہ کو ساتھ لے کر جلد از جلد کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا تو فرقہ پرستی کا زہریلا ناگ پورے ہندو مہا سبھائیوں سے ٹکر لینے کے لئے کانگریس کو آگے آنے کی دعوت دی اور یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی یہ کوشش بارآور ہوئی یا نہیں۔

یہ مولانا اسعد مدنی کی ذات ہی تھی جن کی جدوجہد کے نتیجے میں دہلی کی تاریخی مسجد عبد النبی آباد ہوئی اور اس کے احاطہ میں جمعیۃ کا دفتر منتقل ہوا۔ وہ یادگار لمحہ کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی، جب ۱۹؍ اپریل ۱۹۶۵ء کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ اور دیگر اکابر تبلیغ نے اس کامیابی پر مولانا اسعد مدنیؒ کو مسجد عبد النبی میں تشریف لا کر دُعاؤں سے نوازا تھا۔

مولانا اسعد مدنیؒ ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کے لئے منتخب ہو کر پارلیمنٹ پہنچے تو لوگوں کو محسوس ہوا کہ مجاہد

ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے انتقال (۱۹۶۲ء) کے بعد جو خلا پیدا ہوا تھا، وہ ایک حد تک پر ہونے لگا ہے۔ وہی آرزوئیں مولانا کی ذات سے وابستہ کی گئیں جو مجاہد ملت کی ذات سے وابستہ تھیں۔ وہ اس میزان پر کتنے کھرے اُترے یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اٹھارہ سال کی طویل مدت تک ملک کے ایوانِ اقتدار میں آپ کو مسلمانوں ایک معتبر ترین آواز کا درجہ حاصل رہا۔ آپ نے پارلیمنٹ میں ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۳ء راجیہ سبھا کی تین میعادیں پوری کیں اور اس مدت میں ملک وملت کے مسائل کو سرکار کے سامنے پوری جرأت و بیباکی کے ساتھ پیش کیا۔ آپ ۱۱راگست ۱۹۷۳ء کو جمعیۃ علمائے ہند کے صدر منتخب کئے گئے تھے اور تا حیات اس عہدے کی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں۔ جس وقت آپ نے صدارت کا بارِ گراں سنبھالا، اس وقت بھی ملک فسادات کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ نراج اور لاقانونیت پھیلی ہوئی تھی۔ قانون وانتظام نام کی کوئی چیز باقی نہ تھی، ایسا لگ رہا تھا کہ اس ملک میں جنگل کا قانون نافذ ہے۔

ایسے میں آپ فسادات کی آگ بجھانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ رہے تھے۔ ذمہ دارانِ حکومت سے ملاقاتیں کر کے روک تھام کی کوشش کر رہے تھے، کھڑے نظر آئے۔ پچھلے چند برسوں میں انہوں نے نصف درجن سے زیادہ تحریکیں منظم کیں اور حکومتِ وقت کو احساس دلایا کہ مسلمانوں کی رگوں میں آج بھی زندگی کی حرارت موجود ہے اور آج بھی وہ علمائے دین کی ایک آواز پر سڑکوں پر اُتر سکتے ہیں، ملک وملت بچاؤ تحریک، عرب حمایت کنونشن، تحفظِ حرم کی جدوجہد، فرقہ واریت مخالف مہم، قومی اتحاد وشہری حقوق کے تحفظ کی مہم، اُتر پردیش کے عبادت گاہ بل کے خلاف ملک بھر میں تحریک اور آسام کے مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے مہم اسی سلسلے کے وہ جلی عنوانات ہیں جنہیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

سینیٹر قاری محمد عبداللہ صاحب

سینئر نائب امیر جمعیۃ علماءِ اسلام سرحد

مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین

دارالعلوم حقانیہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے ملاقات کا ایک منظر

فدائے ملت کی نمازِ جنازہ کی ایک جھلک

واہ دریغا ! حیاتِ فانی کا وہ لمحہ زندگی کے آخری کنارے تک نہیں بھولے گا، جس میں یہ خبر ملی کہ جانشینِ شیخ الاسلام مرشد الہند والحجاز امام راشد حضرت مدنیؒ کے علمی، روحانی، سیاسی، محمودی، فیضان کے آخری وارث فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ ہم سے بچھڑ گئے، یہ کوئی نئی بات نہیں، دنیا میں آنے جانے کے لئے تمہید ہے لیکن ہماری محدود زندگی کا محبوب ہمیں داغِ فراق دے گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ، اسعد مدنی تھے، ان کی اداؤں میں، کردار میں حضرت شیخ الاسلام نظر آتے تھے۔ دیکھنے والا جب بھی اُن کے چہرے پر نظر جما کر رکھتا، تو دل میں خیال آتا کہ وہ مصور کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر حضرت مدنیؒ تک خصوصاً مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی وفات کے بعد جس انداز سے مولانا اسعد مدنیؒ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی خدمت کی، وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ بعض دفعہ ان کے کردار سے اور جذبات سے ملت کے درد سے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کا شبہ ہوتا، جس کا اعتراف انڈیا کے مسلمان خود کریں گے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی دینی، علمی، روحانی، خدمات پر بہت کچھ آچکا ہے اور آتا رہے گا۔ خصوصاً مولانا سلمان منصور پوری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں اور ان کو حق بھی تھا کہ وہ اپنے محبوب ماموں جان پر اپنے محققانہ، اذیبانہ قلم کے جواہر دکھائیں، مولانا اسعد مدنیؒ کو کئی دفعہ دیکھا اور اُن سے بیعت کا تعلق بھی ہے لیکن ان کو ایک دفعہ جس انداز میں دیکھا تھا، وہ کبھی نہیں بھولے گا۔ ایک دفعہ پشاور سے دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، پشاور سے لانے کے لئے مجھے اور حضرت مولانا قاری محمد عمر علی صاحب بانی و مہتمم جامعہ تحسین القرآن نوشہرہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے بھیجا، جب ہم دارالعلوم سرحد پہنچے اور سیدی وسندی واستاذی محدثین کے سرخیل و جرنیل حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کا پیغام پہنچایا، تو حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے فرمایا، ضرور اکوڑہ چلیں گے، اُستاذِ محترم مولانا عبدالحق صاحب کی زیارت کریں گے، جانے کا

وقت طے ہوگیا۔ دارالعلوم میں ناظم صاحب کو اطلاع دی کہ مولانا اسعد مدنیؒ آج دارالعلوم تشریف لائیں گے، وہ منظر بڑا عجیب تھا۔ حضرت مولانا عبدالحلیمؒ زروبی صدر المدرسین دارالعلوم اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ دارالعلوم کے بڑے گیٹ کے سامنے طلباءِ کرام کے ساتھ دو بڑی لائنوں میں ایک جگہ کھڑے ہوگئے، جب فدائے ملت مجاہداعظم مولانا اسعد مدنیؒ گاڑی سے اُترے۔ سب سے پہلے انہوں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کو دیکھا تو وہ کھڑے ہوگئے اور اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب تو میرے استاذ ہیں، وہ کیوں کھڑے ہیں، جب تک وہ واپس نہیں جائیں گے، میں قدم نہیں رکھوں گا، بہرحال اس پر کیف منظر کا تعلق الفاظ سے نہیں کیفیات سے ہے۔ مجاہد ملت نے جب قدم اُٹھائے، مولانا عبدالحلیمؒ صاحب زروبی نے جس انداز میں مصافحہ کیا، کیونکہ وہ حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے، عاشق تھے، دل والے تھے، متکلم تھے، مفسر تھے، عظیم شان کے مالک تھے، اپنے مخدوم زادے واستاذ زادے کے ہاتھوں کو چوما اور رو کر کہنے لگے کہ آج علماً وعملاً حضرت شیخ الاسلام کی زیارت ہوئی، اپنے کمرے میں کافی دیر تک شیخ الاسلام کا تذکرہ ہوتا رہا اور مولانا اسعد مدنیؒ واقعات وکردار کا تذکرہ اپنے مخصوص انداز میں کرتے رہے، زندگی میں پہلی دفعہ جو پڑھا تھا کتابوں میں' اس کا عملی مشاہدہ مولانا اسعد مدنیؒ اور مولانا عبدالحلیمؒ کی ملاقات میں ہوا' رہی حضرت شیخ الحدیثؒ کی بات وہ دفتر اہتمام میں طویل نشست میں مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ کچھ نہیں بولے' اور ان کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کا سبز رومال اور نورانی چہرہ جو ''الولد سر الابیہ'' کا منظر پیش کر رہا تھا، سب سے عجیب تر یہ کہ جب حضرت مولانا اسعد مدنی رخصت ہونے لگے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے فرمایا حضرت! میں بیمار ہوں، کمزور ہوں، کافی امراض آچکے ہیں، دعاؤں کی درخواست ہے، بڑے باپ کے بڑے بیٹے نے کہا کہ میں دعا کرنے نہیں آیا ہوں دعا لینے آیا ہوں۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا، آج میں اپنے محبوب استاذ حضرت شیخ الاسلامؒ کو دیکھ رہا ہوں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی عادت مبارک تھی وہ جب بھی شیخ الاسلام کا ذکر کرتے تو ان کی منہ مبارک میں وہ مٹھاس اور لذت آجاتی تھی اور حضرت کے اندازِ بیاں سے سامعین بھی اس لذت سے لطف اندوز ہوتے تھے، بہرحال یہ بات تو وہ دل والوں کو معلوم ہے، دو آدمیوں کے سہارے جب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کو اُٹھایا گیا تو وہ مولانا اسعد مدنی کے ہاتھ کو پکڑ کر کہنے لگے، یہ ہاتھ میرے سینے پر پھیر دے تاکہ اللہ میرے حال پر رحم فرمائے۔ وہ منظر دیکھنے کے لائق تھا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون؟ مخدوم خادم بنا ہوا تھا اور جس محبت بھری اور عظمت کی نگاہوں سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نے دیکھا، اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک ان کی گاڑی روانہ ہوگئی اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا، الحمدللہ آج پھر سے دل ٹھنڈا ہوگیا ہے۔

واقعی مولانا اسعد مدنیؒ ''الاولد سر الابیہ'' کا مصداق ہیں۔ یہ بات ضمناً آگئی، خود اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھا، بات درحقیقت ان کی زندگی کی ہے، پاکیزہ زندگی، پاکیزہ موت، رہنے والوں کے لئے ایک عملی نمونہ ہیں۔

اب مجھے جو عرض کرنا ہے وہ یہ ہے مولانا اسعد مدنیؒ کا نمازِ جنازہ وہ کس نے پڑھایا؟ اور کس انداز سے پڑھایا؟ یہ ایک عجیب تاریخی داستان ہے، جس پر آنے والا مؤرخ تاریخ لکھے گا، اور یہ انوکھی بات ہے' حضرت شیخ الاسلام کا جنازہ ریحانۃ العصر فخر المحدثین حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ جو گنگوہی علوم ومعارف کے سچے ترجمان تھے اور حضرت مدنیؒ کے مرید بھی تھے، گنگوہی نسبت کے سب سے بڑے شارح مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے بھتیجے اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے فرزند ارجمند شارح بخاری تاج المحدثین علم وعرفان کے بے تاج بادشاہ حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھایا، نمازِ جنازہ کے بعد مولانا زکریاؒ نے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا اور جس انداز سے ان کی چیخ نکلی۔ وہ مولانا رشید الوحیدی کی مشہور کتاب حضرت مدنیؒ کا سیاسی مطالعہ میں دیکھئے جو اپنی موضوع پر لاجواب کتاب ہے، تبلیغی جماعت کے اکابرین اور جمعیت علماءِ ہند کے اکابرین جس انداز میں رہے جس کی تفصیل حضرت شیخ کی کتاب آپ بیتی میں دیکھی جاسکتی ہے، طویل زمانہ کے بعد جمعیت علماءِ ہند کے صدر امیر الہند فدائے ملت مجاہدِ اعظم مولانا اسعد مدنیؒ کا جنازہ حضرت شیخ الحدیث کے صاحبزادے مولانا محمد طلحہ نے پڑھایا، یہ اتفاقی بات نہیں۔ یہ واقعاتی ثبوت ہے کہ قافلۂ گنگوہیؒ کے وارث جماعت جمعیت علماءِ ہند جس طرح حضرت مدنیؒ کے زمانے میں موجود تھا، وہ آج بھی مولانا اسعد مدنیؒ کے شکل میں موجود ہے۔ نمازِ جنازہ سے یہ ثابت ہوگیا، فکر ونظر کا یہ قافلہ قاسم العلوم کی حکمت' گنگوہی فقاہت، اسیر مالٹا حضرت شیخ الہندؒ کی سیاست کے وارث لوگ یہی ہیں اور ان میں وحدت پائی جاتی ہے۔ دار العلوم دیوبند ہو' بستی نظام الدین تبلیغی جماعت ہو، سہارنپور ہو اور رائے پور ہو' سارا کچھ ایک ہی ہے۔ زندگی کے آخری لحات دہلی کے ہسپتال میں جس انداز سے جانشین مفتی محمود مفکرِ اسلام حضرت مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیت علماءِ اسلام پاکستان کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، ایک مہینہ کی بے ہوشی کے بعد جب آنکھ کھولی اور مولانا فضل الرحمٰن کو سلام کا جواب دیا۔ وہ منظر بڑا عجیب تھا، جس کا راوی مولانا شجاع الملک ایم این ہے۔ دار العلوم دیوبند کے استاذ الحدیث اور حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا ارشد مدنیؒ نے مولانا فضل الرحمٰن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ یہ کرنٹ اتنا مضبوط ہے۔ حقیقت میں مولانا اسعد مدنیؒ مولانا فضل الرحمٰن کو علماءِ دیوبند کا حقیقی وارث سمجھتے تھے۔ خدمات دار العلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دار العلوم دیوبند اور نائب مہتمم قاری محمد عثمان نے اپنی کلماتِ طیبات میں جو کچھ فرمایا، وہ لاکھوں کا مجمع اس بات کا گواہ ہے کہ اس وقت مجمع پر کیا کیفیت تھی۔

یہ چند بے ربط وبے ضبط کلمات مولانا عبد القیوم حقانی کے کہنے پر لکھ دیئے ہیں۔ مولانا حقانی صاحب اکابرین پر جو کام کرتے ہیں، نمبرات کے شکل میں ان کو بلا شک وشبہ علماءِ دیوبند کے مشن کا مخلص علمبردار کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابرین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

مولانا محمد سلیم جلوی

مولانا حسین احمد مدنیؒ کے علوم ومعارف کے ترجمان

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اس قافلہ کے فردِ فرید اور رکنِ رکین تھے، جن کی فکر وسوچ اکابر علمائے دیوبند کی تحقیقات کی آئینہ دار تھی۔ وہ اس قابل تھے کہ ان کے قول وفعل سے استناد کیا جائے۔ ان کے تقویٰ و طہارت، جدوجہد، مجاہدہ، حق گوئی و بے باکی میں اتباع کی جائے، ان کی زندگی نمونۂ اسلاف اور ان کا طرزِ عمل باعثِ تقلید تھا۔

حضرتِ اقدسؒ نے ساری زندگی تبلیغِ دین کی خدمت سرانجام دی جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہزاروں لوگوں کو صحیح عقیدے کی دولت نصیب فرمائی اور آپؒ نے اس قدر استغناء سے کام کیا جو **لا اسئلکم علیہ اجرا** کا صحیح مصداق ہے۔

آپؒ کی تمام تر صفات میں سے ایک صفت یہ بھی تھی کہ کوئی فتنہ دیکھتے تو اس کی سرکوبی کے لئے اُس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اُس فتنے کی سرکوبی تک اپنی جدوجہد جاری رکھتے تھے۔ غریب، یتیم اور مستحق لوگوں کے لئے رفاہی ادارے مثلاً مستحق لوگوں کے لئے امداد کا سلسلہ قائم کرنا، مستحق بچوں کے لئے سکولوں کا قیام، غریب مریضوں کے لئے فری ڈسپنسری کا انعقاد اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے مسلمانوں کی بھرپور قیادت فرمائی ....

زمانہ روئے گا برسوں ہمیں کو یاد کر کر کے
گنیں گے سب ہماری خوبیاں جب ہم نہیں ہوں گے
راحت دنیا ملے نہ ملے کچھ فکر نہیں ارمان نہیں
بچ جائے جہنم سے دنیا میری جنت کا یہ ساماں ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر منور حسن کمال

بیعت وارشاد میں شیخ الاسلامؒ کے حقیقی جانشین

بعض شخصیتیں سماج کی اصلاح کے لئے پیدا ہوتی ہیں اور بعض شخصیتیں پیدا ہونے کے بعد اپنے اندر وہ ہمہ گیر خصوصیات پیدا کر لیتی ہیں کہ جیسے انہیں ملک وقوم کی خدمت کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہو۔ فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات مذکورہ بالا دونوں خصوصیتوں سے متصف تھی۔ اپنے والد محترم مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت سے وہ سماج اور ملک وقوم کی اصلاح کے لئے پیدا ہوئے اور پھر محض اپنی سمجھ بوجھ اور ذہنی صلاحیتوں سے ملک وخدمت کیلئے انہوں نے خود کو وقف کر لیا۔ وہ حقیقی معنوں میں خلیفۃ الخلفاء تھے۔ انسان اور جانور دونوں میں یہ وصف پایا جاتا ہے کہ جب ان پر کسی کام کے لئے دباؤ پڑتا ہے تو ان کی فطری صلاحیتیں اُبھر کر آتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص انتہائی زخمی حالت میں کہیں پڑا ہو، نہ اس میں چل پھرنے کی صلاحیت ہو اور نہ اُٹھ سکنے کی، کوئی کہے تو جواب دے کہ ہلا ڈُلا بھی نہیں جا رہا ہے، لیکن اگر اس اثنا میں اسے یہ احساس ہو جائے کہ شیر آ رہا ہے جو آ کر فوراً اسے چیر پھاڑ ڈالے گا تو وہ اپنی تمام کھوئی ہوئی منتشرہ طاقتوں کو یکجا کر کے نہ صرف اُٹھ کھڑا ہو گا بلکہ بھاگنے کی کوشش بھی کرے گا، چاہے وہ بار بار گرے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذاتِ گرامی جہاں بہت سی خصوصیات سے متصف تھی، وہیں ان میں یہ وصف بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ جب بھی ان پر دباؤ پڑا، ان کی فطری صلاحیتیں اُبھر آئیں اور انہوں نے بادِ مخالف کے جھونکوں کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ اس کے پائیدار حل کے لئے بھی انہوں نے اپنی سی کوششیں کیں۔ ان کے کسی فعل پر جب بھی کوئی اعتراض کیا گیا انہوں نے شافی جواب دیا۔ آٹھویں دہائی کے آغاز میں فسادات پر جب ان سے سوال کیا گیا، آپ نہ کوئی تحریک چلا رہے ہیں اور نہ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ مولانا نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں کہا: میں سمجھتا تھا اور آج بھی سمجھتا ہوں کہ جنتا حکومت ملک کے لئے بدترین خطرہ تھی، ناسور تھا اور آج تک (۱۹۸۰ء) اس کا چھوڑا ہوا زہر ملک کی جڑوں میں بربادی اور فساد لا رہا ہے، اس کے بعد انہوں نے بڑے بلیغ اور مدبرانہ انداز میں اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بعض مسائل اُٹھائے اور ان کا شافی جواب چاہا۔ حالات کو نارمل بنانے کے سوال پر انہوں نے کہا: جمعیۃ علماء کی ورکنگ کمیٹی کے دو اجلاس ہو چکے ہیں، ان

صوبوں کے معاملے میں انہوں نے وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور دوسرے وزیروں سے ملنے کی بات دہرائی اور کتنی مرتبہ وہاں گئے، نیز کیا حالات تھے جن سے اس وقت ملت دوچار تھی۔ اس کا تذکرہ کیا، انہوں نے مرادآباد کا وزیر داخلہ کے ساتھ دورہ کیا۔ وزیر داخلہ کو ایک ایک گھر دکھایا، مسجدوں میں پڑی ہوئی چیزیں دکھائیں، وہ مفاد پرست لیڈروں کو بھی متنبہ کر دیا کرتے تھے۔

انہوں نے اس وقت کے یوپی کے وزیر اعلیٰ کی کھلے عام مذمت کی۔ انہوں نے متعدد مرتبہ پی اے سی کو توڑنے کی آواز اُٹھائی۔ اس میں ۳۳ فیصد مسلمانوں کو نمائندگی دینے کی بات کا اعادہ کیا۔ ان کی رائے تھی کہ اگر فساد ہوتے ہی ڈی ایم اور ایس پی کو معطل کر دیا جائے تو ملک میں فسادات ہونے بند ہوجائیں۔ مولانا اسعد مدنیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ نہیں تھے، شاید کچھ لوگ چونک پڑیں، لیکن حقیقت یہی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے انتقال کے بعد ان کے خلفاء نے ان کی خدمات اور سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ ان کی حقیقی جانشینی مولانا اسعد مدنیؒ ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے سب نے ملکر انہیں خلافت عطا کی اور بیعت وارشاد کے مسند پر فائز کیا۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء کے تذکرہ آتا ہے، وہیں مولانا اسعد مدنیؒ کا تذکرہ خلیفۃ الخلفاء کے تحت آتا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء میں اپنے وقت کے اہم اور جید علماء رہے ہیں معاشرے کی اصلاح پر ان کی گرفت تھی۔ اپنے علاقوں اور اپنے علاقوں سے نکل کر دوسرے خطہ وممالک میں بھی ان کی پکڑ تھی اور وہ سب اپنے وقت کے آفتاب وماہتاب تصور کیے جاتے تھے۔ ایسی صورت میں ان سب کا مل کر مولانا اسعد مدنیؒ کو بیعت وارشاد کے مسند پر فائز کرنا اور انہیں خرقۂ خلافت سے سرفراز کرنا مولانا اسعد مدنیؒ کی غیر معمولی صلاحیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے تمام عمر علماء کے اس اعتماد کو نبھایا اور پوری خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے عظیم باپ کی جانشینی کے فرائض انجام دیتے رہے، وہ مسلمانوں کی قیادت اس طرح کرتے رہے کہ پوری ملت ایک دھاگے میں پروئی نظر آئے۔ انہوں نے ہمیشہ ماحول کی ناسازگاری میں بڑے استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ کہیں بھی کچھ ہوجاتا وہ ایک غازی کی طرح پورے ملک کا دورہ کرتے۔ مسلمانوں کو جہاں بھی زک پہنچتی یا زک پہنچانے کے منصوبے بنائے جاتے وہاں پہنچنے کی ممکنہ کوششیں کرتے۔ ساتھ ہی برسر اقتدار حکومت سے اس سلسلے میں استفسار کیا جاتا۔ حتیٰ الامکان ان کے نقصانات کی تلافی کی کوششیں کی جاتیں۔ جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے انہیں ممکنہ امداد پہنچائی جاتی۔ الغرض ان کی خدمات کا یہ ایک معمولی نقشہ ہے جس پر وہ زندگی کی آخری سانس تک عمل پیرا رہے ...... ع خدا رحمت کند ایں پاک طینت را

مولانا سید محمود احمد پٹھیڑوی

انہیں دیکھ کر شیخ الاسلام ؒ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی

میں نے ابتدائی تعلیم ریڑھی تاجپورہ کے مدرسہ سے شروع کی، وہاں مولانا حشمت علی مرحوم، مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے قصے بیان کرتے تھے۔ لہٰذا مجھے مولانا حسین احمد مدنی ؒ سے عشق ہو گیا جو کچھ سالوں بعد جیل چلے گئے تو میری بے چینی میں اضافہ ہو گیا، میں دیوبند آیا مگر مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے بغیر مجھے دیوبند میں قرار نہیں ملا تو میں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لے لیا۔ یہاں مجھے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی محفل میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میں بیعت ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، تو انہوں نے مجھے کہا کہ میں رائے پور چلا جاؤں اور حضرت رائے پوریؒ سے بیعت ہو جاؤں۔ میں نے مولانا زکریاؒ سے اپنے دل کی کیفیت بیان کی کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فی الحال وہ جیل میں ہیں، ان کی رہائی تک میں آپ سے بیعت ہو جاؤں۔ مولانا زکریاؒ نے فرمایا بیعت ہونا بخاری شریف کا سبق نہیں ہے کہ آج کسی سے کل کسی دوسرے سے لیا جائے، مولانا زکریاؒ نے میری بے چینی محسوس کرتے ہوئے مجھے ۶ تسبیح پڑھنے کے لئے بتائی، میں تبلیغی جماعت کے مرکز حضرت نظام الدین میں تھا تو مولانا زکریاؒ نے خوش خبری سنائی کہ مولانا حسین احمد مدنی ؒ جیل سے رہا ہو گئے ہیں اور آج کسی وقت مرکز میں تشریف لائیں گے، جس وقت انہوں نے مجھے اطلاع دی میرے سر میں شدید قسم کا درد تھا جو یکدم کافور ہو گیا۔ مغرب کی نماز تک میں ٹکٹکی لگائے حضرت کا منتظر رہا، آپ مغرب کے بعد تشریف لائے، مجھے سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی نصیحت کی۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے ساتھ سلہٹ (بنگلہ دیش) جانے کا اتفاق ہوا اور وہیں حضرت نے مجھے بیعت کرایا۔ میں آج ایک بار پھر یتیم ہو گیا۔

مولانا اسعد مدنی ؒ میں بہت سی خوبیاں تھیں جس کی وجہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے بعد خلفاء کی ایک جماعت نے (جہاں حضرت مولانا حسین احمد مدنی بیٹھ کر مطالعہ کرتے تھے وہاں) بیٹھ کر ایک تحریر مولانا اسعد مدنی ؒ کے لئے تیار کی جس میں لکھا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے جانشین خلیفہ ہوں، اس خط میں یہ بھی لکھا کہ ہم اس لئے نہیں لکھ رہے کہ آپ ان کی اولاد ہیں بلکہ خلفائے حسین احمد مدنی ؒ اور

مریدین کی یہ دلی خواہش ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ اپنے والد ماجدؒ کی طرح بکائے سحر (تہجد) کا اہتمام رکھتے تھے، نماز اور قرآن سے والہانہ عشق تھا، جب مولانا اسعد مدنیؒ راضی ہو گئے تو اس کا اعلان میں نے مسجد مدنی میں کیا، مجھے دیسی گھی کھانے کا بہت شوق ہے اور اکثر مجھے مولانا اسعد مدنیؒ دیسی گھی کھانے سے منع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے انہیں بتایا کہ جس ڈاکٹر نے مجھے دیسی گھی نہ کھانے کی ہدایت کی تھی وہ مرگیا ہے، مگر اللہ کا شکر ہے میں زندہ ہوں۔ میں مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ کئی مرتبہ سفر میں رہا۔

فسادات کے موقعہ پر بھی مولانا اسعد مدنیؒ جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پہنچ جاتے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی نمازِ جنازہ مولانا محمد زکریاؒ نے پڑھائی تھی اور مولانا زکریاؒ کے صاحبزادے مولانا طلحہ نے مولانا اسعد مدنی کی نمازِ جنازہ ادا کرائی۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مہمانوں سے بہت خوش ہوتے تھے اور انہی کے ساتھ ناشتہ کرنا اور کھانا کھانا پسند کرتے تھے، اگر گھر میں دستر خوان لگ چکا ہو اور کسی مہمان کے آنے کی اطلاع مل جاتی تو آپ مہمان خانہ میں آجاتے اور مہمانوں کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے۔ ان کے کام کرنے کے ڈھنگ اور طریقوں سے مولانا حسین احمد مدنیؒ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ

قافلۂ عزیمت کے سالار اور مسلم کاز کے محافظ

''۱۹۷۸ء میں حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ کے دورۂ پاکستان کے موقع پر لاہور میں انجمن اسلامیان لاہور نے ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا، اس موقع پر جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا، اس کا ایک ورق نظرِ قارئین ہے'' ....(تنویر احمد شریفی)

جس مہمان عزیز (مولانا سید اسعد مدنی) کی خاطر آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں انہیں شیخ الاسلام کے فرزند و جانشین ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ بات قطعاً بلا مبالغہ ہے اور مقامِ شکر بھی کہ وہ شجاعت و ہمت، سخاوت و بسالت میں ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ'' کا حقیقی مصداق ہیں۔ انھوں نے آج کے ہندوستان میں ہمیشہ ہی اور بالخصوص مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور امام المؤرخین مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کے بعد جس جرأت، بے خوفی اور دلیری سے مسلم کاز کے لیے کام کیا وہ ان ہی کا حصہ ہے، اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے کہ آخر ان کی نسبت برصغیر کے اس قافلے سے ہے جو ہزار مخالفتوں کے باوجود اپنے خلوص سے آج بھی زندہ و تابندہ ہے اور اپنے مخالفین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ سکتا ہے کہ ......

مرا نقشِ ہستی نہیں مٹنے والا بتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے
مٹانے میں اس کے وہ مٹ جائیں گے خود کہ یہ نقش سجدہ ہے قشقہ نہیں ہے

اسعد کا سر...... :

اسلاف کرام کے بعد مہمانِ گرامی مرتبت نے مختلف علاقوں میں رونما ہونے والے فسادات میں بارہا عین حالتِ جنگ میں جس بے خوفی کا مظاہرہ کیا وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔ ایک موقع پر جہاں مسلمانوں کی لاشوں سے کنویں پاٹ دیئے گئے تھے -- عین اسی حالت میں تشریف لے گئے اور منع کرنے والوں سے یہ جملہ فرمایا کہ :

''اسعد کا سر ان مسلمانوں کے سر سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔''

اس پورے واقع کو برصغیر کے عظیم عربی شاعر مولانا عبد المنان صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل قصیدے میں نظم فرمایا ہے۔

بلند حوصلہ مسلمان :

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے حوصلے وہاں بلند ہو چکے ہیں اور وہ کسی کو یہ اجازت نہیں دیتے کہ

کوئی انھیں تر نوالہ سمجھے۔ عیسائیت کی یلغار کا فتنہ آج بھی اس دھرتی پر موجود ہے، لیکن ان حضرات کی پیہم کوششیں، ہزاروں شبینہ مکاتب، جن میں حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کا مرتبہ نصاب پڑھایا جارہا ہے، اس فتنے کے دفاع کا مؤثر ذریعہ ہیں۔ مسلمانوں کے سیاسی واقتصادی مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں کیپٹل ازم، کمیونزم اور سوشل ازم سے زیادہ نفع مند ثابت کیا اس موضوع پر نشر واشاعت اور عملاً بلا سودی کواپرٹیو بینک کھولے مسلمانانِ ہند کی فلاح وسلامتیٔ مذہب کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، جس کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں کے بارہ کروڑ مسلمان، ان کے مدارس اور ان کی مساجد آباد ہیں۔ اور وہاں کے مسلمان ہندو تہذیب وتمدن سے دور اپنی سابقہ روایات پر بدستور قائم ہیں۔ والحمد للہ.

ہمارا فرض : قائد اعظم کے ارشاد کی روشنی میں :

یہ فرض ہمارا تھا کہ ہم مملکت پاکستان کی قدر کرتے، اسے مضبوط ومستحکم بناتے اور وہاں کے مسلمانوں کی خبر گیری کرتے، مبلّغ بھیجتے، غریب مسلمانوں کی مدد کرتے، تعلیمی اداروں کے مصارف برداشت کرتے اور قائد اعظم کی بات پوری کر دکھاتے، انھوں نے ۱۸/اگست ۱۹۴۷ء کو پیغام عید میں فرمایا تھا :

> ''ہمارے وہ بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، ہم نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں نہ ان کی طرف سے لاپرواہ ہو سکتے ہیں۔ ہماری دلی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ ان کی اعانت وبہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیوں کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اس برصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنھوں نے ہمارے محبوب نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سر بلند کیا''۔ (خطبات قائد اعظم، رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور: طبع دوم، ص۵۸۲)

لیکن ہم نے اس نعمتِ عظمٰی کی قدر نہیں کی، حتیٰ کہ نظام مصطفیٰ جیسے پاکیزہ نظام سے کنارہ کشی اور تعلیماتِ اسلام جیسی بلند تعلیمات سے روگردانی اور غفلتوں کی سزا کے مستحق ہو کر مبتلائے رسوائی ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی بیرونی دنیا میں اسلام کے پیغامِ رحمت کے لیے ان کے طویل اسفار اگلے دور کے ان مجاہدین وخادمانِ علم واسلام کی یاد دلاتے ہیں جن کی زندگیاں گھوڑوں اور اونٹوں کی پیٹھ پر گزر گئیں۔ ہماری خوشیوں کی کوئی انتہا نہیں کہ برصغیر کے مجاہد علما کا سچا جانشین اور اربابِ عزیمت کے قافلے کا سالار آج ہمارے اندر موجود ہے۔ ہم ممنون ہیں رابطۂ عالم اسلامی کے جس کی کوشش سے کراچی میں ایشیائی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کے صدقے (میں) ہمارے عزیز مہمان سمیت دنیا بھر کے اہل علم وصلاح یہاں تشریف لائے، اور ہم ممنون ہیں اپنی حکومت کے جس نے کراچی کے علاوہ دوسرے مقامات کی اجازت دے کر ہمیں مہمان گرامی سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مہمانِ ذی وقار کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے آخر میں عرض کروں گا کہ...... ؎

بیا ساقی نوائے مرغزار از شاخسار آمد   بہار آمد، نگار آمد، نگار آمد، قرار آمد

محترم عزیز الحسن صدیقی
ناظم نشر واشاعت جمعیت علماے ہند۔ دہلی

مولانا حفظ الرحمٰنؒ کا جانشین اور مسلمانوں کا چارہ گر

گردشِ لیل ونہار جاری ہے۔ سورج معمول کے مطابق روز نکلتا ہے اور ڈوب جاتا ہے۔ کل جو تاریخ تھی وہ آج نہیں ہے اور آج کی شام جب سورج غروب ہوگا تو دوسری صبح کا پیغام لے کر آسمان پر نمودار ہوگا۔ دِن مقررہ نصاب پورا کرکے مہینہ بنا رہے ہیں اور مہینہ گذر کر سال کی تبدیلی کا پتا دے رہے ہیں۔ ازل سے یہی سلسلہ قائم ہے۔

۱۹۵۴ء میں مولانا اسعد مدنی کو اس قدر دیکھا تھا جب ان کے والد محترم حیات تھے۔ باپ کا سایہ سر پر تھا۔ ان کی ذاتی کوئی رائے تھی نہ کوئی مخصوص نظریہ، مدرسہ تھا یا خانقاہ، جہاں انھیں پڑھنے پڑھانے میں یا مہمانوں کی خدمت میں مصروف دیکھا جاسکتا تھا۔ والد کا انتقال ہوا تو ساری ذمے داریاں ایک ساتھ سر پر آگئیں۔

ملت کے پاسبان :

شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد انھوں نے متوسلین کے پاس ایک مراسلہ بھیجا تھا، جس کو دیکھنے کے بعد میں نے محسوس کیا تھا کہ قدرت نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں کا مالک بنایا ہے اور مستقبل میں ان کی ذات سے ملت کو بیش بہا فائدے پہنچ سکتے ہیں۔ کل تک وہ صرف ایک بڑے باپ کے بیٹے تھے اور آج اپنی ایک علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں۔ جمعیت علماے ہند کے صدر بنائے جاچکے ہیں، میٹنگوں اور جلسوں میں اُن کا نام آنے لگا ہے، اخبارات میں اُن کے بیانات اور اپیلیں بھی چھپ رہی ہیں۔ دار العلوم دیوبند کی تدریسی خدمات سے علیحدگی اختیار کرکے پورے طور پر ملت کی تنظیم میں منہمک نظر آرہے ہیں۔

اس ادا نے میرا دل جیت لیا :

یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے، صوبائی جمعیت کی ایک میٹنگ میں..... جو لکھنؤ میں ہوئی، یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ

جمعیت کے رہنما مختلف مقامات کا تنظیمی دورہ کریں اور دینی تعلیمی بورڈ کا نظام وسیع کرنے کے لیے اضلاع میں اجتماعات کیے جائیں۔

اس پروگرام میں غازی پور کا نام بھی شامل کیا گیا۔ تاریخ طے پا گئی اور مولانا محمد قاسم شاہ جہاں پوری کی تقریر کا اعلان کر دیا گیا۔ پروگرام کی ترتیب کے وقت لکھنؤ میں میرے والد بھی موجود تھے، ان کی غازی پور واپسی کے چند ہی دنوں کے بعد جلسے کی تاریخ قریب آ گئی۔ غازی پور کا چھوٹا سا اسٹیشن ہے، شام کی گاڑی میں مولانا محمد قاسم صاحب کو آنا ہے، رفقائے جماعت جو ٹرین کے انتظار میں سٹی اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر جمع ہیں، اُن میں یہ خادم بھی ہے۔ چند ہی لمحوں کے بعد ٹرین پلیٹ فارم پر آ گئی۔ مولانا محمد قاسمؒ کو تو بار ہا دیکھا تھا، مگر میری نگاہ کسی اور ہی کو تلاش کر رہی تھی۔ والد مرحوم نے لکھنؤ سے آ کر بتایا تھا کہ ممکن ہے مولانا اسعد مدنی بھی ہم راہ ہوں۔ اُن کا آنا یقینی نہیں تھا، مگر خدا جانے کیوں میرے دل میں ان کی دید کا اشتیاق جاگ اٹھا تھا اور نگاہ ان ہی کے چہرے کو تلاش کر رہی تھی۔ انجن دندناتا ہوا سامنے سے نکل گیا، پھر ڈبے ایک ایک کر کے نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگے، مگر ابھی تک مولانا محمد قاسم نظر نہیں آئے۔ آج ہی شب میں ٹاؤن ہال میں جلسہ ہے۔ ہمارا اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔ اچانک ایک ڈبے کے دروازے پر سفید کُرتے میں ملبوس..... قدرے بھاری جسم کے ایک نوجوان کو کھڑے دیکھا۔

یہ تھے مولانا اسعد مدنی۔ جو آج کے جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے تنہا غازی پور کے لیے چل پڑے تھے۔ حالاں کہ ان کی آمد کا پروگرام ضمنی تھا۔ اگر نہ آتے تو شکایت کا موقع نہ تھا۔ ٹرین سے اترتے ہی سب سے مصافحہ کیا اور رکشے پر سوار ہوئے۔ رکشا غازی پور کی تنگ سڑکوں سے ہوتا ہوا مدرسۂ دینیہ کی گلی تک آ پہنچا۔ رکشے سے اُترتے ہوئے بٹوے سے پیسے نکال کر خود ہی رکشے کا کرایہ ادا کیا۔ بس ان کی اس ادا نے میرا دل جیت لیا۔ رات میں جلسۂ عام میں دینی تعلیم کی اہمیت پر ان کی تقریر ہوئی، جو بہت پسند کی گئی۔

دینی تعلیم لازمی ہو جائے :

ایک نوجوان ہندو وکیل نے کہا کہ :

''دینی تعلیم اگر ایسی ہی چیز ہے تو حکومت کا فرض ہے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا خود انتظام کرے۔''

یہ تھی میری دوسری ملاقات، جس نے عقیدت و احترام کا پاکیزہ احساس میرے دل و دماغ کے ایک ایک گوشے میں بھر دیا۔ میں ان کی اچانک اور غیر متوقع آمد اور ریل گاڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر مسکرانے کا منظر

جب یاد کرتا ہوں تو لگتا ہے جیسے وہ آج بھی میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں

جو راہ اہل خرد کے لیے ہے لامحدود　　　جنونِ عشق میں وہ چند گام ہوتی ہے

کشتی ملت کا ناخدا :

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کا دن یقیناً ایک مکمل انقلاب کا دن تھا اور اس دن اگر ہندوستانی عوام نے سوچا کہ اب ان کے دیس میں سکھ چین عام ہوگا اور ان کو دوسرے اور تیسرے انقلاب کا منہ نہیں دیکھنا ہوگا تو انھوں نے کوئی غلط بات نہیں سوچی۔ بے چارے سادہ لوح عوام کیا جانتے تھے کہ ابھی ہندوستان کو مزید کچھ دنوں تک آزمائش کی بھٹیوں میں تپنا باقی ہے۔

ماہ و سال کی گردش جاری ہے اور انقلابات ہر روز ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ ملک کا مستقبل فرقہ پرست تنظیموں کے ہاتھوں تاریک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے مسائل روز بہ روز الجھتے جا رہے ہیں۔ مسلم جماعتیں اپنے اپنے طریقے کے مطابق ۱۹۴۷ء سے لگاتار مسلمانوں کی مشکلات اور مسائل حل کرنے کے لیے کوششیں کر رہی ہیں، مگر حالات ہیں کہ سدھرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ پیچیدہ امراض کے علاج میں معالجین کو جو زحمتیں پیش آتی ہیں اور امید و بیم کی جو کیفیات سامنے آتی ہیں بعینہ وہی حالات مسلم رہنماؤں کے سامنے ہیں۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلم زعما ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں۔ مفتیٔ اعظمؒ (مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی) کا انتقال ہوا، شیخ الاسلامؒ (مولانا سید حسین احمد مدنی) اپنے ربّ سے جا ملے، امام الہندؒ (مولانا ابوالکلام آزاد) ہم سے روٹھے، سحبان الہندؒ (مولانا احمد سعید دہلوی) نے ہمیں تنہا چھوڑا۔ ایک غم ہو تو اس کا ذکر کیا جائے۔ ایک مصیبت ہو تو بیان کی جائے۔ جب پورا جسم زخموں سے بھرا ہو تو پھایہ کہاں کہاں اور کیسے رکھا جائے؟ ۱۹۴۷ء کے پُرآشوب زمانے میں جن بزرگوں نے مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے قدم جمائے تھے اور پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے اور مستقبل کو سنوارنے کی راہ بتائی تھی وہ سب یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو چکے۔ انگریز کے خلاف اس ملک میں جو جنگ لڑی گئی اور تقسیم ملک پر جس کا اختتام ہوا، اس کی بچی کھچی فوج کا ایک بوڑھا سپاہی ''حفظ الرحمٰن'' باقی رہ گیا ہے۔ جس کے مجاہدانہ کردار سے ہندوستان کا ہر پڑھا لکھا آدمی اچھی طرح واقف ہے اور جس کی خدمات کا اعتراف ایک ولی کامل نے ان الفاظ میں کیا ہے :

> ''مولانا حفظ الرحمٰن اپنی صرف ۱۹۴۷ء کی خدمات کے عوض مجھ سے میری ساری زندگی کی عبادتیں لے لیں تو میں راضی ہوں۔''

وہی حفظ الرحمٰن اپنی زندگی کی آخری منزل میں ہے۔ فوج ہی نہیں..... حکومت کے سارے ہی شعبوں

میں یہ قانون رائج ہے کہ بڑھاپے میں اس کے کارکنوں کو پنشن دیدی جاتی ہے، تاکہ بقیہ زندگی آرام سے گزرے مگر قومی خدمت گاروں کا حال اس سے مختلف ہے۔ وہ ساری زندگی آلام ومصائب سے نبرد آزما رہتے ہیں اور انھیں کبھی سکون وراحت کے لمحات نصیب نہیں ہوتے۔ مولانا حفظ الرحمٰن جنھوں نے انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں سردھڑ کی بازی لگائی، سال ہا سال جیلوں میں رہے، جب ملک آزاد ہوا تو ان کو ایک دن بھی سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اِدھر آزادی کا سورج طلوع ہوا اور اُدھر آگ اور خون کی ندیاں ابل پڑیں۔ لوگ اپنی اپنی قربانیوں کی قیمت وصول کرنے میں لگ گئے۔ وزارت کی کرسیاں حاصل کرنے لگے۔ اور جو اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے انھوں نے جوڑ توڑ شروع کردیا۔ مگر مولانا حفظ الرحمٰن اور ان کی جماعت نے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہونے ہی کو اپنا فرض سمجھا۔ اس فرض کی ادائیگی میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ان کی باعزت زندگی کا تھا۔ کسٹوڈین کی چیرہ دستیاں اور ملازمتوں میں امتیاز اگرچہ تکلیف دہ بات تھی، مگر ان سب سے بڑھ کر صبر آزما چیز تھی وہ فسادات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ فسادات ہو رہے ہیں اور خوب ہو رہے ہیں۔ آج یہاں تو کل وہاں۔ مولانا حفظ الرحمٰن ہیں کہ دوڑتے پھر رہے ہیں۔ فسادیوں کی غضب آلود نگاہوں کے سامنے ہیں، مگر بے خوف ہیں۔ ظالموں کو للکار رہے ہیں اور مسلمانوں کو صبر وشکر کی تلقین بھی کر رہے ہیں۔ پھر حکومت کو بھی اس کا فرض یاد دلا رہے ہیں۔ اتنے سارے کام کرتے کرتے مولانا بالآخر تھک گئے۔ جبل پور کے فساد نے انہیں بجھا کر رکھ دیا ہے اور ان کے جسم کی ہڈیاں تک پگھلادی ہیں، لیکن وہ تھک ہار کر بیٹھے نہیں۔ دورے اب بھی کر رہے ہیں، تقریریں بھی اسی آن بان سے ہو رہی ہیں، فرقہ پرستوں کو پوری قوت کے ساتھ للکار بھی رہے ہیں، مگر ان کی گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر ہر شخص متفکر ہے۔ یہ سوال بار بار ذہنوں پر دستک دے رہا ہے کہ مجاہدِ ملت کے بعد کون کشتیٔ ملت کا ناخدا بن سکتا ہے؟ آزادی کے بعد مسلمانوں کا ایک مسئلہ بھی تو حل نہیں ہوا۔ گتھیاں سلجھتی کہاں تک کہ ان کی گرہیں اور مضبوط ہوتی جارہی ہیں۔ جمعیت علماء آج بھی ایک متحرک تنظیم ہے اور اس میں ہزاروں فداکار موجود ہیں۔ مگر حفظ الرحمٰن کی جانشینی کا حق کون ادا کرے گا؟ اس میں کیا شبہ ہے کہ آج بھی ملک میں بڑے بڑے اہلِ علم موجود ہیں، کتنے ہی سحر نگار ادیب ہیں، بلند پایہ مصنف بھی ہیں، مگر ہندوستانی مسلمانوں کی چارہ گری کے لیے جس انسان کی تلاش ہے وہ کہاں ہے؟؟؟

خدا کی کارسازی پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اگر اس نے زخم دیا تو مرہم بھی اسی نے بخشا۔ اگر اس نے ۱۹۴۷ء میں مولانا حفظ الرحمٰن کو یہ توفیق بخشی کہ مسلمانوں کے جان ومال کے تحفظ کے لیے سردھڑ کی بازی لگائیں اور اپنے سارے کاموں کو چھوڑ کر صرف اسی کام کے ہو رہیں تو ۱۹۶۰ء میں اسی خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے شیخ الاسلام مولانا سید حسن احمد مدنیؒ کے چہیتے بیٹے مولانا اسعد مدنی کو کھڑا کردیا۔

مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مولانا اسعد مدنیؒ کی سیرت میں مماثلت :

مولانا حفظ الرحمٰنؒ بھی درس گاہ اور مدرسہ چھوڑ کر ملک وملت کی خدمت میں لگے تھے اور مولانا اسعد مدنی بھی جب اس میدان میں کودے تو دارالعلوم دیوبند کی تدریسی خدمات (جو تمام تر اعزازی تھیں) سے علیحدگی اختیار کرکے آئے۔ تدریس بہ ذاتِ خود کوئی ناپسندیدہ کام نہیں ہے۔ ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ملت کی بہی خواہی میں ایسے موڑ آہی جاتے ہیں جب مدرسہ وخانقاہ کو چھوڑنا پڑتا ہے اور قلم وکتاب کی جگہ شمشیر وسنان کو ہاتھ میں لینا پڑتا ہے۔

صوبۂ یوپی میں مسرت کی لہر :

اُترپردیش میں جمعیت علما کا نظام عرصے سے مضمحل تھا۔ اس لیے مخلصین فکرمند تھے۔ جب مولانا اسعد مدنی صدارت کی مسند پر بیٹھے تو ان کا تردّد دور ہوا اور ریاست بھر میں اس انتخاب پر مسرت محسوس کی گئی، جماعتی صفوں میں جو انتشار واضمحلال پایا جاتا تھا۔ وہ دور ہوا۔ نئے کارکن پیدا ہوئے، پوری ریاست میں دینی تعلیمی بورڈ کی تنظیم پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی اور جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم ہونے لگیں۔

شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد ان کے متوسلین اور جمعیت علما کے وابستگان کی نگاہیں مولانا اسعد مدنی پر پڑنے لگی تھیں۔ ملک کے مختلف گوشوں سے ان کے پاس خطوط اور دعوت نامے آنے لگے، جن میں اس بات کی درخواست ہوتی کہ آپ ہماری بستی میں تشریف لائیں۔ مولانا ان پُرخلوص پیغامات اور دعوتوں کو کب تک ٹالتے، بالآخر ان کو وقت دینا پڑا۔ اب ملک میں مغرب سے مشرق تک اور شمال سے جنوب تک ان کے مسلسل دورے ہونے لگے۔ کہیں فساد کی خبر سن کر دوڑے جارہے ہیں تو کہیں مدرسوں کے جلسے میں یا سیرت پاک کے اجتماعات میں شرکت کے لیے جارہے ہیں۔

ریلوے کا نظام شاید مولانا اسعدؒ کے لیے بنا ہے :

ان کے مسلسل اور طویل اسفار کو دیکھ کر ایک بار دہلی کے ہفتہ وار ''پیامِ مشرق'' نے لکھا تھا :

''معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے کی لائنیں شاید مولانا اسعد مدنی ہی کے لیے بچھائی گئی ہیں۔''

کلکتہ اور راوڑکیلا کے فسادات :

کلکتہ اور راوڑکیلا فسادات ایک ہی نوعیت کے ہوئے تھے۔ ان فسادات نے ہندوستان کے مسلمانوں کو

جیسے ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ ایک بار پھر سوچنے لگے تھے کہ آیا ان کو ہندوستان میں رہنا ہے یا بالآخر ترکِ وطن کرنا ہی پڑے گا۔ مضبوط سے مضبوط ارادے رکھنے والا مسلمان بھی اپنی جگہ سے ہل گیا تھا۔

کلکتہ میں جس وقت فساد زوروں پر ہو رہا تھا، اتفاق سے میں دہلی میں تھا۔ جس دن مجھے اپنے وطن کے لیے روانہ ہونا تھا اسی دن شام کے چار بجے میں الجمعیۃ کے چیف ایڈیٹر مولانا عثمان فارقلیط سے ان کے آفس میں ملنے گیا۔ گفتگو کے دوران کلکتہ کے حالات بھی تذکرے میں آئے تو میں نے دیکھا کہ اسّی سال کا بوڑھا تپا تپایا اور آزمودہ کار صحافی بھی حالات کی نزاکت سے متاثر ہے۔ مجھے سفر بہر حال کرنا تھا، مگر راستے بھر افواہوں اور تشویش کا ماحول میرے گرد و پیش رہا۔ فساد بنگال کی سرزمین پر ہو رہا تھا، مگر اس کے اثرات پورے ملک میں پڑ رہے تھے۔

مولانا اسعد مدنی کندن بن گئے :

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مولانا اسعد مدنی میرٹھ کے ہنگامہ خیز اجلاس کے بعد جمعیت کے جنرل سیکرٹری بنائے جا چکے تھے اور اپنی کشتی مخالفتوں کے پرشور سمندر کے حوالے کر چکے تھے، جن حالات میں انھوں نے قیادت کا بوجھ اٹھایا تھا وہ اتنے صبر آزما تھے کہ دو چار دن بھی اپنی جگہ پر کھڑا رہنا بہ ظاہر ممکن نہ تھا۔ اندر اور باہر ہر طرف کش مکش تھی، کھینچا تانی تھی، بات کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ بہ قول مومن ....

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

جن پتوں کو تکیہ بنا تھا وہی ہوا دے رہے تھے۔ باپ کے شاگرد بیٹے کو للکار رہے تھے۔ جن نگاہوں سے پیار و محبت کی کرنیں پھوٹنی چاہیے تھیں وہ اسعد مدنی پر شعلے برسا رہی تھیں۔ دوست و احباب بے گانے ہو رہے تھے۔ الغرض حسینؒ کی اولاد کو آزمائش کی بھٹیوں میں تپایا جا رہا تھا۔ خدا کا کرنا کہ مولانا اسعد مدنی اس بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ کلکتہ راوڑ کیلا اور جمشید پور کے فسادات -- اس میں شک نہیں کہ مسلمانانِ ہند کے لیے انتہائی صبر آزما اور ہلاکت خیز ثابت ہوئے، مگر ان کا ایک فائدہ میرے نزدیک یہ ہوا کہ مولانا اسعد مدنی کی پرشکوہ قیادت ابھر کر ملک کے سامنے آ گئی اور شاید جمعیت کی صفوں میں پھیلا ہوا انتشار بھی جلد ختم نہ ہوتا، لوگ مولانا کو بحث کا موضوع بنا رہے ہیں اور یہی طے نہیں کر پا رہے ہیں کہ وہ جمعیت کی قیادت سنبھالنے کے اہل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ادھر وہ اپنا سر ہتھیلی پر لیے فسادات کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھسے جا رہے ہیں، راستے مسدود ہیں، فسادی چڑھے چلے آ رہے ہیں، نعرے بلند ہو رہے ہیں، ہزاروں بلوائیوں کا جلوس راستے میں ملتا ہے، جس کو دیکھ کر جیپ کا ڈرائیور جانے سے انکار کرتا ہے اور مولانا کہتے ہیں :

''میاں آگے بڑھو، ڈرتے کیوں ہو؟ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

ڈرائیور کہتا ہے راستہ بند ہے۔ تو کہتے ہیں :

''آخر راستہ کھلے گا کیسے؟ چلو آگے بڑھو، فلاں جگہ آج ہمیں قیام کرنا ہے''۔ توکل علی اللہ۔

کلکتہ کا فساد ذرا رمضان سے پہلے شروع ہو چکا تھا اور رمضان کا تقریباً پورا مہینہ مولانا اسعد مدنی نے بنگال میں ہی گذارا تھا۔ مولانا سید احمد ہاشمی ان کے ہم راہ ہوتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ افطاری کا کوئی انتظام ہوتا تھا نہ سحری کا، جہاں سانجھ وہیں بہان، جو کچھ میسر آیا کھالیا ورنہ ویسے ہی چل پڑے۔

مولانا اسعد نے مولانا حفظ الرحمٰن کی یاد تازہ کردی :

مولانا سید محمد میاںؒ بنگال کا فساد ختم ہونے کے بعد وہاں گئے تھے۔ اپنا سفر پورا کرنے کے بعد انھوں نے ایک مفصل بیان الجمعیۃ کو دیا تھا۔ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ ....

> ''مولانا اسعد مدنی نے مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کی یاد تازہ کردی۔ اگر ان کی جگہ پر دوسرا کوئی ہوتا تو بنگال میں ریلیف کا کام اتنے بڑے پیمانے پر نہ ہوتا، کیوں کہ وہ بنگالی زبان اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں، اس لیے بڑی خوبی کے ساتھ انھوں نے وہاں کے ستم رسیدوں کے مسائل کو سمجھا اور ان کی ترجمانی بھی کی۔''

جمعیت میں آنے کا پس منظر، مولانا اسعد مدنیؒ کی زبانی :

الجمعیۃ مؤرخہ ۲۰ رجولائی ۱۹۷۳ء میں مولانا سید اسعد مدنی کا انٹرویو چھپا تھا، جس میں انھوں نے بڑے درد اور کسک کے ساتھ کہا تھا :

> ''جمعیت علماے ہند پر ایک وقت ایسا آیا کہ ہمارے سر سے دو سال کے اندر اندر چار بزرگوں کا سایہ اُٹھ گیا، وہ تھے مفتی کفایت اللہؒ، والد صاحبؒ، مولانا آزادؒ اور مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ''۔

یہ چار ستون اچانک گر گئے۔ ان ہستیوں کے اُٹھ جانے پر ہر طرف مایوسی اور پریشانی کی لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں کے دلوں پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ ایک اتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا کہ اس کے پار کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ خاص خاص حلقوں میں پریشانی، تشویش اور تذبذب کا اظہار ہونے لگا اور آخر کار ایک ایسا دور آیا جس کا تذکرہ بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ جمعیت علماے ہند کا اپنا خاص کردار رہا ہے۔ وہاں عہدوں پر پہنچنے کے لیے پروپیگنڈہ اور کنویسنگ کو کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ یہ باتیں معیوب سمجھی جاتی رہی ہیں۔ لیکن وہ کردار مجروح ہوتا دیکھا گیا، پوسٹر لگائے

گئے، لٹریچر چھاپے گئے، پروپیگنڈہ اور کنویسنگ ہوئی، کیا کچھ نہیں ہوا؟ وہ سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرٹھ کے اجلاس کی تاریخ اس قسم کی داستانوں سے بھری پڑی ہے، جس کا تذکرہ کم از کم میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ چند ماہ کے قلیل عرصے میں جو مناظر دیکھے گئے وہ جمعیت کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب جمعیت کی ساکھ اور وجود کو قائم رکھنے کے لیے اللہ کا نام لے کر مجھے میدان میں آنا پڑا۔ اس وقت ناقابل بیان مصیبتیں سامنے آئیں۔ جن کا تذکرہ غم واندوہ سے بھرا ہوا ہے۔ بہ ہر حال اللہ کا احسان ہے کہ وہ سخت امتحان جھیلا، جمعیت علما انتشار، تذبذب اور موت وزیست کی کش مکش سے نکل کر اپنے وجود کو باقی رکھنے میں کامیاب ہوگئی۔''

اسی انٹرویو کے دوران مولانا نے کلکتہ، رواڑ کیلا اور جمشید پور کے فسادات کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کیا:

''۱۹۶۴ء میں کلکتہ کا فساد ہوا۔ میں خود ایسے وقت پہنچا جب آگ پوری طرح بجھی نہیں تھی اور لاشیں دفن نہیں ہو پائی تھیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے لاشوں کو دیکھا۔ ایسے کنویں دیکھے جو لاشوں سے پٹے ہوئے تھے۔ میں نے جلتے ہوئے مکانوں اور دکانوں کو دیکھا ہے۔ لاکھوں مسلمان اُجڑ کر خوف زدہ ہو کر پاکستان بھاگ جانا چاہ رہے تھے۔ اس وقت جمعیت علمائے ہند نے ان اُکھڑے ہوئے قدموں کو دوبارہ جمایا۔ ہم نے دو سو ستانوے دیہاتوں میں امن قائم کرایا اور ان دیہاتوں میں ریلیف کمیٹیاں قائم کرائیں، جمعیت ریلیف فنڈ سے سات سو مکانات بنوائے۔

کھیتی کرنے کے لیے بیج دیا گیا اور گورنمنٹ سے قرضے دلوائے۔ جن مسجدوں کو نقصان پہنچا تھا ان کی مرمت کرائی۔ ان سارے کاموں کے لیے پینتیس سیکٹر قایم کیے گئے۔ جہاں نو ماہ تک ریلیف ورک ہوتا رہا۔ رواڑ کیلا، جمشید پور کے فسادات اس کے چند ماہ بعد ہوئے۔ فساد کے دوسرے ہی دِن نندا جی (وزیر داخلہ) کو وہاں روانہ کیا اور میں بھی فوراً پہنچا۔ وہاں کے گروا نامی گاؤں میں شہید ہونے والوں کی تعداد آٹھ سو کے قریب تھی۔ گاؤں میں صرف بائیس نفوس بچے تھے۔ وہاں بائیس مکانات بنوا کر بائیس فیملی بنا کر ان کو آباد کیا۔ گورنمنٹ پر دباؤ ڈال کر پورے گاؤں کی زمین کو ان بائیس خاندانوں میں تقسیم کرایا۔ خدا کا شکر ہے آج وہ گاؤں آباد ہے اور ہر طرح ترقی کر رہا ہے''۔

انڈین پارلیمنٹ میں:

مولانا حفظ الرحمٰنؒ کی خصوصیت یہ تھی کہ پارلیمنٹ میں مسلم مسائل پر بے لاگ تقریریں کرتے تھے اور کسی

قسم کا تکلف نہیں برتتے تھے۔ اگرچہ وہ کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوکر ایوانِ پارلیمنٹ میں داخل ہوئے تھے، مگر کبھی انھوں نے بے جا دباؤ قبول نہیں کیا۔ جب کہ اکثر ممبران کا یہ حال ہوتا ہے کہ پارٹی کی وفاداری میں سب کچھ فراموش کر جاتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد پارلیمنٹ کے ایوان میں یوں تو مسلمان ممبران کئی ایک تھے، مگر حفظ الرحمٰنؒ جیسا کوئی نہیں تھا۔ سیاسی حلقے اس خلا کو بری طرح محسوس کر رہے تھے۔ جمعیت علمائے ہند نے آزادیٔ ہند کے بعد جہاں شہروں اور دور دراز دیہاتوں میں مسلمانوں کی جان و مال ہی نہیں، عزت وآبرو اور ان کا دین بھی بچانے کے لیے جدوجہد کی، وہیں اس نے ایوانِ حکومت میں ایسے نمایندے بھجوائے جنھوں نے اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا اور جبینِ اقتدار کی شکنیں ان کے ارادوں کو کبھی متزلزل کرسکیں نہ مصلحتِ وقت کے کانٹوں سے ان کا دامن الجھا۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جمعیت علما ۱۹۴۷ء سے قبل پارلیمانی سیاست میں کھل کر حصہ لیا کرتی تھی، مگر حصولِ آزادی کے بعد جب حکومت نے سیکولر جمہوریت کو اپنانے اور اسی کے مطابق نظامِ حکومت کی تشکیل کرنے کا فیصلہ کیا، اسی وقت جمعیت علمائے ہند نے جماعتی حیثیت سے پارلیمانی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ مگر مسلمانوں کی نمایندگی کا ایک بہترین فارمولا یہ اختیار کیا کہ اپنے آزمودہ کار افراد کو مرکزی وصوبائی حکومتوں کے ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ و دھان سبھا) میں سیاسی جماعتوں کے پلیٹ فارم سے بھیجتی رہی۔ کوئی کانگریس کا ممبر ہوتا تو کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ پارٹی کا۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ طریقہ اب بھی اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں اجلاس ''گیا'' میں مولانا سید حمید الدین نے اپنے ایک بلیغ جملے میں اس پالیسی پر کیسا اچھا تبصرہ کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا :

''جمعیت علما کی سب سے بڑی سیاست یہ ہے کہ وہ سیاست میں نہیں ہے۔''

۱۹۶۲ء میں مولانا حفظ الرحمٰنؒ کا انتقال ہوا، اس وقت سے لگاتار ۱۹۶۷ء تک انڈین پارلیمنٹ میں ایک سناٹا سا چھایا رہا اور وہاں مسلم مسائل اور فرقہ وارانہ فسادات پر تنہا مولانا اسحاق سنبھلی آواز اٹھاتے رہے۔ مولانا اسعد مدنی سے جب بھی کہا گیا کہ آپ پارلیمنٹ کی ممبری قبول کرلیں تو انکار کر دیتے۔ ناز انصاری- ایڈیٹر ''الجمعیۃ'' نے روزنامہ الجمعیۃ- دہلی کے اجلاس عام مؤرخہ ۵؍مئی ۱۹۷۲ء کے صفحہ نمبر ۲۷ پر لکھا ہے کہ ......

''مجھے یاد ہے کہ ایک دن وہ (مولانا اسعد مدنی) فخر الدین علی احمد صاحب کی عیادت کے لیے ولنگڈن نرسنگ ہوم جا رہے تھے، میں بھی ساتھ ہوگیا۔ وہاں سے واپسی کے وقت میں نے

از خود اس کا ذکر چھیڑا اور اس کی تصدیق چاہی کہ یہ بات کہاں تک ٹھیک ہے کہ آپ کو مظفر نگر کے پارلیمانی حلقے سے ٹکٹ دینے کی پیش کش ہے؟ تو مولانا صاحب نے بڑی بے نیازی سے یہ کہہ کر بالواسطہ طور پر تصدیق کردی کہ یہ انتخابات وغیرہ کے چکر میں پڑنا ہمارے بزرگوں کی روایات کے خلاف رہا ہے۔ میں نے فوراً عرض کیا کہ آپ کے اور مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے خیالات ایک ہی تھے اور وہ بھی اولاً یہی خیال رکھتے تھے۔ مگر جب سردار پٹیل نے دلّی کے فسادات کے دوران مرنے والے مسلمانوں کی تعداد پارلیمنٹ میں غلط بیان کی اور انھیں باہر سے چیلنج کرنا پڑا تو انھیں بھی اس بات کا احساس ہوا کہ پارلیمنٹ میں ہونا کتنا ضروری ہے''۔

ناز انصاری نے اسی مضمون میں آگے چل کر لکھا ہے کہ :

''آخر ۱۹۶۸ء میں متعدد حلقوں اور شخصیتوں کے اصرار پر اور حالات کے تقاضوں کے تحت وہ راجیہ سبھا کا الیکشن لڑنے کے لیے تیار ہوئے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے وہ کمی بھی پوری کردکھائی جو مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے انتقال سے پارلیمنٹ میں پیدا ہوگئی تھی۔ ان کی تقریریں پارلیمنٹ ریکارڈ کا ایک حصہ ہیں اور کوئی بھی ان کے مطالعے کے بعد یہ کہے بغیر نہیں رہے گا کہ مولانا اسعد میاں وہاں نہ ہوتے تو ملک کے منتخب نمائندوں کے سامنے......جن کے روبہ رو مرکزی حکومت بھی جواب دہ ہے، مسلمانوں کے مسائل کبھی اس طرح سے نہ آتے اور باہر سے وہ لاکھ ڈھول پیٹتے اس کا کوئی اثر نہ ہوتا''۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی پارلیمنٹ میں اہم تقریروں کے اقتباسات :

۱۵/مارچ ۱۹۷۲ء کو انھوں نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ :

''پریسیڈنٹ صاحب نے گزشتہ ایڈریس میں لا اینڈ آرڈر کے استحکام کی طرف اور کسی تقریر میں فوجی سطح میں فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی اور ہماری قومی حکومت کی رہ نمائی فرمائی تھی۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے کہ فسادات کا سلسلہ اب بھی ختم نہیں ہو رہا ہے اور بدقسمتی سے پرانی روایات اور فرقہ پرستی کی دہشت ناکی جاری ہے اور حکامِ ضلع غفلت شعاری اختیار کرتے ہیں، جس سے غنڈہ عناصر میں اس طرح سے من مانی کرنے کی چھوٹ مل جاتی اور مظلوموں کا خون سستا ہو جاتا ہے۔ اگر پولیس کے خلاف ایکشن

لیا جائے اور یہ طے ہو جائے کہ مجرم نہیں چھوڑے جائیں گے اور سسپنڈ کر کے تحقیقات کرائی جائے تو یہ چیز رُک سکتی ہے، لیکن اگر پولیس کو چھوڑا جائے، سی آئی ڈی والے چھوڑ دیئے جائیں، ان کی رپورٹ نہ آنے کی وجہ سے کچھ نہ ہو اور مجرموں کو سزا نہ دی جا سکے تو ایسی صورت میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک میں راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ نیم فوجی جماعت موجود ہے اور اس کا خطرناک لٹریچر ہے اور وہ ٹریننگ دیتے رہیں اور حکومت پابندی نہ لگائے تو ان حالات میں ملک میں لاء اینڈ آرڈر اور امن قائم نہ ہو سکے گا''۔

۲۲ رفروری ۱۹۷۳ء کو راجیہ سبھا میں صدر کے شکریے کی قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے پھر انھوں نے بڑی بے خوفی کے ساتھ ان الفاظ میں فسادات کے خلاف آواز بلند کی :

''فرقہ وارانہ جذبات رکھنے والے بھی پولیس میں گھس گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمان داری سے ادا نہیں کرتی، بلکہ وہ ایسے کارنامے برابر انجام دے رہی ہے جس سے جانور اور درندے بھی شرما جائیں''۔

اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ :

''ایک بات میں اپنی ہوم منسٹری سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ بتائے کہ کتنے فسادات میں افسران ذمہ دار ہیں؟ کتنوں کو سزا دی گئی یا کتنے ایسے ہیں جن کے متعلق کچھ کہا گیا ہو؟ کتنے ایسے ہیں جن کی ترقی روکی گئی؟ کیریکٹر رول ان کے خراب کیے گئے۔

میری یہ درخواست ہے کہ حکومت اس بات پر غور کرے اور اس کے لیے اسپیشل فورس بنائے، کیوں کہ جو صورت حال ہے اس میں موجودہ فورس بالکل فیل ہو چکی ہے۔ اس قسم کے ہنگاموں کو روکنے کے لیے اسپیشل فورس بنے اور اسے ہر طرح کی چیزیں ہیلی کوپٹر وغیرہ دینا چاہیے، جس سے وہ منٹوں میں پہنچ کر مقامی افسروں سے پولیس سے چارج لے کر حالات پر قابو کرے۔ اس کے لیے کانسٹی ٹیوشن میں ''امینڈ منٹ'' کرنا پڑے، سینٹر کو اختیارات دینے کے لیے تو وہ بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس ملک کے لوگوں کی جان و مال عزت اور آبرو کو بچانا ضروری ہے''۔

چند اہم خدمات :

مولانا نے مختصر سے زمانے میں شب و روز منہمک رہ کر جس طرح دین و ملت کی خدمت کی ہے کوئی دوسرا

ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ حقیقتاً مولانا کی بے شمار خدمات کا احاطہ ممکن بھی نہیں ہے ....

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک آدمی میدانِ سیاست میں ہے تو بس اسی کا ہو رہتا ہے، پھر کسی اور طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ مگر مولانا مدنی نے جس طرح دینی خدمت کے میدان میں بے مثال جدوجہد کی اسی طرح سیاسی حلقوں میں بھی اپنی سوجھ بوجھ کا سکہ جمایا۔ مولانا جب پارلیمنٹ میں داخل ہوئے تو انھوں نے پہلی فرصت میں ایک ایسی لابی (حلقہ) تیار کی جو فرقہ پرستوں کو دندان شکن جواب دے سکے اور ہندوستان جلد اس لعنت سے نجات پائے۔ مولانا اپنے اس ارادے میں کامیاب بھی ہوئے۔

آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ مولانا کے ممبر ہونے سے قبل پارلیمنٹ میں ایک دو ہی ممبر ایسے تھے جو مسلمانوں کی مظلومیت پر کچھ کہا کرتے تھے۔ مگر اب یہ حال ہے کہ ہاؤس میں ایسے کتنے ہی ممبران ہیں جو کھل کر مسلمانوں کی حمایت کرتے ہیں، فسادات کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور اردو کے ساتھ انصاف کی اپیل کرتے ہیں۔

مولانا کی گونا گوں خدمات کو دیکھ کر بیرونی ممالک کے اربابِ بصیرت رشک کرتے ہیں اور مولانا کی شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، مگر افسوس کہ خود مولانا کے وطن میں مولانا کے پیام کو سمجھنے والے کم ہی لوگ ہیں۔

حال ہی میں عراق کے سفیر نے ایک مجلس میں کہا :

''اگر مولانا مدنی ہمارے ملک میں ہوتے تو ان کی وہاں بے حد قدر کی جاتی''۔

یہ ہندوستان کے مسلمانوں اور خود اس ملک کی خوش نصیبی ہے کہ یہاں مدنی خاندان مقیم ہے اور موجودہ دور کے مسلمانوں کو مولانا مدنی جیسا مخلص، مدبر اور فعال رہنما ملا۔

مسجد عبدالنبی :

نئی دہلی ہندوستان کی راجدھانی ہے۔ جہاں مرکزی حکومت کے دفاتر، بیرونی ممالک کے سفارت خانے اور کئی سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں کے مراکز قائم ہیں۔ البتہ یہاں مسلمانوں کی کسی جماعت کا کوئی دفتر ۱۹۶۴ء سے پہلے نہ تھا۔ مولانا نے جمعیت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی یہ فیصلہ کیا کہ جمعیت کا مرکزی دفتر نئی دہلی میں منتقل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کام کی بہترین صلاحیت دی ہے۔ کسی اجتماع میں انھوں نے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا :

''کام کرو، چندہ بازی کی فکر ابھی سے مت کرو، کام کرو گے تو پیسہ خود آئے گا۔''

حقیقت یہ ہے کہ ان کا ابتدا سے یہی حال رہا ہے، کبھی پیسے کی پرواہ نہیں کی۔ مسجد عبد النبی -- جس کی تاریخ بڑی شان دار ہے، سیکڑوں سال سے غیر آباد پڑی ہوئی تھی، صحن میں گھاس اُگی ہوئی تھی اور بڑے بڑے درخت نکل آئے تھے۔ جا بجا غار تھے جن میں جانور بسیرا کر لیتے تھے اور کوئی آدمی اس میں جانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ مولانا نے اس مسجد کو آثارِ قدیمہ سے حاصل کر کے صفائی ومرمت کرائی۔ حیرت ہوتی ہے کہ چند ہی ہفتوں کے اندر کس طرح مولانا نے اس کی ہیئت بدل ڈالی۔ آج اس مسجد کو دیکھو تو اندازہ نہیں ہوتا کہ چند ہفتوں میں اتنا کام ہوا ہوگا۔ مسجد کے وسیع احاطے میں دورویہ کمرے ہیں، جن میں جمعیت علمائے ہند کا مرکزی دفتر اپنے تمام لوازمات کے ساتھ مصروفِ کار ہے۔

ذرا تصور تو کیجیے اور آج کی مسجد عبد النبی کے گرد وپیش کے ماحول کا جائزہ لیجیے۔ پریس ایریا وہیں ہے۔ بڑے بڑے انگریزی اخبارات، اردو کا ''تیج'' اور ''ملاپ'' وہیں سے شائع ہوتے ہیں۔ سامنے ہی مرکزی انکم ٹیکس کا دفتر ہے۔ تھوڑی ہی دور سپریم کورٹ ہے۔ مولانا آزادؒ میڈیکل کالج بھی قریب ہی ہے اور اس کے عقب میں حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کی ابدی آرام گاہ ہے۔ اس پورے ماحول میں ایک بلند ٹیلے پر قدیم وضع کی مسجد جس کو 'ملا عبد النبی'' نے ۱۵۷۵ء میں بنوایا تھا اور جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں کبھی نماز نہیں پڑھی گئی، آج سر اٹھائے کھڑی ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کو دعوت دے رہی ہے کہ اپنی تمام وضع داریوں اور روایات کے ساتھ تمھیں بدلتے ہوئے ہندوستان میں اسی طرح سینہ تان کر چلنا چاہیے۔

آج یہ مسجد زبانِ حال سے یہ بھی کہہ رہی ہے کہ میں سیکڑوں سال سے غیر آباد پڑی ہوئی تھی اور میری محراب میں مٹی کا ایک دیا بھی جلانے والا کوئی نہ تھا۔ مگر ایک اللہ والے (مولانا اسعد مدنی) نے میری بے بسی اور بے رونقی پر ترس کھا کر میری حالت بدل دی اور اب میرا حال ماضی سے بہتر ہے، بلکہ قابلِ فخر ہے۔ مسجد عبد النبی یہ پیام بھی دے رہی ہے کہ مسلمان اگر چاہیں تو اسی طرح اپنے گذشتہ دورِ ظلمت کو جدید ترقیات سے ہم کنار کر سکتے ہیں اور ظلماتِ شبِ غم کو انوارِ سحر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔

مسلم فنڈ :

مسلم فنڈ کی تحریک مولانا ہی کے ذہن کی اختراع ہے۔ اس فنڈ نے مسلمانوں کو آزاد ہندوستان میں کام کرنے اور ترقی کرنے کا شعور بخشا ہے۔ سب سے پہلے دیوبند میں مولانا نے اس کام کا آغاز کیا، جہاں اب لاکھوں رُوپے سالانہ جمع ہوتے ہیں اور آسان شرائط پر ضرورت مندوں کو لاکھوں رُوپے بہ طورِ قرض دیئے جاتے ہیں۔

مغربی یو پی میں اس کی شاخیں بہت ہیں۔

جمعیت علما کی کسی مجلس میں ''مسلم فنڈ'' پر گفتگو ہو رہی تھی۔ مغربی یو پی ہی کے کسی صاحب نے ایک قصبے کا قصہ سنایا کہ وہاں جب سے فنڈ قایم ہوا ہے اور مسلمان بلا سود قرض لے کر اپنی اقتصادی ضروریات پوری کرنے لگے ہیں مقامی بنیوں کی حالت خراب ہوگئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک سود خور نے تو حاکم کے پاس درخواست دے رکھی ہے کہ جمعیت علما والوں نے ہماری روزی ماردی۔

جمہوری کنونشن :

مولانا نے فرقہ پرست طاقتوں کو کم زور کرنے اور مسلمانوں کو حوصلہ مند بنانے کے لیے ۱۹۶۴ء میں دہلی میں جمہوری کنونشن کے نام پر ایک اجتماع بلایا تھا۔ اس کنونشن میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں سب کو شرکت کی دعوت دی گئی اور ہندوستان کے ہر گوشے سے مندوبین آکر شریک ہوئے۔ اس کنونشن کا انعقاد فرقہ واریت کے لیے ایک چیلنج تھا۔

انگریزی پریس :

علما اور دین دار طبقے کو ہمیشہ مطعون کیا گیا کہ یہ لوگ زمانے کے تقاضوں کو نہیں سمجھتے اور قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ حالاں کہ علما نے برابر اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کو زیادہ سمجھتے ہیں اور جو بھی مفید چیز سامنے آئی اس سے مسلمانوں کو انھوں نے کبھی نہیں روکا بلکہ اس کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔

علماء پر جہاں اور بہت سے الزامات لگائے گئے وہیں ایک الزام یہ بھی رکھا گیا کہ انھوں نے انگریزی زبان کی مخالفت کی۔ حالاں کہ یہ سراسر اتہام ہے۔ مولانا جعفر تھانیسریؒ نے، جنھیں ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے عبور دریائے شور کی سزا دی تھی، اپنی تصنیف ''کالا پانی'' میں لکھا ہے کہ

> ''میں نے وہاں اس قدر انگریزی زبان سیکھ لی تھی کہ عدالتوں میں پیش کرنے کے لیے بلا تکلف انگریزی زبان میں لوگوں کی درخواستیں لکھ دیا کرتا تھا اور انگریزی کتابوں کا بہ سہولت مطالعہ کر لیتا تھا''۔

انگریزوں کی آمد کے معاً بعد کا یہ واقعہ ہے اور اس وقت کے ایک ایسے عالمِ دین کا یہ ذوق بیان کیا جا رہا ہے جو انگریزوں کے دشمن تھے۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ علما انگریزی زبان کے مخالف تھے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ علما نے اس وقت یہ اندازہ فرمایا اور صحیح فرمایا کہ مسلمان اب محکوم ہے، ایسا نہ ہو کہ انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ

انگریزوں کا مذہب اور تہذیب بھی اختیار کرلے، اس لیے انھوں نے احتیاط کی راہ اختیار کی۔ ان ہی مولانا تھانیسریؒ نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے:

''انگریزی کتابوں کے مطالعے کا مجھ پر یہ اثر پڑا کہ نوافل تو نوافل فرائض کی ادائیگی میں بھی مجھ سے کوتاہی ہونے لگی''۔

ایک عالم اور مجاہد پر جب اس زبان کا یہ اثر ہوسکتا ہے تو ہما شما کا کیا حال ہوسکتا ہے؟ اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے اگر ہم مان بھی لیں کہ علما نے اس زمانے میں انگریزی سے روک کر غلطی کی، مگر آج جب وہ کہتے ہیں کہ مسلمان انگریزی اخبار نکالیں تو مسلمان ان کی یہ بات کیوں نہیں مانتا۔ اب سے تقریباً بارہ سال(۱) قبل مولانا اسعد مدنی نے ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو دعوت دی اور کہا کہ آؤ مل جل کر ایک انگریزی اخبار کی بنیاد ڈالیں۔ لوگ جمع ہوئے، بڑے بڑے ماہرینِ تعلیم، صنعت کار اور صاحبان ثروت بیٹھے، مشورہ ہوا۔ ہمایوں کبیر مرحوم نے دل چسپی لی۔ اس وقت ان حضرات نے مولانا سے کہا کہ آپ اپنے حلقۂ اثر سے پہلے کچھ رقم حاصل کر کے جمع کریں، پھر ہم لوگ باقی کمی پوری کرلیں گے۔

مولانا کی ایک عادت مجھے بہت پسند ہے وہ یہ کہ ٹال مٹول کسی کام میں انھیں پسند نہیں۔ جو کام کرنا ہے فوراً کریں گے۔ میں بلا جھجک عرض کروں گا کہ مجھے کام کا جو حوصلہ اور اُمنگ ملی وہ سب مولانا ہی کی دَین ہے۔ مجھے گوشۂ گم نامی سے نکال کر عمل کی شاہ راہ پر انھیں نے ڈالا ہے۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ ملت کی فلاح و بہبود کا ہر چھوٹا بڑا کام کرنے کے لیے بلا پس و پیش تیار ہیں تو میں ان کے پیچھے ہولیا اور اب ان کے زیر سایہ رہ کر کام کرتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوں، جہاں آفتاب کی تمازت آپ سے آپ ختم ہوجاتی ہے۔

بہرحال مولانا نے اس اجتماعی فیصلے کے مطابق جس کا حوالہ اوپر دیا جاچکا ہے، ہندوستان کے چند صوبوں کا دورہ کیا اور ایک لاکھ سے زائد رقم لا کر جمع کردی۔ لیکن افسوس کہ روشن خیال اور بالغ نظر حضرات کو آج تک توفیق نہیں ہوئی کہ ملت کی اتنی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قدم آگے بڑھاتے۔ مولانا کا یہ دورہ واقعی ایک طوفانی دورہ تھا۔ ایک ایک دن میں پانچ پانچ چھ چھ جلسوں میں تقریر کرنا آسان نہیں ہے۔ اس کو وزیروں کے دورے پر قیاس نہ کیجیے کہ ان کو ایسے دوروں میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ مولانا نے اس دورے میں کئی ہزار میل کا سفر کیا۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اسی ملک

میں ایسی قومیں بھی موجود ہیں جن کا ایک فرد اپنے پیشوا کو لاکھوں کی رقم اٹھا کر دے دیتا ہے اور پلٹ کر پوچھتا بھی نہیں کہ وہ کہاں گئی۔ مگر ہماری بھی ایک ملت ہے جو دیتی کم ہے مگر احتساب زیادہ کرتی ہے۔

رویتِ ہلال کانفرنس :

مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کو اختلافات کی دلدل سے نکالنے کے لیے جہاں دوسری بہت سی تجاویز کو بروئے کار لانے کی کوشش کی وہیں ۱۴/اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ''ایوانِ غالب'' دہلی میں کل ہند پیمانے پر رویت ہلال کانفرنس کر کے ملک بھر کے علما کو ایک نقطے پر جمع کر دیا اور مسلمانوں کو سر پھٹول سے بچانے کی سعی کی۔

مباحثِ فقہیہ :

فقہی مسائل کو اجتماعی ڈھنگ پر حل کرنے کے لیے جمعیت علمائے ہند کے زیرِ انتظام ۱۹۷۰ء میں ایک ادارہ ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے نام سے قائم کیا جو برابر کام کر رہا ہے۔(۲)

عرب حمایت کنونشن :

عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر عربوں کی حمایت میں دہلی میں ۲۵/نومبر ۱۹۷۳ء کو ''عرب حمایت کنونشن'' بلایا۔ اس کنونشن میں عرب ملکوں کے نمائندے بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ جنھوں نے مولانا کا ان کوششوں کے لیے شکریہ ادا کیا جو انھوں نے عربوں کی تائید کے سلسلے میں کیں۔

عازمین حج کی امداد :

سعودی حکومت نے ۱۹۷۵ء میں عازمینِ حج پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی تھیں، جس کی وجہ سے ہندوستان کے عازمینِ حج بڑی اُلجھن محسوس کر رہے تھے۔ ان رکاوٹوں اور پابندیوں میں نرمی لانے کا مطالبہ حکومت ہند نے بھی کیا تھا، مگر سعودی حکومت اپنے فیصلوں پر ڈٹی رہی۔ بالآخر حضرت مولانا اسعد مدنی حجاز تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کے ذمے داروں سے مل کر عازمینِ حج کی دشواریاں بیان کیں۔ سعودی حکومت نے مولانا کی تجویز کے عین مطابق فوری طور پر فیصلہ کیا کہ تیس ریال یومیہ خرچ کرنے کی شرط واپس لی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حاجی صاحبان جہاں چاہیں قیام کریں۔ پہلے ان کے لیے سیکٹر قائم کیے گئے تھے جو پریشانی کا باعث تھے۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ مقررہ ایام سے زیادہ کوئی رُک نہیں سکتا۔ اس میں بھی نرمی پیدا کی گئی۔ اسی طرح اللہ کے

فضل سے مولانا کی مداخلت اور مساعی سے ہندوستان کے ہزاروں عازمین حج کو راحت ملی۔ (۳)

مدارسِ اسلامیہ کی سرپرستی :

ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مدارس سے مولانا کا قلبی تعلق ہے، ان کے مسائل سے انھیں گہری دل چسپی ہے، ان کی بقا و ترقی کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

چند سال قبل حکومت ہند نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ عربی مدارس کے طلبا کو ریلوے کے رعایتی ٹکٹ کی سہولت دینا موقوف کر دیا جائے گا۔ بہت سے لوگوں کو اس کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی اور ادھر مولانا نے وزیر اعظم سے ملاقات کر کے کہا کہ

''یہ مدارس وہ ہیں جنھوں نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں نمایاں حصہ لیا ہے، لہٰذا ان کو اس رعایت سے محروم نہ کیا جائے۔''

چنانچہ وزیر اعظم نے یہ رعایت بحال رکھی اور مدارس کے غریب طلبا بہ دستور اس رعایت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا کی چند اہم بنیادی خدمات کے مختصر تذکرے پر اس احساس کے ساتھ ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں .... ؎

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چینِ بہار تو زِ داماں گلہ دارد

حواشی :

۱۹۷۸ء سے کچھ پہلے لکھی گئی ہے۔ اس لیے بارہ سال پہلے سے مراد ۱۹۶۵ء کا قرب ہے۔ (شریفی)

(۲) جمعیت علمائے ہند کے اس شعبے سے بعض ایسے جدید مسائل کا حل نکالا گیا جس میں تا حال پاکستان کے علما و مفتیانِ کرام خاموش ہیں۔ مثلاً حج کے جدید مسائل کا حل جمعیت کے اسی شعبے سے پیش ہوا۔ اس سلسلے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مسترشد امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے نواسۂ محترم مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری زید مجدہٗ کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ (شریفی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۵
امیر الہند فدائے ملتؒ
اعزہ واقرباء کی نظر میں

امیر الہند فدائے ملتؒ کی یادوں، شفقتوں، محبتوں اور سیرت وسوانح پر اکابر، مشائخ، ادیبوں اور اربابِ فضل نے بہت کچھ لکھا، حضرتؒ کے قریبی اعزہ اور رشتہ داروں نے بھی اس میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کیا اور عمدہ مضامین لکھے، چند ایک نذرِ قارئین ہیں جس سے حضرتؒ کی عظمت و محبوبیت اور ہر دلعزیزی کی ایک جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی

عزم واستقلال کا کوہِ گراں

حضرت بھائی صاحبؒ کی زندگی کی ایک بڑی اہم، بڑی قابل قدر اور بہت انوکھی خصوصیت تھی کہ خدا نے ان کو عزم وہمت اور حوصلہ کا پہاڑ بنایا تھا، جب انہوں نے ارادہ کرلیا تو کوئی طاقت ان کو اس ارادے سے ہٹا نہیں سکتی تھی، خوب سوچ سمجھ کر کسی موقف کو اختیار کرتے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالتے اور اس کے بعد اس پر جم جاتے تھے اور جمتے تھے تو پہاڑ کی طرح جمتے تھے، لوگ بڑے دلائل کو پیش کرتے تھے لیکن مولانا ہر ایک کی دلیل کو توڑ دیتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

ملک وملت بچاؤ تحریک

۱۹۷۹ء کے اندر ملک کی آزادی کے بعد لٹے پٹے فسادات کی وجہ سے تباہ حال مسلمانوں کی طرف سے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آپ نے ایک آواز اٹھائی کہ ہم فسادات کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، ہندوستان میں ملک کی تقسیم کے بعد اقلیت اور ایسی اقلیت جو ہزاروں فسادات میں کچل دی گئی ہو حوصلہ پست کردیا گیا ہو، کیا وہ اس حیثیت میں ہوگی کہ فرقہ پرست طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر یہ کہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی، مجھے خوب یاد ہے کہ قاضی عدیل عباسی اور دیگر لوگوں نے آپ کو خطوط بھیجے، ٹیلی فون کا تو اس وقت رواج نہیں تھا کہ مولانا یہ کیا کررہے ہیں، ملک کے تقسیم ہوجانے کے بعد اب آپ مسلمانوں کو خودکشی پر مجبور کررہے ہیں؟ کیا مسلمان اس حیثیت میں ہے کہ وہ جیل بھرو تحریک چلائے؟ مولانا نے جواب دیا "یا تو عزت کے ساتھ قوم زندہ رہے گی یا پھر ذلت کی زندگی سے قوم کا مرجانا بہتر ہے" اور اس رائے پر مولانا پہاڑ کی طرح جم گئے، کسی قائد کی انتہائی دوربینی اور خصوصیت یہ ہے کہ وقت کو دیکھ کر فیصلہ کرے اور فیصلہ مضبوطی کے ساتھ کرے، اور اس پر جم جائے کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ حالات کیا چل رہے ہیں اور کیا ہورہا ہے؟ مگر چوں کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی تھی اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم پر اور وہ پلیٹ فارم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اور ان کے شیخ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے شاگرد حضرت شیخ الاسلامؒ کا تھا، آپ اس پلیٹ فارم پر تھے، پورے ہندوستان سے لوگ آپ کا ساتھ دیتے تھے، یہ خدا کی نصرت ہے کہ ہم جیل میں تھے اور جیل میں ہم لوگوں نے خبر سنی کہ مرارجی گورنمنٹ گرگئی یعنی پچیس دن پہلے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا وہ گورنمنٹ گرگئی۔ میں نے کہا کہ کسی قائد کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھ کر کہ کشتی کدھر جارہی ہے انتہائی دانائی کے ساتھ فیصلہ کرے اور پھر اس پر جم جائے، ایسا

بار ہا ہوا کہ سارے سیاسی لوگ ایک طرف، اور حضرت کی رائے ایک طرف، بعد میں بات سمجھ میں آئی کہ اس سے بہترین کوئی وقت نہیں ہوسکتا تھا اور اس سے بہترین کوئی تحریک نہیں ہوسکتی تھی، اللہ نے اس کے اندر کامیابی دی، قوم کا معیار بڑھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی آزادی کے وقت مسلمان کھڑا ہوا تھا ایسے دوراہے پر جہاں اس ملک میں مسلمان کے وجود کا مسئلہ تھا، ہم نے تیس سال سے جو سفر کیا اور جدوجہد کی ہم اب وجود کے مسئلہ سے نکل گئے، اب تو ہمارے وجود کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اب تو ہمارے مطالبات ہیں کہ ہمارا حق دو، جمعیۃ علماء کی اس تحریک نے مسلمان کے معیار کو بلند کر دیا۔ ہم اس ملک کے اندر اتنا لٹنے کے بعد، اتنا پٹنے کے بعد، فسادات میں پسنے کے بعد، ہمارے وجود کا یہ ثبوت ہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، یہ حضرت مولانا کی دین ہے اور ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔ مرارجی حکومت گئی اس کے بعد اندراجی آئیں، پھر وہ بھی چلی گئیں، پھر اس طرح کانگریس کا دور رہا اور نرسمہاراؤ آ گئے نرسمہاراؤ کا دور بھی اس ملک کے لیے کانگریس کے لیے بڑا بدبخت دور تھا۔

۲۱/ لاکھ دستخط والی تحریک

حضرت نے یہ بات ورکنگ کمیٹی کے دوران کہی کہ ملک میں اندراجی کے قتل پر سکھ مخالف فساد ہوا، مرنے والوں کو پانچ پانچ لاکھ معاوضہ دیا گیا۔ مسلمانوں کی اول تو رپورٹ نہیں لکھی جاتی، جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مرنے والوں میں ہے یا نہیں، پچاس مرتے ہیں ان میں سے دس بیس کی رپورٹ درج ہوتی ہے تو بہت احسان کیا، مرنے والے کو دولاکھ روپئے دے دیئے، تو حضرت فرماتے تھے کہ جس طرح فساد میں مرنے والے سکھوں کو معاوضہ دیا گیا ہے وہی معاوضہ فساد میں مرنے والے مسلمانوں کو دیا جائے، اور دوسری بات یہ کہتے تھے کہ چونکہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو منصوبہ بنا کر سیاسی میدان میں، معاشی میدان میں، ہر میدان میں پیچھے کیا گیا ہے، اس لیے آبادی کے حساب سے انہیں ریزرویشن ملنا چاہئے۔ جب جب ورکنگ کمیٹی ہوتی تھی اسے مدلل اور مبرہن کرتے رہتے تھے، آخر کار یہ بات آئی کہ ایک تحریک چلائی جائے اور پرامن تحریک ہو کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ میمورنڈم وزیراعظم اور صدر جمہوریہ کو پیش کیا جائے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ ملک اس بدبختی کے دور سے نکلا اور نرسمہاراؤ کی گورنمنٹ چلی گئی، اور بھاجپائی گورنمنٹ آ گئی، اگر ابتدا میں جہاں سے سفر شروع ہوا اس وقت بھاجپا کی گورنمنٹ ہوتی، تو ہوسکتا ہے کہ مولانا کے اندر یہ جوش پیدا نہ ہوتا لیکن جوش ان میں یہ تھا کہ کانگریس کی گورنمنٹ ہے اور مسلمان تباہ ہو رہا ہے، جن کے شانہ بشانہ چل کر ہم نے ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دی ہیں، ان کے وقت میں اگر ایسا ہو رہا ہے تو کیوں ہو رہا ہے؟ لیکن مولانا فرماتے تھے ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمارے مطالبات ہیں، ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں اور ہمارے یہ حقوق دستوری ہیں، اقتدار کی کرسی پر کوئی بھی بیٹھے، ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمیں اپنے حقوق کے لیے لڑتے رہنا ہے کوئی بھی کرسی اقتدار پر آ کر بیٹھے، چنانچہ مولانا نے تحریک چلائی ہمیں کوئی تجربہ نہیں تھا ملک کی آزادی کے بعد

مسلمانوں کی طرف سے کسی ملی مسئلہ پر یہ پہلی تحریک تھی کہ دستخطی مہم چلاؤ، چنانچہ آپ کو حیرت ہوگی کہ مولانا نے ایک وقت کا تعین کر دیا اور جتنے یونٹ تھے ملک کے، سب کو متحرک کر دیا اور تقریباً پانچ مہینے میں اکیس لاکھ دستخط کرائے، اور ہر طرف سے مطالبہ تھا کہ دو مہینے کی اور مہلت دید یجئے، اگر مہلت دے دیتے تو یہ دستخط پچاس لاکھ ہو جاتے، ان دستخطوں کے ساتھ جا کر میمورنڈم صدر جمہوریہ کو پیش کیا، میں کہتا ہوں کہ کچھ بھی ہوا کامیابی یا ناکامی تو خدا کی طرف سے ہے، ہم لوگ دنیا میں رہتے ہیں یہ دار الاسباب ہے، یہاں رہ کر ہم نے اسباب کو اختیار کیا، ہوسکتا ہے دنیا یہ کہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں سو فیصد کامیابی ہے۔ جمعیۃ علماء نے سب سے پہلے رزرویشن کے مسئلہ کو اٹھایا تھا، ۱۹۹۹ء کا قصہ ہے آج پورے پانچ سال ہوئے ہیں اس مطالبہ نے اتنی قوت اختیار کی ہے کہ آج ہر پارٹی، بھاجپا اور کمیونسٹوں کے علاوہ، ملک کی ہر سیاسی پارٹی، چاہے وہ علاقائی ہو اور چاہے وہ مرکزی ہو، مسلمانوں کے ریزرویشن کی بات کرتی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کیرالا کے اندر ریزرویشن گورمنٹ نے دیا، کرناٹک میں گورنمنٹ نے ریزرویشن دیا، حیدرآباد کے اندر ریزرویشن گورنمنٹ نے دیا، لیکن چونکہ فرقہ پرست حکومت نے عدلیہ کے اندر فرقہ پرست افراد کو بیٹھا دیا ہے، اس لیے کورٹ کے اندر آ کر اس کو کالعدم قرار دے دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مہاراشٹر کے اندر بات طے ہو چکی تھی اور چند دنوں کے بعد اعلان ہونے والا تھا یہ مولانا کی دین ہے، حضرت نے مطالبات کو اتنا بڑھایا اور دلائل کو اس انداز سے رکھا کہ جو بھی گورنمنٹ آئے گی وہ یہی کہے گی کہ ہم رزرویشن دیں گے۔

بھرپور احتجاج

ورکنگ کمیٹی میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی تقسیم کے بعد میرا یہ جی چاہتا ہے کہ مسلمان کوئی احتجاج ایسا کریں کہ رام لیلا گراؤنڈ کو بھر دیں، اس لئے کہ تال کٹورہ اسٹیڈیم میں سال میں دو تین پروگرام ہو جاتے تھے، فرماتے تھے کہ رام لیلا گراؤنڈ کو بھر دیں، مگر دس لاکھ آدمیوں کو جمع کرنا بڑا مشکل کام تھا، مولانا مستقل تگ و دو میں لگے رہتے تھے، اتفاق کی بات کہ کالا بل پاس ہو رہا تھا، ورکنگ کمیٹی میں بات چلی کچھ لوگ کہتے تھے ٹھیک ہے آگے بڑھیں، اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں، آپ نے فرمایا! آج اسلام کے نام پر خدمت کا موقع ہے، آپ نے تقسیم کے بعد سے جتنی خدمت کی ہے صحیح اسلام کی خدمت کی ہے، لیکن اس موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے، آپ نے آج تک جتنی خدمت کی ہے وہ مسلمان کے واسطے سے کی ہے، فساد زدگان کی مدد کی، مظلومین کی مدد کی، یہ براہ راست اسلام کی خدمت ہے، کیوں کہ براہ راست اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اگر آپ آج بیٹھ گئے تو قوم آپ کو کبھی چھوڑے گی نہیں، اور آج ایسا ہے کہ آپ یوں نہ کہیں کہ رام لیلا میدان کو بھر دو بلکہ آپ یوں کہیں کہ مجھے ایسی جماعت چاہئے جو اسلام کے نام پر رام لیلا میدان میں سر کٹوا دے، تو بھی لوگ آپ کے ساتھ آجائیں گے، چنانچہ مولانا نے اس موقع کو جانے نہیں دیا، اور اس سلسلے میں سب سے پہلا اجلاس اس کالے بل کے خلاف جمعیۃ علماء اور دیگر پارٹیوں کو ملا کر ضلع سہارنپور میں کیا تقریباً دو لاکھ آدمی جمع ہو گئے، اور ہمت

بڑھی لکھنؤ میں اجلاس کیا، لکھنؤ کی تاریخ میں کوئی اجتماع ایسا نہیں ہوا تھا، سڑکیں جام ہوگئیں۔ 6-5 لاکھ آدمی جمع ہوگئے اور ہمت بڑھ گئی کہ کر سکتے ہیں، حضرت نے رات و دن ایک کر دیا، جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچے، اور اپنے مدعا کو رکھا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اس ملک میں اسلام کو زندگی ملے گی تو مسلمان زندہ رہے گا، ورنہ نہیں رہے گا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ دس لاکھ نہیں، میں کہتا ہوں کہ جتنے رام لیلا گراونڈ کے اندر تھے اس سے کہیں زیادہ باہر تھے اور اب تو ہر سال ایک مرتبہ رام لیلا گراونڈ کو بھر دیتے تھے، اور ایسا نہیں کہ کرائے کے ٹٹو لا کر رکھ دیئے گئے ہوں، مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بوڑھے آدمی کو ایک نامہ نگار نے پکڑ لیا جس کے بدن پر کپڑے بھی درست نہیں تھے، اس نے پوچھا ملاجی کتنے پیسے مل گئے جو چلے آئے؟ بولا جیب سے ٹکٹ نکال کر کہ 36 روپیہ کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں نامہ نگار منہ پھیر کر چلا گیا، اور کسی تنظیم اور پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے جس کی آواز پر اتنے آدمی چلے آئیں

سیکولر سیاسی محاذ

میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت کی دیرینہ خواہش تھی کہ مسلمان اس ملک کے سیاسی اقتدار میں شریک ہو جائیں انہوں نے اس کے لیے تحریک شروع کی، ہریجن اور مسلم اتحاد، کھان پان کے پروگرام ہوئے، دہلی میں، پٹنہ میں، کرناٹک میں، حیدرآباد میں پروگرام ہوئے اور چاہتے تھے کہ تنہا مسلمان کی نہیں بلکہ دوسری اقلیتوں کو ملا کر ایسا پلیٹ فارم بن جائے جو پارلیمنٹ اور دیگر سیاسی امور میں دخیل ہو جائے، حکومت بنے تو ان کے اشتراک کے ساتھ بنے، کسی کے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی، لیکن حضرت مولانا کی کوشش تھی پہلے کوشش کرتے رہے کہ حیدرآباد سے اس کی شروعات کی جائے، نہیں ہو سکی، تو پچھلے سال طے کر دیا کہ آسام سے اس کی شروعات کی جائے، ابھی چند مہینہ پہلے کی بات ہے کہ آپ جمعیۃ علماء آسام کے ایک جلسہ میں تشریف فرما تھے، اس میں چیف منسٹر بھی موجود تھا، تو آپ نے مسلمانوں کے مسائل رکھے، جب چیف منسٹر کی باری آئی تو اس نے صفائی دینے کی کوشش کی تو آپ نے اس سے مائک چھین لیا اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور کہا کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہارے خلاف تحریک شروع کریں گے، ہم تم کو چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں، گورنر اور چیف منسٹر کے سامنے یہ بات کہی کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہیں کرسی اقتدار سے ہٹا دیں گے، چیف منسٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا، کس قدر جرأت کی بات ہے؟ کیا کوئی اس طرح کہہ سکتا ہے؟ حضرت مولانا کہہ کر چلے آئے، چھ ماہ تک کام نہیں ہوا تو مجھے بھیجا کہ تم جاؤ اور جا کر اعلان کرو کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، چنانچہ جمعیۃ علماء نے دیگر اقلیتوں کو جمع کیا اور ایک اجلاس کیا اور حضرت نے مجھے بھیجا، میں گیا اور میں نے اعلان کیا کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، اور وہ پارٹی چل رہی ہے کام کر رہی ہے، اگر حضرت زندہ ہوتے تو رات و دن ایک کر دیتے۔ مولانا کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان سیاسی اقتدار کے بنانے اور بگاڑنے کے مالک ہو جائیں، یہ مولانا کی ذات تھی ایسا آدمی جس کی بیک وقت نظر ہر طرف ہو اور چومکھی لڑائی لڑ رہا ہو، ایسا آدمی ہونا مشکل ہے، کسی پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے، آج نہیں ہے اللہ کل پیدا کر دے، ان کا نعم البدل پیدا فرمائے، اور ان کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے۔ آمین۔

(مدرسہ شاہی مرادآباد کے تعزیتی جلسہ میں تقریر سے ماخوذ)

□□□

محترمہ سعدیہ مدنی صاحبہ (صاحبزادی حضرت فدائے ملتؒ)

جو لاکھوں میں یکتا تھے

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی سب سے بڑی صاحب زادی محترمہ سیدہ سعدیہ مدنی مدظلہا (جو موجودہ امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے صاحب زادے جناب مولانا انوار الرحمن صاحب بجنوری سے منسوب ہیں) کا یہ مضمون اپنے اندر اظہار غم کے ساتھ ساتھ بڑی نصیحتوں اور عبرتوں کو شامل ہے۔ بچیوں کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت ومحبت، ان کی تربیت کا خیال، قدم قدم پر ان کی دل جوئی اور زندگی کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی یہ ایسی صفات ہیں جو آج کے دور میں ڈھونڈے بھی نہیں مل پائیں گی، اور پھر ایسا شخص جس کی زندگی کا بیشتر حصہ ملکی؛ بلکہ عالمی مسائل میں گھرے ہونے کی حالت میں گذرا ہو اس کا بچیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ یقیناً لائق صد رشک ہے، بالخصوص اس مضمون کے اخیر میں حضرت فدائے ملتؒ کا اپنی صاحب زادی کے نام جو گرامی نامہ شائع ہو رہا ہے وہ تو اس قابل ہے کہ اسے ہر رخصت ہونے والی لڑکی فریم کرا کے اپنے گھر میں رکھے اور بار بار اسے پڑھ کر اپنی زندگی کامیاب بنانے کی کوشش کرتی رہے۔ یہ گرامی نامہ صرف حضرت کی صاحب زادی ہی کے لئے نہیں؛ بلکہ امت کی ہر لڑکی کے لئے نمونۂ عمل اور مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور ہم سب کو حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے والا بنائے، آمین۔ (مرتب)

وہ حادثۂ عظیم ہمارے سروں پر آ ہی پڑا، جس کے بارے میں اکثر ''ابویا'' ذکر کیا کرتے تھے، اس وقت میں سوچا کرتی تھی کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو میں کیسے برداشت کر پاؤں گی اور کیسے زندہ رہوں گی؟ مگر اللہ کی مشیت کہ میں زندہ ہوں، مگر میرا دل بے قرار ہے، اے کاش! ایسا ممکن ہوتا کہ میں بھی سفر آخرت میں ان کے ہمراہ روانہ ہو جاتی۔

میرے ابویاؒ بہنوں بھائیوں کے لئے، عزیزوں، رشتہ داروں اور تمام امت مسلمہ کے لئے جب ہمہ وقت ہمدرد، مہربان اور خیر خواہ انسان تھے، تو اپنی بیٹی کے لئے کیا چیز ہوں گے؟ اس کا اندازہ لوگ ضرور لگا سکتے ہیں۔ جب دوسروں کے لئے ان کی محبت، ہمدردی، ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا، تو میرے لئے کیا ہو سکتا ہے؟ میں کیا لکھوں اور کیا بیان کروں، میری عقل حیران ہے؟ نہ قلم میں تاب ہے نہ دل میں طاقت ہے، میرے ساتھ انہوں نے کیا کیا احسانات کئے ہیں اور کس طرح مجھ کو چاہا ہے اس کا شمار کرنا اور قلم بند کرنا بالکل ناممکن ہے۔

معلوم نہیں کیا بات تھی مجھ کو ہمیشہ سے امی کے مقابلہ میں ابویا سے زیادہ محبت تھی، پانچ سال پانچ ماہ پہلے جب امی مرحومہ کا انتقال ہوا تو ایسا لگا جیسے امی کا گھر خالی ہو گیا، اب اس گھر میں دل بستگی کا سامان نہیں ہے، مگر جب

ابو یا سفر سے واپس آئے تو لگا جیسے دل پر مرہم آگیا اور رفتہ رفتہ وہ غم مندمل ہوتا ہوا محسوس ہوا، اس وقت اللہ سے بس یہی دعا تھی یا اللہ ایک نعمت سے تو ہم محروم ہو گئے، مگر اس دوسری نعمت کو قائم دائم رکھنا، دوسری نعمت سے محروم نہ کرنا، مگر حکم خداوندی میں کسی کا کوئی دخل نہیں، اتنی جلدی اللہ نے دوسری نعمت سے محروم کر دیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

میری شادی ابو یا کے بچوں میں پہلی شادی تھی؛ کیوں کہ میں اپنے بھائی بہنوں میں میں سب سے بڑی ہوں، اور پھر غیروں میں ہوئی تھی اس کا ابو یا پر بڑا اثر تھا، مجھ کو اس موقع پر ابو یا نے خط لکھا، اس میں بہت ساری نصیحتیں لکھیں، اس میں ایک جملہ یہ تھا جو آج تک میرے دل پر نقش ہے کہ ''تمہارا خاندانی ورثہ دولت بادشاہت نہیں ہے تعلق مع اللہ ہے اس لئے اگر تم کوئی کام اپنے باپ دادا کی طرز زندگی کے خلاف کروگی تو خود بھی ذلیل ہوگی اور ان کو بھی رسوا کروگی''، یہ ابو یا کے الفاظ اور وہ تحریر ہمارے دل کے آر پار ہوگئی اور دل بہت پریشان ہوا، اللہ سے دست بدعا ہوں یا اللہ اس دن کے لئے دنیا میں نہ رکھنا کہ میری وجہ سے میرے عظیم باپ اور دادا کے نام پر کوئی آنچ آئے، چنانچہ ابو یا کی دعاء اور ان کی توجہ میرے قدم بقدم ساتھ رہی ورنہ میں کس قابل ہوں، الحمد للہ اتنی زندگی گذر گئی، خدا مزید بحسن وخوبی پوری فرمادیں۔ (آمین) (ابو یا کا یہ خط مضمون کے اخیر میں ملاحظہ کریں)

میری تربیت میں میرے ابو یا کا خاص کردار ہے، جس طرح ایک ماں اپنی لڑکی کی تربیت کرتی ہے اسی طرح میرے ابو یا نے میری تربیت کی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امور خانہ داری، مہمان نوازی، پردہ، غرض کہ زندگی کا کون سا پہلو ہے جو انہوں نے مجھ کو نہ سکھایا ہو، نماز کی اہمیت بچپن سے دل میں ڈالی، سفر میں جب جب میں ان کے ساتھ ہوتی گاڑی روک کے نماز کا انتظام کیا کرتے، وضو کی ضرورت ہوتی تو خود کھڑے ہو کر پردہ کے ساتھ وضو کراتے اگر پردہ کی کوئی جگہ نہ ہوتی تو اپنے عبا وغیرہ سے پردے کی آڑ کر کے کھڑے ہو جاتے اور وضو کراتے، مگر نماز ہمیشہ وقت پر ادا کروائی، ابو یا کے ساتھ نماز قضاء ہو جائے اس کا کوئی سوال ہی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ الحمد للہ نماز کی ایسی عادت ہوگئی کہ قضاء کرنا ناممکن ہوگیا، ایسے ہی روزے کی عادت ڈلوائی، بچپن میں ہر سال عید کے دن یہ پوچھا کرتے کتنے روزے رکھے؟ ہر روزے کا ایک روپیہ انعام متعین تھا، اس شوق میں پورے پورے مہینے ہم روزہ رکھا کرتے تھے، کہ تیس روزے ہوں گے تو تیس روپے ملیں گے، حالاں کہ ہمارے بچپن میں رمضان شدید گرمیوں کے دنوں میں آیا کرتا تھا مگر سب روزے رکھا کرتے تھے اور عادت بھی ہوگئی، اسی طرح شادی کے بعد 1987ء میں اپنے ساتھ حج کو لے کر گئے، الحمد للہ میں نے دو حج کئے دونوں ابو یا کے ساتھ، اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔ دوسرا حج ابو یا کے آخری حج میں میں ساتھ تھی یہ سعادت بھی اللہ نے مجھ کو نصیب فرمائی۔ سفر میں ایسا خیال رکھتے تھے کہ ایسا خیال رکھتے ہوئے میں نے کسی فرد کو نہیں دیکھا، گھر میں ہر کام مجھ سے کرواتے، مگر سفر میں میرا ہر کام خود کرتے تھے، اگر بچے چھوٹے ساتھ ہوتے تو اس کو اپنی ہی گود میں رکھتے، غرض کہ کن کن خوبیوں کو بیان کروں؟ ایسے اوصافِ حمیدہ ہونا کسی کے اندر بہت مشکل ہے۔ مہمانوں کی کیا خاطر ہوتی ہے، کیا ہونی ہے، کیا پکنا ہے، کیسے بات کرنی ہے؟ انتہاء یہ کہ طرح طرح کے کھانے پکانے سکھائے، مجھ کو خود میرے ساتھ باورچی خانہ میں بیٹھ کر مجھ کو پکانا سکھایا، یہی وجہ ہے کہ جتنی دلچسپی مجھ کو کھانا پکانے سے ہے اتنی دلچسپی مجھ کو کسی اور کام سے نہیں ہے، یہ سب میرے ابو یا کے دَین ہے۔ اللہ رب العالمین ان کو ایسا عظیم الشان اجر عظیم دے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (اللّٰھم آمین)

میری شادی کو 23 واں سال ہے اس اثناء میں میں نے اپنے آپ کو کسی کا محتاج اور بے سہارا نہ محسوس کیا، ابویا کی اس قدر تقویت اور ڈھارس تھی کہ میں نے اپنے کو شوہر کا بھی محتاج نہ سمجھا، مگر اب ایسا لگتا ہے کہ میں بالکل بے سہارا ہوگئی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی بیماری کا یا بچوں کی پیدائش کا سلسلہ ہوا، ابویا نے مجھ کو فوراً بلوالیا دہلی لے گئے، دکھلانے کا اور علاج کا ہر طرح کا انتظام کروایا، پوری توجہ کے ساتھ اور بہت سے احسانات میرے ساتھ کئے ہیں ان کو قلم بند کرنا مشکل محال کام ہے، ایک ایک بات ایک ایک واقعہ یاد آتا ہے اور دل روتا ہے، نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں ساری زندگی یاد کروں گی مگر ایسا محسن نہ پاؤں گی۔ بعض اوقات دل ایسا تڑپتا ہے یا خدا میں اپنے ابویا کو کہاں سے ڈھونڈ لاؤں، بس اللہ سے دعاء ہے اللہ رب العالمین نے جیسے دنیا میں مجھ کو ان کے اتنا قریب کیا ان کی اولاد میں مجھے شامل کیا یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے، ایسے ہی میرے اوپر کرم فرما کر آخرت میں بھی ان کے ساتھ رہنا نصیب فرمائے۔ (آمین)

اس دفعہ رمضان میں اعتکاف میں جانے سے پہلے ابویا سے ملنے گئی تو ظہر کے بعد مجھ کو اور چھوٹی بہن ذکیہ ہم دونوں کو روپے دیے، میں نے کہا ابو یا دعاء میں یاد رکھئے اس کی کیا ضرورت ہے، کہنے لگے ''بیٹا! اب ہماری کتنے دن کی زندگی ہے، جب تک ہم ہیں، دے دیتے ہیں پھر کون دے گا''؟ میں نے کہا ابویا ایسی باتیں آپ کیوں کرتے ہیں؟ امّی تو ہیں نہیں ہم لوگوں کا آنا جانا تو آپ ہی کے دم سے ہے، تو کہنے لگے ''کس کے ماں باپ بیٹھے رہتے ہیں، ہماری والدہ ہم کو اتنے ذرا سے کو چھوڑ کر چلی گئیں، حضرت والدؒ چھوڑ کر چلے گئے''، یہ کہہ کر اس قدر روئے کہ ہم لوگ بھی رونے لگے، ہم نے اپنے زندگی میں کبھی ابویا کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، بس رمضان سے یہ دیکھ کر میرا دل و دماغ بے حد متأثر تھا، نہ رمضان کا مزہ تھا نہ عید کا مزہ تھا، عید کے دن صبح سویرے میرا معمول تھا ابویا کو فون کرنا عید کی مبارک باد دینا، معمول کے مطابق میں نے فون کیا اور عید کی مبارک باد دی، طبعیت پوچھی، کہنے لگے ٹھیک ہے مگر یہ لوگ آج ہی دہلی جانے کی بات کر رہے ہیں اور میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔ غرض کہ عید سے اگلے دن شام کو منّو (محمد مدنی) کا فون آیا کہ ابویا گر گئے سر میں چوٹ آئی ہے بے ہوش ہوگئے ہیں دہلی لے جا رہے ہیں، یہ اندوہ ناک حادثہ ہونا تھا اس لئے رمضان سے ہی ساری خوشی اور رونق غائب تھی، زندگی بے کیف ہو چکی تھی خود کا تعلق تھا سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا مگر دنیا اداس اداس سی ہو چکی تھی بعد میں سمجھ میں آیا کہ ماجرا یہ تھا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

نصیحتوں سے بھرپور ایک یادگار خط

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

عزیزہ بیٹی! اللہ تم کو دارین میں بامراد وخوش وخرم رکھے۔ (آمین) بیٹی! یہ دنیا چند روزہ ہے اس لئے اس کی کسی خواہش وخوشی کی خاطر آخرت کی اصلی اور ہمیشہ کی زندگی کو برباد کرنا سخت دھوکہ اور اپنے ساتھ دشمنی ہے۔

تم اب اپنی زندگی کی خود ذمہ دار ہو، ہم بوڑھے ہو گئے اور کسی کے ماں باپ ہمیشہ ساتھ نہیں دیا کرتے، اس لئے اب ہر بات اور کام کے بھلے برے کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، دراصل چاہنے والا نفع نقصان کا جاننے والا اور سب سے بڑا خیر خواہ اللہ ہے، تمہارا خاندانی ورثہ دولت و بادشاہت نہیں؛ بلکہ دین داری اور تعلق باللہ ہے اس لئے کسی وجہ سے اگر دولت جاتی رہی تو ہرگز دنیا کی کوئی عظیم سے عظیم چیز نہ تمہارے لئے قابل فخر ہو سکتی ہے اور نہ کام آسکتی ہے، تم ایسی جگہ اور خاندان میں جارہی ہو کہ وہاں ہر قریب و بعید تمہارے ہر کام اور ہر حرکت اور ہر چیز کو غور سے دیکھے گا اور اگر تم نے کوئی کام یا بات اپنے دادا کے طریقہ کے خلاف کی تو ان کو رسوا کرو گی اور خود بھی ذلیل ہو گی۔

لباس میں فیشن اور نقل کے بجائے دین داری کا لحاظ اور شرم وحیا کا پاس ضروری ہے، بہت بات بہت لوگوں سے تعلقات مناسب نہیں ہیں، کم سے کم تعلق اور باتیں بہت سی مصیبتوں سے بچاتی ہیں، تعلقات میں اپنے بڑوں کی مرضی کو سامنے رکھو (جس سے اور جتنا وہ پسند کریں وہی مناسب ہے)

ملنے اور آنے والیوں سے خوش اخلاقی خندہ پیشانی اور انکساری سے پیش آنا چاہئے، ہمیشہ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے اور دوسرے کتنے خراب ہوں اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے، اگر سسرال کے بڑوں کو اپنا بڑا اور اپنا خیر خواہ سمجھو گی تو انشاء اللہ کبھی ذلیل نہ ہو گی۔ شادی سے پہلے ماں باپ کا درجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد سب سے بڑا ہوتا ہے، مگر شادی کے بعد شوہر کا درجہ ماں باپ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ مرضی کے خلاف بات پر چلنا بہت بری عادت ہے، اس کو قریب مت آنے دو، خود کام کرو خدمت کرو سب تمہارے محتاج ہوں گے اور دلوں میں عزت ہو گی، آرام طلبی، کاہلی اور خدمت لینے کی خوگر بنو گی، تو لوگوں کی نظروں سے گر جاؤ گی۔

گھر کی ہر چیز پر نگرانی رکھو، کوئی چیز ضائع نہ ہو، کسی چیز سے بے پرواہی نہ برتو، گھر اور گھر کی چیز کو برابر صاف ستھرا اور اپنی جگہ پر ان کو رکھو، جب جس جگہ سے لو، کام ہوتے ہی اپنی جگہ پر رکھنے کا اہتمام رکھو، مصالحوں، چائے، آچار وغیرہ، ڈبوں، بوتلوں وغیرہ سے لو تو کام ہوتے ہی بند کر کے اس کی جگہ پر رکھو، کسی چیز کو کھلا اور بے جگہ مت چھوڑو، کپڑوں اور دوسری چیزوں کی اپنی جگہ ہونی چاہئے؛ تاکہ جس چیز کی ضرورت ہو مل جائے۔ نماز کو ٹھیک وقت پر صحیح اور اطمینان سے دل لگا کر پڑھنے کی عادت ڈالو، ناشکری اور غیبت عورتوں کی بدترین عادت ہے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ فقط والسلام

اسعد غفرلہٗ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ابو یا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور ہم سب بہن بھائیوں کو صبر جمیل سے نوازیں۔ آمین۔

□□□

جناب مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری
استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ہمارے ماموں جان

ہم نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے خاندان میں جس شخصیت کو سب سے زیادہ باوزن، قابل احترام اور لائق تعظیم جانا، وہ ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ کی ذاتِ اقدس تھی، خاندان میں کوئی بھی نکاح ہو، کسی کی بھی ''بسم اللہ'' ہو یا خوشی اور غم کا کوئی بھی موقع ہو ان کی موجودگی کو لازمی تصور کیا جاتا تھا۔

نانا جان مرحوم جس وقت اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ماموں جان اور بڑی خالہ کے علاوہ کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی اور بقیہ سب لوگ عمر کے اس مرحلہ میں تھے جس میں مشفق باپ کے سایہ کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ والدہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اس نازک موقع پر ماموں جان علیہ الرحمہ نے خاندان کی کفالت اور جملہ ضروریات کی تکمیل کا جو عظیم الشان فریضہ انجام دیا اس نے بڑی حد تک والد مرحوم کی عدم موجودگی کے احساس کو کم کردیا، وہ سب سے بڑے تھے اور سب کے بڑے تھے جیسا چاہتے ویسا کرسکتے تھے؛ لیکن دیانت وامانت کی انتہاء تھی کہ نانا جان مرحوم کے وصال کے فوراً بعد قاری اصغر علی صاحب مرحوم کو ایک خطیر رقم دی اور فرمایا کہ ''قاری صاحب! اب اس میں سے گھر کی ضروریات کے لئے خرچ کیا جائے گا اور ابا جان کی جو رقم آپ کے پاس ہے اس کو محفوظ کرلیا جائے؛ کیوں کہ اس سے دیگر اہل خانہ کا حق متعلق ہوچکا ہے''۔ اس کے بعد گھر کی تمام ضروریات کی فراہمی، بچوں کی پڑھائی لکھائی، شادی بیاہ اور مہمانوں کی فراخ دلی کے ساتھ میزبانی ماموں جان علیہ الرحمہ نے اس انداز میں کی کہ دنیا ان کی عظمت کی قائل ہوگئی اور اہل خانہ میں وہ ''شجرۂ سایہ دار'' کی حیثیت اختیار کرگئے۔

آج ہمارا خاندان اس عظیم درخت کے ظاہری سایۂ عاطفت سے ہمیشہ ہمیش کے لئے محروم ہوگیا ہے، اگرچہ مرحوم کا باطنی سایہ یعنی روحانی توجہات برابر اہل خانہ کے لئے مشعل راہ ہوں گی، خاندان پر ایک یتیمی اس وقت آئی تھی جب نانا جان مرحوم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، اگرچہ اس یتیمی کے احساس کو ماموں جان نے اپنی خدمات کے نتیجہ میں کافی مدہم کردیا تھا، اور ایک دورِ یتیمی اب آیا ہے جب نوشتۂ تقدیر کے مطابق ماموں جان ہم سے جدا ہوگئے، جانے کو تو خاندان کا ایک ہی فرد گیا ہے اور گیا بھی وہاں ہے جہاں ایک نہ ایک دن سب کو جانا ہے؛ لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ در ودیوار کی رونق ختم ہوگئی، محفلوں، مجلسوں اور اجتماعات کی زینت کا خاتمہ ہوگیا، کھانے پینے کی لذت چلی گئی، شجر وحجر پر اداسی چھاگئی، سفر وحضر کا مزہ کافور ہوگیا اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی چپہ چپہ ویرانی کی داستان سنانے لگا، غرض یہ کہ دنیا اور دنیا کے کام اپنے نظام کے مطابق چل تو رہے ہیں؛ لیکن دل ودماغ اتنا متاثر ہے کہ صدمہ سے باہر نکلنے کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

ایک مسلمان کے لئے ایسے مواقع میں تقدیر الٰہی پر رضامندی کے سوا چارۂ کار نہیں ہے، سب کو اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے آج وہ گئے ہیں کل ہماری باری ہے، خوش قسمت وخوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور ذکر خدا میں مستغرق ہو کر جان جانِ آفریں کے سپرد کریں۔

ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ ہمیشہ اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ایمان پر خاتمہ کی دعا کرتے رہے، حتی کہ ایک مرتبہ (۸/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو) شبستاں اردو ڈائجسٹ کے نمائندے نے آپ سے انٹرویو لیا، دورانِ انٹرویو نمائندے نے مسلم پرسنل لاء، قیامِ امن، مسلمانوں کے معاشی مسائل اور اسی طرح کے بہت سارے عنوانات پر بات چیت کی اور اخیر میں سوال کیا کہ مولانا! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ جواب ملا: ایمان پر خاتمہ۔

باری تعالی نے اس آخری آرزو اور تمنا کو بھی بحسن وخوبی اپنے فضل وکرم سے پورا کردیا۔ گذشتہ کئی سالوں سے جب بھی کوئی خیریت معلوم کرتا، طبعیت دریافت کرتا، تو بڑی برجستگی سے جواب دیتے کہ: بھئی! اب کیا خیریت پوچھتے ہو؟ عمر طبعی کو پہنچ چکے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے امت محمدیہ کی اوسط عمر جس کو بتایا ہے اسے بھی پار کر چکے ہیں، اب تو خاتمہ بالخیر کی دعا کرو، ہمہ وقت موت کا استحضار رہتا اور اسی کا تذکرہ کرتے، اور گذشتہ رمضان المبارک تو اس طرح گذارا ہے کہ گویا کہ آپ کو محسوس ہوگیا تھا کہ اب آئندہ رمضان میسر نہیں آئے گا۔

چناں چہ رمضان المبارک سے چار پانچ روز قبل سفر حجاز پر تشریف لے گئے ابتداءً مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر جب رمضان المبارک کا چاند نظر آگیا تو عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اس لئے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے میرے ساتھ حج کرنا''۔ (ابوداؤد شریف حدیث: ۱۹۹۰)

واپس ہندوستان تشریف لائے دیوبند آنے سے پہلے دہلی میں ڈاکٹروں کو دکھایا، رپورٹیں صحیح نہ آئیں تو ڈاکٹروں کے اصرار پر تین چار روز بغرض علاج دہلی کے اپولو اسپتال میں داخل رہے، لیکن اس دوران بھی ان کا دل مسلسل دیوبند میں لگا رہا۔ ڈاکٹروں سے چھٹی لینی چاہی لیکن وہ کسی صورت آمادہ نہ تھے، تو ان سے فرمایا: ''کیا آپ لوگ اس بات کی گارنٹی اور ضمانت دیتے ہیں کہ مجھے اگلا رمضان مل جائے گا''، ظاہر ہے اس کی تو کوئی ضمانت نہیں دے سکتا تھا، غرض یہ کہ اصرار کر کے چھٹی لی، اور دیوبند تشریف لے آئے اور رمضان المبارک کی بیش قیمت ساعات اور گراں قدر لمحات کو وصول کرنا شروع کردیا، اس ضعف اور پیرانہ سالی کی حالت میں نہ صرف پنج وقتہ نماز مسجد میں ادا فرماتے؛ بلکہ تراویح اور تہجد کے لئے بھی مسجد تشریف لاتے اور رمضان المبارک کے معمولات کو حسب سابق انجام دیتے، گردے کے مریض تھے جسم میں پانی کی کمی ہوگئی تھی، اطباء روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے مگر اس مرد مجاہد اور صاحب عزیمت انسان کو ایک دن کا روزہ چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا۔

رمضان المبارک کا دوسرا جمعہ تھا، مسجد رشید اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود نماز پڑھنے والوں کے لئے تنگ ہو رہی تھی، دور دراز شہروں اور دیہات سے آنے والے مسترشدین ومریدین کا ایک جم غفیر تھا جو اپنے مرشد ومصلح کی عیادت ومزاج پرسی کے لئے اور ان کی بابرکت مجلس سے مستفید ہونے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

نماز کے بعد اعلان ہوا کہ حضرت والا بیان فرمائیں گے، مجمع سکون واطمینان کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھ گیا، سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجمع کے درمیان تشریف لائے، اور حمد وصلاۃ کے بعد بڑے درد بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: ''آپ لوگوں کو میری صحت کا خیال نہیں، ڈاکٹروں نے تو مجھے روزہ رکھنے سے بھی منع کیا ہے، لیکن آپ لوگ مجھے تقریر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، جب جسم میں طاقت تھی، قویٰ مضبوط تھے، تو کبھی بھی تقریر کرنے سے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانے سے میں نے گریز نہیں کیا؛ لیکن آج صورتِ حال بدلی ہوئی ہے''، مجمع پر بڑا اثر ہوا اعلان کرنے والے بھی نادم وپشیماں ہوئے کہ خواہ مخواہ ہم نے حضرت کو تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

حضرت نے فضائل رمضان پر بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ: ''معلوم نہیں یہ مبارک ساعتیں زندگی میں پھر کبھی میسر آئیں گی یا نہیں ان کو غنیمت جانو اور ایک ایک لمحہ کی قدر کرو''۔ دورانِ تقریر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، بولتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، مجمع میں کوئی فرد ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، ہم نے اس سے پہلے بارہا ماموں جان کی تقریریں سنی تھیں لیکن کبھی ان کو روتے ہوئے اور اس طرح بے قابو ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مشہور فرمان مبارک ہے کہ: ''ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کروائی، ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ ہو گیا''۔ (مستدرک حاکم ۴/۱۵۳)

اس حدیث مبارک کے مشمولات پر انتہائی رقت آمیز لہجے میں بڑی مبسوط اور مؤثر تقریر فرمائی، خرابی صحت کے باوجود تقریباً پون گھنٹے تک بیان فرماتے رہے اور اخیر میں پھر اپنی بیماری اور ضعف کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''اسی مبارک مہینہ کی قیمتی ساعات کو یہاں گزارنے کے لئے میں ڈاکٹروں سے لڑ جھگڑ کر آ گیا ہوں، اگرچہ وہ لوگ کسی صورت میرے یہاں آنے پر رضامند نہیں تھے، لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب جو کچھ ٹیسٹ یا علاج وغیرہ ہوگا ماہِ مبارک رمضان کے بعد ہوگا''، پھر فرمایا کہ: ''بھائیو! رمضان کے بعد پھر انہی ڈاکٹروں کے پاس جانا ہے نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کریں گے''؟ یہ کہتے ہوئے اتنی رقت طاری ہوئی کہ آگے تقریر جاری نہ رکھ سکے بات ختم کر دی، چشمہ اتار کر آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے مسجد کے دروازہ کا رخ کیا، کرسی کا بٹن دبایا، حاضرین دونوں جانب صف بستہ کھڑے ہو گئے اور ماموں جان ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے گھر تشریف لے آئے۔

آج کی تقریر سن کر لوگوں پر سکتہ طاری تھا؛ اس لئے کہ انہوں نے اپنے شیخ کو کبھی اس طرح مجمع عام میں گریہ وزاری کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، وہ تو ایسے مضبوط اعصاب والے تھے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کو چاہے خانگی ہو یا ملی، بآسانی جھیل جاتے اور چہرہ سے لوگوں کو محسوس تک نہ ہونے دیتے، نانا جان علیہ الرحمہ کی وفات

ماموں جان مرحوم کی زندگی کا بہت بڑا سانحہ تھا، لیکن اس موقع پر آپ نے جس صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا وہ ناقابل بیان ہے۔ پھر ۱۵ر نومبر ۱۹۶۸ء کو ان کی زندگی میں ایک اور الم ناک حادثہ پیش آتا ہے، ایک سڑک حادثے کے نتیجہ میں ساڑھے آٹھ سالہ صاحب زادے محمد میاں اور خسر محترم مولانا سید حمید الدین صاحب علیہ الرحمہ اور گاڑی کا ڈرائیور جاں بحق ہو جاتے ہیں اور بقیہ لوگ شدید زخمی ہوتے ہیں جن میں آپ کی خوش دامن صاحبہ، اہلیہ محترمہ اور دیگر اہل خانہ ہیں، پورے علاقہ میں کہرام مچ جاتا ہے فضا رنج وغم میں ڈوب جاتی ہے مگر دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ اس دردناک موقع پر بھی اگر کوئی شخص شکر وسپاس کا مظہر اور صبر واستقامت کا پیکر بنا ہوا ہے تو وہ ماموں جان ہی کی ذات گرامی ہے، تعزیت کرنے والوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ''مسرت اور غم تو قلبی کیفیات ہیں''۔

اس حادثہ کے پیش نظر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر نے ماموں جان کی کئی میٹنگوں کے متعلق منسوخی کی اطلاع دے دی تھی مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کیا اس طرح کے حادثات کی وجہ سے ہم جماعت کا کام ترک کر دیں گے''، چناں چہ دوبارہ لوگوں کو اطلاع کرائی گئی کہ میٹنگ وقت پر ہوگی۔

ان کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں، تو جن لوگوں کے سامنے ماموں جان کی یہ تصویر رہی ہو ان کا اس موقع پر محو حیرت ہونا بجا ہے۔

غرضے کہ مسلسل ضعف وکمزوری کے باوجود دن کے روزے راتوں کی عبادت اور رمضان المبارک کے بقیہ معمولات حسب سابق چلتے رہے، اسی دوران ۱۵ر رمضان المبارک کو دل کا دورہ پڑا، مقامی ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ جلد از جلد دہلی لے جایا جائے، چناں چہ رات ہی میں دلی لے جایا گیا اور وہاں اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبے میں داخل کر دیا گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ اس وقت بھی ماموں جان کو اپنی بیماری سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ رمضان المبارک کے بابرکت لمحات ضائع نہ ہو جائیں، حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب اگلے روز مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ مجھے یہاں لا کر ڈال دیں گے تو ہرگز نہ آتا''، ایک دو روز (I C U) میں رہنے کے بعد پرائیویٹ کمرہ میں تشریف لے آئے اور اس حالت میں بھی روزہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اسپتال میں بھی تراویح باجماعت ادا کرتے رہے۔

ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا معمول تھا، چناں چہ آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے ڈاکٹروں سے بات چیت کر کے واپس دیوبند تشریف لے آئے اور مسنون اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو گئے، قویٰ کمزور ہو گئے تھے، صحت روز بروز گرتی جارہی تھی لیکن عزم وحوصلہ ایسا جواں تھا کہ کیا جوانوں کا ہوگا؟ بڑی قدردانی کے ساتھ رمضان المبارک کے آخری ایام گزارے، ملک وبیرونِ ملک سے آئے ہوئے ہزاروں مسترشدین ومریدین کو راہِ سلوک کے منازل طے کراتے رہے، رمضان المبارک کے آخری دن مجمع میں تشریف لائے اور اپنی زندگی کی آخری تقریر فرمائی، دور دراز سے آنے والے مہمانانِ کرام کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ ہم

میزبانی کا حق ادا نہیں کر سکے۔ خطاب اتنا مؤثر تھا کہ سننے والوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، دورانِ تقریر ارشاد فرمایا کہ:
''اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں''، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ماموں جان کو یہ معلوم ہے کہ یہ ان کی زندگی کی آخری نصیحت اور الوداعی پیغام ہے۔

رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں گزر گئیں، اگلے دن عید الفطر ہے، عید کی نماز دارالعلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں اول وقت ادا فرماتے ہیں اس لئے کہ آج ہی دہلی میں ڈاکٹر کو دکھانا ہے، نماز سے فارغ ہوکر دہلی تشریف لے جاتے ہیں اور ڈاکٹروں کو دکھاتے ہیں، ڈاکٹر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور کوئی تشویش کی بات نہیں بتاتے، اگلے دن دہلی سے دیوبند کے لئے واپسی ہوتی ہے۔

والدہ محترمہ رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے گئی تھیں وہ عید کے دوسرے روز فون پر ماموں جان سے بات کرتی ہیں، آپ اس وقت دہلی اور دیوبند کے بیچ میں تھے، طبعیت پوچھتی ہیں اور حال احوال دریافت کرتی ہیں، تو اپنی خیریت بتانے سے پہلے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں فرماتے ہیں: ''اب تو رمضان ختم ہوگئے، اب وہاں کیا کر رہی ہے؟ جلدی آجا'' پھر اپنی طبعیت کے سلسلے میں بڑے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں، مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں ڈاکٹر روک نہ لیں لیکن انہوں نے مجھے واپس دیوبند آنے کی اجازت دے دی۔

کیا معلوم تھا کہ یہ ماموں جان کی والدۂ محترمہ سے آخری بات چیت ہے، اب اس کے بعد شفقت ومحبت بھری یہ آواز سننے کو بھی نہ ملے گی اس لئے کہ اس کے چند ہی گھنٹہ کے بعد یہ اطلاع ملتی ہے کہ ماموں جان کرسی سے گر کر بے ہوش ہوگئے ہیں۔

دہلی سے چل کر دوپہر کا کھانا چھوٹی خالہ کے یہاں ''خانجہاں پور'' میں کھایا اور کھانے کے بعد دیر تک آرام فرمایا، پھر بعد نماز ظہر وہاں سے روانہ ہوئے پروگرام یہ تھا کہ ''پورقاضی'' کے قریب باغ میں ہوتے ہوئے دیوبند پہونچیں گے، لیکن درمیان میں اطلاع ملی کہ حضرت مولانا طلحہ صاحب مدظلہ بغرض ملاقات وزیارت دیوبند تشریف لائے ہوئے ہیں، اس لئے سیدھے دیوبند آنے کا پروگرام بنالیا، مغرب سے کچھ پہلے گھر پہنچے، اور اندر سے وہ کرسی منگائی جو بیٹری سے چلتی تھی کرسی لائی گئی حسب معمول اس پر بیٹھے اور گھر میں داخل ہونے لگے، جس کے لئے ذرا سی اونچائی کو عبور کرنا تھا اور عام طور سے دن میں کئی کئی بار اس راستہ سے آتے جاتے تھے، لیکن نہ جانے کیا ہوا اوپر کو چڑھتے ہوئے کرسی پلٹ گئی اور ماموں جان کے سر کے پچھلے حصہ میں شدید ضرب آئی، خون جاری ہوگیا، لوگوں نے اٹھایا اور اندر کمرہ میں لے گئے، پورا خاندان جمع ہوگیا کسی کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اچانک یہ کیا ہوگیا، ماموں جان کے ہوش وحواس ابھی باقی تھے اور اس حالت میں بھی اگر انہیں کسی چیز کی فکر تھی تو وہ نماز اور مہمانوں کی تھی، گھر والوں سے پوچھا کہ مولانا طلحہ صاحب کو چائے ناشتہ وغیرہ کرایا یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ناشتہ سے فارغ ہوگئے ہیں تو اطمینان ہوا، پھر مسلسل اصرار کرتے رہے کہ مجھے تیمم کراؤ، عصر کی نماز

پڑھنی ہے، اس لئے کہ وقت تنگ ہوتا جارہا تھا، لیکن اس حالت میں جب کہ مسلسل سر سے خون نکل رہا ہے کس طرح تیمم کرایا جاسکتا تھا، بہر حال ان کے اصرار پر مٹی منگائی گئی، تیمم کی کوشش کرنے لگے چہرے پر ہاتھ پھیرا دونوں ہاتھوں کا مسح کرنے لگے اسی دوران بے ہوشی کا غلبہ ہوا اور دنیا و مافیہا سے اس حال میں بے خبر ہوئے کہ دل و دماغ میں نماز پڑھنے کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی، رات ہی میں دہلی لے جایا گیا اور پھر اسی اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے کمرہ میں داخل کردیا گیا، اہل خانہ اور متعلقین کی بے چینی و بے قراری ماموں جان کی صحت کے تئیں بڑھتی چلی گئی، اعلیٰ سے اعلیٰ علاج ومعالجہ اختیار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، لیکن اللہ نے اب اپنے اس مقبول بندے کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمالیا تھا، چناں چہ ۳ رمہینہ پانچ دن بے ہوشی کی حالت میں رہنے کے بعد اس شان سے واصل بحق ہوئے کہ زبانِ مبارک اسی کے ذکر سے سرشار تھی، اس تین مہینہ میں کبھی کبھی ہوش کے آثار محسوس بھی ہوتے، آنکھیں بھی کھولتے آواز دینے پر متوجہ بھی ہوتے اور تسبیح ہاتھوں میں دے دی جاتی تو اس کے دانوں کو بھی پلٹتے، زبان کی حرکت سے بھی محسوس ہوتا کہ اللہ کا ذکر کررہے ہیں لیکن وفات سے دس منٹ قبل جس انداز میں زبان سے ذکر اللہ جاری ہوا اور وہاں موجود لوگوں نے سنا وہ اس سے پہلے محسوس نہیں ہوا تھا، اور اسی ذکر میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

ماموں جان اگرچہ تین مہینہ سے بے ہوش تھے، لیکن پھر بھی ایک ڈھارس تھی اور اللہ کی جانب سے صحت کی امید لگائی جاتی تھی، لیکن وفات کے بعد عیاں طور پر یہ محسوس ہونے لگا کہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے، ہمارا مربی و مصلح اور ہر مشکل موقع پر ہمیں راہ دکھانے والا ہم سے جدا ہوگیا۔

ماموں جان کی وفات کی خبریں تو سب پر بجلی بن کر گری لیکن نانی جان مدظلہا کے دل سے پوچھا جائے کہ انہوں نے اس عمر میں کس طرح بیٹے کی جدائی کے غم کو سہا اور برداشت کیا۔

ماموں جان کا وصال ۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ رفروری ۲۰۰۶ء بروز پیر شام تقریباً پونے چھ بجے ہوا، ۸ ربجے کے قریب آپ کا جنازہ بذریعہ ایمبولینس جمعیۃ علماء ہند کے آئی ٹی او میں واقع مرکزی دفتر لایا گیا، یہ وہی دفتر ہے جس کی شان کو دوبالا کرنے والی آپ ہی کی ذات تھی، اسی دفتر میں بیٹھ کر آپ نے ملک وملت کے لئے وہ عظیم فیصلے لئے ہیں کہ جن کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی، آج یہ دفتر آپ کی وفات پر ماتم کناں ہے۔

آپ کا جنازہ اس مدنی ہال کے اسٹیج پر رکھ دیا جاتا ہے جہاں بیٹھ کر آپ نے نہ جانے کتنے اجتماعات کی صدارت کی ہوگی، کچھ ہی دیر بعد ملک کے وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ کانگریس پارٹی کی صدر محترمہ سونیا گاندھی دسیوں وزراء اور معزز سیاسی وسماجی شخصیات اپنے محبوب کا آخری دیدار اور خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر پہنچ جاتے ہیں، سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا، دیوبند جانے میں تاخیر ہورہی تھی اس لئے جنازہ کو دوبارہ ایمبولینس میں رکھ دیا گیا اور چلنے کی تیاری ہوگئی۔

تقریباً ساڑھے دس بجے شب میں ایمبولینس کے ساتھ گاڑیوں کا ایک قافلہ دیوبند کے لئے روانہ ہوجاتا

ہے اور پونے تین بجے کے قریب جب جنازہ دیوبند پہنچتا ہے تو ہزاروں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے شیخ کے آخری استقبال کے لئے جی ٹی روڈ پر موجود ہوتا ہے، لوگوں کی نظر جب ایمبولینس پر پڑتی ہے تو وارفتگی اور عقیدت کے جذبات اپنی تمام حدود کو پار کر جاتے ہیں اور لوگ دیوانہ وار ایمبولینس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، فرطِ عقیدت میں مغلوب ایسے لوگ بھی دکھائی دیئے جو ایمبولینس کے پیچھے دوڑتے جاتے تھے اور اپنا ہاتھ ایمبولینس سے مس کر کے اسے چوم رہے تھے۔

جنازہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کے مکان پر لایا گیا جہاں نانی جان مدظلہا اور گھر کی تمام مستورات جمع تھیں، فوراً غسل دیا گیا اور پھر کچھ دیر تک اہل خانہ کی زیارت کے لئے رکھ دیا گیا، صبح پانچ بجے سے کچھ پہلے جنازہ کو اٹھایا گیا پروگرام یہ تھا کہ دارالحدیث تحتانی میں جنازہ کو آخری دیدار کے لئے رکھ دیا جائے گا؛ لیکن گھر سے نکلنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مجمع کنٹرول سے باہر ہوتا جارہا ہے، بہ مشکل تمام ۴۰ رمنٹ میں جنازہ گھر سے دارالحدیث پہنچا، زیارت کے لئے چہرہ سے چادر ہٹائی گئی تو لوگ دیدار کے لئے اس طرح ٹوٹے کہ اس سلسلہ کو برقرار رکھنا مشکل ہوگیا۔

نماز فجر کے کچھ دیر بعد جنازہ دارالحدیث سے باہر لایا گیا اور باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا، مجمع اتنا زیادہ تھا کہ نہ صرف دارالعلوم کا چپہ چپہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، بلکہ مسجد رشید کے اطراف وجوانب کا حصہ اور اس کے باہری حصہ میں بھی صفیں لگی ہوئی تھیں، ٹھیک اشراق کے وقت یعنی تقریباً ساڑھے سات بجے جگر گوشۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم نے بھرائی ہوئی آواز میں نماز جنازہ پڑھائی، نمازِ جنازہ کے وقت بے تحاشا مجمع کے باوجود سکون واطمینان غیر معمولی تھا، اب جنازہ کو قبرستان تک لے جانا بڑا اہم مرحلہ تھا، فضاء میں شدید کہرا چھایا ہوا تھا، لیکن آنے والوں کا سلسلہ جورات سے شروع ہوا تھا تسلسل کے ساتھ جاری تھا اور مجمع اندازے سے باہر ہوگیا تھا، اور ہر فرد کی یہ خواہش تھی کہ جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرے؛ لیکن یہ ناممکن تھا، احاطۂ دارالعلوم سے لے کر قبرستان قاسمی تک کوئی دیوار، مکان یا اونچی عمارت حتی کہ درخت ایسا نہیں تھا جس پر لوگوں کا جم غفیر موجود نہ ہو جس کو جہاں جگہ ملی کھڑا ہوگیا، اور حسرت بھری نگاہوں سے جنازہ کی آمد کا منظر دیکھنے لگا۔ اِدھر جنازہ کو دیکھئے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پانی میں تیر رہا ہے، جو جنازہ کے قریب تک نہیں پہنچ پاتا تھا وہ دور ہی سے اس پر اپنی چادر یا رومال پھینک کر کچھ تسکین حاصل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ماموں جان کو حیرت انگیز عظمت ومقبولیت سے نوازا تھا، وہ لوگ جو آپ کی ایک آواز اور اپیل پر نامناسب حالات اور سخت موسم کی پرواہ کئے بغیر دسیوں لاکھ کی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے، آج وہ بغیر کسی اپیل کے اپنے مشفق شیخ ومربی اور محبوب قائد کو آخری سلام اور الوداع کہنے کے لئے نمناک آنکھوں کے ساتھ اطراف وجوانب اور ملک کے کونے کونے سے آئے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ بروقت نماز جنازہ ہوگئی ورنہ اگر تھوڑی بھی تاخیر کردی جاتی —— جیسا کہ آنے والے لوگوں کا برابر اصرار تھا—— تو مجمع بے قابو اور کنٹرول سے باہر ہو جاتا، دارالعلوم سے قبرستان قاسمی تک کی مسافت جو مشکل سے پانچ منٹ میں طے ہو جاتی تھی، آج وہ قبرستان آنے کا

نام نہیں لے رہا تھا، اور جب جنازہ قبر کے قریب رکھا گیا ہے تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا، اب آپ کو آخری آرام گاہ میں اتارنے کی تیاری کی جانے لگی، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے فرمایا کہ: ''حفاظ قرآن ہی آپ کو قبر میں اتاریں''، چناں چہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی، حضرت مولانا محمود صاحب مدنی، مولانا محمد مدنی صاحب، مولانا ازہد مدنی صاحب، مفتی محمد سلمان صاحب اور احقر نے مل کر آپ کو چارپائی سے اٹھایا، پھر مفتی سلمان صاحب قبر میں سرہانے کی جانب اتر گئے اور احقر کو پائتی اترنے کی سعادت حاصل ہوئی، دیگر حضرات نے قبر کے بالائی حصہ سے نیچے اتارنے میں تعاون کیا، ہم لوگوں نے کفن کے سرہانے اور پائتی کی گرہوں کو ڈھیلا کیا، دائیں جانب ذراسی کروٹ دلائی، اور اپنے ماموں جان کو اللہ کے حوالے کر کے قبر کے بالائی حصہ میں چلے آئے، تختے برابر کردیئے گئے اور مٹی ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو شام تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا، بلکہ اگلے دن بھی لوگ قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے دیکھے گئے۔

اب ہمارے ماموں جان، حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ اور نانا جان حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے بالکل جوار میں آسودۂ خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبولیت سے نوازے اور پوری ملت کی جانب سے ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔ □□□

اُم سلمان عمرانہ مدنی مدظلہا (صاحبزادی حضرت شیخ الاسلامؒ)

''بڑے بابو''

وہ عظیم مشفق بھائی جس نے یتیم بھائی بہنوں پر دستِ شفقت رکھا

۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ ہمارے خانوادہ کے لئے وہ سیاہ دن تھا جب ہمیں دوبارہ یتیمی سے دوچار ہونا پڑا، ایک وہ وقت تھا جب ہم نے ۴۹ ؍سال پہلے اپنے ''اباجی'' (حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی جدائی کا غم سہا تھا۔ اور اب وہ وقت آیا کہ ہمارے مشفق عظیم بھائی، امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ (جنہیں ہم سب ادب سے ''بڑے بابو'' کے لقب سے پکارتے تھے) بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

یہ میرے لئے سعادت کی بات تھی کہ میں وفات سے چند لمحے پہلے اسپتال میں ''بڑے بابو'' کے پاس حاضر تھی، اور میں نے انہیں تیزی سے اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا، اور آخری مرتبہ کھولی جانے والی آنکھوں پر ہاتھ رکھا، یہ منظر زندگی بھر کبھی میرے ذہن سے اوجھل نہ ہوگا۔ ان کی وفات سے ایسا لگا گویا ایک سایہ سر سے ہٹ گیا، اور ایک آغوش شفقت سے ہم محروم ہوگئے، بے شک ''بڑے بابو'' اس جگہ چلے گئے ہیں جہاں جاکر کوئی واپس نہیں آتا مگر ان کی جدائی کی خلش دل میں ایسی پیوست ہوگئی ہے کہ ابھی تک ذہنی سکون میسر نہیں ہے، اور کسی وقت بھی ان کا خیال دل سے نہیں ہٹتا، اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

''بڑے بابو'' کی شفقتیں اور احسانات اس قدر ہیں کہ میں بیان نہیں کرسکتی، میری عمر ساڑھے نو سال کی تھی جب ''اباجی'' کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس وقت نہ تو اتنی ناسمجھ تھی کہ حادثہ کو نہ جانتی، اور نہ اتنی سمجھدار تھی کہ صبر وضبط سے کام لیتی۔ ہوتا یہ تھا کہ جب ''اباجی'' کی یاد آتی تو چلا چلا کر روتی تھی آپا صاحبہ (والدہ صاحبہ مدظلہا) بہت سمجھاتی تھیں، خود بھی رونے لگتی تھیں، مگر میں سوچتی تھی کہ اب مجھے پیسے کون دے گا؟ اور ''اباجی'' کی طرح ناز برداری کون کرے گا؟ اس وقت ''بڑے بابو'' سے گفتگو میں بے تکلفی نہ تھی بلکہ ذرا دور رسا لگا تھا، مگر ''اباجی'' کے بعد اچانک محسوس ہوا کہ ''بابو'' بالکل بدل گئے ہیں، اب جو فرمائشیں آپا سے کی جاتیں تو آپا ا[illegible] کرتیں مگر ''بابو'' انہیں پوری کرتے اور ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھتے۔

چھوٹے بابو (حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ) مجھ سے تقریباً سات سال بڑے ہیں مگر شروع سے ہی ساتھ کھیلنے کی وجہ سے ان سے بہت بے تکلفی رہی، بچپن میں عید بقرعید کے موقع پر جب کچھ پیسے جمع ہوجاتے تو ان

کا اصرار ہوتا کہ مجھ کو بہت ضرورت ہے لہٰذا قرض کے طور پر دے دو اور جیسے ہی میرے پاس پیسے ہوں گے فوراً دے دوں گا، چناں چہ قرض دے دیا جاتا وقت گذرتا جاتا، مگر نہ چھوٹے بابو کے پاس پیسے ہوتے نہ قرض ادا ہوتا۔ مجبوراً مقدمہ ''بڑے بابو'' کی خدمت میں پیش ہوتا، تو آپ ''چھوٹے بابو'' کو تنبیہ فرماتے کہ چھوٹی بہن سے قرض لیتا ہے، اور پھر خود ہی قرض ادا فرماتے۔

میں قرآن شریف ناظرہ ختم کرچکی تھی مگر روانی نہیں تھی، بہت اٹک اٹک کر پڑھتی تھی۔ ایک روز بہت خوب صورت قرآنِ کریم لے کر آئے اور کہا کہ اگر تو ایک مہینہ میں قرآن شریف ختم کرلے تو یہ قرآن تجھے دے دوں گا، چناں چہ میں نے اس قرآن کو حاصل کرنے کے شوق میں خوب محنت کی، جس کی بدولت بفضل خداوندی نہ صرف پڑھنے میں روانی آگئی بلکہ تلاوت کی پابندی بھی نصیب ہوگئی۔ اسی طرح شروع میں نماز کی پابندی نہیں تھی مگر ''بابو'' کا یہ معمول تھا کہ نماز کے بعد جب گھر میں آتے تو پوچھتے کہ ''عمرانہ نماز پڑھی یا نہیں؟'' ان کی اس پوچھ گچھ کا اثر یہ ہوا کہ نماز کی پابندی بچپن ہی سے ہوگئی۔ **فالحمد کلہ للہ۔**

میری پندرہ سولہ سال کی عمر ہوگی، طبیعت خراب ہوگئی، اور نزلہ بگڑ گیا، بڑی خالہ کلکتہ میں رہتی تھیں، خالو مرحوم (حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ) کا اصرار تھا کہ عمرانہ کو کلکتہ بھیج دو یہاں سینہ کے بہت ماہر ڈاکٹر ہیں ان کو دکھادیں گے، لیکن بابو نے صفائی سے منع کردیا کہ علاج کے لئے کسی کے گھر نہیں بھیجوں گا۔ پھر آپا صاحبہ کے ساتھ خود دہلی لے کر گئے، وہاں ڈاکٹر کو دکھلایا اور حکیم عبد الجلیل مرحوم کے علاج سے فائدہ ہوا۔ مجھ کو سردی بہت لگتی ہے اس لئے میرے لئے گرم رومال اور کپڑوں کا بہت خیال رکھتے تھے اکثر باہر کے سفر سے جب واپس ہوتے تو اہتمام کے ساتھ ایسے کپڑے لے کر آتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ ''جس شخص کی دو یا تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کی بہترین تربیت کرکے ان کا نکاح کرادے تو اس کے لئے جنت طے شدہ ہے''۔ (ابوداؤد شریف ۵۱۴۷) ''بابو'' نے اپنی تین چھوٹی بہنوں اور دو چھوٹے بھائیوں کی ایسی پرورش کی کہ بڑی حد تک یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا جس پر انشاء اللہ انہیں آخرت میں رحمت وعافیت اور جنت سے نوازا جائے گا۔ ہم بہنوں کی ہر خوشی میں وہ شریک رہتے تھے، اور ہر پریشانی سے پریشان ہوجاتے، میرے بڑے لڑکے ''سلمان'' نے ''دورۂ حدیث شریف'' میں پورے دار العلوم میں ٹاپ کیا، تو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دعوت کھلاؤ، یہ شاید دعوت کی پہلی فرمائش تھی ورنہ ہمیشہ دعوت خود کھلاتے تھے۔ جب دیوبند آتے اور میرے جانے سے پہلے بچوں میں سے کوئی پہنچتا تو فوراً پوچھتے کہ ''تیری ماں نہیں آئی'' اکثر فون آتا کہ فوراً آجاؤ، کھانا یہیں کھالو، میرے کپڑے ٹھیک کردو اور پہنچتے ہی صالحہ کو آواز دیتے کہ اپنے باپ کی پھوپھی کے لئے ناشتہ لاؤ، (صالحہ محمود سلمہ کی منجھلی بچی ہے، جس نے دادا کی بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ اس کو دین اور دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔ آمین)

محمود سلمہ نے اپنی بڑی لڑکی کی شادی بہت سادگی سے کی، کسی کو نہیں بلایا شادی سے ایک روز پہلے میں بابو سے ملنے گئی، تو پوچھنے لگے کہ کل کس وقت آؤ گی؟ میں نے کہا کہ ظہر کے بعد رخصتی میں آجاؤں گی، تو فرمایا کہ تم میری بہن ہو میں بلا رہا ہوں تم مع اہل وعیال کل یہیں رہو گی۔

ایک روز میں ملنے گئی تو بہت پریشان تھے میں نے پوچھا بابو کیا ہوا؟ کہنے لگے خانہ کعبہ کے غلاف کا استر رکھا ہوا تھا اسے تلاش کر رہا ہوں، میں نے اس کو کفن کے لئے رکھا تھا، میں نے کہا غلاف تو کالا ہوتا ہے، فرمایا کہ اس کا استر سفید ہوتا ہے (اسی غلاف میں آپ کو کفن دیا گیا) پھر بہت ناامیدی کی باتیں کرنے لگے، اس سال شروع رمضان میں عمرہ کر کے آئے، میں ملنے گئی طبیعت پوچھی، فرمایا کہ ''اب آخرت کا راستہ اسپتال ہو کر جاتا ہے'' میرا اوسط رمضان میں عمرہ کے لئے جانا ہوا کچھ کاغذات کی تکمیل کی وجہ سے دہلی میں رکنا پڑا تو فون پر فرماتے رہے کہ دہلی میں کیوں ٹھہری ہے دیوبند کیوں نہیں آئی؟ عید کے اگلے روز میں نے مدینہ منورہ سے فون پر بات کی اس وقت آپ دہلی سے دیوبند جا رہے تھے، بہت اچھی طرح بات ہوئی اور جلدی واپس آنے کی تاکید کی، اس کے کچھ ہی گھنٹوں کے بعد سر میں چوٹ لگنے کا دل دوز واقعہ پیش آیا جس کے بعد آپ کو مکمل ہوش نہ آسکا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ''بڑے بابو'' کی پوری زندگی ایک جہاد سے کم نہ تھی، الغرض کن کن باتوں کو یاد کروں اور کیسے اپنی بے قراری کو سکون دوں، بس اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔ □□□

حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی 'مدنی منزل دیوبند

یتیمی کا داغ' جو مٹ نہ سکے گا

''بابوؒ'' (حضرت فدائے ملتؒ) کا جنازہ ''اباجیؒ'' کے کمرہ میں انہی کے پلنگ پر رکھا ہوا تھا، اور آپا مدظلہا (والدہ صاحبہ) ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، مجھ کو دیکھ کر روتی ہوئی آئیں اور لپٹ کر کہا: ''آج تم دوبارہ یتیم ہوگئے''۔ بے شک انہوں نے سچ کہا میں نے تو آنکھیں کھول کر ''اباجی'' کی جگہ ''بابوؒ'' ہی کو دیکھا، اور انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ اسی شفقت کا معاملہ کیا جو ایک مشفق باپ اپنی عزیز ترین اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وقت بچپن کے چند واقعات یاد آرہے ہیں ان سے قارئین حضرتؒ کی شفقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

○ میں بہت چھوٹا تھا، چھوٹے بابو مدظلہ اس زمانہ میں گیا (بہار) میں پڑھاتے تھے، قرآنِ کریم میں نے وہاں جا کر شروع کیا تھا، ایک سفر بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ ہوا، ساتھ میں کھانا تھا، لیکن روٹیاں سادی تھیں پوچھا ارشد! یہ روٹیاں سادی کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو پراٹھے سے تکلیف ہوجاتی ہے، بہت غصہ سے کہا تو خود سوکھی روٹیاں کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے، اسجد کے لئے پراٹھے کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ مجھ کو یاد ہے دیر تک اس کا ذکر کرتے رہے اور بار بار کرتے رہے۔

○ گیا ہی کے قیام کے زمانہ کا واقعہ ہے، میں دیوبند آیا ہوا تھا۔ بابو کا یوپی اور بہار کا پروگرام تھا اس لئے ہم لوگ چار پانچ دن میں پہنچے، ہر جگہ رات کی طے شدہ ٹرینوں کو چھوڑ دیتے تھے اور منتظمین سے کہتے کہ اسجد کی نیند خراب ہوگی اس لئے دن کی ٹرین کا انتظام کرو۔

○ ایک مرتبہ آپا مدظلہا کسی ضرورت سے ''بابوؒ'' کے ساتھ دلی جارہی تھیں، جب میں نے برقعہ اوڑھے دیکھا تو رونا شروع کردیا کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا، آپا مدظلہا نے زور سے ڈانٹا، ''کوئی ضرورت نہیں! میں تو کل آجاؤں گی''، چلتے وقت بابو نے گھر میں مجھ کو روتے دیکھ کر پوچھا: کیوں رو رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ آپا کے ساتھ جانا چاہتا ہے، فوراً کہا کہ: اسے بھی ساتھ لے کر چلو، جلدی جلدی تیاری کی، جب تک تیار نہیں ہوا بیٹھے رہے اور ساتھ لے کر گئے۔ اُس زمانہ میں لیڈیز ڈبہ الگ ہوتا تھا، میں آپا مدظلہا کے ساتھ اس ڈبہ میں تھا، جیسے ہی اسٹیشن پر گاڑی رکتی فوراً آتے اور پوچھتے کسی چیز کی ضرورت ہے؟ پانی لاؤں، کوئی پھل کھائے گا، کیلا لے کر آئے، ایک مرتبہ کوئی اور چیز لے کر آئے، اس طرح دلی پہنچے۔ اُس زمانہ میں پرانی دلی میں ٹرام چلتی تھی جب ہم لوگ ٹیکسی سے بلی ماران پہنچے تو میں نے اس ٹرام کو دیکھ کر شور مچادیا، دیکھو کیسی بس؟ لوہے کی کیسی بس۔ مجھ کو یاد ہے کہ بابوؒ نے اس پر بہت زور سے قہقہہ لگایا اور تفصیل سے مجھ کو بتلایا کہ یہ بس نہیں اس کو ٹرام کہتے ہیں اور یہ بجلی سے چلتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

○ جب میری شادی ہوئی، بڑے اہتمام سے بستی پور بہار کا سفر کیا، واپسی میں عورتیں اور سامان وغیرہ

بھی تھا، اس وقت سستی پور صرف ایک ٹرین جینتی جنتا ایکسپریس چلتی تھی، جس میں سب سیکنڈ کلاس کے ڈبے ہوتے تھے، لوگوں کی آمد ورفت ہر وقت رہتی تھی آپ نے سب کو سلا دیا اور پوری رات تقریباً بیٹھ کر گذار دی۔

○ جس زمانہ میں میں دفتر جمعیۃ علماء ہند آیا اس کے کچھ روز بعد فرید بھائی مرحوم مدراس کے بچہ کی شادی تھی، فرید بھائی بابو سے بہت تعلق رکھتے تھے، اور بابو ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے، انہوں نے بابو سے کہا کہ اسجد کو اپنے ساتھ لے کر آئیں، ہم لوگ مدراس ہوائی جہاز سے پہنچے، پھر ان کے وطن ''پلے پٹی'' گئے، شادی سے فراغت کے بعد فرید بھائی مرحوم نے بابو سے عرض کیا کہ اسجد پہلی مرتبہ جنوبی ہند آیا ہے اس لئے یہاں جو تفریحی مقامات ہیں، میں نے آپ کا اور اسجد کا پروگرام چار روز کا بنا دیا ہے، کوڑے کنال، اوٹی، بانڈی پورہ، نیشنل پارک، میسور اور بنگلور۔ بار بار بابو یہ کہتے رہے کہ مجھ کو کس چیز کی سزا دی جا رہی ہے؟ لیکن ہر ہر مقام پر میرے ساتھ گئے وہاں کی تفصیلات اور خصوصیات بتلاتے رہے، گھماتے رہے، چار روز کی تفریح کے بعد ہم لوگ بنگلور سے دلی پہنچے۔

شفقت ومحبت کے واقعات اور یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، کہاں تک لکھوں، اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ملی خدمت کی تابناک مثالیں

مجھ کو جمعیۃ علماء ہند کے دور نظامت میں حضرت بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ بہت قریب رہنے کا موقع ملا، میں نے سرد وگرم حالات میں بھی آپ کو ثابت قدم پایا، اور ان جیسے حوصلہ اور جرأت کا انسان میں نے نہیں دیکھا، اس سلسلہ کے واقعات تو بہت ہیں لیکن اس وقت چند ایسے واقعات جن کا میں خود شاہد ہوں، پیش کرتا ہوں:

مراد آباد کا فساد: اندرا گاندھی کے زمانے میں مراد آباد میں عید کے دن عید گاہ میں پولیس نے ایک معمولی سے انتشار پر مسلمانوں پر گولی چلائی اور سیکڑوں مسلمان شہید ہو گئے۔ مراد آباد میں بڑے سخت حالات تھے، پولیس اور پی اے سی کے مظالم مسلمانوں پر سارے شہر میں ہو رہے تھے، اور افسران حکام کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ مسلم نوجوان پولیس پر حملہ آور ہوئے تو پولیس نے اپنے دفاع میں گولی چلائی، اندرا جی کے پاس یہی اطلاع تھی اور ان کا ذہن بھی یہی تھا، ان ہی خطرناک حالات میں بابوؒ مراد آباد آئے، یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور دلی پہنچ کر اندرا جی سے ملے اور پولیس کے مظالم کی تفصیلات بتلائیں، اندرا جی نے گیانی ذیل سنگھ کو جو اس زمانے میں حکومت ہند کے وزیر داخلہ تھے، مراد آباد حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، وہ ہوائی جہاز سے روانہ ہوئے، بابوؒ ان کے پیچھے کار سے، جب بابوؒ مراد آباد میں کوتوالی پہنچے ہیں تو حکام گیانی ذیل سنگھ کو شہر کا دورہ کرا کے وہی پرانی رپورٹ دے رہے تھے، بابوؒ اس میٹنگ میں زبردستی گھس گئے اور صحیح صورت حال سے آگاہ کیا اور گیانی ذیل سنگھ سے کہا آیئے! وہ نوجوان جو پولیس پر حملہ آور ہوئے تھے، ان کی لاشیں آپ کو دکھلاؤں اور گیانی جی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لائے جہاں بھیڑ بکری کی طرح مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک ایک لاش کا چہرہ گیانی جی کو دکھلاتے تھے، کہتے تھے یہ بوڑھا جس کے چہرہ پر سفید ڈاڑھی ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ یہ بچہ جو ابھی چلنا

سیکھ رہا ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ اس طرح وہاں بوڑھے اور بچوں کی جتنی لاشیں پڑی تھیں ایک ایک کے چہرے کو دکھایا۔ گیانی ذیل سنگھ کے سامنے جب یہ صورتِ حال آئی تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آئی جی پولیس جوان کے بغل میں کھڑا ہوا تھا، غصہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی وردی پر جو اسٹار لگے ہوئے تھے نوچ نوچ کر پھینک دئے اور کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری وردی پر یہ اسٹار لگیں، اور دلی آ کر اس رپورٹ کی تصدیق کی جو باتوؒ نے اندرا جی کو دی تھی، اور اس کے نتیجہ میں مراد آباد کے حالات بدلے۔

بھاگل پور کو بچالیا: بھاگل پور کے فساد کے موقع پر باتوؒ کا تیسرا دورہ تھا اور اس میں میں بھی ساتھ تھا۔ ہم لوگ شام کے جہاز سے دلی سے پٹنہ پہنچے اور رات میں وہاں سے ٹرین کے ذریعہ بھاگل پور جانا تھا، ابھی ہم اسٹیشن جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ بھاگل پور سے تواتر کے ساتھ اطلاعات آنی شروع ہوئیں کہ چمپانگر، بھاگل پور کو فسادیوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، ہجوم بڑھتا جا رہا ہے، مسلمان اپنا دفاع کر رہے ہیں، پولیس تماشائی بنی ہوئی ہے، اگر فوری طور پر حفاظت کا بندوبست نہ کیا گیا تو رات گذرتے گذرتے فسادی غالب آجائیں گے اور ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام ہو جائے گا۔ باتوؒ نے فوراً وزیر اعلیٰ بہار سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، معلوم ہوا کہ وہ پٹنہ سے باہر ہیں اور مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کر رہے ہیں۔ بار بار فون کرنے پر جواب یہی ملتا کہ صاحب سو گئے ہیں، صبح بات ہوگی۔ جب مایوس ہو گئے تو راجیو گاندھی سے رابطہ کی کوشش کی وہ اس وقت وزیر اعظم تھے، رات اچھی خاصی گذر چکی تھی، لیکن لگے رہے۔ راجیو سے بات ہوئی انہوں نے حالات سن کر کہا چیف منسٹر سے بات کیجئے، باتوؒ نے بہت غصہ میں جواب دیا: یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، اور آپ کو قانون سوجھ رہا ہے، آپ کا چیف منسٹر بات کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کر رہا ہے، راجیو نے کہا کہ اچھا آدھے گھنٹے کے بعد پھر مجھ سے رابطہ قائم کریں، آدھے گھنٹہ کے بعد دوبارہ رابطہ قائم کیا، راجیو سے بات ہوئی، انہوں نے کہا کہ ڈسٹرکٹ اتھارٹی کو احکامات دے دئے گئے ہیں وہ حفاظت کا بندوبست کرے گی، باتوؒ نے فوراً کہا کہ وہ شام سے فسادیوں کا ساتھ دے رہی ہے، مظلوموں کا نہیں۔ آپ فوج کو حکم دیں کہ وہ حرکت میں آئے اور اپنی ایک ٹکڑی بھیجیں، ورنہ صبح ہوتے ہوتے پورا علاقہ تباہ و برباد ہو جائے گا، راجیو نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں ایک گھنٹے کے بعد بھاگل پور سے اطلاع ملی کہ فوج آگئی ہے، اس نے پوزیشن سنبھال لی ہے، اور فسادی منتشر ہونا شروع ہو گئے ہیں، وہ پوری رات باتوؒ نے دفتر جمعیۃ علماء بہار کی ایک کرسی پر بیٹھ کر گذار دی، اور الحمد للہ چمپانگر کو تباہی سے بچالیا۔

بجنور کا فساد: مجھ کو یاد ہے کہ بجنور کے فساد کے موقع پر پی اے سی نے بے پناہ مظالم کئے تھے، انہی حالات میں باتوؒ نے بجنور میں داخل ہونے کی کوشش کی، میں اس سفر میں باتوؒ کے ساتھ تھا، بجنور سے پہلے گنگا کے پل پر پولیس نے باتوؒ کو روک دیا، پولیس کے ساتھ باتوؒ کی تکرار ہو رہی تھی کہ ایک سرکاری بس وہاں رکی، باتوؒ نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ جلدی سے اس میں بیٹھ جاؤ، مختصر یہ کہ بجنور سے واپسی پر تفصیلی رپورٹ جب میں نے باتوؒ کو پیش کی، تو باتوؒ اس کو لے کر راجیو گاندھی کے پاس گئے، راجیو اس وقت اپوزیشن لیڈر تھے، وہاں کے بھیانک مظالم کی تفصیلات جب باتوؒ نے راجیو کے سامنے رکھیں اور بتلایا کہ بجنور وہ جگہ ہے کہ جس نے ۱۹۴۰ء سے آج تک فرقہ

پرستی کا مقابلہ کیا اور کانگریس کے علاوہ کوئی نمائندہ وہاں سے نہیں جیتا، مجھ کو یاد ہے کہ راجیو یہ ساری تفصیلات سن کر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑے ہوگئے اور حکومت کے علی الرغم بابوؒ کے ساتھ انہوں نے بجنور کا دورہ کیا اور اس کے نتیجے میں وہاں کے حالات بدلے۔

بے مثال استغناء

بابوؒ نے جمعیۃ علماء ہند سے کبھی کوئی تنخواہ یا الاؤنس نہیں لیا، حتی کہ اپنے اور اپنے اہل خاندان کے دفتر میں طعام کا خرچ بھی خود ہی ادا فرماتے، اور اپنے ذاتی ضروریات کا بوجھ کبھی جماعت پر نہ ڈالتے تھے۔

مجھے آج بھی یاد ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب بابوؒ پہلی مرتبہ پالیمنٹ سے ریٹائر ہوئے تو جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ایک خصوصی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’’خدا کو گواہ بنا کر آپ لوگوں کو یہ بات بتلا رہا ہوں کہ ان چھ سالوں میں مجھ کو پارلیمنٹ سے جو کچھ بھی ملا میں نے اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے اور اپنے خاندان پر خرچ نہیں کیا‘‘۔

آخری رمضان کے چند مشاہدات

اس سال رمضان المبارک میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ اندازہ ہونے لگا کہ آپ زندگی سے ناامید ہورہے ہیں۔ رمضان سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے اپنی مصروفیات کو درمیان میں چھوڑ کر عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، ایک روز پہلے واپسی ہوئی، اس سفر میں گردے بہت متأثر ہوئے، ڈاکٹروں کی رائے پر اپولو میں داخل کردئے گئے، جب میں اسپتال پہنچا تو دونوں ہاتھوں میں گلوکوس کی نڈل لگی ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ روزہ توڑا نہیں ہے، میں نے خوش طبعی کے طور پر عرض کیا یہ آپ کا اچھا روزہ ہے، گلوکوز چڑھ رہا ہے، پیاس اور ضعف کا نام ونشان نہیں اور روزہ اپنی جگہ پر باقی ہے، تو فرمانے لگے اچھا کل سے روزہ نہیں رکھوں گا، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے عرض کیا ابھی گیارہ ہی بجے ہیں، آپ کچھ کھا لیجئے، گردے کی تکلیف ہے اس میں پانی کی بہت ضرورت ہے، روزہ آپ کے لئے مہلک ہوسکتا ہے، فرمانے لگے آج تو روزہ توڑتا نہیں کل کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے ہمت کرکے عرض کیا کہ اتنی جلدی اپنی بات سے آپ پلٹ گئے، تو بہت زور سے قہقہہ لگایا اور فرمایا ’’جب تم اپنی بات سے پلٹ رہے ہو تو میں نہ پلٹوں، تم نے کہا کل روزہ نہ رکھنا، ابھی کہہ رہے ہو آج ہی توڑ دو‘‘۔ بچے (محمود سلمہ وغیرہ) مجھ سے کہنے لگے چچا آپ یہیں رہئے، آج کئی روز کے بعد ’’ابویا‘‘ نے اتنی باتیں کی ہیں اور قہقہہ لگایا ہے، اس کے بعد دو تین دن میں طبیعت سنبھل گئی اور دیوبند تشریف لے آئے۔

پندرہ رمضان کو مغرب کے بعد اچانک قلب کا دورہ پڑا، رات ہی میں دیوبند سے دلی لاکر اپولو اسپتال میں داخل کردیا گیا، اگلے روز ظہر کے بعد بمشکل تمام ملاقات کی اجازت ملی، جس وقت میں آئی سی یو میں پہنچا ہوں، مختلف مشینیں چاروں طرف لگی ہوئی تھیں، اور بیڈ پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے، مجھ کو دیکھتے ہی رونے لگے اور بے قابو ہوگئے اور روتے ہوئے فرمایا: ’’نہ روزہ ہے، نہ نماز، نہ قرآن، نہ تراویح۔ آخر کیا ہوگا‘‘؟

آج تک بابوؒ کی وہ بے قراری میری نظروں کے سامنے ہے جو مجھ سے بن پڑا اسی وقت عرض کرتا رہا، میں بھی روتا رہا وہ بھی روتے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آ گیا، تین چار روز میں طبیعت سنبھل گئی، ۱۹ر رمضان کو اسپتال سے چھٹی ملی، ہم سب لوگ عشاء سے پہلے دیوبند پہنچ گئے۔ اگلے دن حسب معمول اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ ۲۱ر رمضان کو ظہر کے بعد معتکف میں میں نے جا کر عرض کیا کہ ضعف بہت بڑھ گیا ہے، گردے متاثر ہیں، قلب کا دورہ پڑ چکا ہے، ان ہی حالات میں تو روزہ کی رخصت ہے، میری بات سن کر ایک عجیب انداز سے فرمایا! ''اب اگلے رمضان کی مجھ کو امید نہیں ہے، اس وجہ سے مجھے روزے سے مت روکو، جب تک چل رہا ہے چلنے دو''، میں خاموشی سے اٹھ کر واپس آ گیا۔

۲۹ر رمضان کو ظہر سے پہلے حاضر ہوا تو فرمانے لگے، ظہر کے بعد میرا ارادہ ہے کہ اوپر جا کر مہمانوں سے کچھ کہوں، میں نے کہا کہنے میں تو کچھ حرج نہیں ہے، لیکن اختصار کا خیال رکھئے گا، فرمایا: ہاں! مجھ کو اس کا احساس ہے، پھر ظہر کے بعد دس منٹ کی تقریر میں پورے مجمع کو خوب رلایا، اور خود بھی روئے، اور ایک عجیب جملہ فرمایا، جس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ''بھائیو! اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جا رہا ہوں''۔

عید کے اگلے دن عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا، اطلاع ملی کہ بابوؒ وہیل چیئر سے گر پڑے، دوڑتا ہوا گھر پہنچا تو دیکھا متو (محمد) سلمہ بابوؒ کے کمرے کے سامنے کھڑے ہیں، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ متو نے کہا سر میں چوٹ لگی ہے، پیشاب سے فارغ ہو رہے ہیں، اتنے میں بابوؒ نے آواز دی، ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا سر کے پچھلے حصہ سے تیزی سے ایک ایک قطرہ خون گر رہا ہے، متو سے فرمانے لگے جلدی سے تیمم کی مٹی لاؤ، عصر کی نماز پڑھوں گا، میں نے عرض کیا، خون بہہ رہا ہے تیمم نہیں ہوگا، تھوڑی دیر رک جائیے، خون بند ہو جائے، اس کے بعد تیمم کیجئے گا، تو رک گئے۔ پھر فرمایا: مولانا طلحہ صاحب کو چائے پلائی، میں نے عرض کیا جی ہاں پلا دی۔ کرتے کا پچھلا حصہ تر تھا، میں نے عرض کیا ہاتھ اوپر اٹھائیں، آپ کا کرتا اتار دوں، فرمایا کیوں؟ میں نے کہا کہ اتنا خون لگا ہوا ہے کہ آپ کی نماز نہیں ہوگی، اس درمیان میں ایک تنلی ہوئی، ہم لوگ مستقل کوشش کرتے رہے، کہ کسی طرح خون بند ہو جائے، مختلف قسم کی دوائیں زخم پر لگاتے رہے، اسی درمیان فرمانے لگے، مٹی لاؤ تیمم کروں اور عصر کی نماز پڑھ لوں، متو مٹی لے آئے، تیمم کیا، میں زخم پر دوا لگا تا رہا اور خون روکنے کی کوشش کرتا رہا، اسی درمیان میں دوبارہ تیمم کیا۔ چھوٹے بابو مدظلہ وہیں کمرے میں غسل خانے میں وضو کر رہے تھے۔ تیسری مرتبہ پھر بابوؒ نے تیمم شروع کر دیا، مجھ کو حیرت ہوئی کہ سہ بار کیوں تیمم کر رہے ہیں؟ میں نے جھک کر بابوؒ کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہ مجھ کو ہر طرح کے جذبات سے عاری نظر آیا، میں نے چھوٹے بابو کو آواز دی کہ جلدی آیئے! دیکھئے انہوں نے مجھ سے زور سے کہا کہ سنبھالو کہیں گر نہ جائیں، میں نے جلدی سے پیچھے سے کولی بھر لی، میرا خیال ہے دو منٹ گذرتے گذرتے ان پر مکمل بے ہوشی طاری ہو گئی، اور رات ہی میں ان کو دیوبند سے لا کر دلی اپولو اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ اور تین ماہ پانچ دن بے ہوشی و نیم بے ہوشی میں گذری، بالآخر ۶ر فروری ۲۰۰۶ء کی شام تقریباً پونے چھ بجے اپولو اسپتال میں اللہ اللہ کرتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ □□□

مولانا سید اشہد رشیدی
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ایک فطری تأثر

یہ بالکل فطری امر ہے کہ انسان کے دل ودماغ اور ذہن کے نہاں خانوں میں اسی شخصیت کا گہرا اور مضبوط نقش ابھرتا ہے جس سے وہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں متاثر ہوا ہو، ماں باپ ہوں یا استاذ، شیخ ہو یا قوم کا رہنما ہر ایک اپنی خداداد خوبیوں سے ماتحتوں کو متاثر کرتا ہے اور اگر رہبری وامامت کے فریضہ کو ادا کرنیوالا شخص مخلص نیک نیت اور صاحب بصیرت بھی ہے تو اسکی تئیں دلوں میں عقیدت کے جذبات بھی جنم لینے لگتے ہیں، میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے جس ذات گرامی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا وہ حضرت اقدس امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت تھی۔ ناسمجھی کے دور میں متاثر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ گھر اور خاندان کے ہر فرد کو حضرت علیہ الرحمہ کا رطب اللسان پایا، والدہ مرحومہ ہوں یا خالائیں، ماموں ہوں یا نانی صاحبہ دام ظلہا ہر ایک کو حضرت علیہ الرحمہ کی خوبیاں اور حسن سلوک کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، دوران گفتگو ضرور کسی نہ کسی بہانے گھر کے یہ افراد حضرت علیہ الرحمہ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کردیا کرتے تھے جب بھی حضرت علیہ الرحمہ ملنے کی غرض سے گھر میں تشریف لاتے تو تمام اہل خانہ ہر طرح کا کام کاج چھوڑ کر حضرت کے پاس اکٹھا ہوجاتے اور احترام کے ساتھ خاموش کھڑے ہو کر حضرت کی زیارت کرتے اور ارشادات کو بغور سنا کرتے۔ اسی طرح کسی بچہ کی بسم اللہ کرانی ہو یا کسی حافظ کے ختم قرآن کا موقع ہو یا کسی کے نکاح کا مسئلہ درپیش ہو، ہر موقع پر حضرت مرحوم ومغفور ہی سے درخواست کی جاتی تھی، جس کو آپ خوش دلی سے منظور فرما کر مصروفیات میں سے کوئی وقت یا تاریخ فارغ کرکے متعین فرمادیتے، اس طرح زمانہ طفولیت ہی میں آپ کی عقیدت اور احترام کے تابندہ نقوش قلب وجگر میں پیوست ہوگئے، کچھ سمجھ بوجھ آنے کے بعد سب سے زیادہ جس احساس نے متاثر کیا وہ یہ تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے چھوٹوں پر حد سے زیادہ شفیق ہیں سفر وحضر میں ہوں یا پروگراموں اور جلسوں میں، اگر کوئی خورد نظر پڑگیا ہے تو کھانے پینے اور آرام کے وقت ضرور اسکو یاد کرتے آوازیں دیتے اور کھانے وغیرہ اور آرام کے سلسلہ میں دریافت کرتے، اس موقع پر مجھے بچپن کے دو واقعہ یاد آگئے بطور نمونہ کے درج کئے دیتا ہوں۔

واقعہ (۱): میں دیوبند میں حفظ کررہا تھا، حضرت علیہ الرحمہ دیوبند تشریف لائے اور ایک دوروز قیام کرکے دہلی جانے لگے، میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ دہلی چلوں گا فرمانے لگے بہت اچھا چلو، ہم لوگ رات میں عشاء کے بعد بذریعہ کار دیوبند سے مظفر نگر اسٹیشن پر پہنچ گئے، ٹرین کے آنے میں کچھ دیر تھی رات کے ڈیڑھ دو بج رہے تھے، حضرت ایک کونہ میں اپنا رومال بچھا کر تہجد میں مشغول ہوگئے، کچھ دیر کے بعد حضرت فارغ ہوگئے اور ٹرین بھی آپہنچی اور ہم اس میں سوار ہوگئے، قبل اس کے کہ میں کچھ سوچتا حضرت علیہ الرحمہ نے بڑھ کر بستر بچھادیا اور فرمایا کہ ابھی صبح ہونے میں ڈھائی تین گھنٹہ باقی ہیں سوجاؤ اور پھر بڑی پھرتی سے اپنا بستر بھی بچھایا، اور آرام فرمانے

لگے، دہلی اسٹیشن پر اترنے کے بعد اس سے پہلے کہ میں حضرت کی اٹیچی اٹھاتا، آپ نے قلی کو اشارہ کیا اور اپنا سامان اسکو تھمانے کے بعد میرا سامان بھی اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور چل دیئے، یقیناً یہ برتاؤ چھوٹوں کے دلوں میں احترام کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی پروان چڑھا دیتا ہے اپنے چھوٹوں کے دلوں کو موہ لینا حضرت کو خوب آتا تھا۔

واقعہ (۲) : کافی دنوں پہلے کی بات ہے حضرت کا دیوبند سے دہلی جاتے ہوئے میرٹھ کے قریب کہیں ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے کولہا اتر گیا اور ایک ہاتھ میں فریکچر بھی ہوگیا تھا اس وقت میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ ششم کا طالب علم تھا، جب یہ خبر دیوبند پہنچی تو تمام اہل خانہ تشویش میں مبتلا ہوگئے اور جو جس حال میں تھا میرٹھ کی طرف دوڑ پڑا، حضرت علیہ الرحمہ کچھ دن میرٹھ میڈیکل کالج میں زیر علاج رہنے کے بعد مزید بہتر علاج کے لئے دہلی روانہ ہوگئے، میں پہلے میرٹھ اور پھر دہلی عیادت کیلئے گیا، میرٹھ میں حضرت کو تکلیف زیادہ تھی اس لئے کوئی گفتگو نہ ہوسکی لیکن جب میں مزاج پرسی کیلئے دہلی ہاسپٹل میں داخل ہوا، تو حضرت اپنے بیڈ پر تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے اور خاندان کے اکثر افراد آس پاس موجود تھے، میں ایک طالب علم جس کی کوئی خاص حیثیت اور اہمیت نہ اس وقت تھی اور نہ آج ہے، لیکن جب کمرہ میں داخل ہوکر میں نے سلام کیا اور ہمت کر کے مزاج دریافت کیا تو خاموشی اختیار کرنے یا ایک دو جملوں میں جواب دینے کے بجائے اپنی تمام تکلیفوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ علاج سے کس حد تک فائدہ ہورہا ہے اس کو بھی بیان کیا۔ خورد نوازی میں شاید ہی کوئی شخص آپ کے مقام کو پہنچ سکے۔ یہ دو واقعات تحریر کردیے گئے ہیں، اگر حضرت علیہ الرحمہ کے حسن کردار سے متعلق تمام واقعات کو ضبط تحریر میں لایا جانے لگے تو ان گنت صفحات سیاہ ہوجائیں گے لیکن واقعات کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد صحیح طور پر حضرت کی خدمات کو سمجھنے کا موقع ملا جن میں سے خاص طور پر دو خوبیوں نے آپ کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کردیا اور ان میں کوئی آپ کی ہمسری نہ کرسکا۔

(۱)**خدمت خلق** :- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر خلق خدا کی خدمت کی فضیلت اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

جو شخص کسی مؤمن کی دنیاوی تکالیف کو دور کرے گا اللہ رب العزت اس کے بدلہ میں اس کی قیامت کی دن کی تکالیف کو دور فرمادے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی کی عکس جمیل اور پرتو تھی، فسادات ہوں یا قدرتی آفات، انفرادی مسائل ہوں یا قومی، جانے پہچانے افراد ہوں یا اجنبی، اپنے ہوں یا دشمن، پریشانی میں گھرے ہر ایک کی مدد کرنا، اس کے کام آنا اور حتی الامکان اس کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنا آپ کا روزمرہ کا معمول تھا۔ خصوصاً فسادات میں لٹے پٹے بدحال مسلمانوں کو دلاسہ دینا ان کے آنسوؤں کو پوچھنا اور ان کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا کردینا حضرت علیہ الرحمہ کا ہی حق تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ پھر بطور احسان کے اسکو زبان پر لانا اور جگہ جگہ ذکر کرنا ہرگز گوارا نہ تھا۔ جمشید پور کا فساد ہو یا کلکتہ کا، راوڑکیلہ کا فساد ہو یا میرٹھ کا،

مرادآباد کا ہو یا گجرات کا ہر جگہ اگر مسلمانوں کے رستے ہوئے زخموں پر کسی نے مرہم رکھا تھا تو وہ آپ ہی کی ذات عالی تھی۔ آپ اور آپ کی جماعت کے علاوہ کسی بھی موقع پر کوئی بھی نام نہاد لیڈر میدان کارزار میں دکھائی نہیں دیا، اسی طرح جب بھی قدرتی آفات خرمنۂ انسانیت پر بجلی بن کر گری تو روتی اور سسکتی انسانیت کی تیمارداری اور بے لوث خدمت کیلئے حضرت علیہ الرحمہ بلا خوف وخطر میدان میں کود پڑے طوفان ہوں یا سیلاب وزلزلہ کی تباہ کاریاں ہر موقع پر آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ہمارے دعا ہے کہ اللہ رب العزت امت کی طرف سے حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی شایان شان اجر عظیم سے نوازے آمین۔

(۲) **حفاظت دین** : اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں خدائی مدد کے پہنچنے کے لئے بطور شرط کے اپنے دین کی نصرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرتے رہو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے پاؤں جمادے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی دین متین کی حفاظت واشاعت میں صرف ہوئی جب بھی دین کے قلعہ پر کسی نے شبخوں مارنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے میدان میں خم ٹھوکر آپ ہی اس کے مقابلہ میں ڈٹے اور کسی بھی قیمت پر مفاہمت بلکہ مداہنت کیلئے تیا[illegible]ر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ کو وقت سے پہلے خطرے کا احساس ہو جاتا تھا اور ظاہر بیں جس کو نہ دیکھ پاتے تھے آپ اسکو بھانپ لیا کرتے تھے اور پھر اسکی پیش بندیوں میں مشغول ہو جاتے تھے، بارہا ایسا ہوا کہ کسی باطل فرقہ کے تعاقب کا آپ نے فیصلہ فرمایا دیگر اہل علم اسکی ضرورت کو محسوس نہ کر سکے اور بادل ناخواستہ آپ کے ساتھ شریک ہو گئے اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کا فیصلہ بر وقت تھا اور بالکل درست تھا، رد قادیانیت ہو یا رد غیر مقلدیت، شاہ بانو کیس ہو یا طلاق ثلثہ، یکساں سول کوڈ کی مخالفت ہو یا عبادت گاہ مخالف بل کو رد کرنے کی جدوجہد ہو، ہر محاذ پر آپ نہایت مستعد اور متحرک دکھائی دیتے ہیں آپ نے کبھی شریعت اور مسلک کی حفاظت کے حوالہ سے مصلحتوں کو آڑے نہیں آنے دیا اور ہرگز کسی جادۂ حق سے ہٹے ہوئے فرد یا جماعت سے مصالحت نہیں کی اور برابر دین حق کی حفاظت ونصرت میں لگے رہے۔ نتیجتاً اللہ رب العزت نے بھی اپنے وعدہ کو پورا فرمایا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ہر طرح کی مخالفتوں نیز اپنے اور غیروں کی تمام تر بے وفائیوں اور ہوا خیزی کی کوششوں کے باوجود نصرت خداوندی نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا، کامیابیاں آپ کا قدم چومتی رہیں اور عزت وعظمت کی منازل آپ طے کرتے رہے، جتنی مخالفتیں آپ کی ہوئیں اگر کسی اور کی ہوتیں تو شاید وہ بہت پہلے اپنے وجود کو کھو بیٹھتا، مگر اللہ رب العزت اپنے مخلص بندوں کا ساتھ دیتا ہے اور ناکامیوں سے بچاتے ہوئے ان کو دنیا وآخرت کی سرخ روئیوں سے مالا مال فرماتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اب ہمارے درمیان میں نہیں ہیں لیکن ان کی زندگی کے روشن پہلو ضرور ہمارے سامنے ہیں، جن کو مشعل راہ بنا کر حضرت علیہ الرحمہ جیسی کامیاب زندگی گذاری جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو آخرت کی بیش بہا نعمتوں سے مالا مال فرمائے ان کے خلا کو پر فرمائے اور امت کو ان کا بہترین بدل نصیب فرمائے۔ آمین۔

□□□

باب : ۶
نقوش وتأثرات

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ
امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مولانا اسعد مدنیؒ

ایک فکر، عقیدے، نظریے، تحریک، تاریخ اور ایک جدو جہد کا تسلسل

امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ سیمینار (اسلام آباد) سے خطاب

بعد از خطبۂ مسنونہ ! گرامی قدر جناب محترم قاضی حسین احمد صاحب، حضرات علماءِ کرام، اکابرِ اُمت، میرے بزرگو، دوستو اور بھائیو ! جب حضرت شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز اور آپ کے خانوادے کا ذکر آئے تو پھر ہمارے سامنے اپنی وہ ساری تاریخ اور سارا ماضی اور اس حوالے سے تاریخ کی پوری کتاب کھل کر آجاتی ہے کیونکہ یہ نام صرف ایک فرد کا نہیں، ایک شخص کا نہیں بلکہ یہ ایک فکر، ایک عقیدے، ایک نظریے، ایک تحریک، ایک تاریخ اور ایک جہد و جہد کا نام ہے جو آج ہمارے دور میں ہم جیسے لوگوں کے لئے ایک متاعِ عزیز ہے۔ فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعدؒ مدنی اسی کا تسلسل ہے۔ حضرت مولانا سید اسعدؒ مدنی نے اپنی زندگی بھر کی شبانہ روز جدو جہد سے اس مشن کو زندہ رکھا، اس تاریخ کو جلا بخشی اور اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ ایک کارکن کی حیثیت سے اور اس سلسلے کے ایک خادم کی حیثیت سے میں نے اپنے بزرگوار حضرت والد صاحبؒ کو دیکھا اور ظاہر ہے میری زندگی میں جو کچھ ہے میں نے انہی سے حاصل کیا۔ انہیں اپنے اکابر کے ساتھ جو عقیدت تھی والہانہ عقیدت ...... اس کا میں نے مشاہدہ کیا۔

مجھے یاد ہے یہ غالباً ۱۹۷۰ء سے پہلے کا واقعہ ہے، میں ملتان میں سکول میں پڑھتا تھا اور اس زمانے میں مولانا اسعد مدنی صاحبؒ شاید قیامِ پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ پاکستان آئے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کے استقبال کا انتظام کیا، ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا وہ اہتمام میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جس عقیدت اور فرطِ محبت کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ ان کو خوش آمدید کہنا چاہتے تھے۔ کیا چیز تھی جس نے حضرت مفتی صاحبؒ جیسی شخصیت کو ان کے اس طرح والہانہ استقبال پر آمادہ کیا؟ مفتی صاحب ان کو لینے کے لئے بہاولپور چلے گئے اور وہاں سے ان کو لیا، اور پھر ریلوے اسٹیشن پر استقبال کا وہ منظر بھی میرے سامنے ہے اور جب گاڑی میں بیٹھے تو مفتی

صاحبؒ نے مجھے بھی اسی گاڑی میں ساتھ بٹھالیا۔ حضرت مولانا سید گل بادشاہؒ جو ہمارے جمعیۃ علماءِ صوبہ سرحد کے امیر تھے اور حضرتِ مدنیؒ کے شاگرد اور فاضل دیوبند تھے، وہ بھی اس گاڑی میں تھے۔ سخت رش اور دھکم پیل کی وجہ سے مولانا اسعد مدنی صاحب کو کافی تکلیف ہوئی تو مفتی صاحب نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد معذرت کرتے ہوئے ان سے کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں یہ جو لوگوں کا ہجوم ہے، یہ حضرت مدنیؒ سے عشق ومحبت کی وجہ سے ہے۔ مولانا اسعد مدنیؒ صاحب ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ فرماتے ہیں :

''ہاں! مجھے محسوس ہو رہا ہے میں اسی چیز کو دیکھ رہا ہوں، کوئی ایسی بات نہیں''۔

اور پھر قلعہ قاسم باغ پر آپ نے جمعہ کا خطبہ دیا۔ اس سے مجھے اندازہ لگا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اس خانوادے سے کس قدر عقیدت تھی اور پھر جب دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریب تھی۔ ۱۹۸۰ء مارچ میں۔ حضرت مفتی صاحبؒ بہت بڑا قافلہ لے کر وہاں گئے، پوری ایک ٹرین ان کے ساتھ تھی، میں نے مفتی صاحبؒ کو کبھی بھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن جب آپ حضرت شیخ الاسلام کے مزار پر جاکر بیٹھے اور جس طرح وہ چیخ چیخ کر روئے...... میں حیران تھا کہ میرے والد صاحب تو کبھی روتے نہیں تھے اور جب حضرت مفتی صاحبؒ جنوبی افریقہ گئے، وہاں کسی نے ان کو حضرت مدنیؒ کی کیسٹیں دیں جو کہ غالباً بیعت وسلوک اور ذکر کے موضوع پر تقریریں تھیں یہ دو تین کیسٹیں ساتھ لائے اور اس قدر شوق سے ان کو سنتے تھے اور سننے کے بعد پھر تبصرہ کرتے تھے کہ :

دیکھو سؤ اس کو عالم کہتے ہیں کہ جس موضوع پر بولتا ہے اس موضوع کو دلائل سے بھر دیتا ہے۔ پھر مجھے کہا کہ ''خبر دار! یہ کیسٹ اگر تم نے کسی کو دی تو......'' میں مسکرایا اور کہا کہ: حضرتؒ اگر کوئی استفادہ کرلے تو کیا حرج ہے؟ فرمایا: اب تو میری خصوصیت ہے کہ صرف میرے پاس حضرت مدنیؒ کی کیسٹ ہے، جب اوروں کے پاس جائیگی تو میری خصوصیت ختم ہو جائے گی'' اور یقین جانیئے! حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد وہ کیسٹیں گھر میں گم ہو گئیں آج تک نہیں مل سکیں۔ ہم خود حیران ہیں، تعجب میں ہیں کہ یہ کیا قصہ تھا؟

جب دارالعلوم کی صد سالہ تقریب سے ہم واپس آرہے تھے، مرادآباد اور لکھنؤ ہو کر دیوبند چلے گئے تھے تو جس وقت ہم گاڑی میں بیٹھے اور حضرت مدنیؒ کے گھر کے سامنے سے گاڑی حرکت کر رہی تھی تو مفتی صاحبؒ نے فرمایا : ''ذرا روک لو اور اس دارالحدیث کے قبے کو دیکھ لو، ذرا دارالتفسیر کو دیکھ لو، خدا جانے پھر اس کی زیارت نصیب ہوتی ہے یا نہیں''۔

سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اسی سال اکتوبر میں حضرت مفتی صاحبؒ کا انتقال بھی ہوگیا اس خاندان کے ساتھ، اس خانوادے کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ جیسے شخص کو جو عقیدت تھی، ظاہر ہے وہ سطحی نہیں تھی، ان کی حقیقت کا انہوں نے ادراک کرلیا تھا، پھر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے مفتی صاحب کی وفات پر جو مجھے

شفقت دی، جو محبت دی، جس سرپرستی اور اعتماد سے نوازا، وہ میرے لئے میری زندگی کی متاع عزیز ہے، اس سے بڑھ کر قیمتی اور کوئی چیز میرے لئے نہیں ہوسکتی۔

گذشتہ رمضان شریف میں جب زلزلہ آیا تو ہندوستان سے اطلاع آ گئی کہ جمعیۃ علماءِ ہند کچھ امدادی سامان بھیج رہی ہے، ایک ہوائی جہاز ان کی طرف سے آیا چاہتا ہے۔ جب ہمیں اطلاع ملی اور یہاں کی جو صورتحال تھی، یہاں کی ضرورت کا ہمیں علم تھا تو میں نے دیوبند فون کیا اور حضرتؒ نے ٹیلیفون اُٹھایا اور پھر فرمانے لگے کہ: ''میں سنتا نہیں ہوں آپ ان سے بات کریں، وہ آپ کی بات مجھے کہیں گے''۔ چنانچہ فون گھر میں کسی کے حوالے کیا وہ میری بات سنتے تھے اور پوچھا آپ کو کیا ضرورت ہے؟ اس وقت میں نے کہا کہ: خیموں اور کمبل کی۔ فرمایا: اچھا ہم بھیج دیں گے۔ تو میں نے پوچھا: جہاز سے بھیجیں گے؟ فرمایا جہاز سے نہیں بھیجیں گے معلوم ہوا کہ اس کا کرایہ بہت زیادہ ہے، اتنے پیسوں کا ہم سامان خرید کر کیوں نہ بھیجیں۔ لہٰذا ٹرکوں سے سامان آئے گا......''۔ اور اگلے روز ان کو دل کا دورہ پڑا اور ان کو ہسپتال لے گئے۔ بہرحال وہ سامان بھی آیا، ان کا وفد بھی آیا، لیکن جو حضرتؒ کا خیال تھا کہ میں یا میرے بیٹے آئیں گے، وہ نہیں آسکے رمضان شریف گھر میں گزارا، عید گزر گئی، پھر اطلاع آئی کہ حضرت کی خواہش ہے کہ ایک دفعہ ضرور آئیں، کیونکہ میرا تعلق ہے آپ لوگوں کے ساتھ، لہٰذا میں متاثرین کے پاس خود براہِ راست جانا چاہتا ہوں''...... جبکہ وہ بیماری کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں تھے اور پھر آخری عمل...... کہ عصر کی نماز کا وقت ہے، اذان ہوگئی ہے اور جلدی میں ہیں، کسی کو بلا کر یہ کہنا کہ میری وہیل چیئر وضوخانے تک لے جاؤ۔ وہیل چیئر برقی تھی، بٹن دبایا اور خود دوڑ پڑے اور گر گئے۔ سر میں چوٹ آ گئی اور جب اُٹھایا تو فرمایا: مجھے جلدی سے نماز میں پہنچنا ہے، مجھے جلدی وضو کراؤ، اور جب اہل خانہ نے کہا کہ اب آپ وضو نہیں کر سکتے تو فرمایا جلدی سے تیمم کراؤ، تیمم کا پتھر لایا گیا، تیمم کرتے وقت پتہ چل گیا کہ ان کا ذہن کام چھوڑ بیٹھا ہے اور چند لمحوں میں ان کی ہوش ختم ہوگیا، گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال لے گئے اور پھر تین مہینے تک آپریشن وغیرہ سب کچھ ہوا لیکن ان کو ہوش نہ آیا اور تین مہینے بعد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ تین مہینے تک بیہوش رہے لیکن آخری لمحوں میں وفات سے دس منٹ پہلے اللہ تعالیٰ ہوش عطا کرتے ہیں اور جب ہوش آتا ہے تو اللہ اللہ کا ذکر شروع کردیتے ہیں اور اسی ذکر میں اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اللہ نے آخری عمل جو آپ کو نصیب کیا ہے، ہوش سے پہلے وضو، نماز کی طرف دوڑ رہے ہیں، تین مہینوں سے مسلسل بے ہوشی اور آخری لمحوں میں اللہ تعالیٰ آپ کو ذکر کے لئے کچھ ہوش عطا کرتے ہیں۔ ساری زندگی جن کا اللہ کے دین کے ساتھ تعلق ہوتا ہے تو ان کی ساری چیزیں اسی کا مظہر ہوتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پورے خانوادے کی ان تمام خدمات کو جو انہوں نے دین اسلام کے لئے، دینی علوم کے لئے اُمت مسلمہ کے لئے، انسانیت کے لئے انجام دی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے بدلے آپ کو کروٹ کروٹ

رحمتوں سے نوازے اور ان کے لئے ثقل موازین کا سبب بنائے۔

تاریخی حوالے سے اگر ہم دیکھیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کا آغاز ہوتا ہے، پھر شہدائے بالاکوٹ کی تحریک، دارالعلوم دیوبند کا قیام، پھر تحریکِ خلافت، جمعیۃ علماءِ ہند کا قیام ...... یہ سب اسی زمین کی تاریخ کا تسلسل ہے اور اسی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس انداز سے ان لوگوں نے سامراج کو سمجھا اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے میں تو یہاں انگریز نہیں آیا تھا لیکن انہوں نے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو سمجھا اور مغربی سرمایہ داریت کے مقابلے میں اسلام کے نظامِ معیشت کو اس انداز سے متعارف کرایا کہ آج بھی جو ماہر معیشت اس حوالے سے قلم اُٹھائے تو حضرت شاہ صاحبؒ کے فلسفے اور نظریئے کو نظر انداز نہیں کر سکے گا، پھر جب انگریز آیا تو انگریز کے اصل عزائم کا بھی اگر ادراک کیا تو ہمارے انہی اکابر نے کیا، انہوں نے ان کو سمجھا، ان کی حقیقت کو سمجھا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے تحریک خلافت کی قیادت کی۔ اسارتِ مالٹا میں آپ کے شاگرد رشید حضرت شیخ الاسلامؒ آپ کے ساتھ نظر آئے اور خدمت کا یہ عالم کہ جب رمضان آتا ہے تو اگلے دن رمضان ہے اور آج یہ احساس ہوا کہ ہم پانچوں (اسیران) میں سے کوئی بھی حافظِ قرآن نہیں تو اس سال ہمارا ختم قرآن بھی نہیں ہو سکے گا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے کہا کہ حضرت ! آپ فکر نہ کریں، استاد کی خواہش تھی، معلوم ہوگیا کہ استاد کیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ (حضرت شیخ الاسلامؒ☆) دن کو پارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سناتے تھے اور پورے رمضان میں مکمل قرآن کریم سنا دیا، پھر سردی کا موسم آیا، ٹھنڈ تھی، حضرت شیخ الہندؒ نحیف اور کمزور بدن کے تھے، صبح کا وضو ٹھنڈے پانی سے کرنا ایک معذور اور عمر رسیدہ اور کمزور بدن کے آدمی کے لئے نہایت مشکل تھا لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب سب لیٹ جاتے تھے تو حضرت مدنیؒ ٹھنڈے پانے کا بھرا ہوا کوزہ اپنی بغل میں دبا لیتے تھے اور ساری رات دبائے رکھتے، یہاں تک کہ صبح کے وقت اس کی ٹھنڈک ختم ہو جاتی تھی۔ گرم تو نہ ہوتا تھا لیکن ٹھنڈ میں جو شدت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی تھی اور اس طرح قید و بند کی حالت میں آپ نے استاد کی خدمت کی۔ آپ گرفتار نہیں تھے لیکن آپ نے اصرار کیا کہ میں اپنے استاد کو اس حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ میں نے ان کے ساتھ رہنا ہے''۔

اس طرح ان حضرات نے ان تکالیف کو عبور کیا اور حقِ رفاقت ادا کیا۔ تحریکِ آزادی ہند کی اور پھر اتباعِ سنت کا یہ حال تھا کہ ایک طرف علم کا سمندر، کراچی کے خالق دینا ہال میں ترکِ موالات کے موضوع پر محمد علی جوہر، سیف الدین کچلو اور حضرت مدنیؒ کا جو بیان ہوا ہے۔ آپ اس بیان کو پڑھیں...... محمد علی جوہر نے جو بیان دیا ہے وہ تحریری دیا ہے۔ حضرت نے جو بیان دیا ہے وہ فی البدیہ دیا ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ مجھے یہ تمام دلائل حضرت مدنیؒ نے بتائے اور میں نے ان کو قلم بند کیا اور جس وقت وہ یہ بیان دینے لگے تو اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں

نے حضرت کے قدم چومے۔ جیل کی کوٹھری سے آپ کو لایا گیا تو جب عدالت نے کہا کہ آپ جانتے ہیں، آپ کے اس جرم کی سزا کیا ہوگی؟ تو حضرت بغل سے سفید کپڑا نکالتے ہیں، ہاں! جانتا ہوں، کفن ساتھ لایا ہوں''

آج ہم اس خانوادے کو یاد کر رہے ہیں، اس کی تاریخ کو یاد کر رہے ہیں، جمعیت علماء اسلام، اسلام آباد راولپنڈی نے اس تقریب کا انعقاد کر کے اپنے ان بزرگوں کو جو گلہائے عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس پر وہ انتہائی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

میرے محترم دوستو! آج اُمت مسلمہ جن حالات سے گزر رہی ہے، محترم قاضی حسین احمد صاحب نے مختصراً گفتگو ہی لیکن اس کا ایک نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا کہ فرنگی سامراج کے بعد آج مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی قیادت امریکی استعمار کر رہا ہے۔ بڑے دور گزرے، سویت یونین بھی گزارا، اور عالمی سطح پر دو قوتوں کا تقابل اور دنیا کی دو گروپوں میں تقسیم کا دور بھی گذارا اور آپ جانتے ہیں کہ جب ہمارے اکابر امریکی سامراج کو بڑا خطرہ قرار دیتے تھے، مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے تھے تو ان پر طعن کیا گیا لیکن آج جب سویت یونین نہیں ہے اور مغربی استعمار اپنے اصل چہرے کے ساتھ دنیا کے سامنے آیا ہے تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج اسلام اور اُمت مسلمہ کا سب سے بڑا دشمن امریکہ اور مغربی استعمار ہے اور یاد رکھیں کہ یہ جب بھی دنیا پر اپنا تسلط جماتے ہیں تو اس کی پہلی سیڑھی معیشت پر قبضہ ہوتا ہے۔ انگریز جب آیا تو ایک تجارتی کمپنی کی حیثیت سے آیا۔ لیکن اس کی تجارتی کمپنی نے پہلے ہندوستان کی معیشت پر قبضہ کیا اور اس کے بعد ہندوستان کے اقتدار پر قبضہ کیا۔

اسی سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے اکابر کی وہ جو دور اندیشی تھی، جس کے ذریعے مستقبل کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ ادارے قائم کئے۔ آج کی صورتحال کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جو تیر ہمارے اکابر کی کمان سے نکلا تھا وہ تیر آج نشانے پر جالگا ہے۔

لہٰذا اس بات پر کسی حوصلہ شکنی اور احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ ان مدرسوں نے حضرت شیخ الہندؒ جیسے لوگ پیدا کئے ہیں، ان مدرسوں نے حضرت شیخ الاسلامؒ، شیخ العرب والعجم جیسی شخصیتوں کو پیدا کیا، اسی مدرسے کے حجرے سے مولانا اسعد مدنیؒ نکلے تھے، اسی حجرے سے مولانا مفتی محمودؒ نکلے، یہ سب لوگ یہاں سے نکلے ہیں۔ ہم سب انہی حجروں کے طالب علم ہیں اور ہم دنیائے کفر کو بتانا چاہتے ہیں، عالمی استعمار کو بتانا چاہتے ہیں کہ اپنے عزائم سے واپس آجاؤ، ورنہ یاد رکھو! جس نے مدرسے کو ختم کرنے کا سوچا ہے، وہ خود ختم ہوا ہے، مدرسہ برقرار رہا ہے اور ان شاء اللہ یہ برقرار رہے گا، اس کا کردار برقرار رہے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب قاضی حسین احمد

سولہ کروڑ مسلمانوں کا سہارا و پشتیبان

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ سیمینار (اسلام آباد) سے خطاب

صدر مجلس قائد جمعیت، قائد حزبِ اختلاف محترم جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب، محترم علمائے کرام و برادرانِ عزیز! مولانا سید اسعدؒ مدنی اس وقت ہندوستان کے سولہ کروڑ مسلمانوں کے سہارا اور پشتیبان تھے اوران کے لئے بڑی تسلی کا باعث تھے، ان کی وفات سے سولہ کروڑ مسلمانانِ ہند اپنے ایک بڑے عظیم سہارے سے محروم ہوئے ہیں اور ہم اس صدمے میں جہاں سید محمود احمد مدنی حفظ اللہ اوران کے خاندان کے ساتھ شریک ہیں، وہاں ہم مسلمانانِ ہند کے ساتھ بھی شریک ہیں کہ مسلمانانِ ہند اپنے ایک سرپرست سے محروم ہوگئے۔

برادرانِ عزیز! یہاں میرے خاندان کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرے والد محترم مولانا قاضی عبدالرب صاحبؒ جمعیۃ علماءِ ہند صوبہ سرحد کے صدر تھے، حضرت مدنیؒ سے بیعت تھے اور دہلی کے پڑھے ہوئے تھے اور میرے نانا مرحوم بھی جب دیو بند کی بنیاد رکھی جارہی تھی، اس زمانے میں فتح پوری مسجد دہلی میں حدیث پڑھاتے تھے۔ مولانا لطف اللہؒ جو انور شاہ کشمیریؒ کے خصوصی شاگرد تھے، میں ان کا بھانجا بھی ہوں اوران کا داماد بھی ہوں، وہ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ بچپن کے دوست تھے اور جامعہ بنوری ٹاؤن میں بھی وہ پڑھاتے تھے۔ مولانا بنوریؒ کے ساتھ مل کرانہوں نے جامعہ بنوری ٹاؤن کی بنیاد رکھی۔ میں بچپن سے اور تقریباً اپنے طالب علمی کے زمانے سے اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ منسلک ہوگیا تھا۔ میں اپنے والد مرحوم کے دس بچوں میں سے چھوٹا تھا، پانچ بہنوں اور پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا، ظاہر ہے کہ چھوٹی اولاد کے ساتھ لوگ شفقت کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں اور میرے والد صاحب بھی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اپنے بالکل ابتدائی زمانے میں جب جمعیت علماءِ ہند اور جمعیۃ علماءِ اسلام پہ الزام تھا کہ یہ ہندوؤں کے ساتھ مل گئے ہیں اور ہندو کانگریس کے ساتھ مل کرانہوں نے پاکستان کی مخالفت کی۔ ظاہر ہے ہم طالب علم تھے، پروپیگنڈے سے متاثر تھے تو میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ ابا جان! یہ آپ ہندوؤں کے ساتھ کیسے مل گئے؟ اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کرنے کا کیا تک تھا اور کیا جواز تھا......؟

والد محترم نے بتایا: بیٹے ہم ہندوؤں کے ساتھ نہیں ملے جو تصور تھا اس زمانے میں وہ یہ تھا کہ مقابلہ برطانوی استعمار اور اُمت مسلمہ کا تھا۔ اس مقابلے میں جو شکست کھائے گا وہ شکست خوردہ ہوجائے گا اور جو اس میں فتحیاب ہوگا وہ فتحیاب ہوگا۔ برطانیہ نے اُمت مسلمہ سے اقتدار چھینا تھا، خلافتِ عثمانیہ کا اس زمانے میں تصور تھا، اُمت کا تصور زندہ تھا اور مسلمان اپنے آپ کو ایک دوسرے جڑے ہوئے محسوس کرتے تھے۔

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

انا بفراقک یا شیخ المدنی لمحزونون !

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، عرب و عجم کے علماء کے سرتاج، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رُکن، ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رُکنِ رکین، عالمِ اسلام کی ممتاز دینی شخصیت، اسلامیانِ ہند کے بے تاج بادشاہ، بھارت کی قومی اسمبلی کے رکن، بین الاقوامی سیاسی، عوامی رہنما، جمعیت علمائے ہند کے صدر مرکزی، پیر طریقت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۶ رفروری ۲۰۰۶ء بروزِ پیر ۶ بجے شام نئی دہلی کے اپولو ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون، کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلالِ والاکرام، انا بفراقک یا شیخ المدنی لمحزونون !**

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ہاں حاصل کی۔ دورۂ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند سے کیا۔ آپ کے والد گرامی جمعیت علمائے ہند کے امیر، تحریک آزادیٔ وطن کے ممتاز رہنما، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندو پاک کے بہت بڑے شیخ طریقت تھے۔ آپ کے ہندو پاک، بنگلہ دیش بیسیوں خلفاء تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء، شاگردوں اور سیاسی رفقاء نے متفقہ طور پر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو آپ کا جانشین مقرر کیا۔ تقسیمِ ملک کے بعد بھارت میں رہ جانے والے کروڑوں مسلمان، لاکھوں علماء، ہزاروں مساجد و مدارس کا سہارا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھے۔ ان کے وصال کے بعد ان سب کی نظریں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی طرف اُٹھیں۔ یہ بہت بڑا امتحان اور چیلنج تھا جسے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے قبول کیا۔ نبھایا اور خوب نبھایا۔ جمعیت علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے وہ عظیم اور گراں قدر خدمات سرانجام دیں کہ بھارت کے تمام علماء نے آپ کو امیر الہند قرار دیا۔ آپ کے وصال کے وقت پچاس ہزار دینی مدارس، ادارے وانجمنیں پرائیویٹ سکول و کالج و مساجد آپ کی سرپرستی میں دینی ودنیاوی علوم کی ترویج، اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

بھارت کے سکولوں و کالجوں میں جب سرکاری طور پر ہندی زبان میں تعلیم جاری ہوئی تو اسلامیانِ ہند کی تمام علاقائی زبانوں اور اردو کی تعلیم کو پرائیویٹ طور پر اسلامیانِ ہند کے مذہبی وعلاقائی تشخص کو برقرار رکھنے کا

آپ نے نظم قائم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامیانِ ہند کا ہر نوجوان اپنی علاقائی زبان اور اردو کا اسی طرح کا ماہر ہے جس طرح ہندی زبان کا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا یہ کارنامہ اسلام اور اسلامیانِ ہند کی بقاء کا بہت بڑا ذریعہ قرار پایا۔ اس کے باعث آج بھارت کے مسلمانوں کی اکثریت دینی جذبہ، عقیدہ و مذہبی پختگی میں کسی بھی ملک کے مسلمان سے کم نہیں۔

''ساہوکار'' سودی کاروبار سے مسلمانوں کو ایک بار قرضہ دے کر ہمیشہ کے لئے سودی چکر میں ایسا پھنسا دیتے کہ نسلوں کا نکلنا دشوار بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتا۔ قرقی جائیداد تک معاملہ پہنچ جاتا۔ غریب مسلمان دربدر کی ٹھوکریں کھاتا۔ یہ صورتِ حال جمعیت علمائے ہند کے لئے بہت پریشان کن تھی۔ آپ نے ملک بھر کے علماء، مسلمان تاجر، سیاسی و مذہبی مسلّم شخصیات کو جمع کر کے مشاورت کی۔ طے پایا کہ جن متمول مسلمانوں کے پاس فالتو جتنی رقم ہے وہ بجائے بینکوں کے جمعیت علمائے ہند کے قائم کردہ اسلامی بینک میں جمع کرائیں۔ متمول مسلمان سود لینے سے بچ جائے گا۔ امانت کھاتہ سے غریب مسلمانوں کو کاروبار کے لئے جائیداد یا زیورات رہن رکھوا کر بغیر سود کے قرضہ ملے گا۔ جو قسطوں میں ادا کرنا ہوگا۔ بھارت کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک، شہروں، قصبوں، دیہاتوں، قریہ قریہ، طوفانی دورے کر کے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے جگہ جگہ اس نظام کو چلانے کے لئے کمیٹیاں قائم کیں۔ جو علماء، آئمہ، تاجر اور مذہبی لوگوں پر مشتمل ہوتیں۔ اس اسلامی بینک کاری کے ذریعہ بلاسودی قرضہ کی سکیم ایسے کامیاب ہوئی کہ اربوں روپیہ اس میں جمع ہو کر کروڑوں مسلمانوں کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ بنا۔ نظام اتنا صاف ستھرا اور حساب اتنا عمدہ کہ اس کی امانت رقم سے ایک پائی ضائع نہ ہوئی، نہ کسی مقروض نے ایک قسط شاٹ کی۔ جس آدمی کو جس وقت اپنی امانت کی واپسی کا تقاضا ہوا بغیر کسی رُکاوٹ کے وہ مل گئی لوگوں کا ایسا اعتماد قائم ہوا کہ پورا ملک عش عش کر اُٹھا۔ اس پورے نظام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں شب و روز محنت جانفشانی کے لئے اپنے آرام کو تج کرنا پڑا وہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے کیا لیکن اسلامیانِ وطن کو سود کی لعنت اور ساہوکاروں کے چنگل سے نکال کر کامیابی کے ساحل پر اُتارا۔

آپ تین بار بھارت کی قومی اسمبلی کی رکن بنے۔ بھارت کے مسلمانوں کے لئے مسلم پرسنل لاء منظور کرایا۔ جگہ جگہ ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' قائم کئے۔ یوں اسلامیانِ ہند کے مذہبی پرسنل حقوق کا تحفظ کا اہتمام کیا کہ اس پر آپ کو جتنا خراجِ تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ آپ کی بالغ نظری کا اندازہ کیجئے کہ تمام بورڈوں میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو نمائندگی دینے کی پالیسی اپنائی۔ تاکہ کہیں بھی مسلمانوں کے فقہی اختلاف سے کوئی رخنہ نہ پڑ سکے۔ اس طرح عیدین، رمضان شریف کے لئے ہلال کمیٹیاں قائم کیں۔ غرض ایک سیکولر ملک میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے جہاں جس اقدام کی ضرورت تھی، اسے احسن انداز میں پورا کر کے اسلامانِ وطن کو احساسِ

محرومی سے نجات دلا کر ایک آبرومند سوسائٹی کی طرح قومی دھارے میں لا کھڑا کیا۔ آپ کا ایک ایک کارنامہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ ہندوستان کی دیگر اقوام کی طرح مسلم قوم بھی آزادیٔ وطن کی تحریک میں پیش پیش تھی۔ ہمارے ہاں آزادیٔ وطن کے رہنماؤں کو سیاسی یا انتظامی اختلافِ رائے کے باعث ملک بننے کے بعد مطعون کیا گیا۔ ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے گئے۔ قدر کیا کرنی تھی انہیں نشانہ بنایا گیا۔ لیکن بھارت میں رہ جانے والے آزادیٔ وطن کے ہیرو مسلم رہنماؤں نے ہند کی مسلمان قوم کو باعزت و باوقار مقام دلانے کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ آزادیٔ وطن کی قربانی وایثار کے ثمرات کو بارآور بنانے کے لئے جہاں اور مسلمان رہنماؤں نے بھرپور محنت کی، وہاں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی خدمات بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو اللہ رب العزت نے دردمند دل نصیب کیا تھا جہاں مسلمانوں کی جس پریشانی کو دیکھتے اسے حل کرانے کے لئے سینہ سپر ہو جاتے۔ ہمارے ملک میں شیعہ سنی یا دیگر لسانی وعمرانی پیچیدگیاں نت نئے فسادات کو جنم دیتی ہیں، مسلم اقلیت والے ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل اور زیادہ پیچیدہ ہیں کون نہیں جانتا ہے کہ ہند میں بھی ہندو مسلم فسادات ہوتے ہیں ہوشربا ہو جاتے ہیں، وہاں کی اکثریت کے بعض جنونی رہنما مسلمانوں کا نشانہ بناتے ہیں لیکن مسلمانوں کو ان فسادات سے بچانا یا فسادات کا شکار ہو جانے والے مسلمانوں کو سہارا دینا، ان علاقوں کا دورہ کر کے مسلمان قوم کو حوصلہ دینا آپ پر ختم تھا۔ ان فسادات کی بھٹی میں کود کر مسلمان قوم کو گرداب سے نکالنا اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ انہیں عظیم خدمات کے باعث قوم کی آنکھوں کا آپ تارا تھے۔

مسلمان اکثریت تقسیم کے بعد پاکستان منتقل ہوئی۔ ہزاروں مساجد و مدارس مسلمانوں کے اس علاقہ میں نہ ہونے سے ویران ہوئے۔ بلاشبہ آج بھی بہت سی مساجد زبوں حال اور نوحہ کناں ہیں۔ مسلمانوں کو شدھی بنانے کے لئے تحریکوں پر تحریکیں اُٹھائی گئیں لیکن قریہ قریہ پھر کر مسلمانوں کو ارتداد سے بچانا بہت ساری مساجد کی حیثیت کو بحال کرنا، انہیں آباد کرنا اور اس کام کو تحریکی انداز میں آگے بڑھانا جمعیت علمائے ہند کا کارنامہ ہے اور اس ساری جدوجہد میں نمایاں مقام حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو حاصل تھا۔

قادیانی تحریک کو انگریز نے ہندوستان میں جنم دیا۔ بلاشبہ مسلمان قوم کے لئے قادیانی فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ قادیانیوں کا قادیان بھارتی پنجاب ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ قادیانی قیادت نے پاکستان میں اپنا مرکز بنایا۔ چناب نگر (سابقہ ربوہ) کی پاکستان میں وہی حیثیت ہے جو عرب مسلمانوں کے لئے اسرائیل کی۔ آج بھی اسرائیل ومرزائیل تعلقات مسلم دشمنی کے یک نکاتی ایجنڈا پر قائم ودائم ہیں۔ تقسیم سے قبل ہندوستان کے علماء و مشائخ اور تمام مکاتب فکر کی دینی قیادت نے انگریز کے عہدِ اقتدار میں انگریز اور اس کی معنوی اولاد قادیانیوں کے

خلاف بند باندھا۔ قادیانی ارتدادی ٹولہ کے پاکستان میں مرکز قائم ہونے کے باعث ہندوستان میں قادیانی فتنہ کا وہ زور نہ رہا۔

بین الاقوامی حالات اور استعماری طاقتوں کے بل بوتے، ماضی قریب کی پچھلی دو دہائیوں میں استعماری فرنگی ٹولہ قادیانیوں نے بھارت میں پر پرزے نکالے تو حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اس محاذ پر بھی اکابر کی روایات کے امین بن کر میدانِ عمل میں آئے۔ بھارت میں دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی۔ دارالعلوم میں مرکزی دفتر قائم کر دیا۔ اس کی باضابطہ تشکیل ہوئی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مقرر ہوئے۔ دارالعلوم کے استاذ الحدیث و ناظم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ قرار پائے۔ ہندوستان بھر میں جہاں جہاں قادیانی فتنہ نے سر اُٹھایا، وہاں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے لئے تخصص فی الختم نبوت کا شعبہ قائم کیا۔ رد قادیانیت کے جگہ جگہ پندرہ روزہ دس روزہ کیمپ لگا کر کورس رکھے۔ دیوبند اور دہلی میں مختلف سالوں میں عالمی سطح پر ختم نبوت کانفرانس کرائیں۔ رد قانیت پر مشتمل نئی و پرانی کتب کو چھاپ کر پورے ہندوستان میں قادیانی فتنہ کو ایسی نکیل ڈالی کہ قادیانیت کے مست ہاتھی کا دماغ ٹھکانے آ گیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان سے شائع ہونے والی کئی کتابیں بھارت میں شائع ہوئیں۔ آج گو حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ موجود نہیں لیکن ان کا قائم کردہ نظم ہندوستان کے مسلمانوں کے ایمان کو بچانے کے لئے مضبوط فصیل کا کام دے رہا ہے۔

ہندوستان کا مسلمان بالخصوص گجرات کے مسلمان باہر کے ملکوں افریقہ، امریکہ، مغربی ممالک میں جا کر آباد ہوئے۔ ڈر تھا کہ یہ مسلمان وہاں جا کر اپنے مسلم تشخص سے محروم نہ ہو جائیں۔ حضرت مولانا زکریا کاندھلوی تبلیغی جماعت والے اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے ان ممالک پر نظر رکھی۔ سالانہ دورے کئے، ایک ایک دن میں بیسیوں شہروں کے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان و اسلام کے تشخص کو بچایا۔ ان کی رہنمائی کی۔ صرف برطانیہ کی مثال لیجئے کہ آج برطانیہ میں گجرات کے مسلمانوں کی ہر مسجد میں مکتب ہے۔ اپنے سکول و کالج ہیں۔ اپنے مدارس ہیں، اپنا نصاب ہے۔ گورنمنٹ کے نصاب کے ساتھ ساتھ حفظ و ناظرہ، انگریزی، اردو، گجراتی زبانوں میں دینی تعلیم کا نظام ہے۔ ہزاروں حافظ و حافظات سینکڑوں علماء و عالمات ہیں۔ برطانیہ میں پاکستانی کمیونٹی سے کہیں زیادہ ہندوستانی کمیونٹی کے اس دینی نظام تعلیم کو دیکھ کر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ایسی دینی قیادت کی بیدار مغزی کو سلام کئے بغیر چارہ نہیں۔ برطانیہ میں جمعیت علمائے برطانیہ ایک متحرک دینی طاقت ہے۔ ہر چند کہ اس میں پاکستانی علماء کی اکثریت ہے۔ ان کا کام بھی خاصہ مسحور کن ہے۔ وہاں بھارت و پاکستان سے تعلق رکھنے والی کمیونٹی دینی مسائل

...ں یک دل و جان ہے۔ لیکن اس امر کا اعتراف حقیقت کا اعتراف ہوگا کہ دینی مدارس و مساجد اور مکاتب کی کثریت گجرات کے مسلمانوں کی ہے۔ اس میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ...ریکہ، افریقہ، ہر جگہ کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ سال میں ایک بار یا دو سے چار ماہ تک حضرت مولانا سید اسعد ...انیؒ ان براعظموں کا دورہ رکھتے اور ایک طوفان کی طرح دن رات ایک کر کے پورے ملک کے کونہ کونہ میں پہنچتے۔ ...ب دن میں کئی باضابطہ مرتب شدہ نقشے اور نظام کے تحت دورہ کرتے۔ آپ کے ان تبلیغی دوروں سے وہاں دین کی ...ار کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ بیعت، ذکر، مراقبہ، بیان، مجلس، دعوت، ملاقات، ان مصروفیتوں کو دیکھ کر اندازہ کیا جانا مشکل ہوگا کہ حضرت مولانا مرحوم ایک مردِ آہن تھے، اگر کسی کے ہاں آدھ گھنٹہ وقت عنایت کیا تو اکتیس منٹ ہونے ...ے پہلے کھڑے ہو جاتے۔ چاہے میزبان جتنا چلائے، مگر آپ پروانہ کرتے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ تھوڑے وقت ...ں بہت سارے لوگوں کو فیضیاب کردینے میں آسانی ہو جاتی۔

قادیانی لاٹ پادری مرزا طاہر آنجہانی نے ۱۹۸۴ء میں مجرمانہ فرار اختیار کر کے برطانیہ کو آماجگاہ بنایا۔ ...یانی گروہ کی مرکزیت چناب نگر سے برطانیہ تبدیلی ہوگئی۔ تب ۱۹۸۵ء میں برطانیہ میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس ...داغ بیل ڈالی گئی۔ پہلی کانفرنس سے لے کر گزشتہ سے پیوستہ سال کی کانفرنس تک برابر ہر کانفرنس میں آپ نہ ...ف شریک رہے بلکہ کانفرنس کے منتظمین کو اپنی دعاؤں اور سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم، نائب امیر ...زیہ حضرت قبلہ سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا باہمی احترام کا رشتہ ...ں رشک تھا۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں، خانقاہ سید احمد شہید لاہور میں پاکستان تشریف آوری کے موقعہ پر ضرور تشریف ...تے۔ ناممکن تھا کہ پاکستان تشریف لائیں اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر ملتان تشریف نہ لائیں۔ ...ب نگر کی سالانہ آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس پر تشریف لاتے۔ ایک بار جمعہ کی امامت بھی فرمائی۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر کے لئے ایک بار عصر سے رات گئے تک ٹائم عنایت فرمایا۔ ...رب کے بعد جلسہ سے خطاب کیا۔ ملتان، بہاولپور، ڈیرہ غازی خان سے علماء، مندوبین اس کانفرنس میں آپ کا ...نا سننے کے لئے تشریف لائے۔ سیرت النبی ﷺ پر خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ کے بچپن سے وصال تک کے ...اہم منتخب واقعات کو اس ترتیب و تسلسل سے بیان فرمایا کہ سماں بندھا گیا۔ اس موقعہ پر عجیب بات دیکھنے میں آئی ...دورانِ بیان بجلی چلی گئی۔ جس طرح بیان ہو رہا تھا ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بجلی آگئی۔ تب بھی آنے کا تذکرہ نہیں ...ا، کروٹ نہیں بدلی، اشارہ نہیں کیا۔ غرض بجلی کے آنے جانے کا ان پر مچھر کے برابر اثر نہیں ہوا۔ پاکستانی خطیب ...نا تو آسمان سر پر اُٹھالیتا، کہرام قائم کردیتا۔ منتظمین کو کوستا، مگر آپ اتنے پاورفل تھے کہ بجلی کا آنا جانا ذرہ برابر ان

کی طبیعت پر اثر انداز نہ ہوسکا۔ ہزاروں کا اجتماع ،لوگ مصافحہ کے لئے مصر ہوئے ۔معذرت کر کے وقت بچالیا۔ بیسیوں شیوخ حدیث وعلماء آپ سے بیعت ہونا چاہتے تھے ۔جلسہ کے بعد کھانا بھی تھا۔بیعت کے لئے درخواست کی ۔فرمایا کہ پاکستان کے مشائخ سے بیعت ہوں ۔ وقت نہیں ،عرض کیا گیا کہ حضرت نسبت قائم ہوجائے گی۔ چونکہ اس دن کا آخری پروگرام تھا اور کہیں نہ جانا تھا۔صرف آرام کرنا تھا۔ مان گئے ،جس مہمان خانہ میں آپ قیام پذیر تھے ،وہاں کھانے کے لئے مہمان علماء جمع تھے ۔بیعت کرنے والوں کے لئے قطعاً گنجائش نہ تھی ۔ہم ابھی سوچ رہے تھے کہ کہاں بٹھائیں ،دفتر کے کمرہ میں بلاتکلف فرش پر بیٹھ گئے ۔ بیعت کے خواہش مند علماء ومشائخ سے کمرہ بھر گیا۔دروازہ بند کرادیا اور بیعت کے فوائد ٗضرورت اور اہمیت پر گفتگو شروع ہوگئی۔ہم نے اس فرصت سے فائدہ اُٹھایا۔ دسترخوان لگایا ،مہمانوں کی ترتیب قائم کی ۔ برتن رکھے ،کھانا رکھنا چاہتے تھے کہ آپ کے مسترشد حضرت مولانا مظہر شاہ اسعدی نے فرمایا کہ ابھی کھانا نہ رکھیں ،بیعت پر پون گھنٹہ لگے گا۔ہم پاکستان کی خانقاہوں کی بیعت کے طریقہ سے آشنا تھے کہ دس پندرہ منٹ میں یہ عمل مکمل ہوتا ہے ۔پون گھنٹہ کیسے؟ تب منکشف ہوا کہ ایک آدمی ہویا ہزار حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کم از کم پون گھنٹہ بیعت پر لگاتے ہیں ۔ پہلے بیعت کے آداب ،معمولات ، وظائف وتلقین پر گفتگو کر کے پھر بیعت کرتے ہیں اور اس پر اتنا ٹائم لگ ہی جاتا ہے۔

آج معلوم ہوا کہ آپ ہر ایک کی درخواست پر فوری بیعت کے لئے کیوں آمادہ نہیں ہوتے ۔ بلکہ اکثر انکار فرمادیتے تھے ۔ بیعت سے قبل اعلان فرماتے کہ اگر کوئی پہلے سے کسی شیخ سے بیعت ہے اور وہ شیخ زندہ ہیں تو وہ اپنے شیخ سے رابطہ رکھیں ۔غرض مریدوں کی بھیڑ کی بجائے جن کی بیعت کرتے ،گویا ان کی اصلاح کی ذمہ داری قبول کرتے ۔اس احتیاط کے باوجود بلامبالغہ لاکھوں افراد ہوں گے جو اقصائے عالم میں آپ سے بیعت ہوں گے ۔آپ سے خانقاہی آبرو وابستہ تھی ۔ ورنہ نمائشی لوگ تو ہر بیان کے بعد اعلان کرتے اور کراتے ہیں کہ بیعت کرنے والے آگے آجائیں ۔کوئی نہ آئے تو پہلے سے بیعت شدہ مرید کو بٹھا کر عمل شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھا دیکھی کوئی اور شاید عمل میں شامل ہوجائے ۔دیکھئے اصل ونقل میں کس طرح زمین وآسمان کا فرق موجود ہے۔

اسی سفر میں عصر کے بعد علماء کے ساتھ چائے پر آپ کی ملاقات کے لئے لائبریری میں اہتمام کیا گیا۔ بیٹھتے ہی فرمایا کہ مولانا !عیسائیت ور دِعیسائیت کی لائبریری میں موجود کتب کی فہرست لائیں ۔دونوں رجسٹر سامنے رکھے ۔ان پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ ان کی فوٹو کاپی چاہئے ۔عرض کیا بھجوادیں گے ۔خیال کیا کہ کئی صفحات کا بنڈل آپ کے لئے زحمت کا باعث نہ ہو،فوراً فرمایا کہ ابھی دینے میں کیا اشکال ہے؟ عرض کیا کہ ابھی پیش کرتے ہیں۔ فوٹو کرانے کے لئے ساتھی کو بھیجا تو مسکرائے اور فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں جہاں ردقادنیت پر سپیلائزیشن کرائی ہے،اب این جی اوز کی آڑ میں مسیحی مشنریاں بھارت میں سرگرم عمل ہوگئی ہیں ۔ردعیسائیت پر بھی علماء کی تیاری

کے لئے شعبہ قائم کئے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ دارالعلوم کے حضرات کو پاکستان میں ردعیسائیت پر چھپنی والی کتب کی فہرست درکار تھی تو دفتر ختم نبوت ملتان سے اسے کا ان حضرات نے فرمایا تھا تا کہ اس فہرست کا دارالعلوم کی فہرست سے موازنہ کر کے جو کتب موجود نہ ہوں ان کو منگوانے کا اہتمام کیا جا سکے۔ اس لئے اس فہرست کو لے آنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ ہر بات کو سمجھانے کے لئے اتنی وضاحت کرنی پڑے تو پھر کام کر پایا؟ عرض کی کہ آپ کی اتنی وضاحت سے تو ہمارے لئے خوش کن انکشاف اور نئی خبر مل گئی، مسکرائے کہ بس اپنا دل خوش کرتے رہو کام نہ کرنا، کیا پاکستان کے کسی جامعہ میں ردعیسائیت پر سپیلا ئزیشن ہوتی ہے؟ ہماری خاموشی پر فرمایا کہ سمجھ گیا۔ باتیں کرنے اور کام کرنے میں بہت فرق ہے۔ اسی اثناء میں فرمایا کہ مجلس کی ردقادیانیت پر نئی چھپنے والی تمام کتب کے دو دو سیٹ لائیں اب ہم پر قیل وقال کی فضولیت منکشف ہوگئی تھی۔ فوراً کتابیں لاکر پیش کر دیں جن کا وزن کم از کم بیس کلو کے برابر تھا فرمایا انہیں پیک کر دو، پیک کر دیں، اب ہم قیل وقال سے اپنی روایتی لیپاپوتی پر اُتر آئے کہ حضرت لاہور یا جہاں فرمائیں کل تک پہنچ جائیں گی۔ وہاں سے صاحبزادہ مولانا سید محمود میاں یا سید رشید میاں آپ کے ہاں بھجوا دیں گے۔ اتنا وزن آپ کے لئے ساتھ لے جانا تو مشکل ہوگا۔ فرمایا کہ ہمدردی کا شکریہ۔ واقعی مسافر بوڑھے کے لئے یہ بہت مشکل ہے، لیکن دوسرا سامان یہاں چھوڑا جا سکتا ہے لیکن کتابوں کو تو ساتھ لے جانے کا اپنا ہی لطف ہے۔ اس لئے ان کو ابھی میری گاڑی میں رکھوا دیں، اس سے آپ کے قلم وکتاب سے عشق کو سمجھا جا سکتا ہے۔

کل پاکستان جمعیت علمائے اسلام نے پشاور میں دارالعلوم دیوبند کانفرنس کا اہتمام کیا۔ دیوبند سے بھاری بھرکم وفد نے اس میں شرکت کی۔ دارالعلوم کی اتنی بڑی قیادت کی اسلامیان پاکستان نے زیارت کی۔ موقعہ زیارت مہیا کرنے کا سامان حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے کر کے ہم وطنوں پر احسان کیا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بھی تشریف لائے۔ آخری روز آخری سے پہلا بیان آپ کا تھا۔ جو وقت اختتامی دعا کے لئے طے تھا، وہ قریب ہوگیا، آپ کا اعلان کیا گیا، آپ نے ایمان پرور انداز میں خطبہ مسنونہ پڑھا، لاکھوں سامعین پر وجد آفریں کیفیت طاری ہوگئی۔ خطاب چند لمحوں میں مکمل کیا۔ وقت کی تنگی کا عذر کر کے بیٹھ گئے۔ حاضرین زیارت ومختصر بیان سے تو ضرور مستفید ہوئے لیکن تشنگی دور نہ ہوئی۔ بایں ہمہ لاکھوں کے سامنے بیان کرنے کی بجائے وقت کی پابندی کا نمونہ قائم فرمایا۔ سبحان اللہ!

اپنے محبوب رہنما کی حکایت لذیذ کی طوالت کی معافی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ پاکستان' بنگلہ دیش' افغانستان' برما' آسام' مالدیپ' نیپال' عرب امارات' سعودیہ' امریکہ' افریقہ' کینیڈا' یورپ' فجی آئی لینڈ' انڈونیشیا' غرض پوری دنیا کے مسلمانوں کے آپ قابلِ احترام رہنما تھے۔ ہر جگہ ابنائے دارالعلوم دیگر رہنماؤں کی طرح آپ کا دلی احترام کرتے تھے۔ آپ بھارت کے رہائشی تھے۔ ہر ملک کے ساتھ دوسرے ملک کی پالیسی یکساں نہیں ہوتی

اس لئے جہاں کہیں تشریف لے گئے اس ملک کے سیاسی مسائل پر ایک لفظ تک نہیں کہتے تھے۔ پاکستان اور بھارت کو لے لیں، دونوں ممالک کی کسی زمانہ اور کسی حد تک اب بھی پالیسی مختلف ہے۔ جو امر پاکستانیوں کے لئے اہم ہے انڈیا کے لئے وہ غیر اہم ہے۔ دونوں ملکوں کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں۔ کشمیر کے مسئلہ کو لے لیں۔ دونوں ممالک کی اپنی اپنی پالیسی ہے۔ اگر کوئی بات پاکستان میں یہاں کے مسلمانوں کی ترجیحات کو سامنے رکھ کر فرماتے تو آپ کے پہنچنے سے قبل بھارت میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو جاتا۔ وہاں کی ترجیحات کے مطابق یہاں بات فرماتے تو جانے سے قبل پاکستان میں طوفان قائم ہو جاتا۔ اس ایک مثال سے پوری دنیا کے مسلمانوں کی ترجیحات کو سامنے رکھیں تو آپ کی بالغ نظری کی داد دینی پڑتی ہے کہ بیرونِ بھارت کہیں بھی کسی سیاسی مسئلہ کو ٹچ نہ کرتے۔ صرف ہر ملک کے مسلمانوں کی دینی رہنمائی فرماتے اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ بیرونِ بھارت قطعاً اخبارات کے نمائندوں سے ملاقات نہ کرتے۔ تاکہ اخباری صنعت کو بات کا بتنگڑ بنانے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ کوئی نمائندہ آ ہی گیا تو علیک سلیک کے بعد نپے تلے چند جملوں کے تبادلہ کے بعد اسے فارغ فرما دیتے۔

لیکن ہمارے خطہ کا اپنا مزاج ہے۔ یہاں ایک جہادی رہنما کو دارالعلوم دیوبند کانفرنس پشاور میں اس کی خواہش کے مطابق پروٹوکول نہ ملنا تھا نہ مل سکا۔ خیر سے اس قبیلہ کی اکثریت ایجنسیوں کی مرہونِ منت ہے۔ اس بونے رہنما نے اخباری صنعت کے ایک ایسے موقعہ کے متلاشی قلمکار کو گانٹھا۔ آپ کے خلاف مضمون چھپ گیا جو حقائق کا قتلِ عام اور خلافِ واقعہ الزامات کا طور مار تھا۔ آپ نے اس کے جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی سنت پر عمل کیا۔ لیکن آپ کے صبر کا اس خود ساختہ جہادی رہنما پر بعد میں یہ اثر ہوا کہ خود اپنی سرزمین پر سر اُٹھا کر چلنے کا حالات نے رہنے نہ دیا۔ اب تک ''کس نے پرسد از من کہ بھیا کون ہو'' کا مصداق ہے۔ من عادلی و لیاً فقد اذنته بالحرب! کی زندہ عملی تصویر اسلامیانِ وطن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

ہاں! پوری دنیا کے مسلمانوں کے عقائد و دینی تشخص کو برقرار رکھنے' ان کا احترام بڑھانے میں آپ ہر جگہ نہ صرف کوشاں رہے، بلکہ خونِ جگر سے ایسا کرنے میں تامل نہیں فرمایا، اور اس میں کسی بھی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے اختلاف سے آپ کا دل ٹوٹا، طرفین کو سمجھایا لیکن معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ اپنی بھرپور محبت سے قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو سرفراز کیا لیکن احترام و تعلق دوسرے حضرات سے بھی قائم رہا۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ، حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین مدنیؒ کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو حوصلہ دینے میں آپ نے جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کا درخشندہ باب ہے۔ مثلاً جہاں کہیں فسادات ہوئے دیگر جماعتیں مشورہ کر کے

پروگرام بنا رہی ہوتیں، لیکن آپ اتنی جلدی صحیح فیصلہ کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے کہ اس پر سب ششدر رہ جاتے۔ پریشانی وزبوں حالی میں مسلمانوں کی مدد کیلئے سب سے پہلے پہنچنے والے قومی رہنما آپ ہوتے۔ آپ نے جمعیت علمائے ہند کو سماجی تعلیمی، رفاہی اور قومی جماعت بنانے میں اہم کردار ادا کیا، آپ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تاسیسی اراکین میں شامل تھے، گزشتہ سے پیوستہ سال غسلِ کعبہ کی سرکاری تقریب میں آپ کو مدعو کیا گیا اور اس سعادت سے آپ بہرہ ور ہوئے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا قد متوسط متبسم نورانی چہرہ، عقابی نظریں، کھلی پیشانی، سڈول جسم، سادہ کھدر کا کرتا، متناسب اونچی شلوار، سر پر اکثر سبز کبھی سرخ عربی رومال باندھتے، چال میں وقار کے ساتھ ساتھ پھرتی اور تیزی، بات اتنی صاف اور آسان کہ ہر ایک کو سمجھ آجائے، بات کرتے تو لبوں سے موتیوں کی برکھا شروع ہو جاتی، تہجد، اشراق، اوابین، تلاوت، سفر ہو یا حضر ناغہ ناممکن ہوتا، زہد وغنا کے کوہ ہمالیہ، اوصاف حمیدہ سے قدرت نے فیاضی سے آپ کو حصہ نصیب فرمایا، اپنے تقویٰ، پرہیزگاری، عمل وفضل کے باعث لاکھوں مسلمان آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے بلکہ عشق کرتے۔ واقعی محبوبیت ہو تو ایسی کہ جس کا سوکنوں کو بھی اعتراف ہو۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کیا گئے۔ لاکھوں دلوں کی دنیا سونی ہوگئی۔ دل بجھ گئے ....

دل گلستاں تھا تو آنکھوں سے ٹپکتی تھی بہار   دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

دل کی تکلیف وشوگر نے عرصہ سے آپ سے محبت شروع کر رکھی تھی۔ مگر معمولات جاری رہے۔ اس سال رمضان المبارک خیر خیریت سے گزرا۔ معمولات جاری رہے، عید کے قریب الیکٹرانک وہیل چیئر اُلٹنے سے چوٹ لگ گئی۔ تین ماہ دہلی کے معروف اپالو ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ وقت موعود آپہنچا او دیکھتے ہی دیکھتے آخرت کو سدھار گئے۔ ان کے دل بے قرار کو قرار آ گیا۔ نم کنومة العروس کا مصداق ہوگئے!

۶ فروری کو انتقال ہوا۔ ۷ فروری کو دار العلوم میں لاکھوں عوام نے جنازہ میں شرکت کی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی خانقاہ رائے پور، مظاہر العلوم سہارنپور اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ سے جو محبانہ تعلقات تھے آپ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے ان کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ آگے بڑھایا۔ آخری وقت بھی اس کا عملی مظاہرہ دیکھنے میں آیا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے جانشین کا جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے جانشین نے پڑھایا۔ اللہ رب العزت بہت ہی جزائے خیر دیں حضرت مولانا فضل الرحمٰن کو کہ علماء کی ایک جماعت کو لے کر جنازہ میں شریک ہوئے اور یوں اسلامیان پاکستان کا خانوادۂ ''حضرت مدنیؒ'' سے تعلق کا فرض کفایہ ادا ہوگیا۔ دار العلوم دیوبند کے ہزاروں علماء، مشائخ اور اولیاء کا مسکن قبرستان قاسمی میں داخل خلد بریں ہوئے .... ع   رفتید ولے نہ از دل ما!

شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی مدظلہٗ
فاضلِ دیوبند و مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی

مولانا سید اسعد مدنیؒ ......اسعد زماں

محترم المقام برادر مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

ذکرِ صالحین کے برکات :

اخلاص نامہ ملا، آپ نے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے متعلق القاسم کے خصوصی نمبر کے لئے مجھ سے کچھ معروضات پیش کرنے کی فرمائش کی ہے۔ مجھے یہ تو معلوم ہے کہ آپ تذکار الصالحین کے مبارک مرض کے بیمار ہیں ذکر صالحین پر رحمت کا نزول بھی سنا کرتے ہیں اور برائے نام شرکت پہ لایشقی جلیسھم (ایسوں کا ہمنشین محروم نہیں رہتا) کا مژدہ تو بنصِ حدیث ثابت ہے۔ اس لئے شکریہ کے بعد اصل حقیقت عرض کرتا ہوں کہ حضرت مرحوم و مغفور کے علمی کمالات اور عملی مجاہدات سے تو میں بھی بالکل ناواقف ہوں۔ آپ کے چند ملفوظات اور ایک آدھ واقعہ عرض کر دیتا ہوں اگر لائقِ اشاعت ہو تو اپنی فرمائش کی تعمیل سمجھ لیجئے، بصورتِ دیگر اپنے ہی تک محدود رکھئے۔

تحریک مدح صحابہ :

پہلا واقعہ : ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی کے خالص فضل وکرم سے ۵۸۔۱۳۵۷ھ مطابق غالباً ۳۸۔۱۹۳۷ء دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فلہ الحمد و الشکر۔ اس وقت اسعدِ زمانؒ کی عمر نو دس سال کے درمیان ہوگی، کیونکہ البلاغ کراچی نے آپ کی ولادت ۱۹۲۸ء لکھی ہے۔ اسی سال لکھنؤ میں دشمنانِ صحابہؓ کی شرارت سے غالباً ایام محرم میں مدح صحابہ کرام علیہم الرضوان پر انگریز حکومت نے پابندی لگادی تھی۔ حضرت مرحوم کے والد ماجد شیخ الاسلام استاد الہند والحجاز سیدنا حضرت مولانا سید حسین احمد المدنی قدس سرہٗ اسے برداشت نہ کر سکے، دارالعلوم سے چھٹی لے کر لکھنؤ پہنچے اور ہفتہ میں دو شب جلسہ عام میں مدح صحابہؓ کرتے اور کراتے

سول نافرمانی شروع کرائی، عاشقانِ صحابہؓ نے جیلیں بھر دیں اور تین ہفتہ میں حکومت نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

استقبال اور جلوس پر برہمی :

استاد الہند والحجاز قدس سرہٗ جس گاڑی سے دوسرے دن دیوبند پہنچ رہے تھے تو دار العلوم کے طلباء اور دیوبند کے شہری ہزاروں کی تعداد میں شہر کے اسٹیشن پر جو شاید پون میل شہر سے دور تھا موجود تھے اور حضرت کو دیکھتے ہوئے نعرۂ تکبیر اور زندہ باد کے نعرے لگانے لگ گئے۔ آپ نے دیکھ کر بہت ہی برہمی کا اظہار فرمایا، آپ کی نظر شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ پر پڑی تو سخت الفاظ میں فرمایا تم بھی ساتھ آئے ہو اور اسی میں زیب عنوان اسعدِ زمانؒ کو بازو سے پکڑ کر تانگہ میں ڈالا اور خود بھی صرف انہیں کو لے کر تانگہ کو جلوس کے مخالف سمت پر دوڑا دیا۔ جلوس تتر بتر ہو کر پریشان حالت میں واپس آیا، رات کے اجلاس میں جو حضرت ہی کے لئے جامع مسجد دیوبند میں بلایا گیا تھا، حضرتؒ نے اس جلوس پر پھر ناراضگی کا اظہار فرمایا، جس پر جامع مسجد کے اس وقت کے امام غالباً مولانا عبد الشکور صاحب نام کے تھے، اپنی تقریر میں انتہائی عقیدت مندانہ لہجہ میں عرض کیا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بخیریت مدینہ منورہ پہنچنے پر جو جلوس نکالا تھا، ان پر تو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا تھا، تو حضرتؒ نے بیٹھے بیٹھے ہی نرم لہجہ میں فرمایا، بھائی آپ قیاس مع الفارق کر رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم معصوم تھے۔ حسین احمد کے دل میں آپ کے رویّہ سے بڑائی پیدا ہو جاتی تو کیا کرتا سب برباد نہ ہو جاتا۔

ہزاروں میں صرف ایک معصوم بچے کا انتخاب :

آپ نے اس اجلاس میں ایک خاص بات یہ بھی فرمائی کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حسین احمد ملک کی سیاسی جماعت کا ایک بڑا سیاسی لیڈر ہو کر مذہب کے ایک جزوی مسئلہ پر سول نافرمانی کی سرپرستی کر رہا ہے۔ دو ایک مسلمان لیڈروں کا نام لے کر آپ نے فرمایا، میں ان جیسا سیاسی لیڈر نہیں ہوں، مذہب کے خلاف جو بھی تحریک چلے گی حسین احمد سب سے پہلے اس کی سرپرستی کرنے کو اپنا مذہبی اور ملکی ہی فریضہ سمجھے گا۔ اس واقعہ میں زیب عنوان اسعد زمانؒ کا تو اتنا حصہ ہے کہ حضرتؒ ہزاروں کے اجتماع کو چھوڑ کر اس معصوم بچے کی رفاقت میں گھر پہنچے کیا بچے کا یہ حال اس کے کسی عظیم مستقبل کی جانب تو اشارہ نہیں کر رہا ہے۔

روحِ مدنیؒ کی خوشیاں :

علاوہ ازیں حضرتؒ کے عمل اور اس تقریر کے مختلف ملفوظات وارشادات میں ہم پسماندگان کے لئے

عبرت اور نصیحت اور مسلمانوں کی صحیح قیادت کرنے کی شرائط بیان کرنے کی کچھ ضروری ہدایات کے جانب اشارے موجود نہیں ہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ان کی اشاعت کا ذریعہ اگر ان کی صحیح جانشینی کے سوانح حالات بن رہے ہیں تو کیا اس سے ان کی روح مبارک کو خوشی نہیں ہوگی۔

کاتب دامانی کا تذکرہ :

(۲) شاید ۴۵۔۴۴ء میں اتفاقاً سرہند شریف اور پھر دیوبند شریف جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ سرہند شریف سیدنا حضرت نور المشائخ قدس سرہٗ کی زیارت مقصود تھی اور دیوبند شریف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کی زیارت زیبِ عنوان حضرت اسعد زمان مرحوم ومغفور کا تعلق اس سے بھی صرف اتنا ہی ہے کہ اس دفعہ ہم مُولانا عبدالحق صاحب عرف کاتب دامانی کے مہمان تھے۔ موصوف خانقاہِ مدنی کے متصل ایک کمرہ میں مقیم تھے، یہ دید کی بات تھی اور شنید کی یہ کہ آپ حضرت اسعد صاحب مرحوم ومغفور کے ابتدائی تعلیم کے استاد بھی تھے، کاتب دامانی صاحب ہم لوگوں سے پہلے دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوچکے تھے، اپنے ہم وطن شیر وکھنہ تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کے آخر تک خانقاہِ مدنی میں رہے۔ آخر میں حضرت نے آپ کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی اور اب قبر بھی دیوبند ہی کے کسی قبرستان میں ہے۔ فرحمهم الله رحمة واسعة۔

اس سفر کے دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ اللہ قبول فرماویں اور ان کا ثواب خصوصی نمبر کے اس مہمانِ عظیم کی روح کو پہنچا کر ان کے لئے باعث مسرت بنادیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حسنِ خاتمہ کی ایک بشارت :

پہلا واقعہ :- اس سفر میں میرے ساتھ دو ساتھی تھے، ماموں زاد بھائی حافظ عبدالمنان صاحب، حال مرحوم، ان کا خیال سرہند شریف میں حضرت نور المشائخ قدس سرہٗ سے بیعت ہونے کا تھا کہ ان کے والد صاحب ہمارے ماموں جان ملا عطا محمد صاحبؒ حضرت اقدس موصوف کے مرید تھے، جوان سالی میں وفات پاگئے۔ تین پارہ قرآن مجید روزانہ کا معمول تھا۔ رمضان شریف بروزِ جمعہ عصر کے قریب وصال ہوا۔ اپنے والد ماجد قاضی محمد نجم الدین صاحبؒ کی شہادت تھی جو بروقت آپ کے پاس موجود تھے کہ آخری سانسوں میں سر اُٹھانے لگے کہ وہ دیکھئے قبلہ حضرت صاحبؒ کابل والے تشریف لا رہے ہیں۔ تھوڑا سر اُٹھایا، پھر سرہانے پر سر رکھتے ہوئے ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگئے۔ یہ حضرتؒ کی روح جسد مثالی میں نظر آئی۔ حقیقتِ حال کا علم صرف عالم الغیب الشہادۃ کو ہے، بہر صورت حسنِ خاتمہ کی ایک بشارت تھی۔

اسے مولانا حسین احمد سے بیعت ہونا چاہئے :

بہر حال حافظ عبدالمنان مرحوم مذکورہ بالا کا سفر حضرت سے بیعت کرنا تھا۔ دوسرا ساتھی نہایت اپنا مخلص متشرع صورت وسیرت نیک اور صالح نوجوان تھا۔ ان کا ارادہ سید العلماء والصلحاء شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے بیعت کرنے کا تھا۔ سرہند شریف پہنچ کر اس کو خیال آیا یا شاید کسی نے توجہ دلائی تو اس نے بھی حضرت نور المشائخؒ سے بیعت کرنے کا ارادہ کرلیا اور حضرت کو دونوں نے ایک ہی درخواست میں بیعت کرنے کی گذارش پیش کر دی۔ دوایک دن کے بعد حضرت نے حافظ عبدالمنان مرحوم کو بلالیا اور بیعت فرما دیا، دوسرے صاحب نے مکرر یاد دہانی کی درخواست کی تو حضرت نے یاد دہانی کرانے والے سے فرمایا، اس سے پوچھو کہ وہ گھر سے کس بزرگ سے بیعت کرنے کے ارادہ سے نکلا۔ جب حقیقت کا اظہار کیا گیا تو فرمایا، اسے مولانا حسین احمد سے بیعت ہو جانا چاہئے اور پھر ایسا ہی ہوا۔

دستِ مبارک کا پنجہ :

اور سنیئے جب حضرت مدنی قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو وہ نوجوان بہت ہی پریشان رہا۔ غالباً مسلسل کئی دنوں تک اس کے آنسو تھمنے میں نہیں آرہے تھے۔ اس نے بتلایا کہ ایک دن میں نے حضرت کے ایصالِ ثواب کے لئے کچھ طلبہ کو کھانا کھلایا، جس کے بعد ایک چارپائی پر اسی پریشانی میں لیٹا، آنکھیں لگیں تو خواب میں حضرت کی زیارت ہوئی۔ آپ نے میری چارپائی کے بازو کو اپنے دست مبارک سے پکڑ کر ہلایا اور فرمایا تجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ کہتا ہے آنکھ کھلی حضرت تو نظر نہیں آئے مگر ہاتھ مبارک کا پنجہ نظر آ گیا اور معاً غائب بھی ہو گیا، مگر اسی کے ساتھ ہی دل کو سکون ہو گیا اور بفضلہٖ تعالیٰ وہ ناقابلِ برداشت پریشانی ختم ہو گئی۔ کیا مولائے رومؒ نے سالہا سال پہلے کچھ ایسے ہی نقشے دیکھ کر فرمایا تھا کہ ....

بندگانِ حق رحیم و بُرد بار ۔۔۔ خوئے حق دارند در اصلاحِ کار

مہرباں بے رشوتاں یاری کنان ۔۔۔ در مقام سخت در روزِ گراں

حضرت مدنیؒ اور مہمانوں کی ضیافت :

بہر حال سالِ مذکور میں دو چار دن خانقاہِ مدنی میں قیام رہا چائے یا کھانے پر علاقہ کے طلباءِ کرام بلاتے رہے غالباً پانچویں دن حضرتؒ سفر سے تشریف لائے۔ اس صبح جن کے پاس ناشتہ وغیرہ کا وعدہ تھا، انہوں نے علی الصبح بتلا دیا اور سختی سے منع کر دیا کہ حضرت کو کسی طرح بھی معلوم نہ ہونا چاہئے کہ کسی طالب علم نے میرے کسی مہمان

کی دعوت کی ہے۔ آپ اس سے سخت ناراض ہوتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں جو طالب علم مہمانوں کو دعوت دے سکتے ہیں ان کو دارالعلوم سے کھانا نہیں لینا چاہئے۔ بہر حال اس دن حضرت کی زیارت کی اور پھر کسی وقت اجازت لے کر واپس بھی روانہ ہو گئے۔ حضرت مولانا اسعد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ان دنوں پندرہ سولہ برس کی ہوگی لیکن ان دنوں کی آپ کی کوئی بات تو کیا ملاقات کا نقشہ بھی یاد نہیں آرہا۔

دیوبند سے پانچ روپے کا چندہ :

ہاں اگر اپنی یہ شنید صحیح ہو کہ مخدوم کاتب دامانی صاحب آپ کے ابتدائی تعلیم کے استاد بھی تھے، تو ان سے متعلق بھی ایک واقعہ عرض کرتا جاؤں اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۴۹ء میں جب نجم المدارس کے نام سے اپنا پرانا درس متعارف کرایا گیا تو چند سال بعد دامانی صاحب نے نجم المدارس کے لئے دیوبند ہی سے پانچ روپیہ کا چندہ بھیجا' پانچ روپیہ کا چندہ بھی قابلِ قدر تھا لیکن دیوبند سے آمد کی نسبت سے ہمیں جو خوشی ہوئی اس کا کچھ اندازہ ہم ہی لگا سکتے ہیں۔ چنانچہ مدرسہ کے ایک مخلص ترین ساتھی صوفی محمد حسن صاحب درزی کو میں نے کہا صوفی صاحب! مبارک ہو، آپ کے مدرسہ کے لئے دیوبند سے چندہ آیا ہے، بہت خوش ہوئے۔

پچاس روپیہ از جانبِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

پھر کہا اس کا میں بھی آپ کو بدلہ دوں، میں نے عرض کیا ضرور، کہا میری رسید بکیں کہاں ہیں، میں لے کر آیا ایک رسید بک اُٹھا کر مجھے پکڑائی اور فرمایا اسے دیکھتے جاؤ، بیس پچیس رسیدیں پڑھیں، تو ایک رسید کا مضمون تھا پچاس روپیہ از جانب جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔ انہوں نے فرمایا بتلائیں بدلہ ہو گیا کہ نہیں، میں نے عرض کیا مکمل ترین صورت میں واجرکم علی اللہ۔

اب تفصیل بھی تو سنائیں، تفصیل میں بتایا کہ میں سندھ کی ایک بستی میں گیا، ایک دولتمند غالباً زمیندار صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ یہ شخص دینی مدرسوں سے دلچسپی رکھتا ہے، اور ان کی امداد بھی کرتا رہتا ہے، ہمارے یہ صوفی محمد حسن صاحب خاموش طبیعت اور بہت ہی کم گو شخص تھے انہوں نے اس متمول شخص سے چندہ مانگا تو اس نے ایک روپیہ دیدیا کہتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ آپ نے غالباً مجھے گداگر سمجھا میں تو درزی ہوں، اپنے کسب سے اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ یہ شعبان اور رمضان شریف کا مہینہ للہ فی اللہ مدرسے کی خدمت کرنے کے لئے کام چھوڑ دیتا ہوں۔ اس پر اس نے مجھے دس روپے دیدیے، کچھ دیر کے بعد بلا کسی مزید گفتگو کے وہ اُٹھا، اس نے اپنی الماری کھولی اس سے پچاس روپے نکال کر مجھے دیے اور کہا اس کی رسید لکھو مگر میرے نام کی نہیں، میں نے کہا

ہاں بتلائیں کس کے نام کی لکھوں، انہوں نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی، کہا پھر وہ بھی رونے لگا اور میں بھی ....۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

یعنی اب یہ کس کا حوصلہ ہے کہ باغبان سے پوچھے کہ بتاؤ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سنا اور بادِ سحر نے کیا عنایت کی۔

ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں :

اس کے بعد ایک طویل عرصہ بعد شاید ۱۹۷۰ء کے قریب آپ (حضرت اسعد مدنیؒ) ڈیرہ اسماعیل خان دار العلوم نعمانیہ تشریف لائے۔ جلسۂ عام تو غالباً نہیں تھا۔ حضرت مولانا سراج الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب مدظلہٗ چونکہ کئی سال دار العلوم دیو بند زیر تعلیم رہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان سے اچھا خاصا تعارف ہوگا، کلاچی سے بھائی قاضی عبد اللطیف صاحب اور بقول برخوردار قاضی حافظ عبد الحلیم سلمہم کہ یہ بھی زیارت کے لئے گئے اور میرا معذرت نامہ بھی ساتھ لے گئے۔ میں کسی مجبوری سے حاضر نہ ہوسکا۔ بعد میں ایک دفعہ حرمِ پاک میں شرفِ ملاقات نصیب ہوا تو آپ نے دورانِ مجلس بطورِ شکوہ کے فرمایا کہ آپ ملاقات کے لئے نہیں آئے تھے یا نہ آسکے، مجھے بہرحال مخدومزادہ کے اس شکایت سے بھی خوشی ہوئی۔ کیونکہ ...... ع جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا کہ محبوب کا تلخ جواب بھی محبوب ہی ہوتا ہے، بقول کسے کہ ...... ع ہم شاد ہیں کہ ہیں تو کسی کی نگاہ میں

جب زمینداریاں اسلام کے راستہ میں رُکاوٹ ثابت ہوں :

ایک اور ملاقات سنہ یہ بھی یاد نہیں رہا اور نہ ہی تقریب ملاقات کا سبب لیکن یہ ملاقات ڈیرہ اسماعیل خان کے ہوائی اڈہ پر ہوئی اور تھوڑے ہی وقت کے لئے۔ اس ناکارہ کا ایک مضمون بینات کراچی میں آچکا تھا جس کا حاصل غالباً یہی تھا کہ بڑی بڑی زمینداریاں اگر اسلام کے راستہ میں رُکاوٹ ثابت ہوں تو کیا اسلامی حکومت ان کو ختم کرنے کی مجاز نہیں ہے؟ میں نے بینات کا وہ شمارہ پیش کر کے عرض کیا کہ ہوسکتا ہے دورانِ سفر آپ کو فرصت مل جائے اور اس پر اپنی رائے مبارک سے مطلع فرمادیں، تو باعثِ اطمینان بنے۔ حضرت اسعد مرحوم نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے فرزند محترم مرحوم مولانا محمد صاحب کے ذریعہ پیغام بھجوایا کہ حضرت والد ماجد قدس سرہٗ سے سنا تھا کہ گنجائش تو ہے مگر بہ اعطاء قیمت ....اس کے بعد پھر حرمِ پاک میں غالباً ایک سے زیادہ بار ملاقات ہوئی۔

والحمد للہ۔

اُمیدوں کا خون :

ایک دفعہ غالباً ۱۹۷۶ء جبکہ احقر کا پہلا حج تھا، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شاید نام تھا پاکستانی تھے ۔علاقہ بلوچستان قلعہ سیف اللہ کے ماحول کے اصل باشندہ' ژوب، میں اس ناکارہ کے واقف ہوئے، تقسیم ملک پاکستان کی حمایت میں سرگرم کوشاں لیکن جب ان کی تگ ودَو کامیاب ہوئی اوراس عجوزہ کے سر سے برقعہ اُٹھا کر دیکھا تو بے اختیار کہنے لگا .... ؎

زِ یاراں چشم نیکی داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ہم کو دوستوں سے بڑی اُمیدیں تھیں۔افسوس کہ غلط نکلیں۔

اپنے اُمیدوں کا خون دیکھا تو فوراً سعودیہ کو ہجرت کی غربت کی حالت میں وہاں پہنچے سنا ہے کہ ابتداء میں سڑکوں کی مرمت وغیرہ کی مزدوری کی مگر دل مطمئن رہا کہ قرب یار (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) تو حاصل ہے .... ؎

قریب یار ہم کو دفن کرنا ، ورنہ مرقد سے
صدائے نالہ ٔ شوق آئے گی گور غریباں سے

مہاجر مزدور کارِ عالم مدینہ منورہ میں مدرس بن گئے :

اس وقت سعودیہ کے ہاں پاکستان پھر علماء کی بہت بڑی قدر تھی ،ان کو معلوم ہوا تو مولانا موصوف مہاجر کی بوجہ عالم ہونے کی بہت قدر کی اور چند سالوں میں ان کو مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ میں درس دینے کی ملازمت مل گئی ۱۹۷۵ء کو ہمارے ہاں سے کچھ حاجی گئے، پشتو زبان کے باعث بعض حاجیوں سے ان کی بات چیت ہوئی تو پوچھا کہاں سے ہو، انہوں نے سرحد یا ڈیرہ اسماعیل خان کا نام لیا تو پوچھا کلاچی کے قاضی عبدالکریم کو جانتے ہو، اس نے بتایا کہ میں کلاچی ہی کا باشندہ ہوں تو بڑی محبت سے سلام کا پیغام دیا۔انہوں مجھے ان کا سلام پہنچایا تو میرے دل نے گواہی دی کہ کیا عجب یہی سلام ہی مژدہ وصال مدینہ منورہ ثابت ہو .... ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل نسیم صبح تیری مہربانی

تذکرہ صاحبزادہ حافظ محمودؒ چودھوانی اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کا :

۱۹۷۶ء کو یہ ناکارہ مدینہ منورہ پہنچا، سفرِ مدینہ منورہ میں ایک ساتھی پنجاب کا حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹیؒ کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ انہوں نے مولانا موصوف کو بتلایا کہ عبدالکریم کلاچوی بھی رات کو ہمارے ساتھ پہنچا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ (عبدالقیوم حقانی) کے چودھوان کے حافظ محمود نواز صاحب مرحوم بھی اسی صبح ہماری انتظار میں تھے۔ کیسے پیارے اور کیسے مہربان بزرگ اور دوست اس زمانہ کے تھے کہ جن کی یاد ہی سے دل میٹھا اور قلب پریشاں رشک جنان ہو جاتا ہے۔ پہلے حافظ محمود نواز صاحب مرحوم ملے اور ساتھ ہی کہا میرے مکان میں ایک آدمی کی گنجائش ہے۔ آپ کوئی مکان تلاش نہ کریں ہم دو رفیق لازم ملزوم تھے، مگر انہوں نے کہا فکر کی بات نہیں، نماز (صبح ہی کی تھی) سے فارغ ہو کر حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ ملے اور فرمایا مکان کا مسئلہ ذرا مشکل ہوتا ہے۔ یہاں ایک کمرہ میں گنجائش ہے۔ میں ان سے اس کمرہ کی تفصیلات معلوم کرنے لگا تو چودھوان کے حافظ صاحب مرحوم کہنے لگے میں نے جو مکان کی پیشکش کی کیا وہ منظور نہیں۔ میں نے عرض کیا آپ کو ظاہر ہے تکلیف تو ضرور ہوگی، اس نے فوراً مداخلت کی ہرگز نہیں، میں نے حضرت مولانا چنیوٹی صاحبؒ کا شکریہ ادا کیا اور نمازِ اشراق سے فارغ ہو کر حافظ صاحب چودھوانی مرحوم کے مکان بلکہ کمرہ میں ہم چلے گئے۔

تذکرہ شیخ الحدیث ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا :

حضرت مولانا چنیوٹیؒ نے اس دن مسجد نبوی ﷺ سے متعلق ازراہِ محبت واخلاص مختلف معلومات بھی فراہم فرمائیں کیونکہ آپ اس سے پہلے بار بار اس شرف اور اعزاز سے بہرہ یاب ہوتے رہے۔ یاد پڑتا ہے کہ حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی ان دنوں مدینہ منورہ کی یونیورسٹی میں تخصص کے درجات میں زیر تعلیم تھے، انہیں اس ناکارہ کی آمد کا علم ہوا تو ازراہِ ذرہ نوازی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ جاتے ہوئے فرمایا ہمارے متعلق کوئی ضروری کام ہو تو ضرور ہی بتلا دیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ یہاں کے معلمین آٹھ دن ٹھہرانے کے فوراً بعد حرم پاک روانہ کر دیتے ہیں، حج کے ایام دور ہیں، اگر ممکن ہو تو چند دن مزید اگر ہم یہاں ٹھہر جائیں تو خوشی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کل ان شاء اللہ آپ کو اس کے متعلق کچھ بتلا سکیں گے۔ کل تشریف لائے اور بتایا کہ جب تک آپ چاہیں یہاں رہ سکیں گے، بس جانے سے ایک دن پہلے اپنے معلم کو یہ بتلا دیں کہ ہم کل جاویں گے۔

چنانچہ حضرت مولانا کے اخلاص، ہمت اور برکت سے بائیس (۲۲) دن ہم نے مدینہ منورہ میں

گذارے فالحمد لله علی ذالک حمداً کثیراً والشکر لھم شکراً جزیلاً ۔ظاہر ہے کہ آپ کا یہ احسان آخر تک یاد ہی رہے گا۔ واجرھم علی الله تبارک و تعالیٰ۔

اکابر کی شفقتیں روشن مستقبل کی ضمانت :

آپ (عبدالقیوم حقانی) نے کئی بار بتایا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہٗ آپ کی بعض تحریروں کو پسند فرماتے ہیں۔میری تحریر پھدی کا شوربا اگر آپ پسند فرماتے ہیں تو اس کی وجہ ماضی قریب کے بعض اکابرین کا ذکر خیر اس میں موجود ہونا ہوگا۔نہ کہ اس ناکارہ کی معمولی تحریر۔حوالہ تو ذہن میں نہیں رہا، غالباً شاہانِ دہلی محدثین دہلیؒ کے متعلق اور عین ممکن ہے انفاس العارفین یا علماءِ ہند کی شاندار ماضی میں نظر سے گذرا ہو کہ ایک دفعہ کوئی غیر مسلم سرکاری ملازم ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے آیا، آپ بے اختیار ان سے مصافحہ کیلئے کھڑے ہو گئے، جس سے خود ان کو بھی تعجب ہوا، تھوڑی دیر بعد کسی وجہ سے اس کے کاغذات میں کسی مقبول بارگاہِ الٰہی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے چند سطور دیکھے گئے تو خود ان کو یقین آ گیا کہ ان کو دیکھ کر میرا اس طرح بے اختیار کھڑے ہو کر ملنے کا سبب یہی تحریر ہی معلوم ہوتی ہے۔بس اس ناکارہ کی کسی تحریر کا کسی اہل نظر کو پسند آ جانے کا سبب کچھ ایسا ہی ہونا ہوسکتا ہے۔ربّ کریم اس ناکارہ کے ایمان کی حفاظت فرماویں، نشکرہ علی ماھدانا الی الاسلام و منّ علیّ بالایمان علی سید الانس والجان علیہ و علی آلہ و اصحابہ مادام الملوان من التسلیمات والصلوات الاتمان والاکملان ۔ ہاں ایسے اکابر کی پسندیدگی کو کیوں نہ روشن مستقبل پر حمل کیا جائے کیونکہ یہی انا عند ظن عبدی بی کا تقاضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن ہی رکھنا چاہئے کہ وہ ایمان واسلام کی برکت سے کسی کی شفاعت سے خاتمہ ایمان پر فرمائیں گے، کیونکہ یہ حضرات شھداء الله فی الارض ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوھیؒ کا کشف :

حضرت گنگوہیؒ مذکور کا واقعہ غالب گمان یہی ہے کہ حضرت تھانویؒ ہی کے کسی مضمون میں پڑھا ہے، آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ ریاضات اور مجاہدات شاقہ کے بعد وقت کے اکابر اولیاء کے شہاداتِ حسنہ اجازۂ خلافت وغیرہ لے کر گنگوہ پہنچے تو اپنے شہر کی ایک آبادی یا ایک عمارت پر دیکھا کہ برکات اور رحمتوں کی بارش برس رہی ہے۔ بڑے شوق سے اندر جا کر دیکھا تو غیر مسلموں کا مندر ہے، بہت سے چیلے بیٹھے ہوئے اپنے غیر اسلامی طریقہ کا شغل کر رہے ہیں، پوچھا کہ گرو صاحب کہاں ہیں، کہا گیا کہ وہ ایک بند کمرے میں چلّے کاٹ رہے ہیں، کمرے کا دروازہ پوچھا تو جواب ملا کمرہ زیر زمین ہے اور دروازہ مکمل بند کر دیا گیا ہے۔دریافت

کیا اندر روشنی اور ہوا داخل ہونے کا کوئی بندوبست بھی نہیں، انہوں نے بتلایا فلاں کونے میں معمولی سا سوراخ ہے۔

شاہ صاحبؒ اسی کے پاس جا کر مراقب ہوئے، تھوڑی دیر میں آپ کی روح جسد مثالی نام رکھیں یا کچھ اور اندر پہنچ گئی، گرو صاحب کو بڑی حیرت ہوئی پوچھا کون ہو اور کیوں آئے ہو، مسلمان کا ایک ہی جواب تھا اور وہی دیا فرمایا مسلمان ہوں اور تم کو اسلام کی دعوت دینے آیا ہوں۔ اس نے کہا مجھے اس وقت ریاضاتِ شاقہ برداشت کرنے سے جو قوت اور کمال حاصل ہے، وہ کسی کے پاس نہیں، پھر مجھے مسلمان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کونسی قوت اور کیا کمال ہے جو اور کسی میں نہیں اور تم کو حاصل ہے، کہا یہ برتن آپ کے سامنے ہے، میں اپنے آپ کو توجہ کے ساتھ پانی بنا دوں گا، اور پھر اپنی ہی توجہ سے آپ کے سامنے اسی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا دکھلایئے، اس کا جیسا دعویٰ تھا اسی طرح سامنے کے برتن میں پانی بن کر ظاہر ہو گیا اور انسانی شکل کا کوئی حیوان جو پہلے نظر آ رہا تھا غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو وہی گرو صاحب پھر انسان کی شکل اختیار کر کے ظاہر ہوا اور پھر وہی کہا کہ ایسا کمال کن فیکون کا جو مجھے حاصل ہے کسی میں بھی نہیں اور یہ کمال اسلام کے بغیر جب مجھے حاصل ہے تو میں اپنا طریقہ مذہب وغیرہ وغیرہ کیوں تبدیل کروں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، خدا نے چاہا تو میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ اس نے کہا دکھاؤ تو مانوں۔ آپ نے فرمایا ایک بات کریں میں نے جب تم پانی کی شکل میں ظاہر ہوئے تمہارے اس پانی میں اس کپڑے کا تھوڑا سا حصہ بھگو یا تر کر دیا تھا۔ تم بھی جب میں پانی کی شکل میں ظاہر ہو جاؤں اس میں اپنے کپڑے کا تھوڑا سا حصہ تر کر کے اپنے پاس رکھ دینا، اس نے کہا یہ کیوں فرمایا یہ بعد میں بتلاؤ نگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس سے پہلے بلا کسی تجربہ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ کفر سے مقابلہ ہے، شرمندہ نہ فرماویں۔ مجھے پانی بنا کر اس کو دکھلا دو۔ پھر بھی اپنے حق پر ہونے کا واسطہ و وسیلہ بنا کر ربّ العالمین جل جلالہ سے دعا کی کہ اب مجھے پھر انسان ہی کی شکل عطا فرما دیں۔ قاضی الحاجات جل شانہ وعم نوالہ نے آپ کی درخواست کو قبول فرمایا۔ گرو صاحبؒ نے آپ کو پانی کی شکل میں دیکھ لیا اور پھر بیٹھے بیٹھے انسان کی شکل میں بھی دیکھ لیا گرو صاحب نے کہا شاہ صاحب ٹھیک ہے میرا یہ خیال صحیح نہیں کہ میں آپ کی دعوت قبول کر کے مسلمان ہی ہو جاؤں کیونکہ یہ کمال بغیر اسلام کے بھی مجھے حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پانی میں آپ نے کپڑا تر کر لیا تھا۔ اس نے کہا ہاں تر کر لیا تھا، فرمایا اس کو سونگھو۔ اس نے سونگھا تو عجیب وغریب خوشبو محسوس کر کے بہت ہی محظوظ ہوا۔ اس کے پانی میں شاہ صاحب نے جو کپڑا تر کر لیا تھا، گرو صاحب کو کہا اس کو بھی سونگھ لو، اس نے ناک کے قریب کرتے ہوئے بڑی جلدی سے بہت دور ہی اس کو پھینک دیا۔

شاہ صاحب نے پوچھا کیا ہوا اس نے کہا اس کپڑے سے تو مجھے ایسی بدبو محسوس ہوئی کہ میں اسے برداشت نہیں کرسکا۔ آپ نے فرمایا اسے کس کے پانی سے تر کردیا گیا تھا، جواب ظاہر تھا، اسے بڑی خفت ہوئی اور کہا آخر ایسا فرق اور اتنا فرق کیوں اور کس سبب سے فرمایا، یہی کفر اور اسلام کا فرق ہے بس اس سوال و جواب اور اسی مناظرہ سے گرو صاحب نے کلمہ شریف پڑھ لیا اور مسلمان ہوگیا۔ باہر آئے اور سب چیلوں کو کلمہ اسلام سے مشرف کیا۔ معلوم ہوا وہ رحمتیں جو برس رہی تھیں وہ ان کے حال پر نہیں بلکہ روشن استقبال کی علامت تھیں بات لمبی ہوگئی۔ ماہنامہ ''القاسم'' کے بعض روشن خیال ناظرین روح کا تجسد اور ہیئت کذائی مناظرہ اور اس کے نتائج کو ہضم کرسکیں یا نہیں۔ میں اتنا عرض کرنا چاہتا تھا کہ حضرت الشیخ مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کی کسی تحریر کی پسندیدگی اگر صاحب تحریر کے حال کے مطابق نہ بھی ہوتو عین ممکن ہے کہ یہ اس کے حسن مآل کی علامت ہو۔ اللّٰھم فلیکن ھکذا۔

یاددہانی :

لمبی کہانی کی ابتداء آپ بھول گئے ہوں گے یاد رکھئے، بلوچستان کے محترم مولانا مہاجر صاحب کی بات کررہا تھا۔ ۱۹۷۶ء کی بات ہے اپنا پہلا حج ہے عرفات میں نماز پڑھنے کی فکر ہے، کوئی بتاتا ہے کہ اس دن کا امام مدینہ منورہ سے آتا ہے کوئی کہتا ہے یہ ریاض سے بھیجا جاتا ہے۔ عام اطلاع یہ ہے کہ یہ حرم ہی کا امام اعظم ہی ہوتا ہے۔ فکر کی بات یہ نہیں کہ جو بھی ہو وہ امام اس دن ظہر اور عصر کے دو ہی رکعتیں پڑھاتا ہے۔ ان حضرات کی تحقیق بھی ہے کہ حجاجِ کرام جو حج کے احرام میں ہوں، اس دن ان کے ظہر اور عصر کے دو ہی رکعتیں ہیں چار نہیں۔ احناف کے نزدیک باقی ایام کی طرح عرفات کے دن بھی ان اوقات کی نماز چار چار رکعتیں ہیں، اس لئے ان کی تحقیق میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنے والے امام کی نماز بہرصورت فاسد ہوجاتی ہے۔

میں اس سلسلہ میں ان بلوچستانی مہاجر مولانا صاحب سے ملا۔ تاکہ ان سے اس امام کی تحقیق کروں، انہوں نے بتایا۔ امام جہاں کا ہو اسے حکومت لمبے راستہ سے عرفات پہنچادیتی ہے تاکہ احناف کی نماز خراب نہ ہو اور اس سلسلہ میں یہ بطورِ ایک نظیر کے بیان کیا کہ جب جماعت کھڑی ہونے لگتی ہے تو امام صاحب چونکہ تکبیر سے پہلے پہلے مسواک کیا کرتے ہیں، ان کے نزدیک اگرچہ دانتوں سے خون آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن احناف کو اطمینان دلانے کے لئے (یعنی موسم حج کے بغیر) اپنی انگلی جس پر سفید کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے، دانتوں پر پھیر کر دائیں بائیں صفِ اوّل والوں کو دکھادیتے ہیں کہ دیکھو خون کا کوئی بھی اثر نہیں ہے۔

امامِ عرفات کی خبر کے بارے میں شبہ کا اظہار :

آمدم برسر مطلب : یعنی برقصۂ حضرت اسعد زمانؒ .... مجھ اسی سال حضرت چنیوٹیؒ نے

فرمایا عصر کے بعد فلاں جگہ پاک و ہند کے حج پر آنے والے علماء کرام آجایا کرتے ہیں، آج کل حضرت اسعد صاحب بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اکثر شریک ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آج ان شاء اللہ حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ اس دن میں حاضر ہوا، دوران مجلس امام عرفات کی بات چلی تو میں نے مدرس دارالحدیث کی بات کا ذکر کیا تو اسعد مدنیؒ نے متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ یہ بات ہم پہلی بار آپ سے سن رہے ہیں، گویا خبر کے مشکوک ہونے کے طرف اشارہ تھا۔ میں نے خود بھی اس پر عمل تو نہیں کیا، پہلے سال جمع تقدیم میں امام عرفات کے پیچھے دونوں نمازیں ادا کیں کہ پھر ایسا موقعہ ملے گا یا نہیں۔ قیام گاہوں میں ہزاروں کا اجتماع تو ہوتا ہے لیکن لاکھوں کا نہیں مگر عصر کی نماز خیمہ میں آکر اپنے وقت پر اس نیت سے پڑھ لی کہ اگر میرے ذمہ عصر کی کوئی نماز باقی ہو تو یہ اس کی قضا کر رہا ہوں۔ بعد میں جب بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ تو مسجد عرفات تک پہنچنے کا موقعہ ہی نہیں مل سکا۔ یہ دیکھ کر تو بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے ریڈیو سامنے رکھ کر امام عرفات کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ خیمہ میں جماعت کے ساتھ بھی نماز پڑھنے والے عصر کی نماز قبل از وقت نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ مغرب کی نماز اپنے وقت پر نہیں بلکہ مزدلفہ میں عشاء کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ عشاء سے پہلے ادا ہی نہیں ہوسکتی، کاش کہ حجاج کرام حج کے ضروری مسائل سیکھنا بہت ہی ضروری خیال فرمالیتے۔

بہر حال اس طویل کہانی میں عروس نمبر جانشین حضرت مدنیؒ کا تو اتنا ہی حصہ تھا کہ آپ نے امام عرفات کے سلسلہ میں اطلاع اور خبر کے تحقیق ہونے پر شبہ کا اظہار فرمایا اور جسے بلاوجہ نہیں کہا جاسکتا۔

ہوش سے کام لینا چاہئے :

ایک اور ملفوظ: حرم پاک ہی کی کسی اور مجلس میں جو بظاہر آپ کا کوئی رفیق سفر یا کم از کم ایک مخلص تھا نے افسوسناک لہجہ سے آپ ہی کے سامنے بیان کیا کہ آج کے فلاں ہجوم میں میری جیب کٹ گئی اور جس میں ہزاروں کی رقم بتلائی۔ آپ نے بات کو تو سنا مگر اندازہ یہ ہوا کہ اسے اپنے خیال کے مطابق مطلوبہ ہمدردی سے نہیں نوازا گیا اس نے کسی طرح دوبارہ بھی اپنے صدمہ کا اظہار کیا، مگر آپ نے پھر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ اس پر میں بھی سوچنے لگا کہ یہ خاموشی بے معنی نہیں ہونی چاہئے۔ مصیبت زدہ نے جب تیسری بار اپنا دکھ سنایا تو آپ نے فرمایا، عجیب بات ہے عقلمند آدمی ہو کر اتنی بھاری رقم کو ایک ہی جیب میں ڈالنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلتا یہی تھا اور یہی نکلا۔ مقصد یہ تھا کہ آئندہ ہوش سے کام لینا چاہئے۔

بہر صورت زینت نمبر سعید العصر مولانا اسعدؒ سے متعلق اپنی درغریبی یہی ہے جو پیش خدمت کر رہا ہوں

یعنی حضرت کے دو چار ملفوظات جن میں نمازِ عرفات کے امام صاحب سے متعلق خبر پر تبصرہ اور بڑی بڑی زمینداریوں کے بارہ میں بعض حالات میں صحیح حکومت کے اختیارات، حضرت شیخ اسلام قدس سرہٗ کے خیالات کا حوالہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح آپ کی جدائی میں چند آنسو بہاتے وقت ماضی کے چند اہل اللہ کے ایمان زا اور روح افزا واقعات۔ طفولیت آپ کی وہ جو پہلے واقعہ کی ضمن میں عرض کی گئی کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین **قدوۃ الغزاۃ والمجاھدین** آپ کے والد ماجد نے ہزاروں کے اجتماع اور فلک شگاف زندہ باد کے نعروں میں سے اپنے لئے آپ ہی کو چن لیا گویا .... ؎

گزیدی از ہمہ گلہا تو آں را

بما بگذاشتی باقی جہاں را

یعنی باغ کے سب پھولوں میں آپ نے صرف اسی کو چن لیا اور باقی سب دنیا کو ہمارے لئے چھوڑ دیا۔

اور جوانی وشباب کا یہ عالم کہ ۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی جانشینی کے لئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی موجودگی اور سرپرستی میں آپ کے والد ماجد کے کثیر التعداد خلفاءِ کرام نے آپ ہی پر اتفاق کر لیا۔ کیونکہ اس وقت آپ کی عمر تیس سال کے قریب تھی، یہی عمر **شاب نشأ فی عبادۃ اللّٰہ** کی مصداق ہے اور یہی غالباً اہل جنت کی عمر بتائی گئی۔ اب اس کے بعد کی عمر ان دو معتبر شہادتوں کی روشنی میں کیسی گذری ہوگی۔ اس پر بغیر اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ .... ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

فرحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ غفر ذنوبہ وستر عیوبہ و ھب لنا المصابین بوصالہ ولیایرثہٗ ویرث عن اکابر علماء نا الدیوبندیین وافیض علینا من برکاتھم الی یوم الدین و صلی اللّٰہ علی سید الانبیاء والمرسلین سید نا محمد خاتم النبین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین و بارک وسلم۔

نجم المدارس کلاچی میں وصال کے دن ہی فوری طور پر بتوفیق اللہ تعالیٰ ختماتِ قرآن مجید سے ایصالِ ثواب کیا گیا اور احقر نے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مرحوم ومغفور کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اظہارِ تعزیت کا فریضہ ادا کیا۔ **والقبول من اللّٰہ تبارک و تعالیٰ ۔**

حقیقت یہ ہے کہ .... ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

محرم الحرام کی ساتویں تاریخ ہے، افق آسمانی پر چمکتے سورج کی تابانی ماند پڑتی جارہی ہے، سورج غروب ہونا چاہتا ہے، مگر اس سے پہلے ہی ملت اسلامیہ کا آفتاب فضل وکمال نصف صدی سے زائد عرصے تک اپنی جرأت ،عزیمت، اخلاص، دردمندی اور جاں سوزی کے ذریعے اپنی تابانیاں بکھیرنے کے بعد دنیائے دوں سے رخصت اور غروب ہوکر آخرت کے ابدی سفر پر روانہ ہوجاتا ہے، اس طرح ۸۰ سال کی قربانیوں، جاں فشانیوں، ملت کے مسائل ومشاکل کو حل کرنے اور الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے عظیم کاموں سے مالا مال مجاہدانہ زندگی گذار کر ملت اسلامیہ کا قائد جلیل، مردکوہ کن، ذکر الٰہی سے سرشاری کی والہانہ کیفیت میں اپنے مالک حقیقی سے جاملتا ہے

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر ☆ خوب تر تھا صبح کے تاروں سے بھی تیرا سفر

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کا سانحہ وفات پورے عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ صرف ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ پورے ایک عہد کا، اور اسکی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہے، ان کی شخصیت بلاشبہ اسلامی تاریخ کی ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات میں نمایاں ہے جن کے پائے ثبات واستقامت میں نہ حکمرانوں کا رعب وجلال لغزش پیدا کرپاتا ہے، اور نہ ہی سیم وزر کی زنجیریں قصر سلطانی کے گنبد پر اپنا نشیمن بنانے پر انھیں آمادہ کرسکتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ؎

باسلاطین درفتد مردِ فقیر ☆ از شکوہ بوریا لرزد سریر

مردِ فقیر بادشاہوں سے پنجہ آزما ہوجاتا ہے، اس کے بوریا کے جلال وشکوہ سے تخت وتاج لرزاں وترساں رہتے ہیں، وہ ان خوش نصیب بندگانِ خدا میں سے تھے جنھیں قسامِ ازل نے بے شمار کمالات، امتیازات اور خوبیوں سے بہرہ مند فرمایا تھا، ان کی ذات میں جو مکارم ومحاسن اور حسنات وفضائل کا اجتماع اللہ کی توفیق سے تھا ان کا احاطہ بے حد دشوار ہے بقول شاعر ؎

من كثرة الأخبار من مكرماته ☆ يمر به صنف ويأتي به صنف

یعنی ان کے مکارم اتنے گوناگوں ہیں کہ ایک کا ذکر چھڑتا ہے تو دوسرا سامنے آجاتا ہے، مرحوم کی چند نمایاں امتیازی خصوصیات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے :

(۱) عظمت وعبقریت

حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی عظمت ہے، اللہ نے ان کو جو ہمہ جہتی عظمت عطا فرمائی تھی وہ محض خاندانی ورثہ نہیں تھی، بلکہ عظمتوں اور رفعتوں کے منارۂ بلند تک پہونچنے کے لئے انھوں نے اپنا

خونِ جگر جلایا تھا، ملت کے مسائل کے لئے ایوان پارلیمنٹ میں، ارباب اقتدار کے سامنے، پبلک اسٹیجوں پر، شہر شہر، قریہ قریہ، ملک وبیرون ملک، سفر حضر، راحت وکلفت، ہر وقت اور ہر حال میں اپنے ذاتی اور خاندانی غموم وہموم سے بے پرواہو کر ان کی شب وروز کی پیہم مجاہدانہ مساعی، جہد مسلسل لگن، ملت کا درد بے پناہ، سوزِ دروں اور

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر ☆ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کے مطابق فکر مندی اور کڑھن یہ سب ان کی عظمت کے بنیادی روشن عناوین، مظاہر ہیں، ان کو خاندانی عظمت بھی حاصل تھی اور وہ چاہتے تو اسی پر بس کر بیٹھتے، مگر ان کا طائر بلند پرواز محض خاندانی عظمت کو آشیانہ بنانے پر آمادہ نہ ہوا بلکہ انھوں نے اپنے جہاد مسلسل سے ذاتی عظمت کی رفعتیں حاصل کیں، اور ان کی فکر عربی شاعر کی اس فکر سے ہم آہنگ رہی

ان الفتی من یقول ھا انا ذا ☆ لیس الفتی من یقول : کان ابی

صاحب عزم جوان وہ ہے جو خود مرد میدان ہو اور کسی دوسرے کے بھروسے پر نہ رہے، وہ کسی کا دست نگر نہ ہو، بلکہ اسے اپنے زور بازو پر یقین محکم ہو اور وہ للکار کر کہے کہ لو! میں سامنے موجود ہوں، صاحب عزم وہ نہیں جو صرف اپنے آباء واجداد اور خاندان کی عظمت پر ناز کرتا پھرے اور خود میدانِ عمل میں کوئی جوہر نہ دکھا سکے، حضرت امیر الہند اپنی دنیا آپ بنانے والے اصحاب عزیمت میں سے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ”راہ میں حائل ہوں اگر کوہ تو ٹھکرا کے نکل“ چنانچہ ان کے مشن کی راہ میں بڑے بڑے طوفان آئے، اپنوں اور غیروں کی ریشہ دوانیاں آئیں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کی ہوائے تند وتیز آئی، مگر کوئی چیز ان کی رفتارِ کار اور عزم وہمت کے آڑے نہ آسکی اور وہ زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے کہ

میں کہاں رکتا ہوں عرش وفرش کی آواز سے ☆ مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

(۲) قائدانہ جوہر

اللہ نے ان میں کوٹ کوٹ کر قائدانہ صلاحیت بھر دی تھی، دور اندیشی، عقابی روح، اصابتِ فکر، جرأت و عزیمت، حق گوئی، بے باکی، بصیرت وفراستِ ایمانی، بلند نگاہی اور عالی حوصلگی کی جو خوبیاں ان کے خمیر میں پیوست تھیں، قیادتِ ملت کے پرخار اور نازک سفر میں یہی ان کا رختِ سفر اور زادہ راہ تھیں، بقولِ اقبال

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز ☆ یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

کہا جاتا ہے کہ ”قیادت اطاعت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے“ ملت کے غم میں اونچے بول بولنے اور جھوٹے آنسو بہانے والے قائدین ملت کے انتشار اور جذبۂ اطاعت سے محرومی کا واویلا کرتے ہیں مگر امیر الہند مرحوم کی قیادت ملت کی پچاس سالہ تاریخ اطاعت واجتماعیت کی آئیڈیل تاریخ ہے، اور مفاد پرست ومصلحت کوش، کرگس صفت قائدین کی قیادت اور امیر الہند کی جرأت مندانہ اور شاہین صفت قیادت میں جو واضح فرق ہے وہ یہی ہے کہ

مرے ہم ضمیر بلبل ترا مرا ساتھ ہی کیا ☆ ترا درد دردِ تنہا، مرا غم غمِ زمانہ

ہندوستان میں سرمایۂ ملت کی پاسبان ونگہبان تنظیم ”جمعیۃ علمائے ہند“ کے وسیع اور عوامی بے نظیر پلیٹ فارم سے نصف صدی سے زائد عرصے تک انھوں نے اسلامیانِ ہند کی قیادت کی، اور احساسِ محرومی وکمتری سے

دو چار ملت کو حوصلہ بخشا، ان کے سینوں میں دبی آگ کو شعلۂ جوالہ بنایا، انھوں نے مصلحت اندیشوں کے بجائے جرأت مندانہ اقدامات کی تحریک یہ کہتے ہوئے پیدا کی کہ ؎

مصلحت اندیشیوں ہی کا تو یہ انجام ہے ☆ اتحادِ دین و ملت پارہ پارہ ہوگیا

انھوں نے امت کو یہ ہمت دی کہ امت اپنے مسائل پوری قوت سے اٹھائے، اسے اپنے وجود اور تحفظ کی فکر کے بجائے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا ہے، اس کے وجود پر کوئی آنچ نہیں آتی ہے، اصل چیز حقوق کا جرأت مندانہ مطالبہ ہے، انھوں نے ملت میں یہ روح بھری کہ وہ اپنے مسائل اٹھائے اور اس میں ذرا بھی لچک، نرم روی اور سہل انگاری سے کام نہ لے، اس لئے کہ ؎

مسئلے زندہ قوموں کی پہچان ہیں ☆ مردہ قوموں کے کوئی مسائل نہیں

ناعاقبت اندیش اور کوتاہ بیں افراد کو کبھی کبھی ان کی قیادت میں ضرورت سے زیادہ عاجلانہ اقدامات، اور تدریج کے بجائے، منزل بہ منزل سفر کے بجائے یک بیک آخری منزل اور مقصد پالینے کا مزاج نظر آتا ہے، مگر امیر الہند کی فراست اور دوراندیشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا، اور ان کی رفتار کار گویا یہ پیغام دیتی تھی کہ ؎

بڑھ جنوں کچھ اور آگے، منزلیں ہیں اور بھی ☆ اس سے کیا حاصل کہ ٹکرائیں در و دیوار سے ہم

دنیا نے یہ منظر بار بار دیکھا وہ جمعیۃ علماء (جس کی تاریخ عزیمت کی روشن ترین تاریخ ہے) ہند کے پلیٹ فارم سے امیر الہند کی ایک صدا پر خلق خدا کا وہ ہجوم اکٹھا ہوتا ہے جن سے ایوان باطل میں لرزش پیدا ہو جاتی ہے، جمعیۃ کی تاریخ میں امیر الہند کی قیادت کا دور اس کا عہد زریں ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ؎

تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دورِ خرد میں ☆ اک سلسلۂ دار و رسن ہم نے بنایا

(۳) مسلکِ دیوبند کا تحفظ

امیر الہند کی ایک نمایاں خصوصیت مسلک دیوبند کا تحفظ، اور اکابر دارالعلوم کی مزاج، مذاق اور اقدار کی ترویج واشاعت کا فکر واہتمام ہے، اور اس کے لیے انھوں نے جو قابل قدر خدمات انجام دیں ان سے ان کی بیدار مغزی اور ہوش مندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، گذشتہ مارچ ۲۰۰۵ء میں میں نے دہلی میں حضرت سے ملاقات کے دوران اپنی ایک تصنیفی کاوش "مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے، پیش کی، آپ نے اس کا سرسری مطالعہ فرمایا اور پوچھا کہ اس کتاب میں دارالعلوم دیوبند کا ذکر نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں: دیوبند کا ذکر ہے، پھر وہ باب کھول کر پیش کیا جس میں مفکر اسلام، دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا مفصل ذکر ہے، حضرت نے وہ پورا مضمون پڑھا، اپنی مسرت کا اظہار کیا اور دعائیں دیں، اس معمولی واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم، مسلک دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے ان کا تعلق کس درجہ والہانہ اور عاشقانہ تھا، اور اکابر کا مزاج و مذاق ان کے رگ و پے میں کس درجہ پیوست تھا۔

ملت کی بدقسمتی ہے کہ چند سالوں سے ایک جماعت مسلسل مسلک احناف و دیوبند اور اکابر دیوبند کے خلاف طوفان بدتمیزی میں مشغول ہے، اور کچھ بے توفیق تکفیر و تضلیل یا کم سے کم تفسیق و تشنیع کی حدوں تک جا پہونچے ہیں، امیر الہند نے اس نازک موقعے پر تحفظ سنت کانفرنس بلائی اور ملت اسلامیہ کے تمام روشن دماغ، سلیم الفکر افراد، عقیدت

مندان وخوشہ چینانِ دارالعلوم کو اکٹھا کیا اور یہ ثابت کردیا کہ مسلک دیوبند اور عظمت اکابر کے تحفظ کے لئے ذہنی، دماغی، قلبی، لسانی، علمی عملی ہر طرح کی کوشش جاری رہے گی اور مسلک دیوبند پر کوئی آنچ آئے اسے گوارا نہ لیا جائے گا۔

(۴) اتحادِ ملت کی سعیِ محمود

حضرت کی زندگی کا یہ پہلو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہے، یا غلط فہمیاں حائل ہیں، اصحاب بصیرت واقف ہیں کہ جمعیۃ علماء اور دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے حضرت نے اتحادِ ملت کی کوشش مستقل جاری رکھی، اتحادِ ملت کا سرا براہ راست اصلاح معاشرہ سے جڑا ہوا ہے، تحریک اصلاح معاشرہ جو آج ہندوستان کے ہر گوشے میں جاری ہے اور اس کے اثرات نمایاں ہیں، وہ جمعیۃ علماء کی دین اور امیر الہند کا فیض ہے، سابق فرقہ پرست حکومت ہند نے مدارس اسلامیہ کے خلاف دہشت گردی پھیلانے کا جو ڈھونگ رچا تھا، اور مدارس کی تفتیش اور اہل مدارس کو تاراج کرنے کی جو منظم مہم اور کوشش جاری کی تھی اور اس کے لئے جو سیاہ بل نافذ کرنے کا پروگرام تھا حضرت نے اس کے مقابلے کے لئے کانفرنس بلائی، اور پھر سب نے دیکھا کہ ان کی آواز پر لاکھوں مسلمانان ہند نے لبیک کہا، تاریخ نے یہ منظر بھی ریکارڈ کیا کہ مختلف الخیال افراد اور مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندے حضرت کے قدم بہ قدم اس مہم میں شریک ہیں، اتحاد واجتماعیت کا یہ حسین ودل نواز مظاہرہ حضرت کے جذبۂ اتحاد کا ایک نمونہ ہے۔

(۵) تدین وتقویٰ اور خشوع

حضرت کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والا ان کے تدین، تقویٰ اور خشوع کا شاہد ہے، حقوق کی ادائیگی کا اہتمام، توازن، معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، نماز باجماعت کا بے نظیر اہتمام، خاشعانہ کیفیت، شب بیداری، آہ سحرگاہی، تلاوت ومناجات، دعا وانابت اور حسنِ اخلاق حضرت کی عملی زندگی کے روشن عناوین ہیں، اور ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ یہاں اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔

جمعیۃ علماء کی عملی قیادت میں قدم رکھنے کے دن سے لے کر یوم وفات تک شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جب یک خاص حلقے میں ان کی تحقیر اور ملامت نہ کی گئی ہو، ان کے لئے کلماتِ اہانت استعمال نہ کئے گئے ہوں اور ان کو ملت کا دشمن ثابت نہ کیا گیا ہو اور ان کے خلوص پر حملے نہ کئے گئے ہوں، مگر یہ حرکت ان لوگوں نے کی جن کے جسم نازک میں ملت کی خدمت کی راہ میں ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اسلام کے لئے کوئی کانٹا نہیں گڑا، اور خون تو بڑی چیز ہے اسلام کی صحیح خدمت میں انھیں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوتی، جس وقت ملت محرومی اور مایوسی کے دور سے گذر رہی تھی، علاقہ کے علاقہ خونِ مسلم سے لالہ زار ہو رہے تھے، لاشے بے گور وکفن تھے، مساجد ومدارس کی حرمت اور وقار داؤں پر لگے ہوئے تھے، اس وقت ملت کے اس مرحوم ومجاہد قائد عظیم کے بارے میں زبانِ ملامت دراز کرنے والے کہاں تھے؟ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی صبح احاطہ دارالعلوم دیوبند میں پورے ملک سے اپنے قائد عظیم کی تدفین میں کشاں کشاں آیا ہوا انسانی سمندر زبان حال سے کہہ رہا تھا "ھکذا تکون جنائز ائمۃ السنۃ" ائمہ دین اور رہبرانِ امت کا جنازہ اسی شان سے اٹھتا ہے۔ جنازے میں شریک انسانی ہجوم بے پناہ رخصت ہونے والے کی مقبولیت اور محبوبیت کا نشان تھا، اور ہر صاحب بصیرت یہ تأثر ظاہر کرنے پر مجبور تھا کہ قیادتِ ملت کی صف میں ایسا خلا اور سناٹا در آیا ہے کہ ؎ دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں۔ □□□

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہم

مولانا اسعد میاں جوارِ رحمت میں

ہم عمرو ہم درس وہم جماعت ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ تے جاتے ہیں، اسعد میاں بھی کامل تین ماہ کی مایوس کن علالت کے دن پورے کر کے ۶ محرم ۱۴۲۷ھ / ۶ فروری ۲۰۰۶ء کو اسی رواں دواں قافلہ کا فرد بن گئے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم پیچھے رہ جانے والوں کو بھی اپنے وقت پر اس مغفرت ورحمت کا شریک بنائے۔ صحیح تاریخ اور مہینہ تو یاد نہیں البتہ ۱۹۴۴ء وثوق سے یاد ہے جو ہجری ۱۳۶۳ کے متوازی تھا اور مہینہ از روئے قیاس شوال کا ہونا چاہئے (جو انگریزی مہینہ اکتوبر کے مطابق بنتا ہے) کہ اپنا داخلہ دیو بند میں ہوا۔ کتابیں جو لیں ان میں ایک مختصر المعانی تھی (وہ زمانہ طلبہ کی درجہ بندی کا نہیں تھا۔ کتابوں کی درجہ بندی تھی کہ کون کون سی کتابیں کس استعداد کے طالبعلم کو ایک سال میں پڑھائی جائیں) مختصر المعانی کے استاد تھے حضرت مولٰنا عبد السمیع صاحب دیو بندیؒ، بڑے پرانے اور مانے ہوئے استادوں میں سے۔ کتاب کی جماعت کافی بڑی تھی، اچھی وسیع درسگاہ بھی بھری ہوئی۔ اسی جماعت میں اسعد میاں بھی تھے۔ میں تو وہاں کسی کو بھی نہ جانتا تھا، نو وارد تھا۔ انھیں پتہ نہیں کیونکر میری طرف التفات ہوا۔ خیال آتا ہے کہ جیسے پہلے ہی دن سے مہربان ہو گئے۔ میرے لئے بھی یہ التفات قدرتی طور سے باعثِ اُنس بنا اور پھر یہ ایک درجہ کی دوستی میں بدل گیا، جس کے ابتدائی چار سال تو دارالعلوم کے احاطہ ہی میں بیتے۔

مجھے شہادت دینی چاہئے، داد دینی چاہئے کہ اسعد میاں اگر چہ اُس ہستی کے فرزند ہی نہ تھے جس کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کی سعادت اپنے لئے ہمیشہ سرمایۂ فخر رہی ہے، بلکہ خود بھی درجات ومراتب کی بلندیاں طے کرتے کرتے فخرِ خاندان بنے، مگر وہ تعلق جو دارالعلوم کی طالبعلمی میں انھوں نے قائم کیا تھا اس میں آخر دم تک کبھی فرق دیکھنے میں نہ آیا! بعض وقت دوستانہ بے تکلفی کا کچھ ایسا بے جا استعمال بھی مجھ سے ہو گیا کہ ڈر لگا برا نہ مان گئے ہوں۔ مگر نہیں، وضع داری میں ذرا جو فرق آیا ہو۔ میں تیس برس سے لندن میں ہوں، مرحوم کہ سراپا حرکت تھے، سال میں ایک دو بار دورہ ادھر کا بھی عرصہ سے ہونے لگا تھا۔ اسی کی بدولت ملنے جلنے کی صورت بآسانی بنتی رہی۔ اور جس وضع داری کی بات کر رہا ہوں وہ اسی ضمن میں یہ تھی کہ جیتک لیبیا والے سفری حادثہ سے پیدا ہونے والی

مجبوری حائل نہ ہوگئی مشکل ہی سے مجھے اپنی قیام گاہ پہ آنے کا موقع بھی دیا، ورنہ اپنے ایک ایک منٹ کے مصروف پروگرام میں وقت نکال کے خود ہی خانہ خراب پہ آنا اور لازماً آنا۔ شاذ و نادر ہی کبھی ایسا ہوا کہ بغیر ملے لوٹ گئے ہوں۔

یہ تین مہینے کی آخری علالت کا سلسلہ جس دن شروع ہوا میں اتفاق سے اس کے دوسرے ہی دن دلی پہنچا تھا۔ اور آخری ہفتہ کو چھوڑ کر یہ پورا عرصہ انڈیا ہی میں گزرا۔ دو دفعہ اپالو اسپتال بھی جانا ہوا جہاں مرحوم زیرِ علاج تھے۔ مگر جس بیہوشی کی حالت میں اسپتال لائے گئے تھے اس نے ساتھ آخر تک نہ چھوڑا کہ نام ہی کو سہی ملاقات ہوسکتی۔ اب سراپا حرکت سراپا سکون تھا۔ پس آخری ملاقات وہی رہ گئی جو تقریباً دو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں دلی پہنچا تھا، پتہ چلا کہ اسعد میاں حج میں گئے تھے وہاں سے بہت علیل ہو کے لوٹے ہیں۔ طوفانِ باد و باراں کی جو آزمائش اس سال حجاج کو پیش آئی تھی موصوف بھی اس کی زد میں آئے۔ یا اللہ معذوری کا وہ حال کہ بمشکل پاؤں اٹھا پاتے ہیں اور حج کے اژدحام میں جا پہنچے! کئی باتیں جو بہت شروع سے واضح کرتی گئی تھیں کہ وہ اپنے حضرت والدِ ماجد علیہ الرحمہ کے خلفُ الصدق ہیں ان میں سے ایک انتھک حرکت و جد و جہد بھی تھی۔ مگر اس حج کی خبر نے بتایا کہ وراثت کی مقدار پر قانع نہیں رہے، اُسے دوچند کیا ہے۔ عیادت کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ طبیعت بہتر ہے ڈاکٹر کی اجازت سے چند دن کے لئے دیوبند چلے گئے ہیں۔ بہر حال واپس آئے۔ جمیعۃ کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیکھ کے فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس جھٹکے سے بظاہر نکل گئے۔ میں نے کہا بس بہت خدمتِ ملک و ملت ہوگئی، اب خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کریں۔ کچھ آرام کرلیں۔ کہنے لگے اب آرام کیا کرنا۔؟ اسّی برس پورے ہونے جا رہے ہیں۔ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ کی میری پیدائش ہے۔ لیجئے معلوم ہوا کہ سالِ پیدائش ہم دونوں کا ایک ہے۔ بس مہینوں کا آگا پیچھا ہے۔

انتھک مزاج کی وراثت کے ساتھ حوصلہ مندی کا ایک وصف بھی بھرپور پایا ہوا تھا جسے کہنا چاہئے کہ اُن کا اپنا تھا۔ اس وصف کی ایک نشانی جمیعۃ العلمائے ہند کا موجودہ پُرشکوہ دفتر واقع نئی دہلی ہے۔ جن لوگوں نے جمیعۃ کا قدیم دفتر پرانی دلی کی گلی قاسم جان والا دیکھا ہوگا۔ وہی اندازہ کرسکتے ہیں کہ کس درجہ کی حوصلہ مند فطرت لے کے اسعد میاں آئے تھے۔ حوصلہ مندی عزم و استقامت بھی چاہتی ہے۔ ماشاء اللہ اس سے بھی وہ ایسے بھرپور تھے کہ دینی میدان ہوئے یا سیاسی، تنِ تنہا ہی اپنی سوچ اور اپنے اہداف کے لئے راہیں استوار کرنے میں کبھی اِدھر اُدھر دیکھتے اور تھڑدلی کا شکار ہوتے نظر نہیں آئے۔ اور بالعموم اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے کہ حریف ان سے بازی لے جاتے ہوئے نظر نہ آئیں۔ ایک اور چیز جس میں شاید ہی ان کا حریف ہونے کی ہمت وقت کے میدانی لوگوں میں سے کوئی کرسکا ہو، کشادہ دستی و مہماں نوازی تھی۔ مٹھی کبھی بند ہو کے نہیں رہی۔ اور دسترخوان کبھی سمٹا نہیں۔ اور یہ چیز بھی انھیں اپنے والدِ والا تبار حضرت مدنیؒ سے وراثت میں ملی تھی۔ دعا ہے کہ حضرتؒ کے مثالی ورثہ کی بہتر سے بہتر حفاظت کا سلسلہ اس خاندان میں سدا جاری رہے۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب اُستاذ مدرسہ امدادیہ مرادآباد

حضرت امیر الہندؒ ! چند تأثرات

حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی بار کب دیکھا یہ تو یاد نہیں لیکن جس بات کا نقش دل پہ آج تک ہے وہ ہے حضرت امیر الہند کی نماز، مدنی مسجد دیوبند میں ایک ایسی شخصیت جس کے ارد گرد بہت سے افراد چل رہے تھے داخل ہوئے سنت کے مطابق دائیں طرف کھڑے ہوئے نماز فرض کے بعد سنت کی ادائیگی میں لگ گئے، ہم دیکھتے ہی رہ گئے ایسا رعب کہ ساتھ ساتھ چلنے والا اور ساتھ ہی مسجد میں داخل ہونے والا مجمع بالکل خاموش، اور جب نماز میں محبوب حقیقی سے لو لگایا تو خشوع وخضوع کا پیکر مجسم۔ جتنی دیر میں ہم نے بلکہ اکثر اہل مسجد نے سنت مع وتر پڑھے حضرت کی دو رکعت نماز ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد ذرا سا پیچھے ہٹ کر بیٹھے تو دوڑ کر بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے، میں بھی ان میں ایک تھا، وہ دن ہے اور آج کا دن اب تک میری آنکھوں نے ایسی خشوع وخضوع والی نماز حضرت کے علاوہ نہیں دیکھی، صبح ہوئی مدنی مسجد میں نماز پڑھ کر نکلے اور سیدھے تفریح کے لئے چل دیئے، اس وقت میں کسی کو پہچانتا نہیں تھا کہ کون لوگ حضرت کے ساتھ میں تھے، ہاں یہ بات اب تک ذہن میں ہے چند نورانی شکلیں ایسی تھیں جس کے بارے میں دل نے خود فیصلہ کیا یہ حضرت کے خانوادہ کے لوگ ہیں۔ قاسم پورہ جو ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں تک گئے۔ ایک جم غفیر پیچھے پیچھے حضرت آگے آگے لوگ جب گفتگو کرتے تو اس کا خیال رکھتے کہ آواز حضرت کے کان میں نہ پہونچے۔ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک جدید طالب علم تھا، مجھے بڑی حیرت تھی کہ اتنے لوگ ہیں کسی کی ہمت نہیں کہ وہ کچھ بات کرے۔ مزار قاسمی آکر حضرت نے کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کیا، پھر چل پڑے ہم نے کتابوں میں پڑھا تھا، بڑوں سے سنا تھا، کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسا رعب عطا فرما دیتا ہے، ہمت کرنے پر بھی ان کے سامنے زبان نہیں کھلتی ہے۔ ایسی عظمت شان حضرت امیر الہند کو بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی۔ جب بھی حضرت دیوبند تشریف لاتے یہی دیکھا چاہے تفریح میں ہوں یا عصر کے بعد کی مجلس سوائے چند معزز اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کے کوئی اور حضرت کے سامنے بولتا نہ تھا۔

مدنی دارالمطالعہ جو طلبائے دارالعلوم کے سب سے بڑی انجمن ہے اس کا ایک سالانہ پروگرام (جو عموماً دارالحدیث تحتانی میں ہوتا ہے) حضرت امیر الہند کی صدارت میں ہو رہا تھا حضرت الاستاذ حضرت مفتی سلمان صاحب مدظلہ العالی کی شفقت میرے ساتھ تو شروع سے تھی اور آج بھی ہے ان کے حکم پر جلسہ کی نظامت میں کر رہا تھا جب حضرت امیر الہند کو خطاب کی دعوت میں نے ان الفاظ سے دی، حضرت فدائے ملت سے بصد احترام درخواست ہے کہ ہم طلباء وسامعین کو نصیحت فرمائیں حضرت نے خطبہ پڑھ کر سب سے پہلے میری سرزنش کی اور اپنے مخصوص انداز میں میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کہ آپ کو کس نے اجازت دی کہ آپ میرا نام رکھیں، میرے

والد حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے میرا نام اسعد رکھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے اس نام رکھنے کی وجہ پوچھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اسعد کو بگاڑیں گے تو اسد کہیں گے، میں اس وقت کی گرفت اب تک محسوس کرتا ہوں میری ہمت نہ ہوئی کہ میں سر اٹھاؤں، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ نے مجھے تسلی دی کہ بڑے لوگ اپنے لئے القاب پسند نہیں کرتے، لیکن تم نے بھی ٹھیک کیا، چھوٹوں کو بڑوں کا نام لیکر دعوت دینا بھی خلاف ادب تھا، اس کے بعد مدنی دار المطالعہ کا پروگرام، مدرسہ تعلیم القرآن پیرزادہ مراد آباد اور سیرت خاتم النبیین کانفرنس جامع مسجد مراد آباد وغیرہ پروگراموں میں جب حضرت کا نام پکارنے کا وقت آیا تو فدائے ملت کا لفظ میری زبان سے بھول کر بھی نہیں نکلا بلکہ صرف حضرت صدر محترم یا اس جیسے الفاظ والقاب سے کام چلالیتا تھا۔

میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت امیر الہند میرے گاؤں (پرتاب گڈھ) تشریف لے جائیں۔ احباب میں ذکر کرتا تو دار العلوم دیوبند میں ساتھ پڑھنے والے طلباء میرا مذاق اڑاتے، کہ مولانا مدنی اور تمہارے گھر؟ لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت الاستاذ مولانا عبد الہادی صاحب کو حضرت امیر الہند کا پرتاب گڈھ کا پروگرام بنایا۔ پنجاب میل سے دوپہر حضرت تشریف لائے، ظہر اور عصر کے بعد مختلف مقامات پر پروگرام منعقد ہوئے، رات کا بیان میرے گاؤں اور قیام میرے گھر طے ہوا، ۲۱ مئی ۱۹۹۱ء کو رات میں قیام فرما کر صبح چار بجے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ مولانا عبد الہادی صاحب مدظلہ نے میرا تعارف کرایا، کہ پروگرام کا کنوینر یہ طالب علم ہے جو دار العلوم دیوبند میں پڑھ رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا آج ۲۸/شوال ہے آپ طلباء کی تعلیم کا حرج کرتے ہیں، تعلیم پروگرام سے مقدم ہے۔

فراغت کے بعد دہلی حاضر ہو کر حضرت سے بیعت ہوا، حضرت نے کچھ وظائف بتلائے ان وظائف پر کسی نہ کسی درجہ عمل تو آج بھی ہے لیکن محرومی وبدنصیبی سبق آگے نہ بڑھ سکا، میری تدریسی خدمات سے وابستگی مدرسہ امدادیہ سے ہوگئی، دہلی آنا جانا رہا، بھائی صاحب حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب کی بے پناہ عنایات کی وجہ سے حضرت امیر الہند کو بہت قریب دیکھنے اور کبھی کبھی خدمت کا موقع بھی ملتا رہا، محبت بڑھتی رہی، لیکن صد افسوس استفادہ نہ کرسکا۔

۱۴/اکتوبر ۲۰۰۱ء کی بات ہے، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب کے مرتب کردہ پروگرام کے تحت مراد آباد تشریف لائے۔ امریکہ نے اسی دوران افغانستان پر حملہ کردیا میری معرفت بھی ایک پروگرام بعد نماز ظہر رامپور دوراہے پر نیشنل ہائے وے پر ہونا طے پایا، اجازت نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ امدادیہ رامپور دوراہے کی وسیع وعریض مسجد میں بہ عنوان اصلاح معاشرہ منعقد ہوا، حضرت تشریف لائے "تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" کی تعبیر وتشریح کرتے ہوئے امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ کا حکم فرمایا مدرسے کے ارد گرد کا علاقہ بدعت زدہ ہے، بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، جو شریک ہوا اس نے اگرچہ بدعت سے توبہ نہ کی ہو لیکن کم از کم دیوبندی حضرات سے نفرت ختم ہوگئی یہ اثر حضرت کی تشریف آوری سے ہوا، رمضان المبارک میں حضرت کی علالت کی خبر سن کر دیوبند حاضر ہوا، ملاقات کی اجازت نہ تھی، حضرت کے منجھلے صاحبزادے برادرم مولانا محمد مدنی صاحب سے عرض کیا کہ آج ۲۶ رمضان ہے مجھے واپس جانا ہے، حضرت سے ملاقات ہوجائے تو سفر کامیاب

ہو جائے، بھائی محمد صاحب حضرت کے معتکف میں نماز ظہر کے بعد لیکر گئے حضرت چارپائی پر بیٹھ کر قرآن مقدس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ہم کئی منٹ تک کھڑے ہو کر زیارت کرتے رہے، شاید حضرت کو پتہ بھی نہ چلا کہ کون آیا گیا۔

حضرت امیر الہند کے انتقال کی خبر مجھے مدینہ منورہ میں قبل نماز عصر ہوئی، بعد نماز عصر تا نماز عشاء قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کیا، بعد نماز عشاء حضرت کے حقیقی بھانجے اور چہیتے حضرت مولانا محمد اخلد رشیدی مدظلہ کی مخصوص نشست گاہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا، میرے ساتھ مولانا احمد عبداللہ آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء مدرسہ شاہی بھی تھے ہم لوگ حاضر ہوئے ہم کیا تعزیت کرتے ہم خاموش کھڑے تھے ہندوستان، پاکستان، افریقہ، برطانیہ، دنیا کے بہت سے ملکوں کے متوسلین ومعتقدین ومتعلقین جو سفر حج پر تھے حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب سے تعزیت کرتے رہے ایک ہجوم ہو گیا۔

بھائی اخلد صاحب مدظلہ سے ملکر لوگ آبدیدہ ہو جاتے اور بعض لوگ بآواز بلند رونے لگتے، مسجد نبوی میں اس طرح مجمع دیکھ کر ہر گذرنے والا محسوس کر سکتا تھا کہ حضرت امیر الہند کے وصال کا غم عالمی ہے، لیکن مولانا محمد اخلد صاحب بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق دوسروں کو تسلی دیتے رہے، ایصال ثواب کی درخواست کرتے رہے، ہماری بھی اگلے دو دن کے بعد واپسی طے تھی، اہتمام کر کے پورا قرآن کریم ختم کر کے دوسرے دن صفہ پہ بیٹھ کر اپنے محسن کیلئے ایصال ثواب کیا بارگاہ الٰہی میں بہ وسیلہ محبوب الٰہی رفع درجات کی دعائیں کیں۔

مراد آباد واپس آ کر ایک دن قیام کر کے مدرسہ امدادیہ کے سربراہ عالی حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب مدظلہ کی معیت میں تعزیت مسنونہ کیلئے دیوبند حاضر ہوا، وہاں سب تھے لیکن نگاہیں جس کے دیدار کو ترس رہی تھیں افسوس وہ ذات نہ تھی، ناچار واپس ہو گیا اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو نعم البدل عطاء فرمائے، صاحبزادگان، برادران دیگر متعلقین ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے، حضرت کے درجات اللہ تعالیٰ بلند فرمائے۔ آمین۔ ▢▢▢

مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

اللہ جوارِ رحمت میں جگہ دے

قابل رشک زندگی کے مجاہدانہ سفر کا آخری لمحہ اور بعد از مرگ قاسمی شہر خموشاں تک پروقار الوداعیہ اس قائد وراہبر کی داستان حیات کا آخری باب ہے، جس کی موت پر پوری ملت، بالخصوص ملت اسلامیہ ہند سوگوار ہوگئی ہے۔

زندگی اور موت کا صدر شک تلازم، سعی محکم اور عمل پیہم سے عبارت ہوا کرتا ہے، جس پر دنیا فخر وناز سے دیر تک خراج دل پیش کیا کرتی ہے، اور جس کو دیکھ کر شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے ؎

زندگی ایسی گذارو کہ سبھی کو رشک ہو
موت ہو ایسی زمانہ عمر بھر رویا کرے

کچھ یہی شان ہے اس مرد آہن کی جو ۶ فروری ۲۰۰۶ء شب منگل، سب کو سوگوار چھوڑ کر رخصت ہوگیا سچ یہ ہے کہ جب بھی کبھی قوم وملت پر مشکل گھڑی آئی "بات دل کی ہے" نظر صرف اور صرف اسی ذات گرامی تک پہونچتی، اسی کے خیالی سراپا کا طواف کرتی۔ حالات کے وسیع تناظر میں اس کی مصلحت کیا ہے؟ خاموشی یا تحریک۔ یہ فیصلہ اس کا اپنا تھا۔

گر زبان کو آواز اور قلم کو رشتہ حروف سے منسلک کروں۔ تو یقیناً میں بھی اپنے مشاہدہ کی روشنی میں ان کی عظمت کا اعتراف انھیں لفظوں میں کروں گا جو استاذی محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی نے "جلسۂ تعزیت مرادآباد" میں فرمایا تھا کہ "وہ عزم وہمت کے پہاڑ تھے، جو فیصلہ کرتے، سوچ سمجھ کر کرتے اور جب کر لیتے تو پھر اس پر پوری قوت سے اڑ جاتے گویا منظر **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** کا ہوتا اور پھر منجانب اللہ ظاہری اسباب وسائل بہم ہوتے چلے جاتے، اس درمیان نہ تھکتے نہ رکتے بلکہ جہد مسلسل میں شان "شہنشاہ بابری کی ہوتی جو مہمات کو سر کرنے کے لئے ہمیشہ گھوڑے کی پشت پر سوار رہا کرتا تھا نہ کبھی اس کی ہمت جواب دیتی، نہ مخالفت کا کوئی طوفان اس کی راہ روک پاتا، جب تک کہ منزل خود بڑھ کے اس کے استقبال کو نہ آجاتی۔

ہوش کے ساتھ یہی رنگ غالب اور نمایاں دیکھا، جو ایک قائد کیلئے امتیازی وصف ہوتا ہے، اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسیحائے قوم، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنی زندگی میں تحریک کے جس میدان میں قدم رکھا، کامیابی ہمیشہ ان کے ساتھ رہی، اس عظیم مجاہد کی رحلت پر جب دنیا اداس ہوگئی، تو پھر خاندان مدنی کے ہر چھوٹے بڑے پر کیا گذری ہوگی اس کا اندازہ تو خود ملت اسلامیہ ہند اپنے سود وزیاں سے کر سکتی ہے ہماری تو بس یہی دعا ہے کہ اللہ مدنی خاندان کو صبر کی ہمت دے اور ملت کو سچا جانشیں اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

مولانا رفاقت حسین قاسمی

خودی ہو زندہ تو ہے موت اِک مقامِ حیات

خراج عقیدت کے نام پر، مرثیہ گو مرثیہ گوئی میں مصروف ہیں اور مقالہ نویس، مقالہ نویسی میں، خاکہ نگار خاکوں میں رنگ بھر رہے ہیں اور تاریخ گوئی کے ماہرین قطعات تاریخ میں، اس انفرادی خراج عقیدت کے علاوہ اجتماعی خراج پیش کرنے والے بھی پیچھے نہیں ہیں، اخبارات ورسائل کے ادارے ہمہ تن متوجہ ہیں کہ ان کے رسالے کا ''فدائے ملت نمبر'' نمبروں کی فہرست میں امتیازی مقام حاصل کرے، عمدہ مضامین، درد انگیز مرثیوں اور بلیغ منظوم قطعات تاریخ پر مشتمل ان کا ''نمبر'' قیمتی کاغذ، نستعلیق کتابت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آئے اور لائبریریوں کی زینت بننے کے علاوہ قارئین سے داد وتحسین حاصل کرے۔

مذکورہ بالا سطور سے حقیر راقم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ سب کچھ ازروئے شرع ناجائز ہے، یا یہ کہ نوجوان نسل کو اپنے پیش رو اکابر واسلاف کی سبق آموز حیات، اور دین وملت کے تئیں ان کی خدمات سے واقف کرانا کوئی گناہ ہے، تاہم اس حقیقت میں تامل نہ ہونا چاہئے کہ یہ بہر حال ایک ثانوی چیز ہے۔

درجۂ اول کی چیز یہ ہے کہ ہم پیچھے رہ جانے والے اپنے مرحوم قائد کو عقیدتوں کا خراج یوں پیش کریں؛ کہ عملاً اپنی زندگی کو ان کے مشن کے لیے وقف کردیں، ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ان کی فکر مندی کی مشعل سے روشنی حاصل کریں، ماہ رمضان میں متوسلین کے لیے، ان کی ایمانی مجالس کو صفائے قلب اور جمعیۃ کے اسٹیج سے منعقدہ اجلاس اور تحریکوں کو سیاسی بصیرت کے لیے رہبر بنائیں، قدرتی آفات اور فسادات سے متاثرہ علاقوں میں، ان کی نگرانی میں ہونے والی ''ریلیف'' سے دردمندی اور ''مسیحیت وقادیانیت'' جیسی اسلام دشمن تحریکوں کے مقابل مرد میدان بن کر سامنے آنے اور ان کی سرکوبی کے لیے مستقل افراد سازی کے عمل سے دینی حمیت کا سبق سیکھیں اور ایک ایم، پی ہونے کی حیثیت سے پارلیمان میں کی گئی ان کی بے لاگ تقریروں سے جرأت وہمت کا درس لیں: غرض یہ کہ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے، فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جل رہے، اس غیر مسلم اکثریت والے ملک میں نصف صدی پر محیط ان کی ملی وقومی سرگرمیوں کی تاریخ سے، بدلتے حالات میں خود کو پوزیشن کرنے کا بیش قیمتی ہنر سیکھیں۔

اگر ہم پس ماندگان میں سے چند ایک بھی، قحط الرجال کے اس دور میں، خود کو اس قربانی کے لیے تیار کرنے میں کام یاب ہوگئے تو ملت کے لیے یہ ایک خوش آئند بات ہوگی اور اسلامیان ہند کی ہچکولے کھاتی کشتی ایک تازہ دم ناخدا کے سہارے اپنا سفر جاری رکھ سکے گی۔

''فدائے ملت مرحوم'' کے حادثۂ وفات کو اگر کوئی صرف مدنی خانوادے یا صرف جمعیۃ کا حادثہ تصور کرتا ہے تو یہ ایک بڑی بھول ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر پورے ملک میں محسوس کیا جائے گا اس لیے کہ یہ آگ اور خون میں کود کر قومی یک جہتی کے پرچم کو بلند کرنے والی اور عالمی سطح پر ملک کی جمہوری ساکھ کا تحفظ کرنے والی اہم ترین شخصیت کا حادثہ ہے اور ملک کی مسلم اقلیت کا تو اس سے متاثر ہونا منطقی نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ اس کی اپنے ایک نہایت باحوصلہ، باتدبیر اور اس سے بڑھ کر باتوفیق قائد سے محرومی ہے ''لعل الله يحدث بعد ذلک امرا''

افسوس یہ نہیں کہ جانے والا چلا گیا اس لیے کہ ہر آنے والا آیا ہی جانے کے لیے ہے، لیکن ماتم یہ ہے کہ آج ہم اسلامیان ہند ہر جانے والے کے بعد اپنی زندگی کا ثبوت فراہم کرنے میں ناکام سے نظر آرہے ہیں، قوموں کی تاریخ کا تجزیہ بتلاتا ہے کہ کسی بھی قوم کی زندگی کا زمانہ عروج وترقی وہی رہا ہے جس میں اس کے افراد کی قوت ارادی، اتنی مستحکم رہی کہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی بڑی سے بڑی شخصیت کے وصال سے، نہ تو ان کی تحریکی سوچ تذبذب کا شکار ہوئی اور نہ ہی دشمنوں نے ان کے پائے استقامت میں کوئی لرزش محسوس کی؛ بلکہ اسی شخصیت کے پس روؤں میں ایسے باحوصلہ کردار بھی آئے جو اسی کے نقوش ہدایت کو اپنا کر، میدان عمل میں اترے اور اس خوش اسلوبی سے مرحوم کا کام پائے تکمیل تک پہنچایا کہ تاریخ نے ان کے کارناموں کو ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں سمویا اور قوم نے بجا طور پر ان کو اپنا محسن تسلیم کیا۔

یہ صرف زبان کی زور آوری یا قلم کی فسوں کاری نہیں، ایک زندہ حقیقت ہے جس پر کائنات میں نفسیات کے سب سے بڑے ماہر اور اقوام وملل کے بے مثال مربی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد "فرب مبلغ اوعی له من سامع" سے بھی واضح روشنی پڑتی ہے کہ کئی بار بعد میں آنے والا، بلاواسطہ سننے والے کہیں زیادہ ذہین وسمجھ دار ہوتا ہے اور اسی کا اثر ہے، کہ امت مسلمہ کے زمانۂ اقبال مندی میں، اس طرح کی مثالیں، تسلسل کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی رہیں کہ اگر استاذ صرف عالم تھا، تو شاگرد نے علامہ کا لقب پایا، استاذ اگر ملی امراض کا ماہر نباض تھا تو شاگرد نے اس سلسلے میں شان تجدید پائی، غرض یہ کہ کوئی بھی میدان عمل ہو، خواب اگر زندگی نے دیکھا تو تعبیر فراہم کرنے کے لیے کوئی ایوبی میدان میں آ گیا، عربی ادب کے مشہور حماسی شاعر ابوعبداللہ محمد بن الحسن الحضرمی البغدادی نے ایسی ہی زندہ قوموں کیلئے کہا ہے

إذا اسیدٌ منهم خلا، قام سیدٌ — قؤولٌ لما قال الكرام، فعول

کہ ان کے قومی شباب کا عالم یہ ہے کہ اگر ایک مسند نشین، رخت سفر باندھتا ہے، تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے جو شریف سرداروں کی طرح قول وفعل میں یکسانیت رکھتا ہے اور قوم اس کے تازہ عزم واستقلال کے ساتھ، مزید صبا رفتار ہو کر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہو جاتی ہے۔ افرادی قوت کے اس پس منظر میں اگر دیکھیں، تو آزادی کے بعد سے، ہم ہندی مسلمانوں کی رفتار خطرے کی حد تک سست ہے اور جمود کا عالم یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے، جوش وجذبے کی آگ میں تپ کر کندن ہونے والے، ہمارے سرپرست زعماء وقائدین، قطار لگائے رخصت ہوئے جارہے ہیں اور نئے دور میں، قوم کی قیادت کے لیے نئے صاحب عزیمت افراد کی قلت ہی نہیں، قحط ہے۔

ایسے میں ضرورت ہے کہ اصحاب استعداد آگے آئیں، "موت" جیسے سخت آزمائشی مرحلے میں ثابت قدمی کا ثبوت دیں اور آنے والی نسل کو ایک وسیع تر متحدہ پلیٹ فارم مہیا کریں؛ کہ بیسویں صدی میں خستہ زندگی گذارنے والے، ہندی مسلمان کی "خودی وخودشناسی" اتنی زندہ وپائندہ بنے کہ اکیسویں صدی کا مؤرخ ......ع

کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

جیسے مصرعوں کا سہارا نہ لے، بلکہ ان کی "رشک اقوام" حیات جاں نواز کا ورق پلٹتے ہوئے دفعتاً اس کا چہرہ دمک اٹھے، قلم جوش میں آجائے اور وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو کہ

خودی ہو زندہ، تو ہے موت اک مقام حیات — کہ عشق، موت سے کرتا ہے، امتحان ثبات

□□□

مولانا امام علی دانش استاذ ادارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور

مولانا سید اسعد مدنیؒ میں کردارِ صحابہؓ کی جھلک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں محققین نے فرمایا ہے کہ (وھم فرسان بالنھار ورھبان باللیل) وہ دن کے شہ سوار اور رات کے عابد، دنیا بیزار تھے، دن میں دین کی سربلندی کے لئے سرگرم عمل رہتے راتوں کو ضرورت بھر آرام فرما کر نماز ومناجات میں مشغول ہو جاتے ان کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گذرتا تھا اس کیفیت وحالت کا عکس جمیل اکابر ملت کی زندگیوں میں بھی پایا جاتا رہا ہے۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے روز شب بھی اصحاب نبویؐ کے منہج وطریق پر گذرتے تھے میں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور پرکھا ہے دین پر ثابت قدمی عزم ویقین کی پختگی، اصابت رائے اور ہوشمندی کے ساتھ مسلسل جد وجہد کرتے رہنے میں اپنی مثال آپ تھے، حالات موافق ہوں یا ناسازگار وہ کبھی ناامید نہ ہوتے تھے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے ملک وبیرون ملک کے مسلسل دورے فرماتے دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمانوں پر کوئی آفت آتی اسکی خلش اپنے دل میں محسوس کرتے، ہر ممکن تعاون کرتے ہندوستانی مسلمانوں کی عزت وآبرو جان ومال اور دین وایمان کے تحفظ کا پختہ عزم رکھتے تھے، بروقت فیصلہ کرتے اور مناسب اقدام کرتے حق گوئی اور حق پرستی ان کا شیوہ تھا خواص ہو یا عوام رعایا کے لوگ ہوں یا حکام سب کو راہ راست دکھاتے کسی سے مرعوب نہ ہوتے مسلسل فسادات برپا کر کے فرقہ پرست لوگ اہل اسلام کے حوصلوں کو پست کر دینا چاہتے تھے، تاکہ وہ اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری بن کر رہیں ان کو حوصلہ دلانے اور عزت کی زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھانے کے لئے ملک وملت بچاؤ تحریک چلائی ایک موقع پر فرمایا کہ اس ملک کے بنانے اور سنوارنے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں ہم نے تحریک آزادی کی قیادت کی ہے ہم کسی سے رعایت نہیں چاہتے ہیں ہم اس ملک پر دوسرے کے برابر حقوق رکھتے ہیں۔ جنکو لیکر رہیں گے اس ملک کی ایک بڑی آبادی کو ہزاروں سال سے پس ماندہ اور کمزور رکھا گیا ہے ان کو بھی ساتھ لیکر ہم حقوق کے حصول کی جنگ لڑیں گے عائلی قانون میں تغیر وتبدیلی کوشش روکنے، دینی مدارس کے تحفظ وبقاء کی جد وجہد، مساجد ومقابر واوقاف کی حفاظت میں تسلسل کے ساتھ مخلصانہ جد وجہد کرتے رہنا، حضرت کا طرۂ امتیاز رہا ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ فسادات میں مسلمان لوٹے اور مارے جاتے ہیں ان کی باز آباد کاری کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ان کے اندر رپورٹ درج کرانے کی جرأت پیدا کرنے اور ان کے خلاف قائم ہونے

والے مقدمات کی پیروی میں جمعیۃ علماء ہند پیش پیش رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ریلیف کا ابتدائی کام تو دوسری مسلم تنظیمیں بھی کرتی ہیں مگر آخر تک جمعیۃ علماء ہند ہی ثابت قدم رہی ہے اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی حضرتؒ کی شخصیت نے ہمہ جہتی خدمت کی ہے اور ملت اسلامیہ کے لئے ہر محاذ پر کام کیا ہے اصلاح معاشرہ کی تحریک انہوں نے چلائی قریہ قریہ تک اصلاح کی آواز پہونچائی قیام مکاتب اسلامیہ کی جدوجہد میں جماعت کو لگایا، دعوتی وتبلیغی دورے خود بھی کرتے تھے اور دوسرے علماء کرام کو توجہ دلائی فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کی مسلمانوں کو مرتد کرنے کی فتنہ انگیز تحریک کو ناکام بنایا ائمہ فقہ پر طعن کر کے امت کا شیرازہ منتشر کرنے والوں کے فتنہ سے امت کو بچانے کا اہتمام فرمایا عظمت صحابہ کرام کو مجروح ہونے سے بچایا اور اسی کے ساتھ بیعت وارشاد کے سلسلہ کو بھی برقرار رکھا، حضرت کی نسبت بہت قوی تھی اور تربیت کا طریقہ نہایت آسان تھا سی لیے ان کے وابستگان جلد ہی روحانی ترقی کرتے تھے تواضع وانکساری اور تحمل و بردباری میں بھی حضرت کی ثال جلد نہیں ملے گی۔

زغرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ☆ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا است

قصبہ محمدی میں ہر سال تشریف لا کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمدؒ مدنی کے نقوش قدم پر گامزن رہتے ہوئے پورے علاقہ کو دینی فیض پہونچاتے علماء کرام کو ہدایت کرتے کہ وہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہیں عوام کو اتباع سنت کا پیغام پہونچائیں ایک ایک دن میں کئی کئی اصلاحی جلسوں کو خطاب کرتے دشوار گزار راستوں کا سفر بھی خوش دلی سے گوارہ کر لیتے بعض دفعہ پیدل بھی چلنا پڑا ہے میزبانوں کی فروگزاشتوں پر بھی شفقت سے پیش آتے اور اس مسلسل جدوجہد کے دوران پنج وقتہ نماز باجماعت پورے خشوع وخضوع سے ادا کرتے رہتے نصف شب کے بعد تہجد کی ادائیگی ذوق وشوق سے کرتے ذکر ودعا میں مشغول رہتے نماز اوابین اور نماز تہجد میں طویل قرأت اور اسی انداز پر دیر تک رکوع وسجدے کرتے نماز کی ادائیگی کا وہ روحانی ایمان افروز منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے "لسی مع اللہ وقت" کی جھلک محسوس ہوتی تھی دوران سفر جن مقامات سے گزرتے وہاں کی دینی حالت دریافت فرماتے اور ساتھ ہی نہایت مفید کارآمد نصائح وہدایات سے نوازتے جاتے، اخلاق کریمانہ کی یہ حالت تھی کہ ہر متعلق سمجھتا کہ ہم کو ہی زیادہ چاہتے ہیں فراست مومنانہ کا نور قلب میں موجزن تھا، نور بصیرت وتقویٰ سے جبیں روشن تھی وہ اس دور کے بہت بڑے مصلح وقائد اور ولی کامل تھے۔

ترقی یافتہ اور سہولت کی جگہوں پر جانے میں تو دیگر حضرات کو بھی تکلف نہیں ہوتا مگر ہمارے پس ماندہ علاقہ کی سرپرستی وصدارت کے لئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ بھیج دیتا تھا دعا ہے کہ آئندہ بھی اللہ نعم البدل عطا فرمائے وہی حقیقی کارساز ہے۔

☆☆☆

خطاب : حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم
ضبط وترتیب : عبدالتواب

عظیم باپ کے عظیم فرزند

حضرت مولانا سید اسعد مدنی ؒ کے سانحۂ وفات کی خبر ملنے پر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں ۱۰رمحرم ۱۴۲۷ھ جمعرات کے روز نمازِ ظہر کے بعد تعزیتی خطاب فرمایا تھا۔ افادۂ عام کی خاطر یہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے .... (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا :

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ کی وفات کی المناک خبر ہمیں تاخیر سے ملی۔ آج کل اخبار دیکھنے کا موقع بھی کم ملتا ہے، ورنہ یہ اجتماع کل ہونا چاہیئے تھا مگر اطلاع تاخیر سے ملی۔ اس وجہ سے یہ خطاب آج ہورہا ہے۔ حضرت مولاناؒ کے سانحۂ وفات کی خبر تمام مسلمانانِ برصغیر کے لئے عموماً اور دینی مدارس کے لئے خصوصاً بڑی اندوہناک خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پُر فرمائے اور ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔ (آمین)

مولانا اسعد مدنی ؒ سے ہمارا تعلق مختلف وجوہ سے تھا، وہ ہمارے سب سے بڑے بھائی جان مولانا محمد زکی کیفی صاحبؒ کے ہم سبق بھی تھے، ان دونوں حضرات نے کافی عرصہ دارالعلومِ دیوبند میں ساتھ پڑھا ہے۔ ایک رشتہ ان سے یہ تھا کہ وہ ہمارے ہم وطن بھی تھے، تیسرا یہ کہ وہ عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ؒ جو استاذ الاساتذہ ہونے کے علاوہ اونچے درجہ کے ولی اللہ اور صاحبِ نسبت شیخِ طریقت تھے، اکابر علمائے دیوبند میں ان کا خاص امتیاز تھا۔ ان وجوہ سے ہمارا ان سے بہت قریبی تعلق بنتا ہے۔

ہمارے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ :

’’میں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی ؒ سے کوئی کتاب تو نہیں پڑھی لیکن وہ میرے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ تھے‘‘۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ اپنے والد صاحبؒ کو یہی دیکھا کہ وہ حضرت مدنی ؒ کی ایسی ہی تعظیم کرتے تھے

جیسا کہ ایک شاگرد استاد کی تعظیم کرتا ہے۔

جب متحدہ ہندوستان میں قیامِ پاکستان کی تحریک چل رہی تھی تو بزرگانِ دیوبند میں اختلاف ہوا۔ بعض بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ پاکستان بننا چاہئے، مسلمانوں کی حکومت الگ ہونی چاہئے اور مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ مل کر ایک صف میں اس طرح شامل نہیں ہونا چاہئے کہ وہ بالادست ہوں اور ہم زیردست ہوں، وہ اکثریت میں ہوں، ہم اقلیت میں ہوں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی رائے یہ تھی کہ جو لوگ قیامِ پاکستان کی تحریک میں پیش پیش ہیں وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ پاکستان بننے کے بعد اسلامی حکومت کے مقاصد پورے ہوسکیں گے۔ اس لئے ہمیں ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے آزادی حاصل کرنی چاہیئے۔ ایک طرف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، ہمارے والد صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ تھے۔

دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ وغیرہما تھے۔ اختلافات کا دور تھا، ہم نے وہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، کیونکہ جب ہم ہجرت کرکے پاکستان آئے ہیں تو میری عمر کا بارہواں سال چل رہا تھا۔ ساری تحریکِ پاکستان ہمارے سامنے کی ہے، اُن دنوں میں دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم حفظ کرتا تھا۔

غیر منقسم ہندوستان کے اختلافی دور میں حضرت والد ماجدؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے وہ رفقاء جو یہ تحریک چلارہے تھے، انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے استعفاء دیدیا تھا، تاکہ دارالعلوم سے دو متضاد قسم کے فتاویٰ جاری نہ ہوں اور دارالعلوم جو سب کی مشترک متاع ہے، اس کے فتاویٰ میں تعارض نہ ہو، اس کو نقصان نہ پہنچے، اُس واسطے یہ حضرات دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے تھے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور ان کے رفقاء حسبِ سابق دارالعلوم دیوبند میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ اختلافات کا دور تھا، اسی زمانے میں حضرت مدنیؒ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کرلیا، کافی عرصہ کے بعد جب وہ رہا ہوکر آئے تو والد صاحبؒ ملاقات کیلئے گئے، میں بھی ساتھ تھا اور یہ میری حضرت مدنیؒ سے پہلی اور آخری ملاقات تھی، میں نے آپ سے مصافحہ کیا تھا، مجھے آج بھی آپ کے ہاتھوں کا گداز یاد ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ عظیم باپ کے عظیم فرزند تھے۔ اللہ ربّ العالمین نے ان کو اپنے والد ماجدؒ کی بہت سی صفات کا امین بنایا تھا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صاحبِ کمالات اور صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے۔ اُن کی اعلیٰ صفات کو بیان کرنا مجھ جیسے ناکارہ کے لئے آسان نہیں، لیکن اپنے بزرگوں سے جیسا کہ سنا، چند صفات ان کی زندگی

میں بہت ممتاز تھیں، ایک انتہاء درجہ کی تواضع، دوسری جفاکشی، مجاہدات اور ریاضتیں اور زہد اور سادگی۔

حضرت مدنیؒ کی تواضع اور جفاکشی کے بارے میں' میں نے اپنے والد صاحبؒ سے خود سنا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادی کی شادی تھی، والد صاحبؒ بچپن سے ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، رمضان میں رات کو تراویح میں ان کے ساتھ شریک ہوتے تھے، تو حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادی کی شادی تھی، ہم بھی اس میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ دور سے ایک شخص چلا آ رہا ہے، اور اس کے سر پر پانی کا مٹکا ہے۔ قریب آیا تو پتہ چلا کہ وہ حضرت مدنیؒ ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ خود شیخ تھے اور استاذ الاساتذہ تھے لیکن استاد کی خدمت کے لئے یہ فدائیت یہ جاں نثاری۔ اللہ اکبر۔

میں نے اپنے والد صاحب سے ایک اور واقعہ سنا وہ یہ کہ حضرت شیخ الہند جب مالٹا میں اسیر ہوئے تو حضرت مدنیؒ بھی حضرت کے ساتھ تھے۔ سردیوں میں پانی ٹھنڈا ہوتا تھا، گرم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا، تو حضرت مدنیؒ پانی کا برتن اپنے لحاف میں لے کر لیٹے رہتے تھے تاکہ جس کی حرارت سے پانی کی ٹھنڈک میں کمی آ جائے اور وضو کرنے میں آسانی ہو جائے۔

یہ جاں نثاری، یہ فدائیت اور یہ للّٰہیت تھی۔ ایک اور واقعہ سنا ہے یا کہیں پڑھا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادی کی شادی میں مہمان زیادہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ بیت الخلاء اُس زمانے میں کُھڈی کے ہوتے تھے فلش سسٹم کا رواج نہیں تھا، بیت الخلاؤں میں بدبو پیدا ہوگئی، کسی نے حضرت شیخ الہندؒ سے کہا تو ان کو پریشانی ہوئی۔ حضرت مدنیؒ بھی مجلس میں موجود تھے۔ کچھ دیر بعد کسی نے بتایا کہ حضرت وہ تو صاف ہو گئے، پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ نے صاف کر دیئے ہیں۔ ان اوصافِ حمیدہ سے اللہ نے ان کو نوازا تھا۔

عین اسی زمانے میں جب اختلافات اپنے عروج پر تھے اور حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کی طرف سے فتوے جاری ہو رہے تھے کہ تحریکِ پاکستان میں مسلمانوں کو حصہ لینا چاہئے۔ اُدھر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی طرف سے اس کے برعکس بیانات اور تقریریں جاری تھیں۔ اختلافات پورے عروج پر تھے، عین اسی زمانے میں حضرت مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ان سب حضرات نے طے کیا کہ ان مسائل کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مشورہ کیلئے جانا ہے۔

اختلافات اپنی جگہ لیکن ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم اپنی جگہ۔ اب ہوا یوں کہ اچانک پروگرام بننے کی وجہ سے پہلے سے اطلاع نہ کر سکے اور حضرت تھانویؒ کی خانقاہ کا یہ اُصول تھا کہ آنے والا پہلے سے اطلاع کرے تاکہ اس کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کیا جائے۔

پس یہ حضرات رات کو خانقاہ بند ہونے کے بعد پہنچے۔ حضرت تھانویؒ بھی گھر جا چکے تھے۔ ان حضرات کی تواضع، سادگی اور تعظیم دیکھئے کہ نہ حضرت کو اطلاع کی نہ دروازہ کھٹکھٹایا، بلکہ چادریں ہاتھ میں تھیں وہیں بچھائیں اور خانقاہ کے باہر دروازے پر لیٹ گئے۔ حضرت تھانویؒ نمازِ فجر کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہ حضرات خانقاہ کے باہر ہی لیٹے ہوئے ہیں، فرمایا کہ بھئی کیا غضب کر دیا آپ نے' یہاں کیوں لیٹ گئے؟

فرمایا کہ حضرت ہمیں آپ کی خانقاہ کے اُصول معلوم تھے، ہم نے ادب کے خلاف سمجھا کہ اس وقت خانقاہ کھلوائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میرا غریب خانہ تو موجود تھا، مجھے اطلاع فرما دیتے، ان حضرات نے فرمایا کہ حضرت! ہم نے آپ کو بھی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔

پھر مشورہ ہوا مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے، یہ اپنی رائے پر قائم رہے، لیکن ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم میں ادنیٰ کمی نہیں تھی، ان حضرات کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعظیم وتکریم کیسی تھی؟ اس کا کچھ حال اس خط وکتابت سے ظاہر ہوتا ہے جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے شائع کی ہے۔ اس کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات ایک دوسرے پر کیسے فدا تھے، ایک دوسرے کی کیسی تعظیم کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا اور ہمارا بغداد کے ایک سفر میں بھی ساتھ رہا۔ ایران عراق جنگ کے دوران وہاں عالمی کانفرنس میں جانا ہوا اور تقریباً آٹھ دن ہم ایک ہی ہوٹل میں رہے۔ ان کا بھی معمول تھا کہ وہ فجر کے بعد چہل قدمی فرماتے تھے اور میرا بھی یہ معمول ہے۔ بسا اوقات ساتھ گھومنے جایا کرتے تھے۔

الحمدللہ ان سے محبت کا تعلق تھا، دارالعلوم بھی تشریف لائے اور بارہا ملاقات ہوئی، دیوبند ہم گئے تو وہاں بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا ارشد مدنی صاحب تقریباً ہمارے ہم عمر ہیں، جس سال میری دارالعلوم سے فراغت ہوئی، تو میں اپنے والد صاحبؒ کے ساتھ دیوبند گیا، ہجرتِ پاکستان کے بعد والد صاحبؒ کا اور میرا یہ دیوبند کا پہلا سفر تھا۔ اس وقت مولانا ارشد مدنی صاحب دورۂ حدیث کر رہے تھے، ان کے ساتھ ہمارا لڑکپن سے دوستانہ تعلق ہے، بعض کھیل بھی ہم نے ساتھ کھیلے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ نے ایک اور واقعہ سنایا تھا کہ ایک سفر میں ہم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ تھے۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو فرمانے لگے کہ بھئی سنت کے مطابق کسی کو امیر مقرر کر لینا چاہیے، ہم نے کہا بس حضرت اس کیلئے آپ متعین ہیں۔ بغیر تکلف کے فرمایا: ''ٹھیک ہے''۔ جب چلنے کا وقت ہوا تو اس کا سامان بھی اُٹھایا اُس کا بھی اور تیسرے کا بھی اور ریل میں رکھنے لگے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ یہ خدمت ہم انجام دیں، اور درخواست بھی کی، مگر فرمایا: ''اطاعتِ امیر واجب ہے''۔ کسی کو سامان نہ اُٹھانے دیا اور خود سب کا سامان اُٹھا اُٹھا کر

گاڑی میں پہنچایا۔

یہ واقعات حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی وفات سے تازہ ہوگئے۔ان واقعات کو پھیلانے اور بیان کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے دینی حلقوں میں دو لفظ بڑے گندے استعمال ہونے لگے ہیں اور ہمارے مدرسوں پر بھی وہ لفظ استعمال ہونے لگے ہیں''تھانوی گروپ اور مدنی گروپ'' یہ اتنے گندے اور بدبودار الفاظ ہیں جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ ایسے ہی گندے اور بدبودار الفاظ ہیں جیسے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ انصاری نے انصاریوں کو بلایا یاللانصار مہاجر نے مہاجرین کو پکارا یا للمهاجرين'رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ **دعوها فانها منتنة** .''یعنی ایسے الفاظ چھوڑ دو''۔ان الفاظ سے زمانۂ جاہلیت کی بو آتی ہے۔ سی طریقہ سے تھانوی گروپ اور مدنی گروپ کے الفاظ ہیں۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی حضرت تھانویؒ کے سامنے یہ الفاظ کہتا یا حضرت مدنیؒ کے سامنے کہتا تو ضرور یہ حضرات اس کو اپنی مجلس سے نکال دیتے۔اس لئے کہ یہ بزرگ تو ایک دوسرے پر جانیں دینے والے تھے ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کرنے والے تھے۔ان کی طرف گروپ بندی کی نسبت کرنا ان پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اوران کی شان میں بڑی گستاخی ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے مسلمانانِ ہند کی بڑی خدمات انجام دیں۔ بین الاقوامی سطح پر جو لوگ پیش پیش رہے ہیں،ان میں مولاناؒ خاص طور سے ممتاز تھے۔

میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان کیلئے دعائے مغفرت کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے، ایصالِ ثواب کا بھی اہتمام کیا جائے۔البتہ چونکہ اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ قرآن خوانی کے بارے میں ہمارے بزرگوں کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔اس لئے ہمارے ہاں اجتماعی قرآن خوانی نہیں ہوتی۔ جتنا ہو سکے ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے،صدقہ خیرات کے ذریعے،قرآن پڑھ کر،کم از کم قل ھو اللہ، پڑھ کر ہی ثواب پہنچا دیا جایا کرے، یہ بھی کافی ہے،ضروری نہیں کہ صرف آج ہی پہنچایا جائے بلکہ جب بھی یاد آئے اُن کے لئے ایصالِ ثواب کرتے رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرمائے اور ان کو درجاتِ عالیہ سے نوازے اور ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل اور فلاحِ دارین عطاء فرمائے۔(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین۔
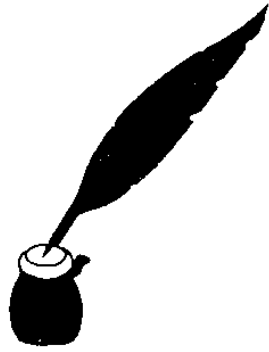
باب : ۷
قیادت وشجاعت، تدبر و
بصیرت، سیاسی کارنامے
اور قومی وملی خدمات

جناب عادل صدیقی صاحب

جمعیۃ علماءِ ہند کی قیادت وخدمات اور آئینہ ایام

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماءِ ہند (جن کا انتقال ۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو ہوگیا) کے بعد جمعیۃ میں ایک بحرانی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور ہر وہ شخص جو جمعیۃ سے ذرہ برابر بھی تعلق رکھتا تھا، دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ اللہ جمعیۃ کی آبرو کو محفوظ رکھے۔ آخر اکابرینِ اُمت کی دعاؤں اور مشوروں سے یہ مسئلہ حل ہوا۔ حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہ اس کے صدر منتخب ہوئے اور حسبِ دستور مولانا محمود اسعد مدنی جمعیۃ کے ناظمِ عمومی کی حیثیت سے برقرار رہے۔ اللہ ربّ العزت ہر دو حضرات کو ملت کی بھرپور خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور جمعیۃ کی جو تاریخ رہی ہے، اس پر یہ رواں دواں رہیں۔ اس موقع پر ادارہ نے مناسب سمجھا کہ جمعیۃ کی شاندار ماضی کو قارئین تک پہنچایا جائے تا کہ قارئین کو معلوم ہو کہ حضرت فدائے ملت کی قیامت میں جمعیۃ کی کیا خدمات رہی ہیں بس اسی منشا کے تحت جناب عادل صدیقی کا یہ مضمون اختصار کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے .... (ادارہ)

حصولِ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے طرح طرح کے ایسے مسائل آئے، جن کا ماضی میں تصور بھی نہ کیا جا سکا تھا۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے جمعیۃ علماءِ ہند ہی وہ واحد جماعت تھی جس نے مسلمانوں کی پشت پناہی کی۔

جمعیۃ علماءِ ہند ایک ایسی تنظیم ہے جو مستند علماء کی قیادت میں اہلِ وطن کی خدمت آج سے نہیں بلکہ اَسّی سال سے زائد زمانے سے مصروفِ عمل ہے۔ آزادیٔ وطن کی تاریخ میں اس کا شاندار رول ہے، اس نے ہمیشہ ہی ملک کے اتحاد اور سیکولرزم کے زریں اُصولوں کو اپنایا ہے۔ چنانچہ تعمیر وطن کے حوالے سے اس کی خدمات کسی بھی طرح کسی دوسری جماعت یا تنظیم سے کم نہیں ہیں۔

ہندوستان میں دورِ مغلیہ کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۰۳ء میں اپنی حکومت قائم کی، یہ وہ دَور تھا کہ عیسائی مشنری ہندوؤں اور مسلمانوں کو عیسائی مذہب اپنانے کا سبق دے رہے تھے اور چونکہ برطانوی سامراج نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی، اس لئے قدرتی طور وہ مسلمانوں کو ہی ظلم وستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔

ہندوستان میں جدوجہدِ آزادی کی بنیاد شاہ عبد العزیزؒ نے ڈالی جو کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے عیسائی مذہب کے پرچار کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ایک فتویٰ دیا جسے تاریخِ ہند میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا ملک غلام ہو چکا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے آزاد کرائیں۔ چنانچہ یہی فتویٰ جمعیۃ علماءِ ہند کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا اور آج تک علماءِ ہند اسلام کے تحفظ اور وقار کی خاطر اسی فتویٰ کی روشنی میں پیش قدمیاں دکھاتے رہے ہیں۔ اسی فتویٰ نے ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے لئے راستہ ہموار کیا۔

چنانچہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے ہندوستان کے شمال مغرب میں برطانیہ کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ نے آزاد ہندوستان کے لئے ایک عارضی حکومت بھی قائم کی تھی۔ اسی جدوجہد اور لڑائی میں شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ نے ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ کے مقام پر جامِ شہادت نوش کیا، مگر انہوں نے جدوجہدِ آزادی کی جو شمع روشن کی تھی، وہ ۱۸۵۷ء تک روشن رہی، ۱۸۵۷ء میں ۳۴ علماءِ کرام نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حافظ ضامن شہید نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے سر اور دھڑ کی بازی لگادی۔ ۱۸۶۴ء اور ۱۸۷۱ء کے درمیان علماء کے خلاف بغاوت کے ۵ بڑے مقدمات وہابی مقدمات اور انبالہ سازش کیس کے نام سے تاریخ آزادی کا روشن باب ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد علمائے کرام کو پھانسی کے تختوں پر جھولنا پڑا۔ صرف دلی میں ہی ۵۰۰ علماء کو پھانسی دی گئی۔

۱۸۶۶ء میں دار العلوم دیوبند کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، اس ادارے کے پہلے شاگرد مولانا محمود حسنؒ نے ثمرۃ التربیت کے نام سے ایک جماعت بنائی تا کہ برطانوی سامراجیت کے خلاف مسلح جنگ لڑی جاسکے، یہ کوشش تقریباً ۴۰ سال تک چلتی رہی۔ ۱۹۰۹ء میں اس کا نام نظارۃ المعارف پڑا۔ ۱۹۱۶ء میں ریشمی رومال تحریک کے ذریعے ہندوستان کو آزاد کرانے کا پیغام عام کیا گیا، اس سلسلے میں ملک بھر کے ۲۲۲ علماءِ کرام کو گرفتار کرلیا گیا، ان میں چند اہم نام یہ ہیں:

مولانا محمود حسنؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، خان عبد الغفار خان، مولانا سید حسین احمد

مدنیؒ وغیرہ۔ مولانا محمود حسنؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو حجاز سے گرفتار کیا گیا اور مالٹا میں قید کر دیا گیا۔

دریں اثناء ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، ہندوستان کے مسلمانوں کو جدو جہد آزادی میں شریک کرنے کے لئے ۳۰۰ علماءِ کرام نے نصرۃ الابرار کے نام سے فتویٰ جاری کیا، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس مقصد کی تکمیل کی خاطر الہلال جاری کیا، ۱۹۱۴ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی اور دنیا کا سیاسی نقشہ بدلنے لگا۔ علماءِ کرام نے مسلح جنگ کا راستہ ترک کر کے برطانوی سامراجیت کے خلاف کانگریس سے مل کر لڑائی کرنے کی بات سوچی۔ جمعیۃ علماءِ ہند نے ایک طرف مسلمانوں کی دینی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشی حالت سدھارنے پر زور دیا تو دوسری طرف اس نے کانگریس کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے کا پلان تیار کیا۔ آزادی وطن کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماءِ ہند کا قیام عمل میں آیا۔ مفتی کفایت اللہؒ اس کے پہلے صدر بنے اور مولانا احمد سعیدؒ اس کے پہلے جنرل سکریٹری، امرتسر کے اجلاس میں یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو اس تنظیم کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے جمعیۃ علماءِ ہند کی قیادت میں ملک کو آزاد کرانے کے لئے قربانیاں دیں، مفتی کفایت اللہؒ نے کانگریس اور مسلم لیگ کے اس معاہدے کی مذمت کی جو لکھنؤ پیکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے ۲۰ علماءِ کرام کے دستخطوں سے لارڈ مانٹیگو کی آمد پر برطانوی جشن فتح منانے سے بھی انکار کیا۔ جمعیۃ علماءِ ہند نے مولانا فضل الحق، حسرت موہانی کی صدارت میں خلافت کانفرنس میں ایک تجویز کے ذریعے جشن فتح کی تقاریب کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ۵۰۰ علماءِ کرام کے دستخطوں سے عدم تعاون تحریک کے حق میں فتویٰ دیا، شیخ الہندؒ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے یوم تاسیس کے موقع پر عوام سے اپیل کی کہ وہ جدو جہد آزادی میں شریک ہوں۔ ۱۹۲۱ء میں برطانوی سرکار نے اس فتویٰ کو ممنوع قرار دیا، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اعلان کیا کہ برطانوی سرکار کے ساتھ تعاون اور اس کی ملازمت حرام ہے، اس اعلان کے خلاف مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا نثار احمد، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، اور جگت گرو شنکر آچاریہ کے ساتھ ان پر مقدمہ چلا اور دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماءِ ہند نے مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں یہ تجویز رکھی کہ غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی قیادت میں اسمبلیوں کا بائیکاٹ کیا گیا، ۱۹۲۴ء میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے کوکی ناڈا میں جمعیۃ کانفرنس میں اپنے صدارتی خطبہ میں وطن کی مکمل آزادی کا مطالبہ پیش کیا۔ اسے ۱۹۲۶ء میں جمعیۃ کی قرارداد کے ذریعے باضابطہ شکل دی گئی۔ پشاور کانفرنس میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کی صدارت میں جمعیۃ علماءِ ہند نے سب سے پہل سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔ چنانچہ کمیشن کچھ حاصل

کیے بغیر بے نیل ومرام یہاں سے انگلینڈ واپس چلا گیا، اس کے بعد کانگریس نے بھی اس طرح کی قرارداد پاس کی۔ ۱۹۲۸ء میں جمعیۃ نے لکھنؤ میں کل جماعتی کانفرنس میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۹ء میں گاندھی جی نے ڈانڈی مارچ کیا، اس سلسلے میں متعدد علمائے کرام کو گرفتار کرلیا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماءِ ہند نے کانگریس کے ساتھ اشتراک کا ایک ریزرویشن پاس کیا۔ ۱۹۳۲ء میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے ایک لاکھ افراد کے جلوس کے ساتھ گرفتاری دی۔ گرفتار ہونے والوں میں مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بھی شامل تھے۔

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مشترکہ قومیت کے تصور کے لئے دلائل پیش کیے اور برطانوی سامراج کے خلاف سبھی ابنائے وطن کو ساتھ ملایا۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جمعیۃ علماءِ ہند نے برطانوی سامراج کے خلاف عدم تعاون کا اعلان کیا۔ ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ کے رہنما مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمد قاسم شاہجہان پوریؒ، مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ، مولانا اسماعیل سنبھلیؒ، مولانا سید اختر الاسلام وغیرہ کو برطانوی سامراجی نظام نے گرفتار کرلیا۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو گرفتار کر کے چھ ماہ قید کی سزا سنائی، کیونکہ آپ نے مرادآباد میں منعقدہ جمعیۃ کانفرنس میں ہندوستان کی آزادی کا نعرہ بلند کیا تھا، گرفتاری کی مدت کے خاتمے پر آپ کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت دوبارہ گرفتار کرلیا گیا اور نینی جیل میں رکھا گیا۔ سرکار نے ''علماءِ ہند کا شاندار ماضی'' نامی کتاب پر بھی پابندی لگا دی۔ یہ کتاب مولانا محمد میاں کی تصنیف ہے۔

بہرصورت آج بھی جمعیۃ علماءِ ہند کے زریں اُصول ملکی اتحاد اور سالمیت کی بنیاد پر پرورش پا رہے ہیں۔

آزادی کے بعد

تقسیمِ وطن کے بعد جو مسلمان یہاں رہ گئے، وہ مصیبتوں اور آلام کے ایک بڑے پہاڑ تلے دبے جا رہے تھے۔ سب سے زیادہ آفت تو فرقہ وارانہ فسادات تھے جو پنجاب، ہماچل پردیش، دلی، ہریانہ، مغربی اتر پردیش، بہار اور مدھیہ پردیش وغیرہ میں ہوئے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں پیر اکھڑ چکے تھے اور اگر مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور جمعیۃ کے ناظمِ عمومی مولانا حفظ الرحمٰن اور اس کی مجلسِ عاملہ کے رُکن مولانا ابوالکلام آزاد کی دعائیں اور مساعیٔ جمیلہ نہ ہوتیں تو مسلمانوں کو ہندوستان سے ترکِ وطن کر کے دوسروں کی طرح پاکستان ہی جانا پڑتا اور ہندوستان میں عالم اسلام کے نام لیوا اور مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں کے رکھوالے نہ باقی رہتے۔ ہماری اسلامی وراثت فرقہ پرست کٹر پنتھیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتی۔ سب سے بڑی مصیبت تو کسٹوڈین کی شکل

میں نمودار ہوئی اور ہر مسلمان خود کو وطن میں اجنبی محسوس کرنے لگا تھا، جمعیۃ علماءِ ہند کی مساعی جمیلہ سے تقریباً ۱۹۰۲ مقدمات میں مسلمانوں کی جائیداد کسٹوڈین کے قبضے میں سے واگزار کرائی گئی، جمعیۃ علماء نے لکھنؤ میں کانفرنس بلائی، جس کی بڑی اہمیت تھی۔ جمعیۃ علماءِ ہند کا دائرہ کار اب سیاسی سرگرمیوں سے ہٹ کر ملک میں سیکولر روایات کو فروغ دینے اور سیکولر آئین کی ترتیب وتدوین پر مرکوز ہوا۔

یہ بات شاید کم ہی لوگوں کو یاد ہو کہ جمعیۃ علماءِ ہند کے ناظمِ عمومی مولانا حفظ الرحمٰن نے آئین ساز اسمبلی کے رُکن کی حیثیت سے آئین سازی کے سیکولر ڈھانچے پر زور دیا اور اس عمل سے مسلمان قوم جو تقسیمِ وطن کے نتیجے میں حوصلہ کھو بیٹھی تھی، ایک نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ آگے بڑھ سکی، اس سے فرقہ پرستوں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور مسلمانوں کو پاکستان بھیجنے کے ان کے خواب چکنا چور ہو گئے۔ جمعیۃ علماءِ ہند کی کوششوں سے مسلمانوں کو ہندوستان میں باوقار زندگی گزارنے کا حوصلہ ملا۔ اس کے بعد فرقہ پرستوں نے خاص کر آر ایس ایس وغیرہ نے منصوبہ بند طریقے پر فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی۔ سب سے بھیانک فساد ۱۹۶۱ء میں جبل پور میں ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں کلکتہ کا فساد، ۱۹۶۹ء میں احمد آباد اور بڑودہ کا فساد، ۱۹۷۱ء میں اندور، مئوناتھ بھنجن اور بھیونڈی کا فساد، ۱۹۸۰ء میں مرادآباد اور میرٹھ کا فساد، ۱۹۸۴ء میں بھیونڈی کا فساد، ۱۹۸۷ء میں میرٹھ اور ملیانہ میں مسلمانوں کی نسل کشی، ۱۹۸۹ء میں بھاگل پور کا فساد، ۱۹۹۳ء میں ممبئی، دلی بھوپال، سورت اور دیگر مقامات کے فسادات اس سلسلے کی خونچکاں داستانیں ہیں۔ ان تمام فسادات کے دوران انتظامیہ کا رول جانبدارانہ رہا، ۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی نافذ کی گئی اور اس دوران بھی مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کی گئی، اس موقع پر بھی جمعیۃ علماءِ ہند نے حق کی آواز بلند کی تاکہ فرقہ پرستوں کی ان کوششوں کو ناکام بنایا جاسکے جو وہ مسلمانوں کی تعمیر حیات کی جدوجہد کو ناکام بنانے کے لئے رات دن کر رہے تھے۔

جمعیۃ علماءِ ہند نے ہر فساد میں مسلمانوں کی بازآبادکاری اور بحالی کے لئے شب وروز کام کیا اور مصیبت زدگان کو قانونی امداد بہم پہنچائی۔

جمعیۃ علماءِ ہند نے مسلمانوں کی اخلاقی، تعلیمی اور مذہبی حالت سدھارنے کے لئے مدرسے قائم کیے۔ ۱۹۵۴ء میں جمعیۃ علماءِ ہند نے بمبئی میں تعلیمی کانفرنس بلائی، جس میں مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے بچوں کی اپنے طور پر پرائمری سطح پر دینی تعلیم کا بندوبست کریں اور سرکار کی طرف سے ان کو جو سیکولر تعلیم دلائی جارہی ہے، اسے بھی حاصل کریں، جمعیۃ علماءِ ہند نے دینی تعلیمی بورڈ اسی مقصد کے تحت قائم کیا، گجرات میں اصلاح المسلمین کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی۔ جمعیۃ علماءِ ہند نے ۱۹۸۴ء میں اپنی تعلیمی اور ملی کانفرنس کا انعقاد کیا، یہ کانفرنس کو ٹھاری کمیشن کی سفارشات کے بعد بلائی گئی۔ آر ایس ایس نے گجرات، آسام اور اڑیسہ، راجستھان میں مسلمانوں

کے خلاف ان کے غیر ملکی ہونے کی سازش رچائی۔ ۱۹۹۴ء سے بڑے شہروں میں بنگلہ دیشیوں کا مسئلہ اُٹھایا گیا۔ آسام میں جمعیۃ علماءِ ہند نے شہریوں کے نیشنل رجسٹر کی کاپیاں اپنی شاخوں پر رکھوادیں تاکہ اس آفت کے شکار مظلومین کی مدد ہوسکے۔ اس کے خلاف احتجاج کیا اور مسلمانوں کے نام انتخابی فہرستوں سے خارج کیے جانے کے خلاف زوردار آواز اُٹھائی۔

جمعیۃ علماءِ ہند نے ۱۹۶۱ء میں مسلم کنونشن بلایا، جمہوریت کنونش بلایا جسے اچاریہ ونوبا بھاوے اور ۵۶ ر ارکانِ پارلیمنٹ نے بے حد پسند کیا، ۱۹۷۹ء میں ملک وملت بچاؤ تحریک چلائی، ۱۹۹۱ء میں فرقہ پرستی مخالف کنونش بلایا۔ ۱۹۹۳ء میں قومی اتحاد کانفرنس کا انعقاد ہوا اور ۱۹۹۴ء میں شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کنونش بلایا گیا۔

جمعیۃ نے بار بار سرکار کو متنبہ کیا کہ سرکار فرقہ وارانہ فسادات کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ اس نے شروع سے ہی آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیموں کی مسلم دشمن سرگرمیوں کی مخالفت کی ہے۔ ۱۹۶۰ء میں سیکولر ذہن کے حامل ہندوؤں کو اجین کے جمعیۃ علماءِ ہند کے اجلاس میں اکٹھا کیا۔ ۱۹۷۹ء میں کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور سیکولر ذہن کے افراد سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ :

جامعہ ملیہ اسلامیہ ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جو جمعیۃ کے ارکان کی کوشش سے وجود میں آیا لیکن اس ادارے کے اقلیتی کردار کو قائم نہیں رہنے دیا گیا، مسلمانوں کی تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی حوصلہ شکن رہی ہے، اردو کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا گیا، جمعیۃ علماء نے ۲۲ لاکھ افراد کے دستخطوں کی مہم کے ذریعے سے انجمن ترقی اردو اور آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس کے مطالبات کی ہم نوائی کی۔ جمعیۃ نے گجرال کمیٹی رپورٹ پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا، سرکار نے ۱۹۷۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار چھین لیا۔ جمعیۃ نے اس قانون کو چیلنج کیا اور سپریم کورٹ میں مقدمہ داخل کردیا۔ بالآخر ۱۹۸۱ء میں اس یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کردیا گیا، جمعیۃ کی کوششوں سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اکیڈمک کونسل کے اختیارات بحال ہوسکے۔ جمعیۃ علماء نے ۱۹۷۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کنونش بلایا، جمعیۃ علماء کی خدمات کا دائرہ ۱۸۰۳ء سے تاہنوز پھیلا ہوا ہے جس کا بیان کسی ایک چھوٹے سے مضمون میں ممکن نہیں۔

(بشکریہ الجمعیۃ نئی دہلی، جمعیۃ علماءِ ہند کے ۲۶ ویں اجلاس پر خصوصی شمارہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا اخلاق حسین قاسمی

مولانا اسعد مدنیؒ اور جمعیۃ علماءِ ہند

رسولِ رحمت ﷺ نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہم اپنے مُردوں کو ان کی بھلائیوں سے یاد کیا کریں۔
(حدیث)

مولانا اسعد میاں مرحوم کی 50-60 سالہ زندگی ملک وملت کی خدمات کا عظیم ریکارڈ رکھتی ہے اور اس میں انفرادی واجتماعی زندگی کی ناگواریاں بھی ہیں اور خوشگواریاں بھی، جہاں تک جمعیۃ علماءِ ہند اور دارالعلوم دیوبند کے نشیب وفراز کا تعلق ہے۔ یہ ناچیز بہت قریب سے ان کا مشاہدہ کررہا ہے اور یہ فرض تاریخ کا ہے اور وہ ضرور اس فرض کو ادا کرے گی کہ ان دونوں اہم قومی اور دینی اداروں کی مثبت اور منفی دونوں قسم کی خدمات میں مولانا مرحوم کا کتنا حصہ ہے، لیکن یہ ناچیز جس پہلو کو اہمیت دیتا ہے، وہ مولانا مرحوم کی جدوجہد کا وہ پہلو ہے، جس کے ذریعہ مرحوم نے جمعیۃ علماء کے نظریاتی، سیاسی اور روایتی کردار کی حفاظت میں تن من دھن سے سرگرم حصہ لیا، میرا اشارہ اس طرف ہے کہ جمعیۃ علماءِ ہند کی اوّلین بانی قیادت کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اس جماعت کے سیاسی نظریہ (قومی اتحاد) کا مخالف طبقہ اس جوڑ توڑ میں لگ گیا کہ مولانا آزاد اور مولانا مدنی کی اس سیاسی فکر کو اور اس جماعت کی قربانیوں کو ملت اسلامیہ کی نظروں سے اوجھل کردیا جائے۔

ملی اتحاد ایک مبارک خیال لیکن اس نعرہ کے پسِ پردہ مولانا آزاد اور مولانا مدنی اور ان کے رفقاء مفتی کفایت اللہؒ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن کی روشن مذہبی اور قومی اور ملکی خدمات کے بے حقیقت ثابت کرنے کی کوشش ایک مذموم جذبہ تھا جو بروئے کار آرہا تھا۔ پاکستان میں، دیوبندی حلقہ کی ایک شاخ کھلم کھلا ایک غیر معقول حاسدانہ جذبہ کا اظہار کررہی تھی، ہندوستان کے اندر یہ ایک پس پردہ تحریک تھی۔ مولانا اسعد مدنیؒ نے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت سنبھال کر جس مضبوطی کے ساتھ اپنے اکابر کی خدمات کو ان کے ناموں کو اور ان کارناموں کو زندہ رکھنے کی کوشش کی وہ قابل تعریف ہی کہی جاسکتی ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کا جمعیۃ علماء کے اقتدار میں داخل ہونا جماعتی زندگی کا ایک فطری عمل تھا، جماعتی نظام

میں نئے خون اور نئی خدمت کے داخل ہونے سے نظام کی چولیں ہل جاتی ہیں، ردو بدل کے فطری عمل میں ناگواریاں اور خوشگواریاں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں اور وہ ہوئیں، نہ ہوتیں تو اچھا ہوتا لیکن تبدیلیاں اپنا ایک مزاج رکھتی ہے، انہیں کوئی بدل نہیں سکتا، اسی طرح نئی قیادت اپنا ایک مضبوط حلقہ بنانے کی کوشش کرتی ہے اور اس سے پرانے حلقہ کی اہمیت گرنی شروع ہو جاتی ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ بھی جماعت کے اقتدار کو ہاتھ میں لینے کے لئے سیاسی تدبیر کے اس ماحول سے گزرے، میں نے پرانے لوگوں سے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ جماعت کے مفاد میں اپنے آپ کو کنارہ لگانے کی کوشش کریں، شکایت سے زبان کڑوی نہ کریں، یہی صورتِ حال مولانا کے جانشین صاحبزادوں کی طرف سے پیش آرہی ہے اور تاریخ اپنے آپ کو دوہرانے میں کسی سے مشورہ نہیں کرتی۔

مولانا اسعد مدنیؒ نے آزاد ہندوستان کا وہ دور پایا جسے امارت و دولت کا دور کہنا چاہئے، غربت کے دور میں جماعتیں ممبر سازی اور عوامی چندوں سے چلتی تھیں، آزاد ہندوستان میں بڑے بڑے اہلِ دولت جماعتی نظاموں کو چلا رہے ہیں، مولانا نے اس دور کے تقاضوں کے مطابق جماعت کو عوامی چندوں سے بے نیاز کر دیا، قدرت نے انہیں دولت میں اقبال مند بنایا تھا، وہ جدھر جاتے تھے، مال و دولت ان کے قدم چومتی تھی، اس کمائی نے انہیں جماعت کا شاہ جہاں بنا دیا تھا، ان کے عہد کی عمارتیں مسجد عبدالنبی اور مسجد رشید دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی دوسری شاندار عمارتیں اس کی گواہ رہیں گی۔ ہندوستان کے سیکولر ماحول میں مسلمانوں کی اجتماعیت برابر تحلیل ہو رہی ہے، جماعتِ اسلامی ہو یا مجلس مشاورت ہو، ان کی تقسیم بڑی عبرتناک ہے، مولانا نے جمعیۃ علماء کے قومی اداروں کو اپنے خانوادہ کے اندر محصور کر کے اسے محفوظ کر دیا یہ سانحہ سہی لیکن وقت کی ایک ضرورت تھی، باپ کے بعد بیٹے کی بدعت ایک سیاسی ضرورت بن گئی ہے، کہتے ہیں کہ جمہوریت میں صلاحیت کار کی فضاء پیدا ہوتی ہے لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، پھر ہماری تاریخ کا یہ ایک لطیفہ ہے کہ ہم درود آلِ رسول ﷺ پر بھیجتے ہیں اور پیروی سنت امیر معاویہؓ کی کرتے ہیں۔

البتہ ہمارے اکابر صوفیا اس بدعت سے بیزار ہیں۔ بہر حال اب یہ اس خانوادہ کی صلاحیت پر موقوف ہے کہ وہ اپنے والد کی امانت کو کس طرح رکھتے ہیں؟ مجھے یاد ہے کہ تبدیلی کے دور میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن مرحوم سے ان کے ہمدردوں نے کہا کہ آپ جمعیۃ علماء کے نام سے الگ جماعت بنالیں، ہم آپ کو اس کا صدر تسلیم کر لیں، مگر مفتی صاحب نے جمعیۃ علماء کے نام سے جماعت بنانے کی تجویز کو قبول نہیں کیا اور نئی جماعت مجلس مشاورت کے نام سے کام شروع کر دیا، یہ ان حضرات کے اخلاص کی بات تھی، وہ اس تاریخی ورثہ کو نقصان پہنچا کر رسولِ پاک ﷺ

کی جانشین جماعت کے سامنے شرمندگی سے اپنے آپ کو بچا کر چلے گئے، پھر جن صاحبان نے جماعت سے علیحدہ ہو کر جمعیۃ علماء کے نام سے جماعت بنائی، اس کا انجام مالی حساب وکتاب کے برے انجام پر ختم ہوگیا اور اس سے مولانا اسعد مدنیؒ کے وقار کو فائدہ پہنچا۔

دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کا تذکرہ مولانا اسعد مدنیؒ کی زندگی کا نہایت عبرتناک حصہ ہے، لیکن دونوں علمی خانوادوں کے حالیہ اتفاق نے اس باب کو بند کردیا اور اس میں مولانا اسعد مدنیؒ اور مولانا محمد سالم دونوں نے بڑے تدبر کا ثبوت دیا، حالانکہ دارالعلوم کے قضیہ کی بنیاد ہی ان دونوں صاحبزادوں کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ اس لئے دارالعلوم دیوبند کے معاملات کا تذکرہ کرنا ہی مناسب نہیں سمجھتا اور اُمید کرتا ہوں کہ اس اتحاد میں تیسرے صاحبزادے مولانا انظر شاہ کشمیریؒ بھی شامل رہیں گے تاکہ دارالعلوم عمارتوں میں تقسیم ہونے کے بجائے اتحادِ عمل کی راہ پر گامزن ہو اور دارالعلوم دیوبند کی علمی عظمت جو اس مرکزی علمی ادارے کے فاضل ترین اساتذہ کے دم سے قائم ہے وہ قائم رہے اور بحال ہو۔

مولانا اسعد مدنیؒ کے ایک عقیدت مند عالم نے مجھ سے کہا کہ مولانا اسعد مدنیؒ نے شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مشورہ پر عمل کیا۔ مولانا رائے پوریؒ نے ان سے فرمایا تھا کہ پڑھنے پڑھانے کا کام تو دوسرے لوگ بھی کر رہے ہیں، تم حضرت مدنیؒ کے سلسلۂ بیعت وارشاد کی اشاعت کا کام سنبھالو، اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مولانا اسعد مدنیؒ نے پڑھنے پڑھانے سے اپنے آپ کو یکسو کر کے بیعت وارشاد کی راہ پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور اس طرح دنیا کے کونہ کونہ میں یہ سلسلہ پھیل گیا، میں نہیں کہہ سکتا کہ لوگ اس سے اتفاق کریں گے یا نہیں لیکن اس ناچیز کے نزدیک خدائے تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ خدا کے جس مقبول ومسعود بندہ (مولانا حسین مدنیؒ) کے سیاسی نظریہ کے سبب اسے مسلمانوں میں متروک ومہجور بنانے کی اندر اور باہر دونوں جگہ کوشش کی جارہی ہے۔ اس کی مقبولیت کا شہرہ گاؤں گاؤں پھیل جائے اور حدیث نبوی ﷺ کی اس بشارت کا ظہور ہو' جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مرتبہ کو بلند کردیتا ہے''۔ (حدیث)

اس پہلو سے اسعد میاں اس شیخ طریقت کے جانشین تھے، جماعتیں وسائل سے چلتی ہیں اور جمعیۃ علماء مرحومؒ کے جانشین صاحبزادے انہی وسائل سے جماعت کو چلاتے رہیں گے لیکن مدنی سلسلہ بیعت کا کیا ہوگا؟ حضرت مدنیؒ کے دوسرے لائق صاحبزادے مولانا ارشد میاں مدظلہ اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے اپنے خاندان کی طرف سے کتنی ہمت افزائی حاصل کریں گے؟ اس کا جواب تو وقت دے گا، مولانا اسعد امیر الہند کے لقب سے بھی سرفراز تھے اور ان کا شاہانہ دسترخوان، مہمانوں کی خاطر مدارات اور ہمدردوں پر نوازشات ان کے امیر

الہند ہونے کا ثبوت تھا، لیکن بڑا فرق تھا، ان کے درویش صفت والد کے وسیع دسترخوان میں اوران کے دسترخوان میں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا دسترخوان حضرت خواجہ محبوب الٰہی کا لنگر تھا اور اسعد صاحب کا دسترخوان امیر معاویہؓ کا دسترخوان تھا۔ چنانچہ عہدِ اوّل کے ایک سادہ لوح بزرگ کہا کرتے تھے کہ نماز کی لذت حضرت علیؓ کے پیچھے حاصل ہوتی ہے اور کھانے کا مزہ امیر معاویہؓ کے دسترخوان پر ملتا ہے۔ مرحوم کے ایک دوست مولانا سے ملنے گئے، جب وہ پیروں کی معذوری سے کرسی نشین ہوگئے تھے، انہوں نے مزاج پوچھا تو مولانا نے مرزا غالب کا یہ شعر پڑھا .... ؎

ہوگئیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

انہوں نے کہا، مولانا آپ اور مرزا غالب، تو مرحوم ہنسنے لگے، مرگ ناگہانی کے دورے سے بھی مولانا گزر گئے، ان کی طویل بیماری حدیث پاک کی بشارت کے مطابق بندۂ عاصی کے گناہوں کا کفارہ بنے گی، مرحوم مدنی خانوادہ کو ایک خوش حال خانوادہ بنا کر گئے ہیں۔ اس اُمید کے ساتھ کہ یہ سب اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی وجہ سے خاندان کے اندر اتفاق قائم رکھیں گے اور ان کے داداؒ کے ایک ناچیز خادم ہونے کے ناتے یہ عاجز ان تمام حضرات سے اسی بات کا اُمیدوار ہے۔

مولانا مرحوم کئی سال سے مختلف امراض کے جھٹکے جھیل رہے تھے اور ان کے قوی اعصاب ہمت ہارنے کے لئے تیار نہیں تھے، لیکن شاعر نے کہا ہے .... ؎

زندگی تجھ کو مٹانے نکلے
ہم بھی کس درجہ دیوانے نکلے

ہمارے بعض احباب یہ مضمون پڑھ کر ناراض ہوں گے اور شاید دونوں ہی ناراض ہوں لیکن میں ان سے کہتا ہوں .... ؎

عشق نے کچھ کئے گریباں چاک
اس نے گیسو بھی کچھ سنوارے ہیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی

ملّی قیادت کا ستون

جس دنیا میں ہم جیتے ہیں اس میں ایک انفرادی زندگی ہوتی ہے اور ایک اجتماعی زندگی۔ بسا اوقات انسان انفرادی زندگی اس طرح گزار دیتا ہے کہ نشیب وفراز کے بہت سے پہلو دوسروں کے سامنے آتے ہی نہیں لیکن اجتماعی زندگی گزارنے والے کے بہت سے پہلو عوام کے سامنے رہتے ہیں، تاہم بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ منظرِ عام پر آتے ہی نہیں۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے ہر چند کہ انتہائی عوامی زندگی گزاری، مگر ان کی جدوجہد بھری زندگی کے بعض پہلو مشکل سے لوگوں کے سامنے آئے۔ میرا تعلق ان سے ہمہ جہت تھا، میں ان کا بھائی نہیں تھا مگر وہ مجھ کو بھائی سے زیادہ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے، اس لئے کہ وہ افراد ساز بھی تھے اور افراد کی صلاحیت کے مطابق کام لینا بھی جانتے تھے۔

دو دہائیوں سے زیادہ تک جمعیۃ علماءِ ہند کے سکریٹری کی حیثیت سے ان کے ساتھ میری جو قریبی وابستگی رہی، اس کی بنیاد پر ان کے سلسلے میں میرے لکھنے اور کہنے کے لئے بہت بڑا ذخیرہ ہے، مگر وقت، حالات اور خود اخبار کے صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے کہ پورا ذخیرہ رقم کر دیا جائے، میں نے اس پورے عرصہ میں ان کی شاہانہ زندگی کو جہدِ مسلسل میں مصروف پایا اور جب ان کے مشن کو ان کی پہلے سے زیادہ ضرورت تھی تو ان کا بلاوہ آ گیا۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اپنے عہد کے ممتاز و نامور عالمِ دین اور قائدانہ صلاحیت کے ایک سرگرم دینی و ملی رہنما تھے۔ ان کی زندگی جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کا عملی نمونہ تھی۔ وہ شیخ محمود حسنؒ کے افکار و خیالات کے امین، اپنے والد شیخ الاسلام حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کے سچے جانشین اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کے عکسِ جمیل تھے، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت اور زبردست قومی، ملی اور سماجی شعور ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ بیدار مغزی، اولوالعزمی، فکری بالیدگی، عزم کی پختگی ارادہ کی مضبوطی، حالات سے باخبری اور قوم وملت کی صحیح نباضی نے ان کی شخصیت کو پُر اعتماد بنا دیا، انہوں نے اپنی منزل، اپنا راستہ خود متعین کیا اور پوری بصیرت اور غیر معمولی جرأت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے راہ میں رُکاوٹیں آئیں، دشواریوں کا سامنا ہوا، راہ چلتے خار مغیلان سے آبلہ پا بھی ہوئے لیکن ملت کی فلاح و بہبود

کے لئے ان کا سفر جاری رہا، سنگین حالات اور سخت مرحلوں میں بھی ان کے قدم نہیں رُکے۔ وہ خیر خواہِ ملت اور ایک وسیع النظر انسان تھے۔ وسعتِ ظرف عمل ان کی شناخت تھی، انہوں نے جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے ملت کی بھر پور نمائندگی کی، دستوری حقوق کی بازیابی کے لئے، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مظلوموں کی امداد ریلیف اور دادرسی، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ، اوقاف کی نگہبانی، مدارس کی سرپرستی، اصلاحِ معاشرہ، اقتدار میں حصہ داری اور مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی کے علاوہ فرقہ پرستی کی مخالفت قومی اتحاد، جمہوریت اور سیکولرزم کے استحکام اور امن وقانون کی بالادستی کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور حکومت کے ایوانوں میں اور پارلیمنٹ کے فلور سے بھی مسلمانوں کے حقوق کے لئے اپنی صدا بلند کرتے رہے اور لڑتے رہے، صلاح وفلاح کا کون سا میدان تھا، جہاں انہوں طبع آزمائی نہ کی ہو، بلاشبہ ان کی رحلت سے ایک مخلص رہنما کی ملی جدوجہد کے ایک طویل عہد کا خاتمہ ہوگیا جو تقریباً نصف صدی پر محیط تھا۔

مولاناؒ محض ایک مسلم قائد یا سیاسی قائد نہیں تھے، وہ سب کے خیر خواہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب ان کے تھے۔ ان کے سینہ میں انسانیت کی بہبودی کے لئے جو دل دھڑکتا تھا، اس پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی توجہ تھی۔ ان کا دل دردمند مظلوموں اور مصیبت زدوں کے درد سے تڑپ اُٹھتا تھا، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی خبر ملتے ہی وہ بے چین ہو جاتے تھے، ان کے چہرے پر کرب کے آثار دکھائی پڑتے تھے اور کئی بار ان کی آنکھوں سے آنسو جھلک پڑتے تھے لیکن ان کے آنسوؤں کے پیچھے عزم ہوتا تھا، وہ ان کی امداد کے لئے فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور ان کی امداد اور دادرسی کے لئے سب سے پہلے پہنچ جاتے تھے، ان کے آنسوؤں نے کبھی ان کے عمل میں لغزش نہیں آنے دی۔

آسام کے نیلی اور دیگر مقامات پر جب مسلمانوں کا قتل عام ہوا تو ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر وہ گوہاٹی روانہ ہو گئے، حالانکہ یہ وقت انتہائی خوفناک تھا، جگہ جگہ خون ریزی اور تشدد برپا تھا، راستوں میں، آفسوں اور گھروں میں کسی کی جان محفوظ نہ تھی، ایسے پُرتشدد لمحات میں مولانا مدنیؒ نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر مظلوموں کی دادرسی کو اپنا فرض سمجھا اور قتل عام کو روکنے میں دل وجان سے لگ گئے، میں اس عرصہ میں ان کی ایک ایک نقل وحرکت کا عینی شاہد تھا، انہوں نے فوج کی طرح جمعیۃ علماء کے ارکان کو مظلوموں کی دادرسی کے لئے چاروں طرف پھیلا دیا تھا، یہی نہیں بلکہ ان کی حیات میں جہاں جہاں بھی فرقہ وارانہ فسادات برپا ہوئے، انہوں نے حتی الامکان مظلوموں کی دادرسی کی کوشش کی، مولانا یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ فسادات میں کس قدر معصوم جانوں کا ضیاع ہوتا ہے اور مسائل کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے انہوں نے ملکی سطح سے فسادات کے سلسلہ کو ختم کردینے کے لئے بھر پور تگ ودو کی، اور اس کو

اپنی زندگی کا مشن بنالیا، اس لئے دیکھا گیا کہ ان کے عہدِ صدارت میں جو بھی عظیم الشان اجلاس جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ہوئے ان میں فرقہ وارانہ فساد کے خلاف ضرور آواز بلند کی گئی۔

بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں انہوں نے جمعیۃ علماءِ ہند کی نظامتِ عمومی کی ذمہ داری سنبھال لی، آزادی کے بعد بڑا فساد جبل پور اور ساگر میں ہوا تھا، لیکن اس کے بعد چھٹی دہائی میں خوفناک فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، راوڑکیلا، بھاگل پور، کلکتہ، میرٹھ، رانچی، گجرات، وغیرہ اور دیگر فسادات کی تباہی کے واقعات کا تصور کر کے آج بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، فساد کی خبر ملتے ہی فوراً روانہ ہوگئے اور جب راوڑکیلا پہنچے تو وہاں کے چھوٹے سے ائر پورٹ پر تنہا کھڑے تھے مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری، نہ ان کے ارادوں میں لغزش آئی، وہ فساد سے متاثرہ علاقوں میں پہنچ گئے اور مظلوموں کی دادرسی کی، کلکتہ فساد میں متاثر علاقوں کے دورے پر ان پر جان لیوا حملے ہوئے لیکن ان کے عزم میں کوئی کمی نہیں آئی، وہ مظلوموں کی امداد رسانی اور انہیں انصاف دلانے کی جدوجہد میں پوری طرح ثابت قدم رہے، راوڑکیلا کے فسادات سے لے کر گجرات کے حالیہ فساد میں مسلمانوں کے قتل عام تک ہر جگہ انہوں نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر اپنے اسی عمل کو دہرایا، بلاشبہ وہ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے بعد دوسرے ملی رہنما تھے، جنہوں نے آگ وخون میں کود کر مظلوموں کی ہمت بندھائی اور ہمت وجرأت اور شجاعت کی ناقابل فراموش تاریخ رقم کی۔

انہوں نے سیاسی میدان میں بھی بھرپور ایمانی تقاضہ پر عمل کیا، انہوں نے نہ صرف ملت کو بلکہ ملک کے درپیش مسائل پر بھی اپنے فہم وتدبر کو استعمال کیا، وہ ملکی وملی معاملات میں بڑے حساس اور دوررس نگاہ کے مالک تھے، ایمرجنسی کے ساتھ جب کانگریس حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا تو اس کے بعد جنتا پارٹی کی حکومت شری مرار جی ڈیسائی کی سربراہی میں بنی، مرار جی جب سوراشٹر وزیر اعلیٰ تھے تو انہوں نے وقف ایکٹ کی زبردست مخالفت کی تھی، وہ کہتے تھے کہ ٹرسٹ ایکٹ کی موجودگی میں وقف ایکٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ مسلم اوقاف اگر ٹرسٹ ایکٹ کے تحت ڈیل ہوتے تو واقفین کی منشاء کے مطابق ان کا استعمال نہیں ہو پاتا، لیکن ان کی زبردست مخالفت کے باوجود وقف ایکٹ بن گیا، لیکن سوراشٹر کے کچھ علاقوں میں ٹرسٹ ایکٹ ہی قائم رہا اور وقف ایکٹ قائم نہیں ہوسکا، مرار جی کے وزارتِ عظمیٰ کے دور میں وقف منسٹر سکندر بخت نے ایک بیان میں کہہ دیا کہ اوقاف مسلمانوں کی جائیداد ہے، وہی ان کی حفاظت کریں، اس بیان کو مولاناؒ نے نہایت سنجیدگی سے لیا اور آخری دم تک قوم وملت کی خدمت میں لگے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا شوکت علی قاسمی بستوی

تحریکِ مدارس کا روحِ رواں

مورخہ ۶ رفروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ بروزِ دوشنبہ شام پانچ ۵ بج کر ۴۵ منٹ پر علم و عرفان، تقدس وللّٰہیت، جرأت و بسالت اور دور اندیشی اور عزیمت کا آفتابِ عالم تاب ۸۷ سال تک اپنی ضیاپاشیوں کے بعد نئی دہلی کے اُفق میں روپوش ہوگیا اور امیر الہند، فدائے ملت، جانشینِ شیخ الاسلام اور قائد اسلامیانِ ہند وروحِ رواں تحریکِ مدارس اسلامیہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند اور رُکن مجلسِ شوریٰ دار العلوم دیوبند اس دارِفانی سے کوچ فرما کر رفیقِ اعلیٰ کی جوارِ رحمت میں جا پہنچے ...... انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ سوگواروں نے انہیں دیوبند کے تاریخی قبرستان ''مزارِ قاسمی'' میں ۸ رمحرم کی صبح سپردِ خاک کیا ....

ع دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے نصف صدی سے زائد عرصے تک ملک وملت کی مثالی خدمت کی ہے۔ ان کی خدمت کا دائرہ بے حد وسیع تھا۔ مسلمانانِ ہند کی دینی وملی قیادت ان کے جان و مال کے تحفظ دستوری اور شہری حقوق کی بازیابی، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، امارتِ شرعیہ کے قیام، اسلامی اوقاف کے تحفظ، ملکی وملی اور اسلامی مسائل کے سلسلہ میں واضح موقف، بابری مسجد کی بازیابی کی جدوجہد، ملک کے سیکولر کردار کی بقاء وتحفظ، پارلیمنٹ میں حق وصداقت کا آوازہ بلند کرنے، مظلوموں اور بے کسوں کی حمایت کے حوالے سے جہاں انہوں نے زرّیں خدمات انجام دی ہیں، وہیں مکاتبِ دینیہ کے قیام، دینی تعلیم کی نشر واشاعت، اسلامی مدارس کے فروغ و ترقی کے سلسلہ میں بھی ان کی خدمات بے حد تابناک ہیں۔

اسلامی مدارس ملک وملت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ مدارسِ دینیہ نے جہالت وناخواندگی کی بیخ کنی، نونہالانِ اسلام کی دینی تربیت، ملی وقومی مقاصد واہداف کی تکمیل، ملک وملت کی دینی ودنیاوی قیادت میں مثالی کردار ادا کیا ہے۔ ان مدارس نے اسلامی اخلاق وکردار کے حامل افراد، امن وآشتی کے پیکر اور انسانیت وشرافت کے معمار پیدا کیے ہیں۔ دینی، سماجی اور سیاسی خدمت کے ہر شعبے میں دینی مدارس کے فضلائے کرام نے اپنی زریں خدمات کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں، مدارسِ اسلامیہ نے اتحاد و یکجہتی، امن وآشتی، انسانیت ومروّت اور مساوات وہمدردی کا

درس دیا ہے اور ملک کو انگریزوں کی سیاسی وفکری غلامی سے نجات دلانے میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔

حضرات اکابر علمائے دیوبند رحمہم اللہ مدارسِ اسلامیہ کو ملک میں اسلام کی بقاء وتحفظ، علوم کتاب وسنت کی اشاعت وحفاظت، اسلامی تہذیب وتمدن کی پاسبانی اور سرمایۂ ملت کی نگہبانی کا سب سے بہتر اور مؤثر ذریعہ سمجھتے تھے۔ جب ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء کو سرزمینِ دیوبند میں اسلام، علومِ اسلامیہ اور اسلامی عقائد کی حفاظت ودفاع اور خدمتِ دین وملّت کے جذبے سے معمور رجالِ کار کی تیاری کے لئے دارالعلوم دیوبند کے نام سے اسلامی چھاؤنی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے اساسی مقاصد میں پانچواں مقصد علومِ دینیہ کی اشاعت کے لئے مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق کرنا قرار دیا گیا۔ بعدازاں جب اکابر دیوبند نے ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علمائے ہند کی داغ بھیل ڈالی تو اس کے اغراض ومقاصد کی دفعہ نمبر۹ میں علومِ عربیہ واسلامیہ کا احیاء اور زمانۂ حال کے تقاضوں کے مطابق نظامِ تعلیم کا اجراء شامل رکھا گیا۔ اکابر دیوبند وجمعیۃ نے اس اہم اساسی مقصد پر قیام کے روزِ اوّل سے اپنی توجہ مبذول رکھی۔ چنانچہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے، دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے بعد مدرسۃ الغرباء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآبادی، مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی وغیرہ کی بنیاد رکھی۔

ان کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو قیام مدارس سے بطورِ خاص شغف رہا، حضرتؒ نے دارالعلوم میں شیخ الحدیث اور صدارت تدریس کی مصروفیات جمعیۃ علماءِ ہند کی صدارت اور بے پناہ ملکی وملی مسائل کے باوصف اس جانب بے حد توجہ مبذول رکھی۔ ملک کے کونے کونے میں تشریف لے گئے اور دینی مکاتب ومدارس کے قیام پر لوگوں کو متوجہ فرمایا۔ مدارس کی خدمت وآبیاری اور ترقی واستحکام کے لئے جاں فشانی کا جذبہ حضرت امیر ملت اسلامیہ مولانا سید اسعد مدنیؒ کو اپنے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ سے ورثے میں ملا۔۔۔ جمعیۃ علماء ہند میں دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لئے مستقل دینی تعلیمی بورڈ قائم تھا۔ حضرت فدائے ملتؒ نے اس بورڈ کو فعالیت اور استحکام بخشا اور اس بورڈ کے لئے درج ذیل نظام طے پایا:

(الف) دینی تعلیم کو ہر گھر، ہر مکتب اور ہر اسکول کالج تک عام کرنے کے لئے جدوجہد کرنا اور ہر مسجد کو دینی تعلیم کا مرکز بنانا۔ (ب) دینی مدارس ومکاتب کے لئے تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرنا اور اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لئے دینی تعلیم کے سینٹر قائم کرنا۔ (ج) مشاہیر علمائے کرام اور ماہرینِ تعلیم کا ایک بورڈ قائم کرنا جو ملک کا دورہ کرے اور مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے مطابق ان کی رہنمائی کرے۔ (د) پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کرنا۔ (ہ) دینی تعلیمی اداروں میں باہمی تعاون واشتراک کی فضا قائم کرنا۔ (و) دینی تعلیم کی ترویج وترغیب کے لئے عام مسلمانوں میں دینی اجتماعات منعقد کرنا۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے طویل دورِ نظامت وصدارت میں مذکورہ اُمور کی انجام دہی جاری رہی اور ملک کے کونے کونے میں پھیلی جمعیۃ علماءِ ہند کی اکائیوں کو ہدایت دی گئی کہ مجوزہ نظامِ عمل اور رہنما اُصولوں کی روشنی میں دینی تعلیم کا نظم کیا جائے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے چپے چپے میں دینی مکاتب اور اسلامی مدارس کا جال بچھ گیا۔ جمعیۃ علماءِ ہند کی جڑیں ملک گیر سطح پر بڑی گہری ہیں، جتنی بڑی تعداد میں عوام وخواص اس جماعت سے وابستہ ہیں، اتنا کسی جماعت سے وابستہ نہیں۔ حضرات علمائے کرام اور عام مسلمانوں کو حضرت فدائے ملتؒ سے والہانہ تعلق اور جذباتی لگاؤ تھا۔ ذمہ دارانِ مدارس اپنے سالانہ اجلاسوں میں حضرت کا پروگرام لینے کی بھرپور سعی کرتے کیونکہ حضرت کی تشریف آوری اجلاس کی کامیابی کی ضمانت ہوتی اور حضرت فدائے ملت کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لوگ پروانہ وار ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک دن میں کئی کئی مقامات پر اجلاس ہوتے اور پروگرام دینے کے بعد حضرت اس میں ضرور شرکت فرماتے کبھی عذر نہ فرماتے۔ جلسوں میں شرکت کا اتنا اہتمام اور وعدے کی اتنی پاسداری کہیں دیکھنے کو نہ ملی۔

مدارس کے مسائل سے حضرت کو بڑی دلچسپی تھی، مدارس کے مفادات کا ہمیشہ خیال رکھتے اور نقصان دہ چیزوں سے بچنے کی تاکید کرتے۔ سرکاری امداد کو مدرسوں کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے، ذمہ داروں کو اس سے اجتناب کی تاکید فرماتے، مدارس کا حساب وکتاب صاف وشفاف رکھنے پر زور دیتے تاکہ مدرسے کی بدنامی نہ ہو اور کبھی سرکاری عملے کی مداخلت کا اندیشہ نہ رہے۔ جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اہلِ مدارس کا عوام سے رابطہ دن بدن کمزور ہو رہا ہے تو آپ نے علمائے کرام کو عوام سے مربوط رہنے کا مشورہ دیا اور اس کی تاکید مختلف جلسوں میں فرمائی کہ محلہ کی مسجدوں میں تفسیر قرآن کریم کا نظم قائم کیا جائے، اصلاحی اجتماعات کیے جائیں، ان میں عوام کو شریک کیا جائے اور ان کی حسبِ ضرورت رہنمائی کی جائے۔ جمعیۃ کے زیرِ اہتمام اصلاحِ معاشرہ کے پروگرام شروع کیے گئے اور سال میں ایک عشرہ اس کے لئے خاص کیا گیا۔ پچھلے کئی سالوں سے ہر صوبے میں اصلاحِ معاشرہ عشرہ منایا جاتا ہے، اصلاحی پروگرام ہوتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند اور دیگر بعض مدارس کے اساتذۂ کرام اس پروگرام میں شریک ہوتے رہے ہیں، یہ پروگرام بے حد مفید رہے ہیں۔

اسی طرح جب نام نہاد دانشوروں اور بعض ناعاقبت اندیشوں کی جانب سے یہ مطالبہ زور پکڑنے لگا کہ مدارسِ اسلامیہ میں جدید کاری کی جائے اور عصری علوم کی تعلیم نصاب میں شامل کی جائے تو اکابر دارالعلوم کے منہاج ومزاج کے مطابق حضرت امیر الہند نے بھی اس کی شدت سے مخالفت کی اور فرمایا کہ یہ مدارس کے خلاف منصوبہ بند سازش ہے، جس کا مقصد مدارسِ اسلامیہ کو اس کے نصب العین سے ہٹانا اور ان کی افادیت کو ختم کرنا

ہے۔ الحمدللہ حضرت مولانا ودیگر اکابر کے سخت مؤقف کے باعث یہ آواز دب گئی ہے۔ مدارسِ اسلامیہ کے بارے میں اتنا متفکر رہنے والا اور ان کو تعمیر وترقی سے ہمکنار کرنے اور مسائل ومشکلات سے نکالنے کی تدبیر کرنے والا ان جیسا مردِ آہن کوئی نظر نہیں آتا ...... ع ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

فرقِ باطلہ کی بیخ کنی اور باطل کی سرکوبی آپ کی زندگی کا اہم مشن تھا۔ حضرت مولاناؒ نے دارالعلوم میں فرقِ باطلہ کی تردید اور مسلکِ حق میں پختگی کے لئے محاضراتِ علمیہ کا نظام قائم کرایا اور دوسرے مدارس کے ذمہ داروں کو اس جانب متوجہ فرماتے رہے، اسی طرح قادیانیت کے قلع قمع کے لئے حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں مجلسِ تحفظ ختم نبوت کی داغ بیل ڈالی اور ان باطل فرقوں سے مقابلہ اور نبرد آزمائی کے لئے طلبہ کو تیار کرنے کے ایک اجلاس میں اپنے خطاب میں فرمایا :

''ہر مدرسے میں جمعہ کو دو گھنٹہ اس کے لئے مخصوص کریں اور طلبہ کو معلومات دیں۔ دارالعلوم میں کئی سال سے شعبہ قائم ہے، کتابیں حاصل کریں، مشورہ کریں اور پورے عزم کے ساتھ تعلیمی وتدریسی کاموں کے ساتھ فرقِ باطلہ کی تردید کا کام بھی شروع کردیا جائے''۔

حضرت امیر الہندؒ کی پکڑ علماء اور عوام پر جتنی تھی اتنی کسی اور کی نہ تھی۔ سلگتے ہوئے ملکی وملی مسائل پر جب آپ اجتماعات اور کانفرنسوں کا اعلان فرماتے تو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں وابستگانِ جمعیۃ ملک کے کونے کونے سے جمع ہوجاتے جن میں بڑی تعداد علمائے کرام اور ذمہ دارانِ مدارس کی بھی ہوتی، ان اجلاسوں میں حضرت امیر الہند مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں اپنے اندیشوں اور اُمیدوں کا اظہار فرماتے، خطرات کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرماتے اور مؤثر تدابیر بیان فرماتے، پرآشوب اور نامساعد حالات نے کبھی حضرت مولانا کے حوصلے اور عزیمت کو متزلزل نہیں کیا ....

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

حضرت مولانا نے مدارس میں تعلیمی وتربیتی اُمور پر توجہ مرکوز رکھنے کی ہمیشہ تاکید کی اور علمائے کرام اور اہلِ مدارس کا جو طرۂ امتیاز اور ماضی کی خصوصیات تھیں ان کو باقی رکھنے پر زور دیا۔ سادگی اور قناعت، خلوص وللّٰہیت کی تلقین فرمائی، مدارسِ اسلامیہ کے ایک کل ہند اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :

''اگر للّٰہیت واخلاص کے بجائے دنیا پیشِ نظر ہو اور حصولِ دنیا کے نتیجے میں اللہ کی طرف توجہ اور تعلق کم ہوجائے تو خیر وبرکت اُٹھ جائے گی اور دنیا کے فساد، جھگڑے، نفس پرستی کا غلبہ ہوتا

چلا جائے گا، اس لئے مدارس کے حضرات کو محاسبہ کرنا اپنی نیتوں کو درست کرنا اور مستفیدین اور کارکنانِ مدرسہ کو اس طرف توجہ دلانا اور اصلاح کی کوشش کرنا ازبس ضروری ہے، ورنہ مقصد مقصد نہیں رہے گا، وسائل مقصد بن جائیں گے، دنیا مقصد بن جائے گی، چند پیسوں میں مدرسہ چھوڑ کر دنیا میں لگ جائیں گے، بیشک دنیا دارالاسباب ہے، اس لئے وسائل بھی ہونے چاہئیں لیکن انہیں مقصد بنانا نہیں چاہئے، وسیلہ کو وسیلہ بناؤ، وسیلہ کو مقصد نہ بناؤ، بناؤ گے تو مقصد کھو جائے گا اور افادیت نہیں رہے گی، کوئی للّٰہیت پیدا نہیں ہوگی۔ اللہ کے دین کے خادم پیدا نہیں ہوں گے، کمانے والی مشینیں پیدا ہوں گی''۔

اُتر پردیش کی فرقہ پرست حکومت نے جب اپنے آرڈیننس کے ذریعہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں مشرکانہ گیت ''وندے ماترم'' مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے بھی پڑھنا لازم کر دیا اور ہندوستان کی فرضی تصویر کے آگے جھکنے اور پھول مالا چڑھانے کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کی تردید اور آرڈیننس کے واپس لیے جانے کا پرزور مطالبہ کیا، صوبے کے مختلف علاقوں میں احتجاجی جلسے اور مظاہرے کیے گئے، حضرت والا کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں مدارسِ اسلامیہ کا ایک اہم اجلاس ۲۱/رجب ۱۴۱۹ھ کو جامع رشید میں منعقد کیا گیا، جس میں اس آرڈیننس کے خلاف تجویز منظور کی گئی اور اس فیصلے کو سختی سے مسترد کر دیا گیا، اسی طرح جنوری ۲۰۰۰ء میں اُتر پردیش کے وزیر اعلیٰ رام پرکاش گپتا کی قیادت میں بی جے پی حکومت نے اپوزیشن کے سخت اعتراض کے باوجود ''اُتر پردیش پبلک مذہبی عمارات و مقامات ریگولیشن بل ۲۰۰۰ء پاس کر دیا۔ یہ بل دستورِ ہند کی دفعہ ۲۵، ۲۶ اور ۳۰ کے یکسر منافی تھا۔ اس کا مقصد اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو سلب کرنا تھا، اس بل کی رو سے اگر کہیں کوئی مذہبی پبلک عمارت کی تعمیر یا مرمت وغیرہ کرنی ہے تو اس کے لئے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دے کر اجازت لینی ضروری قرار دی گئی تھی، مجسٹریٹ کی اجازت نہ ملنے کی صورت میں کسی مسجد یا مدرسے کی نہ تو کوئی عمارت بن سکتی تھی نہ اس کی مرمت کی جا سکتی تھی، اس بل کی مخالفت میں حضرت امیر الہند نے ذمہ دارانِ دارالعلوم کو مدارسِ اسلامیہ کا اجلاس بلانے پر متوجہ کیا۔

چنانچہ ۲۷/۱۱/۱۴۲۰ھ کو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم کی صدارت میں دارالعلوم دیوبند میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں تقریر فرماتے ہوئے حضرت امیر الہند نے اس بل کی شدید مخالفت کی اور اسے واپس لینے کا مطالبہ فرمایا اور اسے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی مذہبی آزادی پر زبردست حملہ قرار دیا، بل کے خلاف تجویز منظور کی گئی اور طے کیا گیا کہ اس بل کے خلاف مزید اجتماعات مختلف مقامات پر کیے جائیں اور مقامی ڈی ایم کو میمورنڈم پیش کیا جائے اور اس کی نقل صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کو بھی ارسال کی جائے۔ اس

سلسلے میں حضرت امیر الہند کی ہدایت اور جناب مولانا محمود مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں سے پہلے لکھنؤ او رپھر نئی دہلی میں زبردست احتجاجی مظاہر کیا گیا، جس میں لاکھوں افراد شریک ہوئے اور ان ریلیوں کا اثر یہ ہوا کہ حکومتِ ہند اس بل کو سرد خانے میں ڈالنے پر مجبور ہوئی۔

حضرت امیر الہندؒ کا ایک امتیازی وصف ان کی بیباکی اور حق گوئی ہے، مدارسِ اسلامیہ دینی اداروں اور مسلمانانِ ہند کے مسائل کے تعلق سے انہوں نے سربراہانِ حکومت اور اربابِ اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیں اور اپنے برحق، واضح اور سخت مؤقف پر ہمیشہ قائم رہے۔ ان میں کبھی اس حوالے سے کوئی لچک پیدا نہ ہوئی۔

حدیث بے خبراں ہے کہ باز مانہ بساز زمانہ باتو نہ سازد تو باز مانہ ستیز

پچھلے چند سال میں مسلمانوں کے لئے عموماً اور دینی اداروں اور مدارسِ اسلامی کے لئے خصوصاً بڑے صبر آزما اور پُر آشوب رہے ہیں، فرقہ پرست عناصر اور ملک دشمن طاقتوں نے مدارسِ اسلامیہ کے خلاف، منصوبہ بند مہم چھیڑ دی تھی، مدارس کو بدنام کیا جا رہا تھا، ان کی کردارکشی کی جارہی تھی اور ان دینی مدرسوں کو ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز اور آئی ایس آئی کی پناہ گاہ تک کہا جانے لگا تھا۔ اس وقت اکابر دیوبند خصوصاً حضرت امیر الہند فرقہ پرست طاقتوں کی اس مہم کو ناکام بنانے اور مدارسِ اسلامیہ کی بقاء وتحفظ کے لئے بطورِ خاص سرگرم عمل رہے اور بانگ دہل شرپسند عناصر کی مذمت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان ملک دشمن طاقتوں کو لگام دے، اسی طرح ذمہ دارانِ مدارس کو پوری ہمت و پامردی کے ساتھ ان سازشوں کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرمائی، ان کو خطاب کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا:

> ''آج ہم لوگ جس دور سے گزر رہے ہیں وہ بڑا خطرناک دور ہے۔ عیسائی، یہودی اور فرقہ پرست طاقتیں بھرپور وسائل کے ساتھ اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ان کا نشانہ خاص طور سے دینی مدرسے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہی مدارس علومِ دینیہ کے سرچشمے ہیں لیکن ہم کو پوری طاقت کے ساتھ دشمنانِ اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ان کو دانداں شکن جواب دینا ہے''۔

''مدارسِ اسلامیہ اور دہشت گردی کا الزام'' کے عنوان پر دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد مدارسِ اسلامیہ کے کل ہند اجتماع سے اپنے بصیرت افروز چشم کشا خطاب میں حضرت امیر الہندؒ نے فرمایا:

> ''اسلام اور مدارسِ اسلامیہ کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم دہشت گردی کو کسی طرح کا تعاون دینے کو تیار نہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ ملک میں لاکھوں لوگ ہیں جو دہشت

گرد تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں، ناجائز ہتھیار رکھے ہوئے ہیں، ہر طرح کے جرائم کے مرتکب ہیں، اس کی انہیں ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ان کی وجہ سے ملک کا سیکولر کردار خطرے میں ہے لیکن ان کو دہشت گرد کہنے والا کوئی نہیں ہے جبکہ مدارس کو خواہ مخواہ بدنام کیا جارہا ہے''۔

مدارسِ اسلامیہ کے داخلی وخارجی مسائل کے حل اور مشکلات کے ازالہ کے لئے حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ نے مدارسِ اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے اور ان کی تنظیم قائم کرنے پر زور دیا، چنانچہ حضرت نے مجلس شوریٰ دارالعلوم میں مدارسِ اسلامیہ کے کل ہند اجتماع کی تجویز رکھی، مجلس شوریٰ نے سہ روزہ اجتماع کا فیصلہ کیا، جو اکتوبر ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی زیرِ صدارت جامع رشید دارالعلوم میں منعقد ہوا جس میں ''رابطہ مدارسِ اسلامیہ عربیہ'' کے قیام کا فیصلہ ہوا، مرکزی دفتر دارالعلوم دیوبند میں قائم کردیا گیا اور رابطہ کے صدر حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم قرار پائے۔ حضرت امیر الہندؒ کو رابطہ کے اُمور سے اتنی دلچسپی تھی کہ اپنے سفر پاکستان کے موقع پر وہاں قائم وفاق المدارس اسلامیہ'' کے دستور اساسی اور دیگر ضروری کاغذاتِ وفاق کے ذمہ داران سے حاصل کرکے اپنے ہمراہ لائے اور ناچیز کو عنایت فرمایا تاکہ اس کی روشنی میں دستور العمل رابطہ کی ترتیب ہو اور کام کو آگے بڑھایا جائے۔ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم کے زیر اہتمام مدارسِ اسلامیہ کے اب تک ۱۰ بڑے کل ہند اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوئے ہیں، جن میں مدارس اسلامیہ کے نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم وتربیت، مشکلاتِ مدارس، مدارس کے باہمی روابط واتحاد، حفاظتِ اسلام میں مدارسِ اسلامیہ کے کردار وغیرہ موضوعات پر غور وخوض ہوتا رہا ہے اور انقلاب انگیز فیصلے کئے جاتے رہے ہیں۔ حضرت میر کاروانِ ملت اسلامیہؒ ان تمام اجلاسوں میں بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے، اپنے بصیرت افروز بیانات سے مستفید فرماتے اور اپنے صدائے دل نواز سے سامعین کے قلوب کو مہمیز کرتے ....۔

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے

جب فرقہ پرست عناصر کے زہریلے بیانات مدارس کے خلاف زیادہ آنے لگے اور حکومتِ ہند کی وزارتی گروپ کی رپورٹ میں بھی مدارسِ اسلامیہ کو ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ قرار دے دیا گیا تو اس وقت حضرت امیر الہندؒ نے محسوس کیا کہ تمام مکاتبِ فکر کے مدارس کو متحد کرکے ایک ''متحدہ تحفظ مدارس کمیٹی'' کی تشکیل کی جائے، چنانچہ پہلے دارالعلوم دیوبند میں اس کی کوشش کی گئی کہ دارالعلوم دیوبند کے زیرِ اہتمام تمام مکاتب فکر کے مدارس کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں بلایا جائے اور ایک متحدہ مجلس تحفظ مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے۔ دارالعلوم کی جانب سے دیگر مکاتب فکر کے بڑے مدارس اور ذمہ داروں سے رابطہ بھی قائم کیا گیا لیکن بعض مکاتب فکر کے قائدوں کی طرف سے اُمید افزا پیغام نہ ملا تو حضرت امیر الہندؒ نے، جمعیۃ علماء کی جانب سے ۸/ مارچ ۲۰۰۳ء کو شاہ

جہانی جامع مسجد دہلی میں تحفظ مدارس کا اجلاس بلایا اور دیگر مکاتب فکر کے مدارس کے ذمہ داروں کو دعوت نامہ دینے اور ان سے گفتگو کے لئے مختلف علاقوں میں مختلف افراد کو بھیجا گیا، چنانچہ لکھنؤ، بستی، سدھارت نگر، گورکھپور، اعظم گڑھ، مئو بنارس اور جون پور کے مدارس کا حضرت کے حکم پر احقر راقم السطور نے دورہ کیا اور ذمہ داران سے ملاقات کر کے ان کو ۸ر مارچ کے اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ اس اجلاس میں دیگر مکاتبِ فکر جماعت اسلامی، اہل حدیث، بریلوی حضرات کے مدارس کے بہت سے ذمہ دار شریک ہوئے۔ یہ اجلاس بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔

حضرتِ اقدسؒ نے اپنی خداداد بصیرت، ایمان فراست، جہد مسلسل اور روحانی عزیمت اور بے پناہ جرأت وحق گوئی سے مسلمانوں کی بقاء، سرمایۂ ملت کی نگہ بانی، مدارسِ اسلامیہ کی پاسبانی اور ملت میں اتحاد قائم کرنے کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی ....۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہ بان　　　　اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار

مدارسِ اسلامیہ کے حوالہ سے حضرتِ اقدسؒ کی خدماتِ جلیلہ کا تذکرہ دارالعلوم دیوبند کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا، کون نہیں جانتا کہ نہایت پُر آشوب حالات اور نازک ترین وقت میں بحرانی دور سے دارالعلوم کو نکالنے اور تعمیر وترقی کی وسیع شاہراہ پر گامزن رکھنے میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی مساعی جمیلہ کا بے حد دخل ہے۔ تعلیمی اور تعمیری ہر لحاظ سے پچھلے چند سالوں میں دارالعلوم دیوبند نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، نظم ونسق بہتر ہوا ہے، تعلیمی اُمور پر بطورِ خاص توجہ دی جارہی ہے، اور معیارِ تعلیم وتربیت بلند ہوا ہے۔ پرانی عمارتوں کی مرمت اور جدید عمارتوں کی تعمیر بڑے پیانے پر جاری ہے، دارالعلوم سے حضرتِ اقدس کو بڑا والہانہ تعلق تھا، حضرات اساتذہ کارکنان اور طلبۂ عزیز کی ضروریات اور سہولیات کا وہ بطورِ خاص خیال فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے انتقال پُر ملال پر تمام خدام دارالعلوم اور طلبہ عزیز ماتم کناں اور رنج وغم میں نڈھال ہیں اور دارالعلوم کے در و دیوار بے حد اُداس اور سوگوار ہیں ....۔

ویراں ہے مے کدہ خم وساغر اُداس ہیں　　　　وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

افسوس کہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک اپنے یقینِ محکم، عملِ پیہم، جہدِ مسلسل اور اپنی حیات بخش تدبیروں سے مسلمانانِ ہند کی ترقی واستحکام اور حفاظت کا سامان کرنے والی عظیم ہستی مدارسِ اسلامیہ کو فعالیت اور تنظیم وتعمیر سے ہمکنار رکھنے والی نابغۂ روزگار وہمہ جہت شخصیت لاکھوں عقیدت مندوں کو غمزدہ وسوگوار چھوڑ کر مالکِ حقیقی سے جاملی۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ....۔

کل اُن کے در پہ سنا تھا حیات بٹتی تھی　　　　اُمیدواروں میں خود موت بھی نظر آئی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عادل صدیقی

مولانا اسعد مدنیؒ اور دارالعلوم دیوبند

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذاتِ گرامی زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے تھی، ایسی ہمہ جہت شخصیتیں اس دنیائے فانی میں تقریباً نایاب ہیں۔ ابھی تک دنیا میں بحمد اللہ ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے حضرت مولانا سید حسین مدنیؒ کو دیکھا ہے اور آپ سے استفادہ کیا ہے۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے آپ کی جوتیاں سیدھی کی ہیں اور آپ کی دعاؤں سے استفادہ کیا ہے۔ یہ اپنی جگہ خود اتنی بڑی خوبی ہے کہ اس کا جواب نہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں اس شعر کا مفہوم عملی طور پر واضح کیا ہے ....

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد　　　ہر کہ خود را دید او محروم شد

آپ کی زندگی کی خوبیوں کو کتنا ہی مختصر کر کے کیوں نہ بیان کیا جائے مگر وہ ایک مضمون میں تو کیا، ایک کتاب میں نہیں سما سکتیں۔ قومی وملی سرگرمیوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ تصور میں بھی اس کا احاطہ دشوار ہے۔ آستانۂ حضرت مدنیؒ کی روایات کو زندہ و پائندہ رکھنا، مدارسِ اسلامیہ کے حوالے سے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنا، تحفظ ختم نبوت اور دیگر متعلقہ تحریکات کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا، جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ ملک کے مجموعی عوام کی خدمات انجام دینا، ہندو مسلم اتحاد کی ذریعہ ملک کے سیکولرزم کو مستحکم کرنا، پارلیمانی زندگی کے دوران ایوانِ بالا میں ملک وملت کی اس انداز پر ترجمانی کرنا کہ وہ تاریخِ ہندوستان کا نمایاں باب بن گئیں، ہزارہا مریدین کے توسط سے دین اسلام کی خدمت اور اسلام کے ابدی پیغام کی اشاعت وترویج، غرضیکہ زندگی کے اس قدر پہلو ہیں جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ آپ کے نام پر متعدد ا[illegible]یاں قائم کی جائیں اور پھر ان خدمات کو تفصیلی طور پر احاطۂ تحریر میں لایا جائے، سردست دارالعلوم دیوبند سے آپ کے تعلق اور مدارسِ اسلامیہ کی دینی خدمات پر ایک سرسری نظر ڈالی جارہی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ دراصل ہندوستان کی آزادی کی تاریخ ہے۔ یوں تو یہ ادارہ ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء سے ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ و بقا اور ان کی ثقافت کے تحفظ کے لئے کوشاں ہے مگر ۱۹۸۰ء کے بعد سے اس ادارے کو آزاد ہندوستان میں جس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کو وہی بزرگانِ دین سمجھ سکتے ہیں جو اس وادیٔ

پُر خار سے گزرے ہیں۔ اس عرصہ میں دارالعلوم کو آگے بڑھانے، اس کی روایات کو زندہ و پائندہ رکھنے، اس میں حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں ضروری اضافے کرنے، اس کو عالمی سطح پر روشناس کرانے، جدید تعلیمی تقاضوں سے اسے ہم آہنگ کرنے اور مفت تعلیم، نیز تعلیم بالغان کے قومی مقاصد کو اصل رنگ و روپ دینے، اس کی تعلیمی، تعمیری اور روز مرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا عظیم ترین کام صرف اور صرف حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی قیادت و سیادت، نیز آپ کے مشوروں اور عملی جدوجہد سے ہی انجام پاسکا۔ اکابرینِ ملت سے گستاخی کی معافی طلب کرتے ہوئے اگر میں یہ کہنے کی جسارت کروں کہ یوں تو دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ بھی ہے اور امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ جن کو اب ہم نہ دیکھ سکیں گے، دارالعلوم دیوبند میں اس وقت ساڑھے تین ہزار طلباء ہیں، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے، کتابیں فراہم کرانے، بجلی، پانی کی سہولتیں مہیا کرانے، سفری اخراجات کے لئے ریلوے کنسیشن دلوانے، داخلہ کی سہولتیں بڑھانے، علاج معالجے کے لئے رقومات فراہم کرانے، ان کو یومیہ اخراجات وغیرہ کے لئے معقول وظائف دلانے اور نہ معلوم کتنے عنوانات سے ذمہ داریاں سنبھالنے میں جس ہستی نے قائدانہ اور عملی رول ادا کیا، وہ تھے مولانا سید اسعد مدنیؒ۔

اس قدر ذمہ دار ہونے کے باوجود سادگی کا پیکر، متعدد ثقہ حضرات نے بتایا کہ ریل کے سفر کے آغاز سے قبل سب ساتھیوں کے ٹکٹ خود لائن میں کھڑے ہو کر لیا کرتے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد دارالعلوم کو اس قدر مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا کہ اکثر اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائیگی کیلئے رقم نہ ہوتی، مگر آپ نے کسی کو اس دشواری کا احساس نہ ہونے دیا اور اپنے طور پر اس دشواری کو دور کردیا۔ آپ طلبائے عزیز کی ضرورتوں کے لئے بے حد پریشان رہتے تھے۔ آپ کے دور میں طلبائے عزیز کے کھانے کا معیار پہلے سے کہیں زیادہ اچھا ہو گیا۔ طلبا کے وظائف کی رقم درجہ بدرجہ بڑھتی رہی۔ آپ نے دارالعلوم کے بوسیدہ کمروں کو ناقابلِ رہائش سمجھا اور اس بات پر زور دیا کہ ان کی تجدیدِ نو کی جائے، بحمد للہ یہ کام پورے زور وشور سے اب بھی جاری ہے۔

ایک بار حکومت نے بنگلہ دیشی طالب علموں کے آنے پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا۔ جب حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو یہ معلوم ہوا تو آپ کو تشویش ہوئی اور آپ احقر کے ساتھ وزیر داخلہ جناب وائی بی چوہان سے ملے اور فرمایا کہ اگر آپ ان طلباء کو یہاں آنے سے روکیں گے تو یہ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے پڑوسی ملکوں میں جائیں گے، جب یہ وہاں تعلیم حاصل کریں گے تو ان کا ذہن دوسری طرح کا ہوگا اور یہ ہندوستان کی ان خدمات سے ناواقف ہوں گے جو یہاں دینی تعلیم کے رواج کے حوالے سے کی جارہی ہیں۔ وزیر داخلہ آپ کی گفتگو سے بے حد متأثر ہوئے اور اس حکم کو واپس لے لیا گیا۔ آپ نے تعلیم کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند میں وہ تمام اُصول لاگو کیے، جو موجودہ تعلیمی پالیسی کا جزو لازم ہیں۔ مثلاً مفت تعلیم، تعلیمِ بالغان، طلبا میں نظم ونسق، حب الوطنی، پڑوسیوں کے حقوق کا خیال۔ ان سب اُصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں انگریزی کی تعلیم، کمپیوٹر کی تعلیم، صحافت کی تعلیم

شروع کرائی، یہی نہیں استادوں اور عملے کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا۔ ہنگامی ضرورتوں کو پورا کرنے اور بیماری آزادی میں مستحق طلباء اور استادوں نیز عملے کی مدد میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ طلبائے عزیز کے حوالے سے آپ کی خاص کوشش یہ تھی کہ ان کو ان کے ذوق کے مطابق کھانا ملے جو معیاری ہو۔ اس وقت دارالعلوم کا سالانہ بجٹ آٹھ کروڑ روپے کے قریب ہے۔ اس رقم کو آپ نے کبھی زیادہ نہ سمجھا بلکہ آپ کے دَور میں سب اخراجات بحسن و خوبی چلتے رہے۔ آپ کی فکر معیاری تھی۔ آپ طلبائے عزیز کی رہائش گاہ کو بھی معیاری دیکھنا چاہتے تھے۔

چنانچہ ایک طرح سے وہ اپنے وقت کے شاہجہان تھے۔ آپ طلبا میں بیداری لانا چاہتے تھے تا کہ وہ اپنی زندگی میں عملاً اسلام کی خدمت صحیح ڈھنگ سے کرسکیں، یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی مخالفت، شرعی امارت کی ضرورت فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی واجب نمائندگی، سرکاری ملازمتوں میں واجب حصہ، قانون ساز اداروں، اسمبلیوں راجیہ سبھا اور لوک سبھا میں ان کی تعداد کے اعتبار سے ان کی نمائندگی، اس طرح کی دوراندیشانہ سوچ آپ کو ہندوستان کے دانشوروں، عالموں، سیاست دانوں میں ایک ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ گذشتہ ایک سال سے آپ نے دارالعلوم دیوبند کے ۱۹۸۰ء کے بعد شروع ہوئے قضیہ کو جس طرح نپٹانے کی کوشش کی اور حضرت مولانا سالم صاحب سے صلح و صفائی کے لئے جو عملی اقدامات کیے ان سے آپ کی بصیرت کا بھرپور ثبوت ملتا ہے۔ ان کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند جا جو جزو اعظم، اس سے جدا دکھائی دے رہا تھا، اب روز بروز قریب آ رہا ہے۔ خیال ہے کہ دارالعلوم دیوبند (وقف) کے جن ارکان کے سابقہ مطالبات ادا نہیں کیے جا سکے ہیں، ان کی ادائیگی اب آسان ہو جائے گی۔

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ ایک دور تھا جبکہ حضرت قاری محمد طیبؒ پاکستان چلے گئے تھے، حضرت مدنیؒ کی کوشش سے وہ دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں بلا لیے گئے تھے اور مسجد قدیم میں ایک جلسہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ ایک ہی مسند پر جلوہ افروز تھے اور حضرت مدنیؒ نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی خدماتِ جلیلہ پر روشنی ڈالی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ اس وقت بھی اتحاد و اتفاق کی کچھ ایسی ہی فضا دیکھنے کو ملے، اگر ایسا ہوا تو یقیناً یہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی بعد از وفات کرامت ہوگی۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث کی جو تعلیم دارالعلوم دیوبند کے توسط سے اس وقت نہ صرف دیوبند میں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور دیگر مقامات پر دی جا رہی ہے، اس کا سرچشمہ دارالعلوم دیوبند ہے اور دارالعلوم کو اس منزل تک پہنچانے میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پُرخلوص خدمات کو بڑا دخل ہے۔ حضرت مولانا رابع حسنی ندوی نے بجا طور پر ارشاد فرمایا کہ موجودہ دور میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا' بلاشبہ وہ منصبِ نبوت کے علوم و معارف کے امین تھے۔ مولانا عبدالخالق مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند اپنے رفیق کو ہر دم یاد رکھے گا۔ ان کی ملی، سیاسی' سماجی اور دینی خدمات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں اور آنے والی نسلیں بھی ان تعلیمات سے فیض یاب ہوتی رہیں گی۔

ڈاکٹر شکیل صمدانی
ریڈر شعبۂ قانون، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

پُر آشوب دَور میں گرانقدر خدمات کا نمونہ

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) لیکن اس دنیا میں چند شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کی وفات سے ایک خلا سا پیدا ہو جاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ خلا کبھی پورا نہ ہو سکے گا لیکن خالقِ کائنات کارساز ہے، زندگی اور موت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تخریب و تعمیر چلتی رہتی ہے اور اللہ ربّ العزت کے حکم سے دنیا کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کا انتقال یقیناً ملت اسلامیہ کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں ہے، کیونکہ وہ ایسے عالم دین تھے جنہوں نے دینی حمیت کے ساتھ ساتھ دنیاوی مسائل سے خود کو الگ نہیں کیا۔ خصوصی طور پر مسلمانانِ ہند کو ایک مثبت رہنمائی دی۔ جمعیۃ علماء ہند کے جھنڈے تلے انہوں نے جس سیاسی بصیرت اور کارگردی کا مظاہرہ کیا اور جس طرح سے ملت اسلامیہ کے جذبات کی ترجمانی کی اسے تاریخ ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ بقولِ مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا اسعد مدنیؒ اپنی اجتماعی فکر و ذہن اور اعمال و خدمات کی وسعتوں کے لحاظ سے ملتِ اسلامیہ میں ایک معتبر متعارف شخصیت کے مالک تھے۔ اس لحاظ سے ان کی وفات سے عمومی طور پر غیر معمولی غم محسوس کیا گیا۔

۱۹۷۳ء انہیں جمعیۃ علماءِ ہند کا صدر منتخب کیا گیا اور بحیثیت صدر انہوں نے جمعیۃ علماء کو آزاد ہندوستان میں ایک مؤثر رول ادا کرنے کا موقع دیا۔ اتفاق سے یہ وہ دَور تھا جب ملک میں سوائے کانگریس پارٹی کے کوئی پارٹی نظر نہیں آتی تھی اور یہ بڑا مشکل کام تھا کہ کانگریس کی ہر وقت مخالفت کی جائے۔ اس لئے مولانا اسعد مدنیؒ کی قیادت میں جمعیۃ علماءِ ہند نے دو محاذوں پر کام کیا۔ پہلا محاذ تعلیمی محاذ تھا جس میں مولانا کی کوششوں سے ملک کے طول وعرض میں مدارس کا جال بچھ گیا جو جمعیۃ کی سرپرستی میں کام کر رہے ہیں۔ دوسرا کام جو مولانا نے کیا وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری کرنے کی کوشش کی اور ملی مسائل پر قوم کا موقف رکھنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ مولانا نے حکومتِ وقت پر ایک پریشر گروپ کی طرح کام کیا اور یہ کوشش کی کہ کانگریس سے رابطہ نہ بگاڑتے ہوئے

اہم ملی مسائل پر حکومت کی توجہ مبذول کرائی جائے اور اس لئے جمعیۃ علماءِ ہند پر کانگریس کے تئیں نرم رویہ اختیار کرنے کا الزام بھی لگتا رہا، لیکن ان سب نکتہ چینیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے اپنے مشن کو جاری رکھا اور سیکولر اور نیشنلسٹ لوگوں کو جمعیۃ سے جوڑنے کا کام کرتے رہے۔

گجرات کے مسئلے پر جمعیۃ نے مسلمانوں کے ساتھ ہوئے ظلم کو سختی سے ملک کے لیڈروں کے سامنے اُٹھایا اور پچھلے چند سالوں میں جب سے امریکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک طرح نفرت آمیز دشمنی کا مورچہ کھولا ہے اور پوری دنیا میں مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے، مولانا اسعد مدنیؒ نے علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ جلسے اور کنونش کر کے غیر مسلم عوام اور حکومت کو بتانے کی کوشش کی کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ مولانا نے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور انگلستان میں متعدد کانفرنسوں کو خطاب کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کسی بھی قوم پر دہشت گردی کا لیبل لگا دینا ٹھیک نہیں ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرحوم مولانا اسعد مدنیؒ نے ملک اور قوم کی جو بیش بہا خدمت انجام دیں وہ تاریخ میں محفوظ کی جائیں گی۔ جو قومیں اپنے محسنوں اور رہنماؤں کو بھول جاتی ہیں تاریخ کے اوراق ان قوموں کو بھول جاتے ہیں۔ مولانا کی زندگی ملک کے حکمرانوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔ خصوصی طور پر جو لوگ قوم کی فلاح و بہبود کی سیاست کو بھی شجرِ ممنوعہ سمجھتے ہیں، انہیں مولانا مرحوم کی زندگی سے سبق لینا چاہئے۔

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری

حق گوئی و بے باکی

خالقِ کائنات نے کچھ ایسی ہستیاں پیدا فرمائیں ہیں جن کی وفات پر کنبہ روتا ہے اور کچھ ایسے لوگ ہیں جن پر محلہ اور شہر روتا ہے اور کچھ ایسی ہستیاں ہیں جس پر زمانہ اور زمین وآسمان روتے ہیں اور انسانی برادری کا کوئی بھی فرد متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، ایسی ہی دلکش صفات اور مجموعۂ محاسن کے مالک تھے جانشینِ شیخ الاسلام، فدائے ملت امیر الہند حضرتِ اقدس مولانا سید اسعد مدنیؒ، جن کو بہت سے لوگ ایک عالم، شیخ طریقت، سالک، سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے جانتے تھے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو ان سب کمالات وفضائل سے آراستہ کیا تھا۔ ان کی صفات کا ہر حصہ مستقل باب ہے جس پر آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا اور اس سے انسانیت استفادہ کرتی رہے گی۔

واقعہ ہے کہ آج کی دنیا ممتاز شخصیتوں، وسیع النظر اور متبحر عالموں سے خالی نہیں لیکن حضرت مدنیؒ کو معاصرین میں جن صفات نے منفرد اور ممتاز بنایا وہ ان کی عزیمت اور حمیت تھی اور یہ وصفِ خاص جو انہیں ان کے والدِ محترم مربی ومرشد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے وراثت میں ملا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مدنیؒ مذہبی، اصلاحی، قومی، ملی، تعلیمی، اجتماعی اور جدوجہد کے ہر محاذ پر سرگرم، متحرک اور چاق وچوبند دکھائی دیتے تھے۔

حضرت مدنیؒ کی شخصیت کا ایک اہم وصف ان کی بیباک گوئی، بلند حوصلگی اور جرأتِ اظہار ہے۔ اکیسویں صدی کے اس پر آشوب دور میں جہاں ایمان وایقان کی روشنی دھندلا رہی ہے اور مادیت پر مذہبی وروحانی عقائد کی سالمیت کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے، ایسے حالات میں مولانا مرحوم کی شخصیت نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا......

نور کے نام پر بکتی ہے یہاں تاریکی　　لوگ کہتے ہیں خزاں کو یہاں فصلِ بہار

حضرتؒ نے کبھی بھی اور کہیں بھی حق وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اسلام کی حقانیت و صداقت کو اُجاگر کرنے کے لئے زندگی بھر چوطرفہ لڑائیاں لڑتے رہے۔ حضرت عشقِ رسول ﷺ سے ایسے سرشار تھے کہ ان سے ٹکرانے والی کوئی شے ایسی نہ تھی جسے دیکھ کر وہ خاموش تماشائی بنے رہتے۔ اسلام، ذاتِ نبوی ﷺ اور قومی مسائل کے تعلق سے کوئی توہین آمیز مضمون، رسائل وکتب یا فلم کسی دنیا میں سامنے آتی، گستاخی یا بے ادبی کی کوئی تصویر شائع ہوتی تو سب سے پہلے یہ مردِ آہن ہی تھا جو اس کا نوٹس لیتا تھا۔ اس وقت ان کی حمیت کی تلوار بے نیام ہوجاتی۔ وہ اس کا تعاقب اس وقت تک کرتے تا آنکہ گستاخ کی زبان وقلم تائب نہ ہوجاتے......

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی — اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

فدائے ملتؒ ایک سچے محبِ وطن تھے، اس سلسلے میں وہ جو کچھ کرتے اس کا فائدہ صرف مسلمانوں کو نہیں پورے ملک کو پہنچتا تھا۔ ہندوستان میں اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ دانستہ اور نادانستہ جو ناانصافیاں اور زیادتیاں ہوتیں اور یہاں کے اہلِ اقتدار اور سیاسی رہنما جس کوتاہ نظر، جذباتیت کے شکار ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے، حضرت مدنیؒ اس صورتِ حال کے اصلاحی حقائق کو سمجھ کر صحیح جمہوریت، سماجی انصاف اور سیاسی شعور پیدا کرنے کی شکلیں بہم پہنچاتے۔ اس کے لئے انہیں کئی بار عوامی اجتماعات اور ملت بچاؤ تحریک چلانی پڑی۔ جس کے سبب جیل میں رہ کر سنت یوسفیؑ ادا کرنی پڑی۔ ہر طرح کی صعوبتیں برداشت فرمائیں اور کبھی بھی ان کے ارادوں میں اضمحلال نہ آیا اللہ نے ان کے خلوص وقربانی کا ہر محاذ پر کامیابی سے استقبال کیا۔

حضرت مدنیؒ خود فرماتے: ''میرے والد ماجد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ہمیں ایمان و یقین اور اشاعتِ دین کے ساتھ وطنِ عزیز سے عشق، آزادی سے محبت اور انسانوں کی خدمت کی جو راہ دکھائی تھی، میری کوشش یہی ہے کہ جب تک زندہ رہوں ان عنوانات پر زندگی کی داستان ترتیب دیتا رہوں''۔

یہی وجہ تھی کہ ان کے رگ وریشے میں دینی وملی خدمات سے متعلق جذبات موجزن رہتے اور نہ تھکنے والی خدمات کے ساتھ تاحیات یہ کارنامے انجام دیتے ہوئے اس مرد باوفا اور مجاہد نے جوانی کی بہترین طاقتیں، قلب و دماغ کی پوری توجہات اور ہمت سے ملک و بیرونِ ملک کے سیاسی مسائل کو سلجھانے اور اُمت کی ذہنی تربیت میں زندگی صَرف فرمائی۔ ۱۸ر سال تک ممبر پارلیمنٹ کی حیثیت سے ایوانِ بالا میں جرأت و بے باکی کے ساتھ حق و صداقت کا پرچم بلند فرماتے رہے اور تقریباً ۳۳ سال تک جمعیۃ علماءِ ہند کے صدر نشین رہے، جس کے ذریعہ آپ نے احیاءِ دین، ملت کے مسائل اور اس کی شیرازہ بندی، ٹوٹے دلوں کا سہارا اور اُجڑوں کو بسانے کا کام کیا اور اپنے والد محترم کی سچی جانشینی کا تادم صحت وحیات حق ادا فرماتے رہے۔

سفر ہو یا حضر فرائض، نوافل و مستحبات کی ادائیگی، مخالف ماحول میں معمولات کی پابندی، وقت اور وعدے کا ایفاء دور دراز کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت، ناموسِ مدارس کی حفاظت آپ کی ذات کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

درحقیقت اس قحط الرجال کے دور میں حضرت مولانا مرحوم جیسے حکمتِ دین سے واقف صاحبِ فہم و بصیرت، مدبر عالم، دردمند مصلح اور غمگسارِ ملت کا اُٹھ جانا ایک المناک سانحہ ہے۔ آدمیت کے اس قحط، انسانیت و انحطاط کے اس دور میں قومی قیادت وسیاست اور تصوف کی بزم جو خالی ہوگئی ہے، وہ ایک بڑا علمی اور انسانی حادثہ ہے۔ جس کے ساتھ تاریخِ ملک وملت کا ایک باب سپردِ خاک ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے موسمِ بہار کا ایک حسین سلسلہ تقریباً ۷۸ سال کی عمر میں ۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو ختم ہوگیا۔

مولانا سلمان بجنوری (استاذ دارالعلوم دیوبند)

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں

ملتِ اسلامیہ اداروں کے امیر کارواں، ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہباں، قافلۂ اُمت کے بیباک حدی خواں، ہزاروں اسلامی اداروں کے سرپرست و معمار، میدانِ سیاست کے عظیم سالار، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ جو رحمتِ حق میں پیوست ہوگئے اور پوری اُمت کو یتیم کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون تقدیر پر راضی رہنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں، ایک اُمت کا ہے، رونا ایک خاندان کا نہیں پوری ملت کا ہے۔ اپنے عظیم باپ سے محروم صرف چار صاحبزادگان کا نہیں اُمت کے ہر جوان کا ہے، قائد صرف جمعیۃ علماء کا رخصت نہیں ہوا بلکہ ہر اسلامی تنظیم اور اس کے قائدین اپنے سرپرست و رہنما سے محروم ہو گئے، نیز سوگواری صرف دارالعلوم دیوبند کا نہیں، تمام مدارسِ اسلامیہ کا مقدر بنی ہے۔ طاقت صرف وابستگانِ دیوبند کی نہیں، تمام مسلمانوں کی کمزور ہوئی ہے، ماتم صرف اہل مذہب کا نہیں، اہل سیاست کا بھی ہے اور حادثہ صرف مسلمانوں کا نہیں پورے وطنِ عزیز کا ہے۔ عجیب شخصیت تھی اس عظیم قائد کی، ان کے جانے سے چاروں طرف ایک بھیانک خلا نظر آ رہا ہے، جس کا پر ہونا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔ ان کی وفات سے ہر فرد اور پوری قوم اپنے اعتماد سے محروم ہوئی ہے۔ عربی کا مشہور شعر شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا تھا ......۔

و ما کان قیس هلکه هلک واحد　　و لکنه بنیان قوم تهدما

(ترجمہ) قیس کی وفات ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ وہ ایک پوری قوم کی عمارت کا انہدام ہے۔

ہندوستان جیسے ملک میں جو مختلف اقوام کی آماجگاہ ہونے کے باعث اپنا ایک مخصوص ماحول رکھتا ہے، ملت کی کامیاب قیادت ایک نازک ذمہ داری ہے، جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عظیم اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت مرحومؒ کو باری تعالیٰ نے وہ قائدانہ صفات بھرپور طریقہ پر عطا فرمائی تھیں، جو ہر ملت کی قیادت کے لئے درکار ہیں اور ان صفات کی بدولت حضرتؒ نے ملت کی قیادت کا وہ معیار قائم فرمایا، جس کا نبھانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ ہر نازل ابتلاء کے موقع پر رہنمائی کے لئے نظریں انہی کی طرف دیکھتی تھی اور وہ اپنے خداداد اوصاف، بے مثال عزم وحوصلہ اور مخلصانہ جدوجہد سے دستگیری فرماتے تھے اور اپنی روحانی قوت اور پہاڑوں جیسی عزیمت سے طوفانوں کے رُخ موڑ دیتے تھے۔ ان کی شخصیت فتنوں کے مقابلے میں امن کے لئے دیک ڈھال کی حیثیت رکھتی تھی۔ افسوس آج اس ڈھال سے ہم محروم ہوگئے۔ حضرت مرحوم کی نمایاں صفات میں سے ایک ان کی جرأت وبیبا کی اور حق گوئی بھی تھی۔ انہوں نے بارہا ایوانِ حکومت میں نعرۂ حق بلند کیا۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے مسائل اُٹھائے اور تمام سیاسی حلقوں میں وزن پیدا کیا۔ فتنہ پرور کوئی فتنہ اُٹھانے سے پہلے ان کی طرف سے خائف اور لرزہ براندام رہتے تھے اور حکومتی حلقے بھی کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہزار بار سوچتے تھے۔

ان کی ذات سے ملت کا وقار قائم تھا اور پوری قوم کو ایک تقویت اور ڈھارس محسوس ہوتی تھی۔ ہم جیسے لوگ جوان کے اپنے ہیں کوئی تعجب نہیں، لیکن آج دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ ان کے جانے کے بعد تمام حلقوں کے لوگ ایک عجیب خلا کا احساس کررہے ہیں اور سب کو ایک عظیم سرمایہ سے محرومی اور اس عظیم سرپرست کی جدائی بے چین کررہی ہے۔

محمد عتیق صدیقی
نائب صدر جمعیۃ علماءِ ہند صوبہ دہلی

جلتے ہوئے مرادآباد میں داخل ہونے والی پہلی شخصیت ...... ملّی درد کا عکاس ایک واقعہ

مولانا سید اسعد مدنیؒ ایسے مسلم لیڈر تھے جن میں ملک وملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ مصیبت اور تکلیف کے وقت دادرسی کرنے والوں میں سب سے پہلے ہوتے تھے۔ انہوں نے کبھی جذباتی نعروں کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور نہ ہی ان کا سہارا لیا۔ انہوں نے کبھی کوئی کام دکھاوے یا ذاتی فائدے کے لئے نہیں کیا ہے۔ ان کا ہر کام، ہر قدم سنجیدگی، خلوصِ نیت اور دیانت داری پر محمول ہوتا تھا۔ انہوں نے ہر موقع پر ہوش مندانہ قیادت کا ثبوت دیا ہے۔ دہلی کا چھوٹا موٹا جھگڑا ہو یا میرٹھ، علی گڑھ، مرادآباد اور گجرات جیسے انسانیت سوز فساد مولانا مدنی ہمیشہ نہ صرف پہلے پہنچنے والوں میں ہوتے تھے بلکہ قانونی ودیگر امداد کے لئے بھی وہی پہل کرتے تھے۔

یوں تو ایسے واقعات سے ان کی زندگی عبارت ہے، لیکن راقم الحروف کو بھی چند ایک کا چشم دید گواہ ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ان میں اگست ۱۹۸۰ء کا عیدگاہ مرادآباد کا سانحہ بھی شامل ہے۔ ۱۴/اگست ۱۹۸۰ء کو عید الفطر تھی، میں نماز کے بعد دہلی گیٹ قبرستان ہوتے ہوئے حسب معمول مرکزی دفتر عبدالنبی گیا ہوا تھا کہ مرادآباد سے فون آیا جو اتفاق سے میں نے اُٹھایا، فون مدرسہ شاہی سے تھا۔ انہوں نے عیدگاہ میں پولیس فائرنگ اور اس کے بعد شہر میں ہو رہی افراتفری کی اطلاع دی۔ خبر تشویشناک تھی، دفتر میں موجود ذمہ داران نے اس کی فوری اطلاع اس وقت کے ناظمِ عمومی مولانا سید احمد ہاشمیؒ کو دہلی میں اور صدر مولانا سید اسعد مدنیؒ کو دیوبند میں دی۔ اس زمانے میں چونکہ آج کی طرح الیکٹرانک میڈیا نہیں تھا، اس لئے افواہوں کا بازار گرم ہوگیا۔ بہر حال خبر کی شدت کے پیش نظر مولانا مدنیؒ عید کی تقریبات موقوف کر کے فوراً دہلی آ گئے۔ دفتر میں مولانا کی موجودگی ہر ایک کو مستعد رکھتی تھی۔ لہٰذا دفتر میں تمام کام جنگی پیمانے پر شروع ہوگیا۔ متاثرین کی خبر گیری کے لئے وزراء کو، اربابِ اقتدار کو، سرکاری افسران کو اطلاع دینے اور ایکشن کرانے کے لئے فون کھڑ کنے لگے۔ اسی درمیان معلوم ہوا وزیر داخلہ گیانی

ذیل سنگھ حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود مرادآباد جا رہے ہیں۔ اس اطلاع نے حالات کو مزید بے چین کر دیا۔ ان کی بے چینی، ان کی پریشانی اس وجہ سے تھی کہ وزیر داخلہ کو سرکاری افسران یا پولیس صحیح صورتحال سے آگاہ نہیں کرائیں گے۔ وہ ان کے دورے میں ان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ تا کہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ کی گئی زیادتی سے باخبر کرا کے متاثرہ افراد سے ملایا جاسکے اور متاثرہ مقامات دکھائے جاسکیں۔ اس کے لئے انہوں نے اس وقت کے ہوم سیکرٹری سید مظفر حسین برنی سے وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ کے ساتھ ان کے ہیلی کاپٹر سے جانے کا انتظام کرانے کے لئے کہا۔

یہ تو ممکن نہیں ہوسکا البتہ اتنا ضرور ہوگیا کہ مولانا بذریعہ کار مرادآباد جائیں گے اور وہاں وزیر داخلہ کے دورے میں ان کے ساتھ رہیں گے مرادآباد کے ایم ایل اے حافظ محمد صدیق وغیرہم کو پیشگی اطلاع دی گئی۔ مولانا مدنیؒ حسب پروگرام مرادآباد اپنی کار سے پہنچے اور وزیر داخلہ کے قافلے میں شریک ہوئے۔ مولانا نے مقامی مسلم لیڈروں کی نشاندہی پر تمام ان فراد سے ملاقات کرائی۔ تمام ان مقامات کا دورہ کرایا جن کو بصورتِ دیگر سرکاری افسران اور پولیس نہیں کراتی۔

اس طرح مولانا سید اسعد مدنیؒ پہلے مسلم لیڈر اور غیر سرکاری شخص تھے جو فساد کے ۲۴ گھنٹے کے اندر ہی جلتے ہوئے مرادآباد میں داخل ہوئے تھے۔ مولانا کا مرادآباد کا مشن یہیں ختم نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تو نقطۂ آغاز تھا۔ اس کے بعد مرادآباد کا آنا جانا اس وقت تک جاری رہا، جب تک وہاں امن وامان قائم نہیں ہوگیا۔

الف۔عین۔دیوبندی

وہ بولتے تو ایوان لرز جاتا تھا

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ولادت کا سن دنیا کی غلامی اور غلامی کے خلاف اُٹھنے والی صداؤں کا سن تھا، مولانا نے آنکھ کھولی تو حریت کے متوالے کی گرج اور سامراجیت کی توپوں کی دھمک ہندوستان کی فضاؤں میں گونج رہی تھی، جس ماحول میں ان کے شعور کی تعمیر ہوئی وہ علم وعمل اور ذکرِ الٰہی کا ماحول تھا۔شعور کے پہلے پائدان پر قدم رکھا تو شفیق باپ کو دینِ اسلام پر جان نچھاور کرتے دیکھا۔کہا جاسکتا ہے مولانا سید اسعد مدنیؒ کا مزاج اور طبیعت جس خمیر سے تیار ہوا وہ حق گوئی، بیباکی، حوصلہ مندی، مجاہدانہ فکر، بے نیازی، راست روی جیسی خصوصیات سے معنون ہے۔

اسیر مالٹا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (متوفی ۱۹۵۷ء) اس زمین پہ آسمان تھے۔اس تحریکِ آزادی کے سرخیل کارواں کی بزرگی اور فقیرانہ شان کے تذکرے عام ہیں۔وہ ایسے شاہِ وقت تھے جنھوں نے دنیائے علم پر فقیرانہ شان سے حکومت کی۔مولانا سید اسعد مدنیؒ اسی عظیم شخصیت کے بڑے فرزند تھے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی پیدائش ۲۵/اپریل ۱۹۲۸ء کو ہوئی۔ایامِ طفلی میں ہی والدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔مولانا حسین احمد مدنیؒ آٹھ سال کی عمر میں شیخ الہند کے گھر میں آگئے تھے۔انہی کے آستانہ میں ان کی پرورش ہوئی۔چنانچہ جب مولانا سید اسعد مدنی کی ولادت ہوئی تو شیخ الہند کی صاحبزادی محترمہ بتول عثمانی سے مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ان کو دودھ پلوایا تاکہ مولانا اسعد مدنیؒ اس گھر میں ایک محترم اور دودھ شریک بھائی اور بیٹے بن کر رہیں، ایسا ہی ہوا بھی۔حضرت شیخ الہندؒ ان کے والد کے اُستاذ وشیخ تو تھے ہی ایک اعتبار سے مولانا سید اسعد مدنیؒ کے نانا کی حیثیت میں بھی تھے۔مولانا سید اسعد مدنیؒ نے انہی رضائی ماں بتول عثمانی کا زندگی بھر حق ادا کیا اور شیخ الہند کے نام کو روشن وتابندہ اور زندہ رکھنے میں اہم کارنامے انجام دیئے۔

مولانا کے حقیقی چچا سید احمدؒ کی صاحبزادی عائشہ سے ان کی شادی ہوئی۔ان سے مولانا کے یہاں ایک صاحبزادے نے جنم لیا۔ان کا نام احمد مدنی رکھا گیا۔موصوف آج کل مدینہ میں مقیم ہیں۔مولانا سید اسعد مدنیؒ کو

ہندوستان اور اپنے وطن سے والہانہ عشق تھا۔ ان کی چچا اور خسر چاہتے تھے کہ مولانا ہندوستان سے ہجرت کر کے مدینہ میں سکونت اختیار کریں جو انہوں نے کبھی قبول نہ کیا۔ اسی قسم کے کچھ حالات کے سبب پہلی اہلیہ سے جدائی ہوگئی، مولانا کا دوسرا نکاح مدرسہ عالیہ کلکتہ کے شیخ الحدیث مولانا حمید الدین کی صاحبزادی محترمہ بریرہ خاتون (متوفی ۲۰۰۰ء) سے ہوا۔ ان سے دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۹۳ء تک یعنی تین مرتبہ راجیہ سبھا کے رُکن منتخب ہوئے۔ مولانا مدنی کا راجیہ سبھا کے بااثر اراکین میں شمار ہوتا تھا۔ حزبِ اختلاف بھی مولانا کا احترام کرتا تھا، پارلیمنٹ میں ان کی حق گوئی مشہور تھی۔ اپوزیشن کے پاس بولنے کے لئے بہت کچھ ہوتا ہے مگر رولنگ پارٹی کے اراکین معذور و بےبس ہی ہوتے ہیں لیکن مولانا سید اسعد مدنیؒ کی جرأت مندانہ صفت یہ رہی کہ رولنگ پارٹی میں رہتے ہوئے بھی ایوان میں یہ کہنے کی جرأت رکھتے تھے (مسز اندرا گاندھی سے مخاطب ہوتے ہوئے) :

> ''میڈم آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے لفظ ''مسلم'' ہٹانے کی کوشش کر سکتی ہیں لیکن اگر آپ میں ہمت ہے تو ''بنارس ہندو یونیورسٹی'' میں لفظ ہندو کو نکالنے کی سوچ کر بھی دیکھئے۔ آپ کے نیچے سے یہ کرسی نکل جائے گی''۔

مولانا ملی معاملات میں اور قومی مفادات کے سامنے ''پارٹی لائن'' سے ہٹ کر بولنے میں نہیں چوکتے تھے، فسادات میں حکومت کی نقاب اُلٹ کر رکھ دینے میں بھی تکلف نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا کے دو بیانات جو انہوں نے اپنی ہی حکومت و انتظامیہ کے خلاف پارلیمنٹ میں دیئے، مثال میں پیش ہیں :

۲۲ر فروری ۱۹۷۳ء کو راجیہ سبھا میں صدارتی خطبہ پر اظہارِ تشکر کرتے ہوئے مولانا سید اسعد مدنیؒ نے کہا تھا :

> ''لوگوں میں بدکرداری بڑھتی جارہی ہے، بدکردار لوگ عام طور پر پولیس انتظامیہ وغیرہ میں داخل ہوگئے ہیں، فرقہ وارانہ جذبات والے بھی پولیس میں گھس گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتی بلکہ وہ ایسے کارنامے انجام دے رہی ہے جس سے جانور اور درندے بھی شرما جائیں۔ ابھی جو فسادات فیروز پور، بنارس وغیرہ مقامات پر ہوئے ہیں، ان میں پولیس نے جو رول ادا کیا ہے وہ بالکل لٹیروں اور فسادیوں جیسا ہے''۔

۲۵ر فروری ۱۹۸۲ء کو آپ کا بیان کچھ یہ تیور لیے ہوئے تھا :

> ''فرقہ وارانہ فسادات نہ تو کرفیو کی پابندی ہوتی ہے، کرفیو ایک طرفہ ہوتا ہے، قانون کا مذاق

اُڑایا جاتا ہے۔ چنانچہ مراد آباد میں جو لوگ مجرم تھے وہ نہیں پکڑے گئے جو غیر مجرم تھے افسران جس بات کا زبان سے اقرار کرتے ہیں ان کو گرفتار کیا گیا، اس طرح کا ذہن پیدا ہو رہا ہے۔ ظالم اور مظلوم کو نہیں سمجھتے، اگر وہ ان کی کمیونٹی کا ہوتا ہے تو ان کو پروٹیکشن دیتے ہیں، اگر وہ ان کی کمیونٹی کا نہیں ہوتا تو خواہ کتنا ہی مظلوم کیوں نہ ہو اس کے خلاف جھوٹے مقدمے قائم کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی کوئی دادرسی نہیں ہوتی''۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولانا سید اسعد مدنیؒ ایسے واحد رکن پارلیمنٹ تھے جو اپنی حکومت وانتظامیہ کے خلاف بھی بیباک بولتے تھے۔ محض راجیہ سبھا میں ہی نہیں، میڈیا کے ذریعہ بھی انہوں نے ''انصاف کی آواز'' کو بلند کیا ہے۔ ان ہی خصوصیات کے سبب ۱۹۸۶ء میں مولانا کو ''امیر الہند'' منتخب کیا گیا۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ کی شخصیت کے لئے راجیہ سبھا کی رکنیت ایک معمولی بات تھی، اس لئے انہوں نے اس کو بہت زیادہ خیال نہیں کیا۔ البتہ کانگریس کے وفادار رہے اور سمجھتے رہے کہ اس ملک میں قومی سطح کی سب سے کم خراب جماعت کانگریس ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں جب مسز اندرا گاندھی کو جیل بھیج دیا گیا تو مولانا سید اسعد مدنیؒ نے مسز اندرا گاندھی کی حمایت میں ملک گیر تحریک چلائی اور خود بھی اس پاداش میں جیل گئے۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ نے دنیا بھر میں لاکھوں لوگوں کو بیعت کیا۔

عبدالحمید نعمانی

دین وسیاست کا خوبصورت امتزاج

۶ رفروری ۲۰۰۶ء کا دن ملی، قومی ودینی حوالے سے ایک یومِ سیاہ کے طور پر یادرکھا جائے گا، جس کی شام ۵:۴۵ بجے دہلی کے اپولو ہسپتال میں جمعیۃ علماء کے صدر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا انتقال ہوا اور ۷ رفروری ۲۰۰۶ء کو دیوبند کے مزارِ قاسمی میں ملک وملت کے لئے سراپا جدوجہد، ایک مسلسل متحرک وجود کو لاکھوں افراد نے سپردِ خاک کردیا لیکن اسعدؒ قوم کے کردار وعمل، شخصیت، ملک وملت کی عظیمہ خدمات، بے شمار افراد کی روحانی تعلیم وتربیت اور سب کو خصوصاً علماء اہلِ دانش کو ساتھ لے کر چلنے چلانے کی منفرد صلاحیت کو تہہ خاک نہیں کیا جاسکتا ہے، وہ سب تاریخ کے اوراق کا حصہ بن چکے ہیں، جریدہ عالم پر ثبت اور قلوبِ زندہ پر نقش ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی اور بارہ سالہ دورِ تدریس، اس کے درودیوار گواہ ہیں۔ جمعیۃ علماءِ ہند کی دس سالہ نظامتِ عمومی اور ۳۳ سالہ صدارت کا عہد ہمیشہ یادرکھا جائے گا۔

ہم خود ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۲ء تک دیوبند میں اسعدؒ ملک وملت کے سراپا متحرک وجود کو دیکھتے ہوئے اور جولائی ۱۹۸۶ء سے اب تک تقریباً بیس سال سے بہت قریب سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال، رائے مشورہ لیتے، دیتے، فیصلے کرتے، دینی، ملی، ملکی، قومی، سیاسی، سماجی اُمور ومسائل پر سنجیدہ غور وفکر کرتے، ان کے حل کے لئے غلطاں وپیچاں اور پھر مضبوطی سے جرأت وہمت کے ساتھ اقدامات کرتے دیکھا۔ سب کچھ آئینہ کی طرح ہمارے سامنے ہیں، وہ دین سیاست کا خوبصورت امتزاج اور خدمتِ خلق، بندگی ربّ کا اعلیٰ نمونہ تھے، تصوریت اور خیال سے زیادہ ہر مسئلے کے عملی پہلو پر توجہ دیتے تھے، علم کی روشنی میں، عمل وتربیت اور تعلیم وتعلم کے فروغ کے لئے زیادہ کوشاں رہتے تھے، الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط تھے، جو لفظ برسوں جس مسئلے کے تعلق سے استعمال کرتے تھے، جب ضرورت ہوتی اسی کا استعمال کرتے، متبادل مترادف لفظ نہیں، یہ ہمارا پچاسوں بار کا تجربہ ومشاہدہ ہے، ان کی موجودگی میں کام کرنے کی بڑی ہمت اور اطمینان رہتا تھا کہ ہماری کمی خامی ان کی باوزن شخصیت سے چھپ جائے گی، چھتنار درخت کے سایہ کی طرح ان کے عظیم وجود کی چھاؤں میں وقت کی سخت دھوپ سے تحفظ ملتا تھا، اب جبکہ

ہم سے جدا ہو گئے تو ایک بڑا خلا اور محرومی کا احساس ہوتا ہے، ہمارا یہ احساس کسی مرید کی طرح عقیدت کے تحت پیدا شدہ احساس نہیں ہے بلکہ ایک ایسے ایماندار طالب علم کا احساس ہے، جو ہر چیز کو تجسس اور اس کو سمجھنے والا ذہن رکھتا ہے اور وہ اس کی بہت قدر کرتے تھے۔ وہ کسی کام میں قدرے تاخیر سے کبھی کبھار خفا بھی ہوتے، ڈانٹ بھی دیتے، لیکن اس میں بڑا پیار ہوتا تھا، مسئلے کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھنے کی تاکید کرتے اور جب تحریر تیار ہو کر جاتی تو خوش ہوتے تھے، کچھ دیر پہلے کی ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، کیونکہ بات کرنے اور کام کرنے والوں کو اچھی طرح جانتے تھے، بات تو بات ہے، اگر کبھی کبھار کام میں تاخیر ہو تو یہ مسئلہ نہیں ہے کیونکہ کام کرنے والے سے ہی تاخیر ہوتی ہے جو کام ہی نہ کرے، اس سے تاخیر کا کیا مطلب؟

اسعد قوم کی کچھ باتوں سے بہت سے لوگ اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن یہ سب مانتے ہیں کہ وہ لگن کے آدمی، دھن کے پکے اور تعلیم و تربیت، جرأت و ہمت، وضع داری، رکھ رکھاؤ، مقاصد کے تئیں بیداری کا نمونہ اور اربابِ اقتدار کے سامنے ملک وملت کے مسائل کو لاگ لپیٹ کے بغیر جھکے، بے باکی سے کہنے کے عادی تھے، وہ ملک وملت کے مسئلے کو ہندو مسلم مسئلہ نہیں بناتے تھے، حتیٰ کہ بابری مسجد کے مسئلے کو بھی ہندو مسلم مسئلہ کے بجائے فرقہ پرستوں کی سازش کا نتیجہ اور انصاف اور سچائی کا مسئلہ بتاتے تھے، وہ ہر طرح کی فرقہ پرستی کے خلاف اور ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے، قومی اتحاد اور جمہوریت اور سیکولرزم کے تحفظ اور امن و قانون کی بالاتری کے لئے سدا کوشاں رہے، یہ انہیں اپنے عظیم والد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ورثہ میں ملا تھا، تاہم ان کی عملی اور ملی وقومی زندگی کا آغاز جمعیۃ علماء اتر پردیش کے صدر ہونے سے ہوا' اور تین سال بعد ۹ راگست ۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سیکرٹری اور ۱۱ راگست ۱۹۷۳ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ مسلسل ۳۳ سال تک بلا مقابلہ صدر منتخب ہوتے رہے، یعنی ۴۳ سال جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وقوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جبکہ ملک کے ایوانِ بالا (راجیہ سبھا) میں ۱۸ سال، تین ٹرم ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۴ء تک اقلیتوں اور ملک وقوم کے مسائل کو پیش کر کے حکومتِ وقت کو ان کے حل پر مسلسل توجہ دلائی اور کہنا چاہئے کہ ان کی کامیاب نمائندگی کی۔ ۱۹۶۲ء میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کے سانحۂ ارتحال سے مظلوموں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے لئے اور فرقہ پرستی، ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنے کے سلسلے میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا، اسے مولانا سید اسعد مدنیؒ نے بخوبی پُر کیا۔

پورے ملک میں یہ تأثر عام تھا کہ اب مظلوموں، اقلیتوں کا کیا ہوگا، اس کا مکمل جواب مولانا مدنیؒ کے شکل میں ملک وملت کو ملا اور کچھ ہی عرصہ میں ملت کی مایوسی اُمید میں بدل گئی، راقم کی ترتیب اور مولانا محمود مدنی کی

توجہ سے ان کی ۱۸ سالہ پارلیمانی تقاریر ''صدائے حق'' کے نام سے الجمعیۃ بک ڈپو سے شائع ہوگئی ہیں، ان کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولانا مدنیؒ نے ملت کی نمائندگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اس کے جذبات کو صحیح عنوانات دینے کا لائقِ تحسین کام کیا ہے، مسئلہ آسام، شہریت کے مسائل، بابری مسجد، مقابر، مساجد کا تحفظ، فسادات کی روک تھام، ریلوے، امن وقانون کی بحالی، مسلم یونیورسٹی، اس کا اقلیتی کردار، اقلیتوں خصوصی مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ، تحفظِ شریعت، زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے متناسب نمائندگی، یکساں سول کوڈ، اوقاف، ہندو مسلم اتحاد، فرقہ پرست عناصر کی تخریبی سرگرمیاں جیسے اُمور پر مولانا مدنیؒ نے جس جرأت وصفائی سے اپنے نقطۂ نظر وخیالات کو پیش کیا، حتی کہ اپنی پارٹی کے خلاف بھی جس بے باکی سے محض انصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور امن وقانون کی بالاتری کیلئے آوازِ حق بلند کی ہے، وہ صداقت شعاری، حق گوئی کی روشن مثالیں ہیں۔ انہوں نے مظلوموں کی حمایت اور حب وطن کی ایک تاریخ رقم کی ہے، ایسی مثال کم ملتی ہے کہ پارٹی مفاد سے اوپر اُٹھ کر محض انصاف اور سچائی کے حق میں آواز بلند کی گئی ہو، لیکن مولانا مدنیؒ نے اس شاندار روایت کی پوری پاسداری کی۔

اسی طرح جمعیۃ علماءِ ہند کے اجلاس ہائے عام کے خطبہ ہائے صدارت اور مختلف مواقع پر مختلف اجلاسوں، کانفرنسوں کی صدارتی وافتتاحی کلمات وبیانات بھی ان کی بیدار مغزی، ژرف نگاہی اور بصیرت افروزی کے عمدہ نمونے ہیں۔ ان کی قیادت میں جمعیۃ علماءِ ہند مسلمانوں کی حیثیت سے اُبھری، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی باز آبادکاری میں تاریخی ومثالی رول ادا کیا ہے، انسانی حقوق کی پاسداری اور کمزور طبقوں کی تعلیمی و اقتصادی ترقی کے لئے ان کے کام سے جمعیۃ کو بڑا وقار واحترام ملا۔ ان کے عہدِ نظامت وصدارت میں ملک وملت کا شاید کوئی مسئلہ ہو، جو جمعیۃ علماءِ ہند کا مرکز توجہ نہ بنا ہو۔ وقت کے تمام مسائل اس کے احاطہ جدوجہد میں رہے ہیں' سینکڑوں دینی، سماجی، فلاحی اداروں کی سرپرستی ورکنیت کا شرف انہیں حاصل رہا ہے، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ' مؤتمر اسلامی تونسیہ، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، مرکزی وقف کونسل، اُردو کونسل، ہمدرد ٹرسٹ، مرکزی حج کمیٹی کے رُکن ہونے کے علاوہ مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلسِ مشاورت کے بانی ارکان میں سے تھے۔ مولانا مدنیؒ کی شخصیت مختلف شعبہ ہائے زندگی کو محیط اور ملک وبیرونِ ملک میں رہنے والے مسلمانوں کی دینی، ملی رہنمائی، دعوت وتبلیغ، روحانی تربیت، سب ان کا محورِ عمل اور میدانِ کار تھیں، ان کی شخصیت ایسی تھی کہ ملک وبیرونِ ملک میں چھائی ہوئی تھی، جب نگاہ اُٹھی وہ مرکز میں رہی، ان کو نظر انداز کرنا مشکل تھا، انہیں

محبوبیت وفدائیت کا مقام حاصل تھا۔تاحیات منصب رشد وہدایت پر فائز رہے،گرچہ انہیں اصلاً خصوصی خلافت و اجازت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے حاصل تھی، تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تمام خلفاء وخدام نے متفق ہوکر اجازت سے نوازا تھا۔اس حوالے سے ان کا حلقہ بہت وسیع ہے۔اس سلسلے میں ان کے اتنے تبلیغی ودعوتی اسفار، ملک وبیرونِ ممالک ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے سیاح بھی ان سے پیچھے رہ جائیں گے۔

عبادت اور ذکر وفکر کا انہماک ومعمول مثالی تھا، مدھیہ پردیش کے مفتی مولانا عبدالرزاق صاحب اور دوسرے بہت سے حضرات سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمیں مولانا اسعد مدنیؒ کی نماز نے گرویدہ بنایا ہے، سیاسی حلقوں میں بھی انہیں احترام حاصل تھا۔تمام سیاسی پارٹیوں کے ذمے دار لحاظ کرتے تھے اور ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے، ان کی باتوں پر توجہ دیتے تھے، لکھے خطوط کو قابلِ اعتنا سمجھتے تھے، جنہیں ہرضرورت مند کی خاطر متعلقہ پارٹیوں اور افراد کو بلا جھجک لکھتے رہتے تھے، چاہے دینی حلقہ ہو یا سماجی، سیاسی سب میں مولانا مدنیؒ کو بڑا اعتبار حاصل تھا۔ان کے ہم سے جدا ہو جانے سے مختلف سطحوں پر ایک بڑا خلاف پیدا ہو گیا ہے۔اس کا ملک وملت کو شدت سے احساس ہے، جیسا کہ مختلف حلقوں کی طرف سے سامنے آنے والے تعزیتی بیانات وتأثرات سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ کہاں تک وسیع تھا، ملت کا یہ احساس ہی ان کے کردار وعمل کی پائیداری اور زندگی کا ثبوت دیتا رہے گا اور واقعہ یہ ہے کہ زندگی تو عمل سے ہی بنتی ہے، جسمانی وجود سے نہیں اور اسعدؒ قوم نے اپنے سراپا جدوجہد اور متحرک وجود سے عمل کی تحریک وترغیب پیدا کی ہے، ملک وملت کو حیات بخش رہنمائی دی ہے، جو ناقابلِ فراموش بھی ہے اور ہمیں روشن مستقبل اور مسلسل جدوجہد کی طرف لے جانے والا بھی۔

حسیب صدیقی (صدر کل ہند مسلم اقتصادی کونسل)

اقتصادی تحریک اور مولانا مدنیؒ

ہندوستان کی آزادی کے بعد مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور معاشی پسماندگی کے موضوع پر مولانا سید اسعد مدنیؒ نے سب سے پہلے غور وفکر شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس اقتصادی تخیل کو عملی جامہ پہنانے کا نقطۂ آغاز ۱۹۶۱ء میں مسلم فنڈ کے عنوان سے دیو بند کی تاریخ ساز سرزمین پر ہوا اور میری خوش بختی کہ اس بلاسودی اقتصادی تخیل کو عملی شکل سے ہمکنار کرنے کے لئے مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پہلی نظرِ انتخاب اس ناچیز پر پڑی اور انہوں نے اس تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طریقۂ کار مرتب کرنے کی اہم ذمہ داری میرے ناتواں کاندھوں پر رکھ دی۔ بظاہر یہ کام بہت مشکل اور نیا تھا، مگر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سامنے زانوے ادب طے کرنے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خصوصی توجہ کا یہ روحانی فیضان کہ ناچیز نے مفتی اعظم دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحبؒ کی شرعی رہنمائی میں ایک ایسا طریقۂ کار مرتب کرلیا جسے عملی کام کا نمونہ بنایا جاسکا۔

دیو بند میں مولانا سید اسعد مدنیؒ کی قیادت میں بلاسودی نظام کے تحت مسلم فنڈ چل رہا ہے، اپنے اس ۴۴ سال کے طویل سفر میں رفاہی اور فلاحی پروگراموں کے تحت تعلیمی اور حفظانِ صحت سے متعلق ضرورتوں کو پورا کرتا آرہا ہے۔ مسلم فنڈ کا تصور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تھا، جس کو مولانا سید اسعد مدنیؒ نے آگے بڑھایا۔ بینکنگ نظام میں اور موجودہ تجارتی اُصولوں کے مطابق سود کا لین دین معاشرے کے لے ناگزیر ہے، تاہم مسلم فنڈ ایک چھوٹی اکائی کے طور پر مسلم معاشرے کو سود کی لعنت سے محفوظ رکھنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ مسلم فنڈ نظام پسماندہ اور متوسط طبقے کی امداد اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا ایک پیکج ہے۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ کی زیرسرپرستی چلنے والا مسلم فنڈ نظام ایک وسیع بلاسودی نظام کا تصور پیش کرتا ہے۔ عملی دشواریوں اور قانونی پیچیدگیوں کے باوجود اگر مخلصانہ انداز پر کوشش کی جائے تو پورے ہندوستان میں اس نظام کو ایک آئیڈیل کے طور پر نافذ کر کے ملت کے لئے بڑے کام کیے جاسکتے ہیں۔ اس کی مثال دیو بند کے مسلم فنڈ نے عملی طور پر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی

ہے۔مولانا اسعد مدنیؒ کی زیر سرپرستی سے اس ادارے نے دیوبند میں دخترانِ ملت کے لئے علمی دانش گاہ (گرلز اسکول) اور مسلم نوجوانوں کے لئے روزگار سے جوڑنے والا مدنی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (آئی ٹی آئی) موٹر ڈرائیونگ اسکول جیسے صنعتی تربیتی ٹریننگ کورس شروع کر کے ان کو کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار کیا اور نسلِ نو کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔اس جدوجہد میں کامیابی حاصل کر کے مولانا مدنیؒ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آج مسلمان نوجوانوں کو اگر کوئی چیز روزگار سے جوڑ سکتی ہے تو وہ صرف ٹیکنیکل ایجوکیشن ہے۔آج اس ادارے سے نکلے ۹۰ فیصد نوجوان روزگار پر ہیں جو ہندوستان ہی میں نہیں بیرونِ ہند میں روزگار سے جڑے ہوئے ہیں۔اسی طرح اس مجاہد کے زیر سرپرستی چلنے والے اس ادارے نے دیوبند میں حفظانِ صحت اور غریبوں کے علاج معالجہ کے لئے کئی مؤثر اقدامات کیے، اسی کے تحت اس نے آنکھوں کے علاج اور آپریشن کی سہولتیں مدنی آئی ہسپتال کے ذریعہ عوام تک پہنچائی ہیں۔درحقیقت مولانا سید اسعد مدنیؒ ایک فعال اور متحرک شخصیت تھے۔وہ جو کہتے تھے وہ کر کے دکھلاتے تھے۔سچ بولنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی ہر ہر سطح پر سیاسی، معاشی اور اصلاحی پروگراموں کی خوب خوب آبیاری کی ہے۔آج مولانا سید اسعد مدنیؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ضرورت ہے کہ ان کی اس تحریک کو آگے بڑھایا جائے۔حضرت مدنیؒ سے ۴۴ سال کی دیرینہ رفاقت اور قربت کا جو مجھے اعزاز حاصل ہے، اس میں میری تربیت کے ساتھ ساتھ میں نے پایا کہ حضرت کے یہاں ملی دردمندی کا جذبہ ہمیشہ زندہ رہا۔وہ مظلوموں کے ہم نوا، غریبوں کے غمگسار اور مذہبی معاملات میں نہایت پختہ عزم اور بیباک طبیعت کے مالک تھے، جس بات کو حق سمجھتے تھے اس میں مصلحت کوشی ان کے یہاں حرام تھی۔سفر اور حضر میں منکسر المزاج، متواضع اور خلیق پایا۔آج بھی ذہن و دل میں ایسے بہت سے واقعات سرگوشیاں کر رہے ہیں جس سے میری زندگی میں اُجالا ہے اور وہ عام آدمی کے لئے سبق آموز ہیں۔

تحریر: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہانپوری
جنرل سیکریٹری مجلس یادگار شیخ الاسلام۔ پاکستان

جمعیت علمائے ہند کا اقتصادی اور معاشی پروگرام

جمعیت علمائے ہند براعظم ہند و پاکستان کے علمائے دین کی تنظیم ہے۔ اس کے بانی وہ علماے دین تھے جن کا ذوق خدمت مذہب و سیاست کے کسی ایک دائرے میں محدود نہ تھا۔ وہ جس طرح علوم و معارفِ دینی میں گہری نظر رکھتے تھے اسی طرح وقت کے سیاسیات اور اس کی رفتار کی گہری بصیرت اور حالات کے تقاضوں اور مسائل کا ادراک رکھتے تھے۔ جس طرح مذہب و سیاست میں ان کی نظر گہری تھی اسی طرح ان کی نظر میں وسعت اور عزائم میں بلندی بھی تھی۔ وہ ملک کے حدود میں مسلمانوں کی خدمت پر کمربستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ عالم اسلامی کا کوئی خطہ ان کے دائرۂ خدمت سے باہر نہ تھا اور جب وہ براعظم پاک و ہند کے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے عازم سفر ہو رہے تھے تو گویا انھوں نے اس خطے کی تمام غلام قوموں کو غلامی کے پنجے سے نجات دلانے کا عزم کیا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں یہ براعظم جس استعماری قوت کے پنجۂ استبداد کی انانیت میں تھا اس کی ستم رانیاں جنوب مشرقی ایشیا کے دور کے ممالک تک اور شمالی مغربی ایشیا کے ممالک سے لے کر شمالی اور جنوبی افریقہ کے ممالک تک دراز تھیں۔ استعمار نے غلامی کی ایک ہی زنجیر سے سب کو جکڑ لیا تھا۔ اس عالم غلام آباد میں براعظم ہند پاکستان کو وہ اہمیت حاصل تھی کہ جب تک کہ یہاں غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہ جاتا ایشیا و افریقہ کے کسی ملک کی آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا تھا۔ چناں چہ دنیا نے دیکھ لیا کہ براعظم ہند پاکستان کی آزادی کے ساتھ ہی قریب و بعید کے ممالک کی زنجیریں ٹوٹنی شروع ہوگئیں اور ۱۹۴۷ء پر ابھی ربع صدی نہ گزری کی بیسیوں ممالک آزاد ہوگئے۔

جمعیت علمائے ہند کے بزرگ جانتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی ایشیا و افریقہ کے تمام غلام ملکوں کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور آزادی کے اس تصور اور جد و جہد ہی سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی تحریک کی کامیابی وابستہ ہے۔ مذہب و سیاست کی یہ جامعیت رہنماؤں کے فکر اور عزائم ہی میں نہ تھی، جمعیت کے مقاصد کے حروف

وسواد میں بھی نمایاں تھی۔

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ہمہ قسم کے دینی، تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی اور ان کے معاشی واقتصادی مسائل بھی جمعیت علمائے ہند کے مقاصد اور اصلاح وترقی کے دایرے سے خارج نہ تھے۔ جمعیت علما کے بزرگوں نے سیاسی تحریکات کے ہجوم اور اتحاد واتفاق کے پر جوش نعروں میں بھی اتحاد بین المسلمین، تنظیم مسلمانان، قیام ملت کے مساعیٔ حسنہ، مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح، اسلام کی تبلیغ، ارتداد کے سدِ باب، سنگھٹن کی تحریک کے رد، مسلمانوں کے تحفظ کی ضرورتوں سے کبھی نہ تو چشم پوشی کی نہ کوتاہیٔ عمل کا ثبوت دیا۔

جمعیت علمائے ہند نے تحریک خلافت کے دور میں سیاسی خدمات کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ اسی سلسلے میں ترک موالات کے پروگرام نے ملک کی رہنما قوتوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اس کے بعد تحریکات کا ایک سلسلہ شروع ہوا جو ۱۹۴۷ء تک دراز ہوتا رہا اور دنیا جانتی ہے جمعیت علمائے ہند کے رہنماؤں اور اس کے کارکنوں نے کس طرح سردھڑ کی بازی لگا کر ہر تحریک میں حصہ لیا اور کیا کارنامے انجام دیے۔ لیکن میں یہاں مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے جمعیت علمائے ہند کی کوششوں پر روشنی ڈالوں گا۔

اس میدان میں جمعیت کی خدمات کے کئی دائرے ہیں :

- پہلا دائرہ تو یہی ہے کہ جمعیت نے حصولِ آزادی سے پہلے سے مسلمانوں کی معاشی امداد ورہنمائی کے لیے کئی اسکیمیں بنائی تھیں اور فنڈ قائم کیے تھے۔ ان کا سلسلہ آزادی کے بعد نہ صرف قائم رہا بلکہ اس سلسلے میں بہت ترقی ہوئی۔

۱۔ دوسرا دائرہ یہ تھا کہ آزادی کے بعد خصوصاً حکومت نے پس ماندہ اقوام کی معاشی بدحالی کو دور کرنے کے لیے ان کی تعلیم میں سہولتوں، وظائف کے اجرا، ٹیکنیکل اداروں کے قیام اور گھریلو دست کاریوں کے فروغ کے ذریعے، معاشی واقتصادی امداد کی مختلف اسکیموں کے ذریعے، صنعت وحرفت کے فروغ کی اسکیموں، کمرشل انسٹی ٹیوٹس اور ٹریننگ سینٹر قائم کرکے معاشی بدحالی دور کرنے کے جو انتظامات حکومتوں نے کیے ان سے فائدہ اُٹھانے کے بے روزگاروں اور بدحالوں کی صحیح رہنمائی کرنا جمعیت کی خدمات کا بہت بڑا میدان رہا ہے اور اس کا بہت فائدہ ہوا ہے۔

۲۔ جمعیت کی خدمت کا تیسرا میدان یہ ہے کہ خود اس نے بہت سے ٹیکنیکل ادارے قائم کرکے اور مختلف دست کاریوں اور صنعتوں اور حرفتوں کے سیکھنے کے لیے سہولتیں پیدا کرکے اور بعض پیشوں کی تربیت کے انتظامات سے بے روزگاروں میں ایسی صلاحیتیں پیدا کردیں جس سے مستفید ہوکر ہزاروں معاشی بدحال اور بے روزگار اپنے

پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن گئے۔ اس انتظام کے علاوہ جمعیت نے ضرورت مندوں کو تعلیمی وظائف کے اجرا اور چھوٹے کاروباروں اور پیشوں کے آغاز کے لیے قرضے کے انتظامات کے سلسلے میں ایسے فنڈ اور اسکیمیں جاری کیں جن سے بے روزگاروں کی معاشی بدحالی دور کرنے میں مدد ملے۔

اسی طرح جمعیت نے اپنی کوششوں سے مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی بدحالی دور کرنے کی ایک مستقل تحریک پیدا کر دی، جس سے ہزاروں لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

جمعیت علمائے ہند کے دائرہ حرکت میں اس کے قیام کے ابتدائی دور ہی سے سیاسی، دینی اور اصلاحی خدمات کے ساتھ عملی تعمیر کے بنیادی اور اہم کاموں میں مسلمانوں کی) معاشی واقتصادی حالات کو سدھارنے اور ان کی بدحالی کو دور کرنے کی طرف توجہ دی گئی تھی اور بعض اسکیموں کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ لیکن ملک جن رستاخیز حالات سے گزر رہا تھا ان میں معاشی اور اقتصادی منصوبوں کی طرف پوری توجہ نہ دی جاسکی تھی۔ آزادی کے بعد اس مسئلے کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی اور اس پر توجہ دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ابھی حیات تھے۔ قدرت نے انھیں اس باب میں خاص ذوق اور گہری بصیرت ودیعت فرمائی تھی۔ حضرتؒ کو احساس تھا کہ معاشی بدحالی صرف تن پیٹ کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ انسان کے اخلاق وتہذیب کو تباہ کر دینے والا مہلک مرض ہے اور ایک اچھی سوسائٹی کی تعمیر کی راہ کا سنگ گراں ہے۔ حضرتؒ نے اپنی زندگی میں معاشی واقتصادی حالات کی درستگی کے لیے تحریک کا آغاز کر دیا تھا اور جمعیت علمائے ہند کے ارکان کو خاص طور پر متوجہ کر دیا تھا۔

یہی معاشی تحریک اس مضمون میں خاک سار کا موضوع ہے۔ جانشین شیخ الاسلامؒ امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کے دور میں اس تحریک کو خاصا فروغ حاصل ہوا اور اس کے فیضان سے ملت کی کھیتی سیراب ہوئی۔ اس تحریک کے حوالے سے ۱۹۷۶ء کو جمعیت کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس کی مجلس منتظمہ نے تفصیل کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر ایک مفصل اور جامع پروگرام مرتب کیا اور ان تمام امور کو نہ صرف دستور کا حصہ بنا دیا بلکہ جمعیت کے ہر رکن پر لازم کر دیا کہ وہ اپنے ذوق وصلاحیت کے مطابق پروگرام کے کسی جز کی تکمیل میں لازماً حصہ لے گا۔ یہ پروگرام چھ حصوں پر مشتمل ہے ہم ان میں سے دنیاوی تعلیم، سماجی خدمات اور اقتصادی پروگرام کی دفعات کو نقل کرتے ہیں۔ معاشی واقتصادی پروگرام کی تکمیل میں دنیاوی تعلیم کی نوعیت اور بنیاد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پروگرام ملاحظہ کیجیے:

دنیاوی تعلیم :

الف: ابتدائی بنیادی تعلیم میں دینی اور دنیاوی دونوں مضامین کا انتظام کرنا۔ ب: اسکول اور کالج قائم

کرنا اوران میں مذہبی اور ٹیکنیکل تعلیم کا بھی بندوبست کرنا۔ ج: طلبہ کے لیے تعلیمی وظائف فراہم کرنا۔ د: ٹریننگ سینٹر یا کیمپ کھول کر اساتذہ کو طریقۂ تعلیم اور اصول تربیت سکھانا۔

طریقۂ کار :

۱۔ ہر ریاست میں مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم مان کر ابتدائی تعلیم کا ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو دینی اور دنیاوی دونوں مضامین کو درجہ وار شامل ہو۔

۲۔ ہر بڑی آبادی میں درجۂ پنجم تک مکاتب اسلامیہ چلائے جائیں اور سرکاری معیار کے مطابق تعلیم دی جائے۔

۳۔ اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے بچوں اور بچیوں کے لیے جز وقتی شبینہ یا صباحی مکتب قائم کیے جائیں اوران کے لیے صرف دینی مضامین کا مختصر نصاب بنایا جائے۔

۴۔ تعلیم بالغان کا بندوبست کر کے لوگوں کو مادری زبان لکھنا پڑھنا اور اسلامی عقائد و مسائل سکھائے جائیں۔

۵۔ بڑی آبادیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکول اور کالج قائم کر کے علم و ہنر کو عام کیا جائے اوران میں مذہبی واخلاقی مضامین کو بھی لازمی بنایا جائے۔ نیز ان میں فنی تعلیم و تربیت کے سینٹر کھول کر نوجوانوں کو فنکار اور ہنرمند بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور ترغیب دی جائے۔

۶۔ تعلیمی فنڈ قائم کر کے ہونہار طلبا کو وظیفے دیئے جائیں یا اوقاف اور اہلِ خیر حضرات سے شخصی وظائف دلائے جائیں۔

سماجی خدمات :

الف: مختلف مذہبی فرقے کے لوگوں کا مشترکہ اجتماع کرنا۔ ب: شرعی پنچایت قائم کر کے خاندانی تنازعات کو ختم کرانا۔ ج: شہری ضروریات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنا۔ د: مزدوروں، کسانوں اور پس ماندہ لوگوں کی خدمت کرنا۔ ہ: یتیموں، بیواؤں، مجبور لوگوں اور غریب لڑکیوں کی شادی کرانے میں مدد کرنا۔ د: فضول رسم و رواج اور اسراف بے جا کی اصلاح کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا۔

طریقۂ کار :

۱۔ مشترکہ اجتماعات وہی حضرات بلائیں جو مختلف فرقوں کے لوگوں میں رسوخ رکھتے ہوں اور اس اجتماع

میں ایسے ہی مسائل لائے جائیں جو مختلف فرقوں کی دل چسپی کے ہوں اوران کو باہم قریب کرسکیں۔مثلاً اخلاق، تعلیم، چھوت چھات، اونچ نیچ، علاقائی ترقی، سماجی سدھار وغیرہ۔

۲۔ شرعی پنچایت (مطلوبہ ضابطے) کے مطابق زن وشوہر کے باہمی تنازعات کو شریعت کی روشنی میں طے کراکے خاندانی کشیدگی کم کرانے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ کسی آبادی کی عام ضرورتوں میں بلا اختلاف مذہب وملت اور بلالحاظ ذات پات سب کی ضرورتوں میں کام آئیں۔بالخصوص سیلاب، آتش زدگی، وبائی امراض وغیرہ میں سب کی خدمت کی جائے۔

۴۔ تلک، شادی اور بارات کی فضول خرچیاں، بیواؤں کی شادی نہ کرنا، پیدائش یا موت کے غلط قسم کے رواج وغیرہ کے خلاف رائے عامہ اتنی بیدار کی جائے کہ اجتماعی شکلوں میں یا رضا کارانہ طور پر کسی رسم ورواج کو چھوڑ دینا آسان ہوجائے۔

۵۔ ایسے سینٹر کھولے جائیں جہاں مختلف فرقوں کے بچے اور نوجوان مل جل کر صحت وقوت کے لیے کھیل کود یا ورزش میں حصہ لے سکیں۔

اقتصادی پروگرام :

الف: مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔

ب: کارپوریشن یا کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعے کاروبار کو فروغ دینا۔

ج: گھریلو دست کاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

طریقۂ کار :

۱۔ مسلم فنڈ ان اصولوں اور ضابطوں سے چلایا جائے جن کا تجربہ مختلف مقامات پر کامیاب رہا ہے، تاکہ ضرورت مند سود کی لعنت سے نجات پائے اور عام لوگ مالی بچت کے عادی ہوجائیں، جس سے ان کا اوران کے بچوں کا مستقبل سرسبز ہوسکے۔

۲۔ (الف) امدادی فنڈ قائم کیے جائیں۔اس کے لیے باہمی اعتماد کے سات یا نو اشخاص کو بنیادی ممبر بناکر متفقہ طور سے فنڈ کا کوئی ناظم منتخب کیا جائے اور ہر سہ ماہی پر پورے حساب وکتاب کی جانچ کی جائے اور مشورے دیئے جائیں۔

(ب) ذرائع آمدنی حسبِ ذیل ہوسکتے ہیں۔مثلاً: (۱) ماہانہ فیس ممبری (۲) عطیہ (۳) امانت (۴)

فصل یا سیزن یا تہوار یا شادی کے موقع پر کیے ہوئے ہنگامی چندے (۵) زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی اور صدقہ (۶) فنڈ کا دستور العمل فارم درخواست وغیرہ کاغذات کی قیمتیں۔

(ج) پورا سرمایہ مثلاً حسب ذیل مدوں میں اس طرح بھی صرف کیا جا سکتا ہے :

(۱) دس فیصدی سے یتیموں، بیواؤں اور معذور لوگوں کی امداد۔

(۲) بیس فیصدی سے مدارس، اسکول، دار المطالعہ اور صنعتی اداروں کی امداد۔

(۳) پانچ فیصدی سے غریب لڑکیوں کی شادی میں امداد۔

(۴) پانچ فیصدی سے مسجد، مسافر خانہ یا ہسپتال کی مرمت، تعمیر یا ترقی۔

(۵) دس فیصدی سے نادار طلبا کی تعلیمی امداد یا وظیفے۔

(۶) چار فیصدی سے لاوارث میت یا بے چارہ مسافر کی اعانت۔

(۷) چھ فیصدی سے دینی، اخلاقی اور اصلاحی لٹریچر کی ترتیب واشاعت۔

(۸) پچیس فیصدی سے زیور یا قیمتی سامان کی ضمانت پر بلا سود قرض۔

(۹) پندرہ فیصدی سے دفتری نظم وضبط قائم کرنا اور اس کو چلانا۔

۳۔ تاجر یا صنعت کار یا پیشہ ور لوگوں پر مشتمل ایسا مالی کارپوریشن بنایا جائے جو مقامی کاروبار اور تجارت وغیرہ کو اجتماعی کوششوں سے فروغ دے یا اسے کنٹرول کرے۔ نیز جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں اپنی نگرانی میں مناسب انتظام کرائے۔

۴۔ جہاں گھریلو صنعتوں یا چھوٹی دست کاریوں کا رواج ہو یا آسانی سے چل سکتی ہوں وہاں امدادِ باہمی کی سوسایٹی قائم کر کے ان کاموں کو ترقی دی جائے۔ ان کی سرپرستی کی جائے اور ان میں غریب اور پس ماندہ لوگوں کو کام سکھانے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً موم بتی، اگر بتی، صابن، لفافے، موزے، بنیان اور سویٹر وغیرہ۔

۵۔ بے روزگار مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کے لیے سینٹر کھول کر ان کو سلائی، رنگائی وغیرہ یا لوہے لکڑی کے مختلف کام یا سائیکل موٹر اور ریڈیو وغیرہ کی مرمت کے ہنر سکھائے جائیں۔ پھر سیکھنے والوں اور فن کاروں کو بھی سوسایٹی کے منافع سے ایک حصہ دیا جائے۔

۶۔ ہنر مند لوگوں کو آسان قسطوں پر کچا مال فراہم کر کے انھیں بازار سے کسی مناسب کاروبار میں مشغول کر دیا جائے اور انھیں خود کفیل بنانے کی سعادت حاصل کی جائے۔

اب ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۶ء تک جمعیت کی بیس سالہ جدو جہد پر ایک نظر واپس ڈال لیجیے کہ جمعیت کے ہر صدر نے اپنے دور میں مسلمانوں کے سماجی اور معاشی و اقتصادی مسائل کو کتنی اہمیت دی اور بہ طور ہدف کے ان

مسائل کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

ا۔ ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماے ہند کا انیسواں اور آخری اجلاس عام جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی زیر صدارت سورت میں منعقد ہوا تھا، اس اجلاس میں مسلمانوں کے اقتصادی مسائل سے متعلق ایک تجویز منظور کی گئی، جس کے ذریعے ہندوستان میں ملت کے تمام افراد اور طبقات کو اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے لیے حکومت کی ترقیاتی اسکیموں سے فائدہ اُٹھانے پر متوجہ کیا گیا۔ یہ تجویز اجلاس کی آخری نشست ۲۹؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ساڑھے تین بجے شام مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے پیش کی تھی۔ اس آخری نشست کی صدارت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کر رہے تھے۔ بحث و مباحثے کے بعد حسب ذیل الفاظ میں بالاتفاق منظور کی گئی۔

''وطن عزیز کے وہ ترقیاتی منصوبے جن کا پہلا پنج سالہ دور ختم ہو کر دوسرا پنج سالہ دور شروع ہو گیا ہے، ان کے ذریعے ملک نے جو ترقی اب تک کی اور آیندہ کے لیے جو بہتر توقعات کی راہیں کھلیں وہ ملک کے ہر باشندے کے لیے باعث مسرت واطمینان ہے۔

جمعیت علماے ہند کو یقین ہے کہ ان تعمیری منصوبوں کی راہ میں مسلمان اپنی وسیع آبادی اپنے جذبۂ حب الوطنی اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت اہم پارٹ ادا کر سکتے ہیں۔ بالخصوص مختلف فنون اور دست کاریوں اور گھریلو صنعتوں میں ان کی مہارت آج بھی مسلم ہے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ بہت سے مسلمان اب تک اپنی ناواقفیت کے باعث ان تجویزوں اور منصوبوں سے بڑی حد تک بے گانہ ہیں۔ ان کی اس بے گانگی اور ناواقفیت سے قدرتی طور پر ایک طرف ملکی تعمیر و ترقی کی رفتار میں فرق آرہا ہے اور دوسری طرف خود ان پر قلت سرمایہ اور احساسِ کم تری سے مایوسانہ کیفیت طاری ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان منصوبوں کے ثمرات و فوائد سے محروم ہیں، جو ان کی اقتصادی پس ماندگی کے لیے بھی مداوا ثابت ہوتے۔

ان حالات میں جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس پوری اہمیت اور بصیرت کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ ہندوستان میں ملت کے تمام افراد اور طبقات کو اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے لیے تعمیری کام کرنے پر آمادہ کیا جائے اور جمعیت کے تمام ارکان پر زور دیتا ہے کہ ملک کے پہلے پنج سالہ پلان کے نتائج اور دوسرے پنج سالہ پلان کے فوائد کا غور سے مطالعہ کریں، تا کہ ان کی روشنی میں ہر جگہ ترقی و خوش حالی کے پروگرام بنائے جا سکیں''۔

۲۔ جمعیت علماے ہند کا اکیسواں اجلاس عام میرٹھ میں شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمدؒ کی صدارت میں ۱۹۶۳ء میں منعقد ہوا تھا۔ اجلاس کی ایک تجویز میں کہا گیا تھا:

''جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس عام ترقیاتی منصوبوں کے متعلق اجلاسِ سورت اور اجلاسِ اُجین کی قرار دادوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے ملت کے تمام افراد اور طبقات کے لیے یہ ضروری سمجھتا ہے کہ وہ جزوی بحثوں اور

اُلجھنوں سے بالاتر ہو کر تعمیری جدوجہد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں اور جمعیت علما کے تمام ارکان اور معاونین پر زور دیتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر ایسی صورتیں اختیار کریں کہ مسلمان تعمیری جدوجہد میں بھرپور حصہ لے سکیں، جس سے وطنی اور ملکی مقاصد بھی پورے ہوں اور خود مسلمان بھی ملک کی منصوبہ بندی میں معاشی اور اقتصادی ترقی سے بہرہ اندوز اور فیض یاب ہوسکیں''۔

جمعیت علماے ہند نے اپنے اسی اجلاس میں ملت کی تعمیری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی پوری جماعتی طاقت صرف کرنے کا فیصلہ کیا اور تعمیری پروگرام کا ابتدائی خاکہ پیش کیا، جو درج ذیل ہے :

الف: صنعتی اسکول یا صنعتی ادارہ قائم کیا جائے، جہاں دینی تعلیم وتربیت بھی ہوتی رہے۔

ب: ہوسٹل یا دارالاقامہ قائم کیا جائے، جہاں سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے نوجوان قیام کریں اور کسی تجربہ کار نگران ومربی کی نگرانی میں علمی ذوق کے ساتھ دینی اور مذہبی زندگی کے عادی بھی بنتے رہیں۔

د: مسلم مسافر خانے قائم کیے جائیں۔ ہ: گھریلو صنعتوں کو عام کیا جائے۔ و: طبیہ کالج قائم کیے جائیں۔ ز: دینی حلقے بنائے جائیں۔

۳۔ جمعیت علماے ہند کا تیئیسواں اجلاس عام ۱۹۷۳ء میں بہ مقام دہلی مولانا عبدالوہاب آروی صاحبؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی ایک قرارداد میں دینی، معاشی اور سماجی ترقی کے کاموں میں حصہ لینے کی مسلمانوں سے اپیل کی۔ قرارداد میں کہا گیا کہ :

۱۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت میں زیادہ حصہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۲۔ اپنی توجہ کو صرف ملازمتوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ دست کاریوں، چھوٹی بڑی صنعتوں کے فروغ میں نمایاں حصہ لیں اور کوآپریٹو اداروں کی تشکیل کر کے اپنے مسائل حل کریں۔

۳۔ سرکاری اداروں سے ملنے والی سہولتوں سے پوری طرح فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور اگر اس سلسلے میں امتیازی سلوک اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے تو جمہوری اور سیکولر قوتوں کے ساتھ مل کر اس فضا کو بدلنے کی کوشش کریں۔

۴۔ ایک ایسا مرکز قائم کریں جو مندرجۂ بالا مقاصد کی تکمیل کے لیے معاون ہو۔

جمعیت علماے ہند کا یہ اجلاس عام یقین رکھتا ہے کہ اگر مسلمان اسلام کی اخلاقی قدروں کو اپنا کر اپنی مہارت، محنت، اور دیانت داری سے صنعت وتجارت کے میدان میں اپنے ہم وطنوں کا اعتماد حاصل کرلیں گے تو ملک وملت کی اہم خدمات انجام دے کر اپنے درخشاں مستقبل کی تعمیر کرسکیں گے۔

۵۔ ۱۹۷۶ء میں امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ کی صدارت میں جمعیت کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ

میرٹھ میں منعقد ہوا۔اس جلسے میں مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی، سماجی، دینی اور معاشرتی تعمیر وترقی کے لیے ایک مربوط اور منظم ومنصوبہ بند تعمیری پروگرام پیش کیا اور اس کو دستورِ اساسی جمعیت علماے ہند کا باقاعدہ ایک حصہ بھی قرار دیا۔اس تعمیری پروگرام میں ''اقتصادی حلقہ'' ایک مستقل عنوان ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ :

الف: مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔ب: کارپوریشن یا کوآپریٹو سوسایٹی کے ذریعے کاروبار کو فروغ دینا۔ج: گھریلو دست کاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

بحمد اللہ مسلم فنڈ کا نظام توقع سے زیادہ کامیاب اور مفید ثابت ہورہا ہے۔اس وقت ملک بھر میں اس کی ڈھائی سو سے زیادہ شاخیں کام کررہی ہیں اور ضرورت مند حضرات اس نظام سے فیض یاب ہورہے ہیں۔

۶۔حضرت امیر الہندؒ کے دور میں جمعیت علماے ہند کا ایک کل ہند اجتماع دہلی میں منعقد ہوا۔اس ملک کی معاشی صورت حال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور غور وفکر کے بعد ایک اہم قرارداد اس سلسلے میں منظور کی گئی، جس میں کہا گیا ہے کہ :جمعیت علمائے ہند کے زیرِ اہتمام منعقدہ یہ کل ہند اجتماع اس تلخ حقیقت کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جس طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں امتیاز برتا جاتا ہے، اسی طرح اقتصادی امور میں ان کی حق تلفی کی جاتی ہے۔لیکن ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان خود بھی اپنے اقتصادی حالات سدھارنے اور ترقی کرنے سے دلچسپی نہیں رکھتے۔مسلمان لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔اقتصادیات کے فرسودہ طریقوں پر عمل پیرا ہیں۔اس لیے نہ وہ بڑے صنعت کار ہوتے ہیں اور نہ بڑے تاجر ہوتے ہیں۔

حکومت عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے بہت سی فلاحی اسکیمیں جاری کرتی رہتی ہے، لیکن مسلمان ان اسکیموں میں کوئی دل چسپی نہیں لیتے اور نہ اس سلسلے میں ان کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ان اسکیموں سے کس طرح فیض یاب ہوسکتے ہیں۔قومی بینکوں نے بھی عوام کو خود روزگار بنانے کے لیے بہت سے منصوبے بنائے ہیں۔ان منصوبوں پر عمل درآمد بھی ہورہا ہے، مگر مسلمان ان منصوبوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

یہ کل ہند اجتماع مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ اقتصادیات میں لکیر کے فقیر نہ بنیں اور حکومت کی فلاحی اسکیموں سے فائدہ اُٹھانے کے علاوہ جدید طریقے اختیار کریں تاکہ مسلمان اقتصادی طور پر مضبوط ہوں اور ان کی فلاکت دور ہو، جسے اُمّ الجرائم کہا گیا ہے۔

مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بہت سے خوش حال مسلمان اپنی تن آسانی کی وجہ سے اپنی پس انداز رقومات بینکوں میں جمع کرنے کے بجائے صنعتیں لگائیں تو خود ان کو بھی فائدہ ہوگا اور ترقی کی نت نئی راہیں کھلیں گی، بلکہ مسلمانوں کی بے روزگاری بھی دور ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
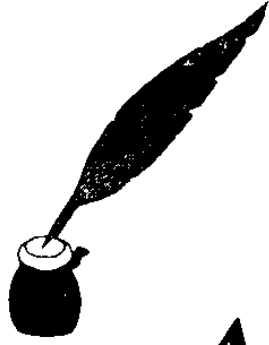
باب : ۸
فتنوں کا تعاقب
اور اَسفار

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری

حضرت امیر الہندؒ : فتنوں کے تعاقب میں

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوعنبہ خولانیؓ کی روایت سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

لَایَزَالُ اللّٰہُ یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ. (سنن ابن ماجہ ۸)

اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا رہے گا، جن کو اپنی طاعت میں استعمال فرمائے گا۔

اس حدیث پاک میں حضرت محمد ﷺ نے زبردست پیشین گوئی فرمائی ہے کہ دین اسلام کا گلشن ہمیشہ سدا بہار رہے گا، یہ باغ کبھی ویرانہ نہیں بنے گا۔ جب کوئی پودا سوکھ جائے گا تو دوسرا پودا اس کی جگہ لگا دیا جائے گا۔

گلشنِ دین کے یہ پودے کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ کے شاگرد رشید صحابۂ کرامؓ اس کے سب سے پہلے اور اعلیٰ درجہ کے مصداق ہیں، اور پھر ہر زمانہ میں ان کے متبعین اور "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کی صراط مستقیم پر خود چلنے والے اور دوسروں کو چلانے والے علماء ربانیین اور مشائخ عظام ہیں، ایسے نفوسِ قدسیہ سے قیامت تک دنیا کبھی خالی نہیں رہے گی، انہیں جیسی شخصیات کو باری تعالیٰ دین قیم اور امت مسلمہ کی بقاء وحفاظت کے ذریعہ کے طور پر ہر زمانہ میں پیدا کر کے مذکورہ پیشین گوئی کو پورا کرتا رہے گا۔ ویسے درحقیقت امت مسلمہ کی بقاء کی بنیاد تین عظیم شخصیات اور ذواتِ قدسیہ پر ہے، جس کو ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، ان میں اول نمبر پر حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ذاتِ عالیہ ہے، آپ نے ﷺ ارشاد فرمایا:

کَیْفَ تَھْلِکُ اُمَّۃٌ اَنَا فِیْ اَوَّلِھَا وَالْمَسِیْحُ فِیْ آخِرِھَا وَالْمَھْدِیُّ فِیْ وَسَطِھَا. (کنز العمال ۳۸۶۷۹ بحوالہ ابن عساکر)

وہ امت کیسے ختم ہو سکتی ہے (یعنی قیامت تک ضرور باقی رہے گی) جس کے شروع میں میں ہوں، اور آخر میں مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہیں، اور درمیان میں حضرت مہدی (محمد بن عبداللہ) ہیں۔

انہیں مبارک شخصیات کے سلسلہ کی ایک زریں کڑی فدائے ملت، امیر الہند صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحب قدس سرہٗ کی ذاتِ بابرکات تھی، جنہیں چند روز پیشتر باری تعالیٰ نے اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت اقدسؒ کی زندگی مجاہدانہ کارناموں سے پر ہے، ان سب میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر نمایاں رہی، وہ حضرت اقدس کی دین اسلام کی حفاظت کے لئے فکرمندی اور امت مسلمہ کی بقاء وتحفظ کی دھن ہے، جب بھی اسلام اور اسلام کے خلاف کوئی داخلی یا خارجی فتنہ نمودار ہوا اور یہ خطرہ ہوا کہ مسلمان امت محمدیہ سے خارج ہو جائیں یا صراط مستقیم سے ہٹ جائیں، تو حضرت اقدسؒ احقاق حق وابطال باطل کے لئے سینہ سپر ہو گئے، اور اس

کے مقابلہ کے لئے علماء کرام کو توجہ دلا کر ایک فوج تیار فرمادی، چناں چہ ۱۹۸۴ء کے بعد جب مرزائی گروہ مرتدین نے ہندوستان کے مسلمانوں کے اسلام کو بگاڑنے اور ان کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے نکال کر امت مرزائیہ میں شامل کرنے کے لئے از سرنو ہندوستان کا رخ کیا، اور یہاں کی قادیانی جماعت کو حیاتِ نو بخشنے کا پروگرام بنا کر جگہ جگہ سیرت اور دیگر دینی عنوانات پر جلسے و کانفرنسیں کرنی شروع کیں، اور اپنے نام نہاد حقیقی اسلام کا ڈھنڈورہ پیٹ کر مسلمانوں کو ورغلانے کی دجالی روش اپنائی، تو حضرت اقدس امیر الہند بے چین ہوگئے، اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز اراکین کو قادیانی فتنہ کی تشویش ناک صورتِ حال سے آگاہ فرما کر سہ روزہ عالمی تحفظ ختم نبوت کی تجویز منظر کروائی، چناں چہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی آخری تاریخوں میں یہ عظیم الشان اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں ملک بھر کے علماء و ذمہ داران کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اجلاس کا افتتاح حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا اور اختتامی تقریر رابطہ عالم اسلامی کے اس وقت کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے فرمائی۔ اس اجلاس سے ملک میں قادیانی فتنہ کے تعاقب کے لئے علماء وعوام میں زبردست بیداری آئی، اور اس کام کو دارالعلوم کی نگرانی میں مسلسل انجام دئے جانے کے لئے ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے۔ یہ مجلس بحمداللہ روز اول سے مجلس شوریٰ کی ہدایات کے مطابق اور حضرت اقدس امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات سے ٹھوس انداز میں قادیانی تعاقب کا فرض ادا کررہی ہے، اور مختلف علاقوں اور صوبوں میں اس کی خدمات جاری ہیں، جن میں افراد سازی کے لئے تربیتی کیمپوں کا انعقاد، عام لوگوں کے لئے اجلاس عام کرنا، چھوٹی بڑی کتابوں و پمفلٹوں کی مختلف زبانوں میں اشاعت، وقت ضرورت قادیانیوں سے مناظرہ کرنا، متاثرہ علاقوں میں مبلغین کے دوروں کا انتظام کرنا اور قادیانیوں کی طرف سے کسی جگہ مقدمہ دائر کئے جانے کے موقع پر قانونی مواد فراہم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ بہت سے تربیتی کیمپ اور اجلاس عام میں حضرت امیر الہندؒ نے بڑی دل چسپی کے ساتھ شرکت فرمائی، ۱۹۹۷ء-۱۹۹۸ء میں دہلی کی دو عظیم تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں میں تحریری خطبہ صدارت پیش فرمائے۔ نیز کانپور میں تربیتی کیمپ و اجلاس عام کے موقع پر تحریری خطبہ صدارت پیش فرمایا، بائیگوری (آسام) میں قادیانیوں سے تاریخی مناظرہ کی مجلس میں تقریر فرمائی اور مسلسل پانچ گھنٹوں تک مجلس مناظرہ میں تشریف فرما رہے۔

ملک کے مختلف علاقوں میں عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی حضرت فدائے ملتؒ بہت فکر مند تھے۔ حضرتؒ کی توجہات کے نتیجہ میں دارالعلوم میں ردعیسائیت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، اور حضرتؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی کتاب ''اظہار الحق'' سے ماخوذ متعدد رسائل کمیٹی کی طرف سے شائع کئے گئے، نیز احمد دیدات مرحوم کے رسائل کا ترجمہ کروا کر اردو میں طبع ہوئے، بعینہٖ ان کے رسائل انگلش میں بھی طبع کرائے گئے۔ اس کمیٹی کے تحت ملک میں حسب ضرورت تربیتی کیمپ و اجلاس عام منعقد ہوتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں داخلی فتنہ غیر مقلدیت نام نہاد سلفیت کو لگام دینے اور اس کی مغالطہ انگیزیوں والزام تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے حضرت امیر الہندؒ نے ۲۰۰۱ء میں تحفظ سنت کانفرنس دہلی میں منعقد فرمائی، اس میں تحریری خطبہ صدارت دیا، اور اس موقع پر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند سے رد غیر مقلدیت پر تحقیقی رسائل مرتب کرواکر پچیس رسالوں کا سیٹ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے شائع کروایا، جس کا بڑا فائدہ ملک وبیرون ملک میں محسوس کیا گیا۔

نیز حضرت اقدسؒ نے باطل نظریات کی علمی انداز میں تردید کے لئے دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی تربیت کے پیش نظر ہر ہفتہ محاضرات پیش کرنے کے لئے اساتذۂ دارالعلوم کو مقرر کروایا۔ چناں چہ رد شیعیت، رد مودودیت، رد رضا خانیت، رد غیر مقلدیت، رد قادیانیت، رد عیسائیت اور رد ہندوازم پر محاضرات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں فضلاء دارالعلوم شرکت کرتے ہیں جو دورۂ حدیث شریف کے بعد تکمیلات کے درجات میں داخلہ لیتے ہیں جن کی تعداد دو سو سے زائد ہوتی ہے، ان طلبہ کو ہر موضوع کے محاضرات مطبوعہ شکل میں پہلے ہی تقسیم کردئے جاتے ہیں۔ ان محاضرات کو سن کر فضلاء دارالعلوم تقابلی انداز میں اسلام کی حقانیت اور صراط مستقیم کے واضح نشانات کو کفر وضلالت سے ممتاز کرکے اچھی طرح ذہن نشین کرلیتے ہیں اور دین محمدی کی حفاظت کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، اور اپنے اپنے علاقوں کو جاکر امت مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے سالوں سے انکار حدیث کے فتنہ کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں، مدراس، کان پور میں بہت سے مسلمان اس سے متاثر ہورہے ہیں۔ حضرت امیر الہندؒ کو اس کے تعاقب کی بہت فکر تھی، اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک استفتاء مرتب کرواکر جس کا مفصل جواب مفتیان دارالافتاء دارالعلوم نے دیا، اور منکرین حدیث کو اسلام سے خارج قرار دیا، پھر اس پر تمام اساتذۂ دارالعلوم نے بھی دستخط فرمائے، خود حضرت اقدس نے بھی دستخط فرمائے۔

اس طرح موجودہ علمی ونظریاتی فتنوں کے تعاقب کے سلسلہ میں جو کام ہوا یا آئندہ ہوتا رہے گا اس میں حضرت اقدسؒ کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا. — جس نے کوئی اچھا کام جاری کردیا اس کو اس کام کو شروع کرنے کا ثواب ملے گا اور جس نے اس روش کو اپنایا اس کا بھی ثواب ملے گا۔

خداوند کریم حضرت اقدسؒ کو دین اور امت مسلمہ کے تئیں ان کی فکر مندیوں اور مخلصانہ خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے، آمین۔

□□□

مولانا مجاہد الحسینی

سفرِ پاکستان کی ایک روئیداد

اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کا دائرۂ کار صرف اپنی ذات سے وابستہ اُمور کی نگہداشت اور اصلاحِ احوال تک محدود ہوتا ہے اور بعض ایسے کہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح، خیر خواہی اور ترقی وخوشحالی کی وسعتوں کو محیط ہوتا ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک وہند کی چند عظیم شخصیات کی ذاتی خوبیوں، محاسن وکمالات کے ساتھ ساتھ ان کی اجتماعی مساعیٔ حسنہ اور ان کے دینی، معاشرتی اور تمدنی کارناموں کا جائزہ لینے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ وہ شخصیات جو اللہ کے فضل وکرم سے اسلام اور ملت اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ اور ان میں خاص انقلاب وتغیر کی روح پھونکنے کو اس کارگاہِ عالم میں جلوہ گر ہوئی تھیں۔ ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عزیز گلؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اسماءِ گرامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

انہی عبقری شخصیات کے خانوادۂ علم وعرفان کی نامور اور ممتاز دینی، علمی، ملی اور دیگر جلیل القدر خدمات کی وارث ''حضرت مولانا سید اسعد مدنی'' کی ذاتِ گرامی تھی جنہوں نے 6ر فروری 2006ء کو دہلی کے ''اپالو ہسپتال'' میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔

۱۹۲۶ء یا ۲۸ء کو مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی دیو بند میں شیخ الاسلام حضرت مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاکباز اور زہد کدہ میں ولادت ہوئی، گھر اور مدرسے کے در ودیوار قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صداؤں اور فرنگی سامراج کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق سے گونج رہے تھے، ایک علم افروز، روح افزا اور انقلاب آفریں ماحول میں مولانا سید اسعد مدنیؒ کی پرورش ہوئی تھی۔ ان دنوں فرنگی سامراج کے جبر واستبداد کا دور دورہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کبھی دارالحدیث میں درس وتدریس میں، کبھی ریل اور جیل میں ہوتے۔ بایں ہمہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت سے کبھی غافل نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید اسعد

مدنی رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند کے لائق فائق اساتذۂ کرام سے علوم القرآن، حدیث شریف اور فقہ میں درجۂ کمال کی سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد کچھ عرصے تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے منصب پر بھی فائز رہے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ مدنیؒ کی زیرنگرانی ہندوستانی مسلمانوں کے دینی وسیاسی معاملات خوش اسلوبی سے حل کراتے رہے۔ علاوہ ازیں جمعیت علماءِ ہند کے تنظیمی اُمور میں بھی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ خصوصاً اپنے والد ماجد حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے علاوہ مفتی کفایت اللہؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد میاںؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے نظامِ کار اور ان کے جلیل القدر کارناموں کا چونکہ بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا، اس لئے ان میں اُمت مسلمہ کے مسائل کی بابت خاصا تجربہ حاصل ہوگیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ 5/دسمبر 1957ء کو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد مولانا سید اسعد مدنیؒ نے ایک جانب تو جمعیت علماءِ ہند کے رہنماؤں اور کارکنوں کو فعال کردار ادا کرنے میں سرگرمِ عمل کیا اور دوسری جانب انتخابی مراحل میں حصہ لے کر کئی مرتبہ پارلیمنٹ کے رُکن منتخب ہوئے تھے۔ نیز بھارتی مسلمانوں کے پرسنل حقوق کے تحفظ کی خاطر ''مسلم پرسنل لاء'' منظور کرایا۔ دینی مدارس اور مساجد کی تنظیمِ نو کے سلسلے میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ ہندومسلم فسادات اور مساجد کی ویرانی پر آپ اکثر مغموم اور دل گرفتہ رہنے کے باوجود فسادزدہ علاقے کا فوراً دورہ کر کے ناگفتنی حالات پر قابو پانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اکابر کے داغِ مفارقت کے بعد ہندوستان میں مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی ایک اطمینان بخش سہارا تھی، آپ نے اسلامی تعلیم واشاعت، تصوف وسلوک اور قومی وسیاسی اُمور میں حضرت شیخ مدنیؒ کے صحیح جانشین ہونے کا حق ادا کیا۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت علامہ قاری محمد طیب قاسمیؒ سے پاکستان میں تشریف آوری پر ایک صاحب نے قاری صاحب سے دریافت کیا کہ:

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد ان کے بڑے فرزند ارجمند مولانا سید اسعد مدنی کا کیا حال ہے؟ وہ اپنے والد ماجد کی شمع علم وعرفان کی روشنی تیز تر کرنے میں کوئی کردار ادا کر رہے ہیں یا بعض سجادہ نشینوں کی طرح صورتِ حال مایوس کن ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت علامہ قاری محمد طیبؒ نے فرمایا تھا:

''الحمدللہ! دارالعلوم کا سرچشمۂ علوم ومعارف جاری وساری ہے اور دنیائے اسلام کا مرکز ومحور ہونے کی حیثیت سے علیٰ حالہٖ قائم ودائم اور ترقی پذیر ہے۔

جہاں تک مولانا سید اسعد مدنی کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہے، بمبئی میں ان کے والہانہ اور پر جوش استقبال کی ایک جھلک دیکھی ہے۔ وہی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی ؒ کا سا انداز، وہی عقیدت ومحبت کے مظاہرے، شائقین وجاں نثاروں کا وہی بے پناہ ہجوم، صرف نام کا فرق دکھائی دیتا ہے، باقی تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ نے وہی برکات وفیوض عطا فرمائے ہیں جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ذاتِ اقدس کے لئے مختص تھے، وہی مجاہدہ وریاضت، وہی جفاکشی اور وہی معاملہ فہمی، وہی خلوص ودیانت اور وہی للّٰہیت کے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی ہے، وہ اپنے جس بندے کو عزت وعظمت عطا کرنے کا ارادہ کرلے اور جس کا نام روشن کرنے کا فیصلہ کرلے اس میں دنیا کی کوئی طاقت رخنہ انداز نہیں ہوسکتی۔ (ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء)

مولانا سید اسعد مدنی ؒ کی پاکستان میں تشریف آوری :

تقسیم ہند سے قبل اگرچہ مجھے سیدی ومرشدی حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور شرفِ ملاقات کی کئی مرتبہ سعادت نصیب ہوچکی تھی، لیکن مولانا سید اسعد مدنی ؒ کے ساتھ ملاقات کا موقع میسر نہ آسکا تھا۔ مفکر اسلام حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب ؒ اور دیگر شخصیات کی زبانی جب ان کے ایمان افروز واقعات سماعت نواز ہوتے یا اخبارات کے جھروکے سے ان کی خدماتِ عالیہ کی معلومات فراہم ہوتیں تو شوقِ زیارت وملاقات دو چند ہوجاتا، چنانچہ ایک روز حضرت مولانا عبید اللہ انور ؒ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ٹیلیفون کے ذریعے حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی تشریف آوری کی اطلاع ملی کہ حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ۱۶ / مارچ ۱۹۷۰ء کو کراچی پہنچیں گے۔

دیوبند اور حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کا اسم گرامی سن کر مشتاقانِ زیارت کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ دیوبند اور بھارت کے دیگر شہروں سے ہمارے اکابر میں سے کوئی بھی شخصیت پاکستان میں رونق افروز ہوتی ہے تو یہاں کی علمی وروحانی کشتِ ویراں میں تازگی آجاتی اور دلوں کے گلشنِ خزاں رسیدہ میں ایک مہک آفریں بہار کا سماں چھا جاتا ہے۔ علامہ قاری محمد طیب ؒ تشریف لائے تو علم وفضل کے فانوس روشن ہوگئے۔ خانقاہ حضرت رائے پوری ؒ کے سجادہ نشین ''حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری ؒ، نے شرف سے نوازا تو قلب ونظر کے ظلمت کدے منور ہوگئے۔ حضرت جی ''مولانا محمد یوسف دہلوی ؒ '' تشریف لائے تو ہمہ جہت دعوت وارشاد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ شیخ الحدیث ''مولانا محمد زکریا سہارنپوری ؒ '' رونق افروز ہوئے تو مشتاقانِ زیارت کے لئے سکون وطمانیت کا سامان فراہم ہوگیا۔ اسی طرح جب حضرت مولانا سید اسعد مدنی ؒ کی پاکستان میں تشریف آوری کی مسرت افزا خبر سنی تو روحانی بالیدگی اور قلبی تطہیر کی لہر دوڑ گئی تھی۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی ؒ حسبِ پروگرام ۱۶ / مارچ ۱۹۷۰ء کو کراچی پہنچ

گئے اور پاکستان کے عظیم دینی وعلمی شخصیت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔حضرت اسعد مدنیؒ کے استقبال کے لئے ''جامعہ فرقانیہ'' راولپنڈی کے مدرس اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے تلمیذ مولانا محمد عثمان اور صادق آباد کے معروف زمیندار اور اہلِ حق علماءِ کرام کے قدردان جناب امیر عالم خان لغاری بھی کراچی پہنچ گئے تھے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ نے کراچی میں قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے رفیق اور تحریکِ خلافت کے ممتاز رہنما مولانا محمد صادق کے مدرسہ مظہر العلوم واقع مقام کھڈہ اور مولانا محمد زکریا کے مدرسہ انوار العلوم فیڈرل بی ایریا کا بھی معائنہ کیا۔مولانا محمد زکریا چونکہ حضرت شیخ مدنیؒ کے عزت کدے پر گھریلو خادمِ خاص کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے چکے تھے۔اس لئے حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے ان کی دعوتِ معائنہ کو خاص اہمیت دی۔علاوہ ازیں دیگر بہت سے احباب کی دعوت میں بھی شرکت کا اعزاز بخشا تھا۔

۱۸ر مارچ کو بذریعہ خیبر میل ''سردار امیر عالم خان لغاری'' کی دعوت پر صادق آباد تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا سید حامد میاں آپ کے رفیقِ سفر تھے،وہاں سے بذریعہ کار تحریکِ ریشمی رومال کے تاریخی مرکز دین پور شریف کے لئے روانگی ہوئی۔ یہاں سے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرزند اور جانشین مولانا عبید اللہ انور بھی شریکِ کارواں ہو گئے تھے۔

مولانا سید اسعد مدنی کی دین پور تشریف آوری کا سن کر جمعیت علماءِ اسلام کے قائدین شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ اور ملتان بہاولپور کے گرد ونواح میں قیام پذیر علماءِ کرام، جمعیت علماءِ اسلام اور مجلسِ احرار کے ہزاروں کارکن خانپور پہنچ گئے تھے،ان حضرات کے استقبال کا منظر دیدنی تھا۔مولانا سید اسعد مدنی خانپور سے دین پور پہنچے تو حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ نے جس عقیدت اور محبت بھرے انداز میں آپ کو اہلاً وسہلاً کہا، رقت آمیز اور کیف آور منظر ناقابلِ بیان ہے۔دین پور میں حضرت شیخ المشائخ مولانا غلام محمد اور تحریکِ آزادی کے ممتاز رہنما مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر حضرات کی قبروں پر مسنون دعا کی۔

حضرت مولانا غلام محمد دین پوری محض شیخ تصوف وطریقت ہی نہ تھے بلکہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے معتمد خاص رفقاء میں شمار ہوتے تھے۔اسی لئے حضرت شیخ الہندؒ نے تحریکِ آزادی کے منصوبے تحریک ریشمی رومال کے لئے جو آٹھ مراکز قائم کئے تھے،ان میں دین پور کی خاص اہمیت تھی۔ان تحریکی مراکز کا انتظام وانصرام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ،مولانا عبید اللہ سندھیؒ،مولانا محمد علی جوہرؒ،مولانا ابوالکلام آزادؒ،مولانا شوکت علیؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ اور دیگر عظیم شخصیات کے سپرد تھا۔دین پور کے امیر حضرت مولانا خلیفہ غلام محمدؒ تھے،آپ نے اس تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں تین سال قیدِ فرنگ کی سختیاں برداشت کی تھیں۔

دین پور کی مرکزیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف

علی تھانویؒ بھی یہاں تشریف لائے تھے۔ ان کے استقبال کے لئے مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے خانپور سٹیشن پر سواری کا انتظام کرتے ہوئے گھوڑا بھیجا۔ حضرت تھانوی سوار ہو کر جب دین پور کی حدود میں داخل ہوئے تو اچھل کر سواری سے اُترتے ہی فرمایا:

عبید اللہ! یہ تو ولی اللہ کا علاقہ ہے یہاں سے ننگے پاؤں حاضر ہوں گے"۔

حضرت تھانویؒ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ بھی یہاں کئی مرتبہ تشریف فرما ہوئے تھے۔

دین پور سے ملتان' لائل پور اور ڈھڈیاں کا سفر:

بہرنوع ان جلیل القدر شخصیات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا سید اسعد مدنیؒ نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو تازہ کرتے ہوئے دین پور کا سفر کیا اور بزرگوں حضرت مولانا خلیفہ غلام محمدؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور دیگر شخصیات کی قبور پر دعاؤں کے بعد خانپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ سے ملاقات کی اور ان کے مدرسہ مخزن العلوم میں علاقے کے علماءِ کرام اور عقیدت مندوں کے عظیم اجتماع سے تبرکا چند الفاظ میں فرمایا کہ میں پاکستان میں کسی خطاب کے لئے نہیں بلکہ اپنے اسلاف کی تاریخی روایات کو زندہ رکھنے اور بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہونے آیا ہوں۔ چنانچہ اس اجتماع سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور دیگر حضرات نے خطاب کیا تھا۔

خانپور سے مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے دیگر رفقاءِ سفر کے ہمراہ بذریعہ ریل گاڑی ملتان کے لئے روانہ ہوئے تو بہاولپور اور شجاع آباد وغیرہ سٹیشنوں پر عقیدت مندوں کے بڑے اجتماع نے آپ کا نہایت گرمجوشی اور عقیدت واحترام کے جذبات کے ساتھ استقبال کیا۔ شجاع آباد میں خطیبِ پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے لئے ریل گاڑی میں ہی ایصالِ ثواب کے لئے دعا کی گئی اور ان کی بے مثال دینی، علمی اور ملی خدمات کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا۔

ملتان سٹیشن پر اضلاع، ڈیرہ غازی خان، مظفرگڑھ اور بہاولپور ڈویژن کے علاوہ شہر کے تمام دینی مدارس کے طلباء علماء ومشائخ اور عقیدت مندوں کا عظیم اجتماع شوقِ زیارت کے لئے سراپا استقبال تھا۔ وہاں سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے ہمراہ قاسم العلوم تشریف لے گئے اور ناشتے کے بعد قلعہ قاسم پر ملتان کے تاریخی اجتماع جمعہ میں تشریف لے گئے تو ایمان افروز لہجے میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا۔ اس مثالی اور تاریخی اجتماع میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء' حضرت مولانا سید خورشید احمد شاہ صاحب عبد الحکیم سے' حضرت مولانا خدا بخش ملتانی' استاد العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ بھی تشریف فرما تھے۔

حضرت مولانا سید اسعدؒ مدنی نے خطاب سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ :

یہ تاریخی شہر اولیاء اللہ، زہاد و اتقیاء کا شہر ہے۔ اس میں برصغیر کے خطیب اعظم حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ابدی آرام گاہ ہے، میں نے تو صرف بزرگوں کی زیارت اور احباب سے ملاقات کی خاطر یہ سفر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے بعد مولانا ضیاء القاسمیؒ نے اپنے ولولۂ انگیز خطاب میں حضرت مدنیؒ کی شان میں کلماتِ تحسین کہے۔ بعدازاں مولانا سید اسعدؒ مدنی نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قبر پر محویت کے عالم میں دعا کی۔ دوسرے روز خیر المدارس کا معائنہ کیا پھر بذریعہ ہوائی جہاز لائل پور کے لئے روانگی ہوئی۔ ہوائی اڈے سے شہر تک سڑک کے دورویہ مشتاقانِ زیارت کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ جامعہ مسجد کچہری بازار میں حضرت مدنیؒ کے اعزاز میں استقبالیے کا اہتمام تھا۔ فراغت کے بعد سرگودھا اور ڈھڈیاں روانہ ہوگئے۔ سرگودھا میں حضرت رائے پوریؒ کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالعزیزؒ اور مولانا عبدالسمیع نے استقبالیے کا شاندار انتظام کیا تھا، اس میں شرکت کے بعد حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے مدفن ڈھڈیاں روانہ ہوگئے۔ وہاں حضرت رائے پوریؒ کے عزیز مولانا عبدالجلیل، مولانا عبدالوحید کے علاوہ مولانا سید نفیس الحسینی اور مولانا عبدالقادر جھادریاں سمیت دیگر کئی علماءِ کرام اور عقیدت مندوں نے استقبال کیا۔ نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے رفقاء کے ہمراہ حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی قبر پر گئے۔ دیر تک سرگودھا پہنچ گئے اور علماءِ دیوبند کے مخلص خادم حاجی فرزند علی کے ہاں عشائیہ میں شرکت کے بعد بذریعہ چناب ایکسپریس جہلم روانہ ہوگئے۔ راقم الحروف کے علاوہ مولانا محمد عثمان، مولانا ضیاء القاسمیؒ، حکیم عبدالرزاق کابلی شریکِ سفر تھے۔ گاڑی جب بھلوال اور ملک وال اسٹیشنوں پر پہنچی تو مولانا سید اسعد مدنیؒ کے استقبال کے لئے معتقدین و مریدین کا جمِ غفیر رات گزرنے پر بھی موجود تھا۔

جہلم اسٹیشن پر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ چکوال سے اپنے ہزاروں مریدوں اور علاقے کے علماءِ کرام کے جلو میں سراپا استقبال تھے۔ اسٹیشن سے مولانا عبداللطیف کے مدرسہ میں پہنچے تو استقبالیہ گاڑیوں کا ہجوم دیکھ کر وہاں گزرتے ہوئے آزاد کشمیر کے صدر اور ممتاز رہنما سردار عبدالقیوم خان مدرسے کے اندر تشریف لے آئے۔ میں نے حضرت اسعد مدنی سے سردار صاحب کا تعارف کرایا تو حضرت بڑی گرمجوشی سے ملے۔ بعدازاں ایک بڑے جلوس کی شکل میں راولپنڈی کو روانگی ہوئی تو گوجر خان کے مقام پر مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا عبدالحکیمؒ، مولانا محمد رمضان علویؒ مولانا عبدالستار تونسویؒ اور علاقے کے دیگر علماءِ کرام کی بڑی تعداد نے حضرت مدنی زندہ باد کے نعروں سے والہانہ استقبال کیا۔ راولپنڈی میں

مولانا غلام اللہ خانؒ کے مدرسہ تعلیم القرآن اور مولانا عبدالحکیمؒ کے جامعہ فرقانیہ کے معائنے اور ان مدارس میں آپ کے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیے میں شرکت کے بعد کارواں کی شکل میں اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند وحضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے رفیق...... حضرت مولانا عزیر گل کی زیارت وشرفِ ملاقات کیلئے روانگی ہوئی۔ پشاور روڈ پر جب قافلہ دریائے اٹک کا پُل عبور کرنے لگا تو حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو صوبہ سرحد کی حدود شروع ہونے کی نشاندہی کی گئی۔ مولانا مدنیؒ نے سنتے ہی فرمایا غالباً یہی وہ مقام ہے جہاں سے مجاہدینِ بالاکوٹ نے دریا عبور کیا تھا۔ یہ کارواں جب پاکستان کے سب سے بڑے دینی مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچا تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور مولانا سمیع الحق کی زیرِ قیادت علماءِ کرام، جامعہ حقانیہ کے مدرسین اور طلباء کے فقید المثال اجتماع نے مولانا سید اسعد مدنیؒ کا جس گرمجوشی، محبت وعقیدت اور احترام واکرام کے ساتھ استقبال کیا اس کی صحیح نقشہ کشی الفاظ وبیان کے حدود سے باہر ہے۔ پاکستان میں دارالعلوم دیوبندِ ثانی کے طلباء کی آنکھوں کی چمک اور چہروں کی دمک سے اندازہ ہو رہا تھا کہ مولانا سید اسعدؒ مدنی کی زیارت وملاقات سے ان کی مسرت وشادمانی شگوفوں کی مانند چٹک رہی ہے۔ مولانا سمیع الحق کے خیر مقدمی خطاب کے بعد مولانا سید اسعد مدنیؒ نے مختصر الفاظ میں عظیم الشان استقبال پر حاضرین خصوصاً حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سابق استاد دارالعلوم دیوبند اور بانی جامعہ حقانیہ کو نہایت بلیغ اور فکر انگیز کلماتِ تشکر پیش کئے تھے۔ یاد رہے کہ مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے دیوبند میں شاگرد رہ چکے تھے۔

اسیرِ مالٹا مولانا عزیر گل کی زیارت وشرف ملاقات :

برصغیر پاک وہند کی تحریکِ آزادی کے ممتاز اور منفرد رہنما جنہوں نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے علمی و سیاسی براہِ راست اکتسابِ فیض کر کے آپ کے ساتھ جزیرۂ مالٹا میں فرنگی سامراج کی ظالمانہ قید کی ہولناک سختیاں اور جاں گسل تکلیفیں برداشت کی تھیں۔ وہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مولانا عزیر گلؒ، حکیم نصرت حسینؒ اور مولانا وحید احمدؒ تھے۔ ۲۱ رفروری ۱۹۱۷ء کو یہ حضرات مالٹا میں جلاوطنی کی اسارت کا ہدف بنادیئے گئے تھے۔ اس دوران حضرت شیخ الہند کی خصوصی ہدایت پر ان حضراتؒ نے انگریز مخالف دیگر ممالک کے قیدیوں سے مختلف زبانوں (انگریزی، فرانسیسی، جرمن وغیرہ) میں دسترس حاصل کی تھی۔ ان میں سے حکیم نصرت حسینؒ تو اسارتِ مالٹا کے دوران ہی فرنگی ظالموں کے جبر واستبداد کی تاب نہ لا کر جامِ شہادت نوش کر گئے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی اپنے رفقاء سمیت رہائی کے بعد پہلے حضرت شیخ الہندؒ اور پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے تھے، صرف مولانا عزیر گل بقیدِ حیات تھے جو صوبہ سرحد کے دور افتادہ علاقہ ''مالاکنڈ ایجنسی'' کی حدود میں

سخاکوٹ کے نزدیک ''میاں گاؤں'' میں رہائش پذیر تھے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ اس تاریخی شخصیت اور تحریکِ آزادی کے ممتاز و منفرد رہنما حضرت مولانا عزیر گلؒ کی زیارت کے لئے اپنے رفقاءِ سفر کے ہمراہ جب بعد نمازِ مغرب حاضر ہوئے تو مولانا عزیر گلؒ اور ان کے بھائی مولانا نافع گلؒ نے بہت ہی گرمجوشی اور نہایت مشفقانہ انداز میں خیر مقدم کیا۔ خصوصاً مولانا سید اسعدؒ مدنی کے ساتھ جس محبت اور شفقت بھرے انداز میں دونوں حضرات نے معانقہ و مصافحہ کیا وہ منظر دیدنی تھا۔ ان حضرات نے مولانا مدنیؒ سے گھر بار کے علاوہ دارالعلوم دیوبند اور ہندوستانی مسلمانوں کے احوال مختصراً دریافت کرنے کے بعد شرکاءِ قافلہ سے فرداً فرداً مصافحہ کیا اور خیر خیریت دریافت کی۔

مولانا سمیع الحق نے جب راقم الحروف اور مولانا ضیاء القاسمیؒ کا تعارف کرایا تو حضرت مولانا عزیر گلؒ نے مشفقانہ پیار کے ساتھ ماشاء اللہ کے الفاظ سے دعا دی۔ پھر مجھے اشارے کے ساتھ بلا کر حوصلہ افزائی کے انداز میں فرمایا: تمہاری تحریر سے تو کسی معمر اور بوڑھے شخص کا تأثر قائم ہوتا ہے، ماشاء اللہ جوان ہو۔ اللہ برکت دے۔

غائبانہ قلبی تأثرات کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ خود میرا بھی حضرت مولانا عزیر گلؒ کی شخصی عظمت اور حضرت شیخ و مرشدی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تحریروں اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مجلس میں برصغیر کی تحریکِ آزادی کے رہنماؤں کے تذکرے میں مولانا عزیر گلؒ کا اسمِ گرامی سن کر تأثر یہ تھا کہ بہت ہی نحیف و ضعیف اور معمر ترین بزرگوں کے انداز میں بستر پر دراز ہوں گے اور اسی حالت میں زیارت کی سعادت حاصل ہوگی۔ مگر جب بلند قامت، صحت مند، سرخ و سفید چہرے کی باوقار عظیم نورانی شخصیت نے آگے بڑھ کر سب کو اہلاً و سہلاً فرمایا تو حیرت و استعجاب کا عالم طاری ہوگیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور باوفا خادم اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کے رفیقِ اسارتِ مالٹا اور تحریکِ آزادیٔ ہند کے سلسلے کی ایک سنہری کڑی اور تاریخ کے ایک زرّیں باب کا مشاہدہ ہماری قسمت میں تھا۔ یہ ایک ناقابلِ فراموش ساعت تھی۔ چونکہ نمازِ عشا کا وقت ہو چکا تھا، اس لئے باجماعت نماز کی ادائیگی کے بعد دسترخوان بچھ گیا اور بعد از طعام تمام مہمان محو استراحت ہو گئے۔

مارچ کی بھیگی خنک رات، ہر طرف چاندنی، پہاڑ کا دامن، شاداب علاقہ، چشمے کا ٹھنڈا پانی، شہروں کے شور و غل سے مبرا پُر سکون ماحول اور اللہ کے نیک بندوں اور اسلاف کے روحانی اور علمی جانشینوں کا سادہ اور روح افروز ڈیرہ دل و دماغ کے لئے عجیب کیف آور تھا۔ بعد از نمازِ فجر سرحدی باشندوں کے روایتی طور طریقے کے مطابق کشادہ دلی کے ساتھ دسترخوان وسیع تھا، ناشتے کے بعد پھر مجلس سج گئی تھی۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ کی توجہات کا مرکز مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذاتِ گرامی تھی۔ مولانا کی گفتگو پر اعتماد اور معلومات افزا، تحریکِ آزادی کے رہنماؤں کی فکری پرواز، دور اندیشی اور معاملہ فہمی کے نادر واقعات سن کر

یوں محسوس ہو رہا تھا کہ تاریخ کے اوراق خود بخود پلٹتے جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ برصغیر کی آزادی کے لئے ہمارے اسلاف نے ۱۸۵۷ء سے ہی جدوجہد اور جہاد کا آغاز کر دیا تھا۔ بعدازاں کی تحریکِ مجاہدین بھی اسی سلسلے کی کڑی تھی، اگر بالاکوٹ کے مقام پر کچھ روسیاہ مادی منفعت کی خاطر مخبری اور غداری نہ کرتے تو برصغیر کی آزادی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ مولانا عزیر گلؒ نے دورانِ گفتگو تحریک ریشمی رومال کے آٹھ مراکز کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے صوبہ سرحد کے دو مراکز (ترنگزئی اور اتمان زئی) کا بطورِ خاص ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ترنگزئی آزاد قبائل کا مرکز تھا اور اس علاقے کے مشہور پیر طریقت ''مولانا فضل واحدؒ'' اس تحریک کے امیر تھے (یاد رہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران حضرت مولانا پیر محمد امین خلیفہ حضرت ترنگزئی نے حضرت امیر شریعتؒ کی دعوت پر چند ختم نبوت کانفرنسوں میں شرکت کی تھی اور راقم الحروف نے ان کی زیارت کے ساتھ ساتھ ان کی ایمان افروز اور وجد آفریں تقاریر بھی قلم بند کر کے روزنامہ آزاد میں شائع کی تھیں) مولانا عزیر گلؒ نے فرمایا کہ دوسرے مرکز اتمانزئی کے امیر ''عبدالغفار خان'' مقرر ہوئے تھے۔ نیز حضرت شیخ الہندؒ نے صوبہ سرحد اور آزاد علاقہ (یاغستان) میں سفارت کا نظام اور پہاڑی دشوار گزار علاقوں میں رہائش پذیر ہم خیال اور ہمنواؤں کے پاس جا کر حالات سے آگاہ رکھنے کی خدمت میرے سپرد کر رکھی تھی۔ خطوط اور دیگر معلومات پہنچانے کے لئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی رفیقِ کار تھے۔

مولانا عزیر گلؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی شروع کردہ تحریکِ آزادی کے اثرات صوبہ سرحد میں ہمہ گیر ہونے کے علاوہ افغانستان میں بھی اسے خوب پذیرائی ملی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد ''غازی امان اللہ خان'' برسرِ اقتدار آیا تو اس نے اپنے عمائدینِ سلطنت کے پہلے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ : ''شیخ الہندؒ یک کار شروع کرد! من او را اتمام میکنم''۔ (ان شاءاللہ)

حضرت شیخ الہندؒ نے جو ایک کام شروع کیا تھا میں اس کی تکمیل کروں گا۔ (انشاءاللہ)

بہرنوع مولانا عزیر گلؒ نے دورانِ گفتگو جزیرۂ مالٹا میں قید کے دوران انگریزوں کے تشدد آمیز سلوک کے واقعات بھی بیان کئے تھے۔

اس اثناء میں مولانا سمیع الحق کی تجویز پر مولانا سید اسعدؒ مدنی معہ رفقاء مولانا عزیر گلؒ کی مرحومہ رفیقۂ حیات اور دیگر مرحومین کی قبروں کی زیارت اور ایصالِ ثواب کے لئے ''میاں گاؤں'' کے قبرستان بھی گئے، واپسی پر کھانا تناول کر کے نمازِ ظہر ادا کی گئی۔ نمازِ عصر کی بعد پھر مجلس کا انعقاد ہوا۔ مختلف علمی موضوعات پر گفتگو کے بعد رات وہیں قیام ہوا۔ صبح کو مولانا سید اسعد مدنیؒ اپنے رفقاء کے ہمراہ کاروں کے ذریعہ پشاور روانہ ہو گئے۔ وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچے تو ہوائی اڈے پر بہت بڑے جلوس کی شکل میں مولانا عبدالعزیز سرگودھا والے اور مولانا سید انور حسین نفیس (خلفاء حضرت رائے پوریؒ) اپنے مریدوں، علماءِ کرام اور دینی جماعتوں کے ممتاز کارکنوں کی

رفاقت میں سراپا انتظار تھے۔ ہوائی اڈے سے جامعہ مدنیہ پہنچے، دوسرے روز مولانا عبید اللہ انورؒ کے ہاں ''خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور'' میں رونق افروز ہوئے اور مختلف تقریبات میں شرکت کے بعد گنڈا سنگھ والا بارڈر کی جانب سے براستہ بھٹنڈہ دہلی روانہ ہوگئے۔ (اس سفر کے مفصل واقعات راقم الحروف نے ''مولانا سید اسعد مدنیؒ کے ساتھ چند روز'' کے زیرِ عنوان ۱۹۷۰ء کو ہفت روزہ خدام الدین لاہور میں کئی قسطوں میں شائع کردیئے تھے)

بعدازاں مولانا سید اسعد مدنیؒ جب بھی پاکستان میں تشریف لائے، کبھی مروجہ سیاسی موضوع پر گفتگو نہیں کی بلکہ ہمیشہ اُمت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق اور علماءِ کرام کے مابین اختلافی اُمور کے خاتمے اور عصری تقاضے کے مطابق راہِ عمل اُستوار کرنے پر ہی زور دیتے رہے ہیں۔

حال ہی میں جب بہاولپور میں تشریف لائے (غالباً یہ ان کا پاکستان میں آخری سفر ہے) تو مجھے لاہور جامعہ مدنیہ میں شرفِ ملاقات نصیب ہوا۔ جب مہتمم مولانا رشید میاں نے میری حاضری کی اطلاع دی تو کمرے میں داخلے سے قبل ہی انتظار میں کھڑے تھے، بہت تپاک اور بہت سے معانقہ سے مشرف فرمایا، چونکہ کمرہ مشتاقانِ زیارت سے بھرا ہوا تھا، اس لئے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد صرف یہی عرض کرسکا کہ:

حضرت! آپ حضرات نے تو کئی برس کے بعد اختلافات ختم کرنے کا اعلان کرکے وحدتِ علماء کی فضا قائم کردی ہے۔ آپ اس سفر میں پاکستانی جمعیتوں کے سربراہوں اور ختمِ نبوت کے مقدس نام کی دھڑے بندیوں میں بھی اتحاد اور وحدت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں تو احسانِ عظیم ہوگا۔ حضرت مدنیؒ یہ سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا! اچھا بھائی اللہ اچھے اسباب پیدا فرمادے' دل تو اس کے اختیار میں ہے۔

حضرت مولانا سید اسعدؒ مدنی سے اس شرفِ زیارت و ملاقات کے بعد اخبارات میں ان کی شدید بیماری کی خبر پڑھی اور تین ماہ بعد یہ المناک خبر سننے میں آگئی کہ ۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ملتِ اسلامیہ کا غمخوار عالم اسلام کو غمگین چھوڑ کر داعیِ اجل کو لبیک کہہ گیا ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اسلاف کی رفاقت میں جنت الفردوس میں مقامِ علیین عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر و استقامت کے ساتھ ان کے نقوش تابندہ رکھنے کی سعادت سے نوازے۔ آمین۔

حضرت مولانا سید اسعدؒ مدنی کی وفات سے ہندوستانی مسلمان ایک مستعد غمخوار، دینی و ملی قائد، رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کی تنظیم، ایک مجتہد، فقیہ اور صائب الرائے مشیر، اور مسلمانانِ عالم کی بہت سی تنظیمیں ایک مخلص ہمدرد کی گراں قدر رہنمائی اور تعاون سے محروم ہوگئی ہیں، لیکن بفضلہ تعالیٰ مولانا سید اسعدؒ مدنی کے اعمالِ صالحہ صدقاتِ جاریہ کے طور پر ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گے۔.........

مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی! مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ

باب : ۹
اپنے استاذ شیخ الحدیث
مولانا عبدالحقؒ سے تعلقِ خاطر،
مکاتبت، جامعہ دارالعلوم حقانیہ
میں تشریف آوری اور خطابات

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور جامعہ حقانیہ سے تعلقِ خاطر

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کو برصغیر میں دیوبند ثانی کہا جاتا ہے، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے اسے ''دارالعلوم دیوبند'' کا بیٹا قرار دیا ہے۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق، دارالعلوم دیوبند میں مدرس رہے۔ امیر الہند فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ نے آپ کے قیامِ دیوبند میں آپ سے شرفِ تلمذ بھی حاصل کیا، پاکستان کے اسفار میں وہ اپنے استاذ سے ملاقات کو ضروری سمجھتے تھے، جب بھی پاکستان میں ان کا ورودِ مسعود ہوا، اپنے اُستاذ کی ملاقات کے لئے جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لاتے اور اپنے استاذ کی زیارت وملاقات سے تشفی اور روحانی فرحت وسرور حاصل کرتے۔

اپنے آخری سفرِ پاکستان بہ سلسلہ ڈیڑھ صد سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں شرکت کی غرض سے جب اساتذہ ومشائخ اور اکابرینِ دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے تو جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں بھی حاضری ضروری سمجھی اپنے شیخ کے مزار پر حاضری دی، فاتحہ پڑھی، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے دولت کدہ پر اکابرینِ دیوبند کے ہمراہ ضیافت قبول فرمائی۔ اس موقع پر اساتذہ وطلبۂ دارالعلوم سے مفصل خطاب فرمایا اور زنان خانہ میں اپنے شیخ کے گھر کی خواتین کو گھنٹہ بھر خصوصی نصائح اور شرفِ بیعت سے نوازا۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ''ماہنامہ الحق'' اور اس کے بانی ومدیر مولانا سمیع الحق سے بھی خصوصی تعلقِ خاطر رہا۔ جس کی نمایاں جھلک ان کے اپنے شیخ کے ہاں حاضری، جامعہ حقانیہ میں خطابات اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کے نام لکھے گئے خطوط میں دیکھی جاسکتی ہے، اسی سلسلۂ زرین سے متعلق خطوط، مضامین، خطبات اور مختلف مواقع پر لکھے گئے شذرات باذوق قارئین کی نذر ہیں۔ یقیناً آپ بھی حظِ وافر حاصل کریں گے۔ (ع ق ح)

مولانا سید نصیب علی شاہ ایم این اے فاضل جامعہ حقانیہ

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے ملاقات کا ایک منظر

۱۴ر جولائی ...... شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے فرزند و جانشین جمعیۃ العلماءِ ہند کے صدر، ایشیاء کی اسلامی کانفرنس میں بھارت کے مندوب حضرت مدنیؒ کے خصوصی شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی عیادت اور ملاقات کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ میں تشریف لائے۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ ایک بار اس سے قبل بھی دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نواز چکے ہیں۔ اس بار آپ کی آمد نہایت مختصر رہی، مگر شدید مصروفیات کے باوجود آپ نے اپنے استاذِ گرامی حضرت شیخ الحدیثؒ کے ملاقات کا موقع سخاکوٹ سے واپسی ہیں نکال دیا۔ اس وقت دارالعلوم میں بوجہ تعطیلات گرما گرمی نہیں تھی، پھر بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کے متوسلین ومعتقدین فضلاءِ دیوبند اور دیگر مشتاقان کافی تعداد میں حضرت کی زیارت کے لئے موجود تھے، اپنے مختصر قیام میں آپ نے دارالعلوم کے نوتعمیر شدہ کتب خانہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یاد میں تعمیر شدہ احاطہ قاسمیہ کا معائنہ کیا۔ ماہنامہ الحق کے جدید دفتر میں حضرت مولانا شیخ الحدیثؒ اور دیگر حضرات کے ساتھ چائے کی مجلس پر گھنٹہ سوا گھنٹہ گفتگو رہی۔ مولانا سمیع الحق نے انہیں مؤتمر المصنفین کے مطبوعات کا سیٹ پیش کیا۔ دارالعلوم کے تفصیلات بتلائیں، پروانوں کے ہجوم میں احقر کو بھی مصافحہ کی سعادت ملی اور میری خواہش پر میری آٹو گراف بُک میں دستِ مبارک میں لکھا کہ ......

جہاں اے برادر نہ ماند بکس ——— دل اندر جہاں آفرین بند وبس

اس وقت مجلس کا عجیب منظر تھا۔ آپ اپنے مشفق استاد حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے ساتھ بیٹھے فرطِ ادب سے بچھے جارہے تھے، اور حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے مرشد زادہ مخدوم کے ہاتھ چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کی کوشش کررہے تھے۔ حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کو چونکہ نمازِ جمعہ پڑھانے کے لئے پشاور پہنچنا تھا، اس لئے بہت جلد معنوی مسرتوں کا یہ خوشگوار وقت بہار کے جھونکے کی طرح گذر گیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ نے گاڑی تک جا کر اپنے مخدوم زادہ اور اسلامیانِ ہند کے آنکھ کے تارے کو نہایت حسرت سے رخصت کیا۔ (الحق)

آنکھوں دیکھا حال

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم
مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی رسمِ دستار بندی

صد سالہ اجلاسِ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر مولانا اسعد مدنیؒ نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے پاس جاکر اپنے استاذ کے ہاتھوں اپنی دستار بندی کرائی

آج ۲۲/ مارچ اور ہفتہ کا دن ہے۔ برصغیر کی تاریخ کا یہ فقید المثال اجتماع حاضرین کے لحاظ سے پورے عروج پر ہے اور اس لحاظ سے مجمع انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ کل بعد از جمعہ افتتاحی نشست تھی اور بعد از عشاء دوسری نشست میں زیادہ تر حصہ عالمِ عرب کے مشاہیر علماء اور زعماء کی تقاریر کا تھا۔ وسیع و عریض پنڈال کی وسعتوں کو نگاہیں سمیٹ نہیں سکتیں اور آنکھوں کے کیمرے بھی حاضرین کا احاطہ کرنے سے عاجز و درماندہ ہیں۔ آج کی نشست میں پہلی تقریر عالمِ اسلام کی متاعِ گرانمایہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی ہوئی جو اپنی تقریر میں ملت مسلمہ ہندیہ کو نیا پیغام، نئی زندگی اور نیا ولولہ دے گئے اور اس پیغام نے ''حاصلِ اجلاس'' یا پیغامِ دیوبند کی حیثیت حاصل کرلی۔ کچھ حصہ ان کے خطاب کا عربی زبان میں بھی تھا کہ عالم عرب کے بے شمار سامعین و شرکاءِ جلسہ بھی اس انمول تحفۃ الہند سے دل و دماغ منور کرسکیں۔

ان کے خطاب کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کی تقریر ہوئی، جنہیں اپنی علمی اور سیاسی بھاری بھرکم شخصیت اور خداداد وجاہت کی وجہ سے قدرتی طور پر پاکستان سے شریک ہونے والے کم و بیش ۵ ہزار زائرین و شرکاءِ جلسہ کی زعامت و قیادت کا شرف بھی حاصل ہے۔ ان کی تقریر بھی مختصر مگر جامع اور مؤثر رہی، کچھ دو ایک مزید عربی تقاریر بھی ہوئیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانی امیر شریعتِ بہار نے مائک پر آ کر اعلان کیا کہ اس نشست کا یہ حصہ دستار بندی کے لئے تھا، مگر چونکہ وقت کم ہے، اس لئے اب بعض نہایت اہم اکابر کی دستار بندی پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمایا کہ چونکہ بعض اہم شخصیتوں کی تقاریر کی وجہ سے وقت کم رہ گیا ہے جس میں خاصی تعداد میں دستار بندی مشکل ہے، جبکہ اب تک کے کل فضلاء کی تعداد ساڑھے گیارہ ہزار کے لگ بھگ ہے، جن کی دستار بندی فرداً فرداً رسم کے مطابق اگرچہ ہونی چاہئے تھی، مگر یہ ناممکن ہے، تاہم اس نشست میں دو چار اہم شخصیتوں کی دستار بندی کرنا چاہتے ہیں، جن میں سے ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہیں جنہوں نے پاکستان میں ایک اہم مرکزی دینی درسگاہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کی جو پاکستان میں سب بڑا مدرسہ ہے اور جنہوں نے فراغت کے بعد تقسیم سے پہلے قیامِ پاکستان تک یہاں دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ اور دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث (جو آج کل اگرچہ درس نہیں دے سکتے، معذور ہیں مگر شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں) کی دستار بندی بھی ہوگی۔ باقی حضرات فضلاء کو کل یعنی ۲۳ / مارچ کو جلسہ کے اختتام کے بعد دارالحدیث کے ہال میں دستارِ فضیلت دی جائیں گی۔

اس کے بعد دستار بندی شروع ہوئی، سب سے پہلے خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی رسمِ دستار بندی ادا ہوئی، جن کی مسلسل طویل اور انتھک خدمات کے دور میں دارالعلوم دیوبند نے ایک مدرسہ سے عالمی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس کے بعد جانشین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ، حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ صدر جمعیۃ العلماءِ ہند کی دستار بندی کا اعلان ہوا۔ فضلاءِ دارالعلوم کی کل تعداد میں حضرۃ شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے تلامذہ اور ان سے سندِ حدیث لینے والوں کی تعداد دو تہائی سے کم نہ ہوگی ویسے بھی لاکھوں کروڑوں مسلمان حضرت قدس سرہٗ کے گرویدہ اور نام لیوا ہیں۔

آج یہ لوگ اپنے شیخ، استاد اور مرشد کے جانشین اور یادگار کی اس پر مسرت اور بابرکت رسم دستار بندی کا منظر دیکھ کر بے تاب ہو رہے تھے۔ اجتماع میں ہلچل مچ گئی، لوگ فرطِ جذبات سے بے قابو ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ نے مائک پر آ کر فرمایا کہ یہاں سب اکابر علم وفضل ہیں، مگر اس وقت میرے دو اساتذہ موجود ہیں جن میں سے ایک حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم ہیں (ایک اور بزرگ کا نام لیا جو غالباً دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث ہیں، مگر نام سنا نہیں گیا) اور میری دلی خواہش ہے کہ ان حضرات اساتذہ سے میری

دستار بندی کرائی جائے۔

اس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ سٹیج کے شمالی کونے میں پہلی صف میں صوفے پر تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں سہارا دیے ہوئے مائک تک لے آئے۔ یہ منظر عجیب فرحت انگیز اور رقت آمیز تھا۔ مخدوم زادۂ عالم اور ہندوستانی مسلمانوں کے زعیم کی اپنے استاذ سے متواضعانہ اور مخلصانہ عقیدت قابلِ دید تھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دیگر اکابر اور حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ کی دستار بندی فرمائی۔

اس کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مائک پر آکر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی دستار بندی کا اعلان فرمایا اور حضرت کے بارہ میں تحسین ومحبت کے زوردار کلمات سے ان کا تعارف کیا اور فرمایا، حضرت مولانا دامت برکاتہم دارالعلوم دیوبند کے ان جید علماء میں سے ہیں، جنہوں نے فراغت کے بعد عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور تقسیم ہند کے بعد بادلِ ناخواستہ حضرت مولانا کو یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا اور تقسیم کے بعد ایک دینی ادارہ جامعہ حقانیہ کے نام سے قائم کر رکھا ہے اور حضرت مولانا وہاں خود کئی ہزار فضلاء کو دستار فضیلت عنایت کر چکے ہیں، مگر ان کی دستار بندی بھی نہیں ہوئی تھی اور اب بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ہم ان کی خدمت میں دستارِ فضیلت پیش کر رہے ہیں، حضرت مدظلہ اس وقت مائک کے قریب تشریف فرما تھے، مائک پر آنے کے بعد ان کی دستار بندی ہوئی، دستار بندی کے بعد حضرت مولانا عبدالحقؒ نے دو چار منٹ تک مختصر کلمات بھی ارشاد فرمائے، فرمایا کہ :

> ''یہ سب ان اکابر کی برکت اور دارالعلوم کا فیض ہے، ہم میں اس کی ہرگز اہلیّت نہیں، پورے برصغیر میں دین کی اشاعت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت قاری صاحب مدظلہ اور ان کے اکابر کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ ان اکابر دارالعلوم دیوبند کی کوششوں سے ملک آزاد ہوا اور دارالعلوم برصغیر میں اسلامی بقاء اور اشاعت کا ذریعہ بنا، دارالعلوم دیوبند کو ربّ العزت مزید ترقیوں سے نوازے''۔

(الحق' اپریل ۱۹۸۰ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ
بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

(بریکٹ میں وضاحتی نوٹس میں ''س'' سے مراد مولانا سمیع الحق ہیں)

حضرت استاذی المکرّم زید مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

والا نامہ رمضان شریف میں باعثِ سرفرازی ہوا تھا۔ حضرت متعنا اللّٰہ بعموم فیوضہ وعافیت سے ہیں۔ (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ جنہیں دارالعلوم حقانیہ میں قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی گئی تھے۔ س) والا نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، حضرت نے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ''میں اب بہت ضعیف ہو گیا ہوں اتنے طویل سفر کی طاقت مجھ میں نہیں ہے، مشاغل بھی اس کی اجازت نہیں دیتے، اسی لئے حاضری سے معذور ہوں۔ آپ کے مدرسہ کے احوال سنتا رہتا ہوں اور خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی خدمت کی زیادہ سے زیادہ توفیق اور قبولیت سے نوازے۔ ہم سب خدام بخیریت ہیں، آپ حضرات برابر یاد آیا کرتے ہیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں''۔ فقط والسلام

خادم، طالبِ دعا ...... اسعد غفرلہ (۲ / ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ)

....

حضرت الاستاذ محترم زید مجدہم وعنایاتکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

اُمید ہے مزاج والا بعافیت ہوگا، میں الحمد للہ بخیریت ہوں اور حج کے بعد جنوبی افریقہ اور اس کے اطراف میں سفر کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ یہاں پر مصر، شام، ترکی، حرمین شریفین، عراق، کویت ہوتے ہوئے

افغانستان ہوکر کابل سے ۴؍جولائی کو پشاور اور ۱۰؍ کو وہاں سے لاہور اور پھر اسی وقت کراچی روانہ ہو جاؤں گا اور ۱۶؍ جولائی کی صبح ان شاء اللہ کراچی سے دہلی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا لیکن یہ پروگرام تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ مجھ کو پاکستان کا ویزہ مل گیا، ورنہ پھر ۴ تا ۱۰؍جولائی کو سیدھے کابل سے کراچی ان شاء اللہ ضرور بر ہر دو شکل اور کراچی سے ۱۶؍جولائی کو دہلی کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔

حضرت مولانا (اسیر مالٹا، تلمیذِ رشید حضرت شیخ الہندؒ۔س) عزیر گل صاحبؒ سے ملاقات کا بہت شوق ہے، اسی لئے پشاور (مولانا حسب پروگرام تشریف لائے، دارالعلوم حقانیہ کو بھی آمد سے نوازا۔س) اُترنا چاہتا ہوں۔ براہِ کرم کسی طرح ممکن ہو تو مولانا سید گل بادشاہ صاحب (فاضل دیوبند، خادم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جمعیت العلماء اسلام کے بانی مبانی اور تاسیسی ارکان اور راہنماؤں میں سے تھے۔ التوفی ۱۰؍جولائی ۱۹۷۳ء۔س) سواڑیاں طور کو بھی مطلع فرما دیں، ممنون ہوں گا اور سلام بھی پہنچائیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب اور پرسانِ احوال حضرات سے سلام مسنون فرما دیں، دعوت صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ (۴؍جون ۱۹۶۹ء)

مخدوم ومکرم استاذی المحترم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

والا نامہ مورخہ ۷؍ربیع الاوّل باعث سرفرازی ہوا۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ (برصغیر کے عظیم قائد، مصنف وخطیب، ناظم جمعیت العلماء ہند۔س) کے وصال پر جو کچھ بھی جناب والا نے تحریر فرمایا ہے درست ہے۔ ملی وجماعتی زندگی کے کن کن پہلوؤں میں کتنے کتنے عظیم نقصان ہوئے، ناقابلِ بیان ہیں۔ ایسے متضاد اوصاف اور مشاغل اور ایسی ذمہ داری وہمت سے چل سکنے والا جامع شخص بالکل نظر نہیں آتا۔ بس اللہ ہی اپنے فضل سے اب اُمتِ مرحومہ کو نعم البدل عطا فرمائے اور بلایا سے بچائے...... ابھی چند ہی دن اس ابتلاءِ عظیم کو گذرے تھے کہ قطب دوران حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز (دیوبندی سلسلۂ طریقت کے اور ایک عظیم ہادی ومرشد۔س) اللہ کو پیارے ہوگئے۔ سخت تشویش واضطراب ہے، مشیتِ ایزدی کا کیا فیصلہ ہے، اللہ بہتر فرمائے۔

ہم سب بخیریت ہیں، خدا کرے جنابِ والا بھی مع متعلقین بعافیت ہوں۔ صاحبزادگان اور ساتھیوں اور مدرسین وکارکنانِ مدرسہ اور تمام پرسانِ احوال حضرات کو سلام مسنون فرما دیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرما دیں۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب مدظلہٗ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔س) حضرت مولانا اصغر علی صاحب (مولانا

مدنی مرحوم کے پرائیویٹ سیکرٹری ہیں) حضرت مولانا دامانی صاحب اور ارشد اور اسجد سلمہما کی طرف سے سلام مسنون قبول فرمائیں۔ تعزیت مسنونہ اور ایصالِ ثواب کے لئے اللہ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، ہم سب شکر گذار ہیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ، از مدنی منزل دیوبند

ذوالمجد والکرم مخدوم ومکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

والا نامہ مورخہ ۱۲ر جمادی الاخری باعث سرفرازی وعزت افزائی ہوا۔ الحمد للہ احقر اور دونوں چھوٹے بھائی عزیز ارشد واسجد سلمہما اور سب گھر والے بعافیت ہیں۔ آپ نے اس روسیاہ کو یاد فرمایا، اس کے لئے تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کو خطوط لکھے، مگر جواب نہ ملے (اس لئے کہ موصوف غالباً اب خود نہیں لکھ سکتے) بالواسطہ مجمل خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔

مولانا سمیع الحق صاحب سے سلام مسنون کے بعد فرمادیں کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز کی تحریک پر لکھی ہوئی کتاب (جو کہ کسی عبدالرحمٰن ہزاروی (یہ ایک پراگندہ حال قسم کا شخص تھا جس نے تحریک ریشمی رومال کے نام سے ادھر ادھر سے مواد جمع کیا اور کتاب کی نسبت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی طرف کی، دیگر قابلِ اعتراض اُمور کے علاوہ اس کتاب میں مولانا عزیر گل کاکاخیل اسیر مالٹا اور بعض دوسرے جان نثار اور مخلص کارکنانِ تحریک کو ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا، جس کی تردید احقر کے نام مولانا محمد میاں وغیرہ کے قلم سے آئی۔ تفصیل جلدِ ثانی میں آرہی ہے۔ س) کے دو نسخے جلد مطلوب ہیں۔ احقر مولانا سید حامد میاں کو بھی لکھ چکا ہے۔ بدقسمتی سے اس کا اقتباس یہاں ''شبستان ڈائجسٹ'' میں اور پھر علی گڑھ سے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی تحریک پر پی ایچ ڈی کرنے والے کے مقابلے میں بھی۔ اس لئے اب اُس کو نا قابلِ توجہ قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس کے اجزاء کی تردید ضروری ہے، اگر یہ کتابیں مولانا حامد میاں صاحب کے پاس لاہور یا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب کے پاس کراچی پہنچانے کے لئے بھیج دی جائیں تو کسی آنے جانے والے کے بدست بآسانی آجائیں گی۔ ان شاء اللہ۔

احقر نے دہلی کا قیام یکسر ترک کر کے دیوبند اختیار کر لیا ہے، اگر بسہولت ممکن ہو تو مفتی محمود صاحب (مشہور قائد، زعیم جمعیت علماءِ اسلام شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان التوفی ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۰ء۔ س) اور پرسانِ احوال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمادیں۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہ (مدنی منزل دیوبند) ۷ر رجب ۱۳۹۴ھ

یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! مزاج شریف۔

والا نامہ مع عطیہ سامیہ باعث سرفرازی ہوا۔ کرم فرمائی کے لئے شکرگزار ہوں۔ امانتیں پہنچادیں، سب کی طرف سے شکریہ قبول فرمائیں۔ ہم کو تو آپ حضرات اکابر کی دعوات صالحہ کی احتیاج ہے کہ ضعیف ہوتا جارہا ہوں، اللہ آپ کے درجات کو ترقیات عطا فرمائے۔ مولانا سمیع الحق صاحب اور پرسانِ احوال حضرات سے سلام فرمادیں، عزیزم مولوی ارشد ورشید الدین سلمہما بخیریت ہیں۔ عزیزم امجد سلمہ کی علالت چلا کرتی ہے۔ علاج جاری ہے والدہ صاحبہ بھی بخیریت ہیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

(مولانا) اسعد (صاحب مدظلہٗ)

بقلم محمود احمد مدنی منزل دیوبند

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

مودودی جماعت کے افکار وعقائد آپ سے پوشیدہ نہ ہوں گے۔ حضرتؒ اور دوسرے اکابر حضرات کو ان سے جن وجوہ کی بناء پر اختلاف رہا ہے، ان سے بھی آپ ناواقف نہ ہوں گے، لیکن مجھے یہ معلوم ہو کر تعجب ہوا کہ آپ کے مدرسہ میں کوئی مدرس (مولانا محمد یوسف مفتی و مدرس دارالعلوم حقانیہ بعد میں الگ کردیئے گئے۔ س) مودودی جماعت کے فرد ہیں جن کے بارے میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور مولانا گل بادشاہ صاحب صدر جمعیت علماء سرحد آپ کو توجہ دلا چکے ہیں۔ کیا اچھا ہوگا کہ آپ ان کو علیحدہ کرکے اپنے سادہ دل طلبہ کو اس فتنہ سے محفوظ کرلیں، اچھے مدرسین کی کچھ کمی نہیں ہے، آپ توجہ کریں گے تو ان سے بہتر استعداد اور قابلیت کے علماء آپ کو مل جائیں گے۔ میں آج کل بہت مصروف ہوں، اس لئے ان سطور پر اکتفاء کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں' جواب باصواب سے محروم نہ فرمایا جائے گا۔ زیادہ احترامات ! دعوات صالحہ اور خدمات لائقہ سے فراموش نہ فرمایا جائے۔

فقط والسلام

اسعد غفرلہٗ (مدنی منزل یکم رجب ۱۳۸۴ھ)

مکاتیب بنام مولانا سمیع الحق مدظلہٗ

تحریک ریشمی رومال کے بارے میں ایک شرمناک جھوٹ کی تردید

جہادِ حریت واستخلاص کے بارے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمگیر اور بے مثال تحریک ''ریشمی رومال'' سے مشہور ہے۔ لائل پور کے کسی ماؤف دماغ شخص نے کچھ عرصہ قبل اس تحریک کے بارہ میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں تاریخی واقعات کو ادھر ادھر سے جمع کر کے اپنی کتاب کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی طرف کردی اور تحریک کی ناکامی کے اسباب کے ضمن میں تحریک کے بعض ممتاز اور بنیادی کارکنوں کے جذبۂ اخلاص اور وفاداری پر خفیف انداز میں دست درازی کی۔ اس بارہ میں حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحبزادۂ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی تشریف آوری کے موقع پر مدیر الحق مولانا سمیع الحق کے استفسار کے جواب میں جو تحریری وضاحت فرمائی اسے سوال سمیت من وعن یہاں شائع کیا جارہا ہے۔

حضرت محترم مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

جناب عبدالرحمٰن ہزاروی نامی ایک شخص نے ''تحریک ریشمی رومال'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کی نسبت تصنیف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی طرف کی گئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں حضرت شیخ الہند مرحوم کے ایک نہایت ممتاز جان نثار معتمد علیہ اور صاحبِ سر تلمیذ اور تحریک کے سرگرم کارکن اسیر مالٹا مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ اور شیخ الہند کے بعض دیگر مخلص رفقاء کے متعلق نہایت بھونڈے طریق سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن سے ان حضرات کے بے لوث قربانی اور بے مثال کردار وشخصیت کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے اور تاریخی حقائق سے لاعلمی رکھنے والے حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ یہ کتاب آنجناب کے مطالعہ سے گذری ہے یا نہیں؟ اس قسم کی بے سروپا باتوں کے بارہ میں آپ کا کیا تاثر ہے؟

والسلام

سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ...... ۱۷ر جولائی ۱۹۶۹ء

جواب ...... محترم المقام مدیر ماہنامہ ''الحق'' دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

''تحریک ریشمی رومال'' مرتبہ مولوی عبدالرحمان ہزاروی کی تصنیف کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ کی طرف منسوب کرنا بدترین افترا ہے۔ یہ تصنیف مولوی عبدالرحمان صاحب ہزاروی کی طبع زاد ہے جس میں تاریخی واقعات کو مسخ کر کے انتہائی مکروہ صورت میں پیش کیا گیا ہے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصنیفات سے بعض اقتباسات پیش کر کے یہ تأثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔ اس میں خاص طور وہ حصہ انتہائی مکروہ افترا ہے جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مخلص خادم و جان نثار اور رفیقِ اسارت اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مخلص ترین رفیق حضرت مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کو ریشمی خطوط کی تحریک میں انگریزوں کا آلۂ کار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں مولوی عبدالرحمٰن ہزاروی کی اس قسم کی تمام افترا پردازیوں کی پُرزور تردید کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق اس کتاب میں کی ہیں اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تعلقات حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہٗ سے انتہائی یگانگت اور اخلاص کے ساتھ قائم رہے ہیں اور والد محترم کے انہیں تعلقات کے احترام میں انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود میں نے ان کی زیارت کی بیس سالہ تمنا کے حصول کے لئے ان کے دیہاتی خام مکان پر حاضر ہونے کی آج ہی سعادت حاصل کی ہے، جہاں وہ اسی درویشانہ اور تبتل کی زندگی گذار رہے ہیں، جو حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے مخلصین کا طرۂ امتیاز اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہٗ کی طویل تاریخی زندگی کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت رہی ہے۔

اسعد غفرلہٗ

۱۷؍جولائی ۱۹۶۹ء پشاور

مخدوم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

والا نامہ مورخہ ۵؍ستمبر کل باعثِ سرفرازی ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ سفرِ مدراس میں حضرت (**متعنا اللہ بطول حیاتہ وعموم فیوضہ و بصحتہ**) کو ضیق النفس (شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا یہی مرض بالآخر مرضِ وفات ثابت ہوا۔س) کی سی شکایت ہوگئی، یہاں پہنچ کر ڈاکٹروں کو دکھایا تو انہوں نے

ایکسرے وغیرہ کر کے اس کو عارضۂ قلب قرار دیا، چنانچہ علاج سے فائدہ بھی ہوا، مگر کئی مرتبہ مرض نے عود کیا، اسی لئے حکیم مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب کو لکھواتے اور پھر ڈاکٹر عبد العلی (لکھنؤ کے معروف حکیم، ڈاکٹر، عالم اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کے برادر بزرگ۔ س) کو لکھنو سے بلانا پڑا۔ علاج بحمد للہ وتوفیقہ پوری توجہ سے ہو رہا ہے، اب افاقہ بھی بہت ہے۔ ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے اور تمام مشاغل سے احتیاطاً اب تک منع کر رکھا ہے، ملاقات وغیرہ کی بھی عام اجازت نہیں ہے، مگر اُمید ہے کہ دو ایک ہفتے میں پابندیاں نرم ہو جائیں گی۔ دورے جواب بحمد للہ ہفتہ عشرہ سے نہیں ہوتے پہلے بہت سخت ہوتے تھے، تمام بدن پسینہ پسینہ ہو جاتا، تنفس بہت ہوتا تھا، قلب میں درد اور سخت بے چینی ہوتی تھی۔ بہر حال دعا کی ضرورت ہے۔ پُرسان حال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے اس نابکار ناکارہ کو بھی فراموش نہ فرمائیں گے جو حضرات بھی حضرت مدا للہ ظلہم کے احوال معلوم کرنا چاہیں، ان کو اطمینان دلائیں کہ اب بحمد للہ حضرت مدا للہ ظلہم بعافیت ہیں۔ فقط والسلام

اسعد غفرلہٗ (۲۱ر صفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۷ء)

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

والا نامہ باعث عزت افزائی ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ ویزہ مل جائے مگر نہ ملا، اس وجہ سے حاضری سے مجبور ہوں۔ آپ کا اس قدر فرمانے کا بہت شکر گذار ہوں۔

والسلام

مولانا اسعد بقلم اصغر علی غفرلہ

از دیوبند، ۱۹ر ربیع الاوّل ۱۳۷۸ھ

مخدوم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مزاج شریف! تعزیت (غالباً مولانا حمید الدین رشیدی صاحبؒ مراد ہیں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند میں شرکت کے لئے آرہے تھے کہ ایکسیڈنٹ کے المناک حادثہ میں شہید ہوئے اور کچھ ساتھی زخمی ہوئے۔ مرحوم کی تدفین دیوبند میں ہوئی، صاحب مکتوب کے نہایت قریبی اعزہ میں سے تھے۔ س) اور دعاؤں کے لئے بہت شکر گذار ہوں جزاکم اللہ فی الدین خیراً

اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے کہ صبر فکر کی ہم سب کو توفیق بخشی۔ واقفین پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں، دعوت صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ مجروحین (اس حادثہ میں مولانا اسعد مدنیؒ کے فرزند صاحبزادہ محمد کا بھی انتقال ہوا تھا اوران کی اہلیہ اور خوش دامن بھی زخمی ہوئی تھیں۔س) کی حالت بہتر ہے، ہسپتال سے ڈسچارج کر دیئے گئے ہیں۔ ابھی علاج جاری رہے گا۔ فقط والسلام

اسعد غفرلہٗ دیوبند (سہارنپور) ۲۰؍دسمبر ۱۹۶۸ء

مخدوم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! مزاج شریف!

عنایت واظہارِ ہمدردی وایصالِ ثواب کے لئے شکر گذار ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ صاحبزادی صاحبہ (میری ہمشیرہ عزیزہ زینبؒ، جن کا بحالت زچگی ۲۲، ۲۳؍اکتوبر ۱۹۶۸ء کی درمیانی شب انتقال ہوا، بچی ثمینہ بی بی زندہ رہ گئی۔س) کے انتقال کی خبر سے افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ سے نوازیں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ہم لوگ دعاؤں کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واقفینِ پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں۔ دعوتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں

فقط والسلام

اسعد غفرلہ، مدنی منزل دیوبند

(سہارنپور) ۲۰؍دسمبر ۱۹۶۸ء

مکرمی گرامی قدر زید مجدکم

سلام مسنون ! مزاجِ گرامی !

میں بحمد اللہ بخیریت دہلی پہنچ گیا ہوں۔ آپ حضرات (مولانا مدظلہ نے یہاں سے واپسی کے بعد یہ مکتوب تشکر لکھا۔س) نے جس اخلاص ومحبت کے ساتھ کرم فرمائی کی اس کے لئے انتہائی ممنون ومشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے آپ حضرات سے نیاز حاصل کرنے اور روابط کی تجدید کا موقع مرحمت فرمادیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس ملاقات کو طرفین کے لئے باعث خیر وفلاحِ دارین فرمائے اور اپنی مرضیات

سے نوازے۔ تمام پرسانِ احوال حضرات سے سلام مسنون فرمادیں۔ دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

اسعد غفرلہٗ (۲۳؍مارچ ۱۹۶۹ء)

مخدومی ومحترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مزاج گرامی! والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا، اور یادفرمائی کا شکرگزار ہوں۔ ان شاء اللہ آئندہ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ مدرسہ دارالعلوم میں مولانا معراج الحق صاحب (بعد میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ س) نائب مہتمم کی بے جا سختیاں اور ذمہ داران کی جانب داری سے لوگوں میں بے چینی پہلے سے ہی تھی جس کے نتیجے میں یہ صورتحال پیش آئی، پولیس کے ذریعے سے خالی کرایا گیا، ۳۵ طلباء کا اخراج عمل میں آیا، مشتبہین کی ایک طویل فہرست مرتب ہو چکی ہے۔ اللہ فضل فرمائے، مدرسہ کھل گیا ہے، تعلیم شروع ہو چکی ہے۔ دعا فرمائیں، دامانی صاحب (مولانا عبدالحق دامانی خادم خاص حضرت مدنیؒ خانقاہ مدنی دیوبند کے لئے اپنی زندگی وقف کی۔ س) ارشد (مولانا محمد ارشد، مولانا محمد اسجد، حضرت مدنیؒ کے صاحبزادگان۔ س) اسجد وغیرہ سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کی درخواست۔ واقفین پرسانِ احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرمائیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

فقط والسلام

اسعد (مدنی منزل دیوبند، ۴؍ستمبر ۱۹۶۹ء)

۵؍رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۶؍جولائی ۱۹۷۴ء

محترم مولانا زاد اللہ لطفکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مزاجِ گرامی، ریشمی رومال کی تحریک کے سلسلے میں یہ حاصل شدہ مضامین وغیرہ کا ایک حصہ ہے، جس کا عنوان ہے کون کیا ہے؟ اس میں غالباً ایک سو بیس حضرات کے اسماءِ گرامی ہیں ہر ایک کے متعلق سی آئی ڈی کا نوٹ ہے۔ حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے متعلق جو نوٹ ہے اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس حصہ کی کتابت ہو رہی ہے۔ باقی حصہ کی کتابت ایک اور صاحب فرما رہے ہیں۔ خدا جلد کتاب کی تصحیح کے مراحل طے کرادے تو طباعت کی نوبت آئے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق بخشے۔ مزاج گرامی بعافیت ہوں۔

والسلام محمد اسعد

۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۰۰ھ

برادرم مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

خدا کرے مزاجِ گرامی بخیر ہوں۔ رمضان کے بعد الحق کا کوئی پرچہ نہیں ملا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ میری سردمہری سے تنگ آ کر آپ نے پرچہ نہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ اپنی اس کوتاہی پر نادم ہوں۔ خط لکھنے میں یقیناً کوتاہی ہوں، جواب میں اس سے زیادہ کوتاہ اور کاہل واقع ہوا ہوں۔ اس پرچہ کو دیکھ کر آپ حضرات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ میرے خیال میں آپ کی مخلصانہ محبت اور بے غرض تعلق کی راہ میں میری نااہلی حائل نہ ہوئی ہوگی، مجھے توقع ہے کہ آپ ضرور راقم الحروف کے نام برابر ''الحق'' روانہ فرماتے رہیں گے۔

اب تو ہندوستان کے سفر کی کافی سہولتیں ہیں۔ خدا جانے کیوں ہوگیا ہے دیوبند میں اکابر نہ سہی مگر قبرستانِ قاسمی تو ان کی پرانوار قبروں سے تو آباد ہے سکونِ دل اور تازگی روح کیلئے کسی عاشق مسکین کے بھیس میں آیئے اور پھر یہاں کے ذرہ ذرہ کے انوار وتجلیات کا مطالعہ فرمایئے۔ والد محترم کی خدمت بابرکت میں اس فقیر کا سلامِ نیاز پیش فرمادیں اور دعا کی درخواست بھی۔ آپ سے بھی یہی درخواست ہے۔

اُمید ہے کہ فراموش نہ فرمائیں گے۔ احباب سے بھی سلام فرمادیں۔ آپ کے ایک ساتھی امروہہ (عزیزم شفیق الدین فاروقی مراد ہیں' جن کے بزرگوں کا تعلق شہر امروہہ سے تھا) کے آج کل بانڈہ میں اگر ہوں تو سلام فرما دیں۔

والسلام

اسعد غفرلہ ...... مراد آباد

تحریر ! مولانا سید اسعد مدنی

تحریک ریشمی رومال اور اس میں کون کیا تھا؟

مولانا عزیر گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

دستاویزی ریکارڈ کا پیش لفظ

حضرت شیخ الہند کی عالمگیر تحریکِ آزادی کے بارہ میں انڈیا آفس لائبریری لندن میں حکومتِ ہند اور سی آئی ڈی کی کارگذاریوں پر مشتمل محفوظ ریکارڈ کو پچھلے دنوں برصغیر کے مشہور مؤرخ مولانا سید محمد میاں دہلوی مرحوم کی تنقیح و ترتیب اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ ''تحریک شیخ الہند'' میں کون کیا تھا؟ کے نام سے بھارت میں شائع کیا گیا، کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اُس وقت کے انڈین صدر جناب فخر الدین علی احمد نے ایوانِ صدارت میں سینکڑوں منتخب مدعوین (جس میں وزیر اعظم اور دیگر عمائدین بھی شامل تھے) کے ساتھ اس عظیم الشان دستاویزی کتاب کا افتتاح کیا اور ملک بھر کے ذرائع ابلاغ نے اس تقریب کے ضمن میں علمائے دیوبند کے جہادِ آزادی کے اس سنہرے باب ''ریشمی رومال'' کی تشہیر کی اس کتاب کا پیش لفظ تحریکِ شیخ الہندؒ کے اولوالعزم مجاہد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مرحوم کے فرزند رشید مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلمائے ہند نے لکھا ہے اور بڑی مسرت کی بات ہے کہ یہ پوری کتاب نہایت آب و تاب سے چھپ گئی ہے۔ امیر الہند مولانا محمد اسعد مدنی کا پیش لفظ ہدیۂ قارئین ہے ...... (سمیع الحق ایڈیٹر الحق)

سیدنا و مولانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز جن کی تحریک پیشِ نظر کتاب کا موضوع ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کے وہ تلمیذِ رشید تھے' جو صرف حلقۂ درس میں شریک نہیں رہے، بلکہ ایک فرزندِ رشید کی طرح عنفوانِ شباب ہی سے آپ کے جذبات و رجحانات کی تربیت بھی حضرت حجۃ الاسلام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ ابھی عمر عزیز کے ۱۷ یا ۱۸ مرحلے طے ہوئے ہوں گے۔ ابھی حضرت نانوتویؒ نے دیوبند کو اپنا مستقر بھی نہیں بنایا تھا۔ آپ کا قیام میرٹھ یا دہلی میں رہتا تھا کہ ''شیخ الہند'' خطاب پانے والا نونہال، حجۃ الاسلام کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ اس وابستگی نے گرویدگی کی صورت اختیار کر لی،

یہی گرویدگی تھی کہ آپ نہ صرف حضر میں بلکہ سفر میں بھی حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ رہتے، اور جانفشانہ خدمت سے جذبۂ راحت رسانی کے اضطراب کو تسکین بخشتے۔

یہ حجۃ الاسلام وہی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے جو چند سال پہلے ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء میں یورپ کے خوانچہ فروش دغابازوں سے نبرد آزما تھے، جواب اپنے مکر وفریب اور عہد شکنیوں سے جابر حکمران اور ستمگر فرمانروا بن گئے تھے۔ نبرد آزمائی کا نتیجہ شکست ہوا، مگر اس شکست نے صرف اسلحہ کو کند کر دیا تھا۔ جذبات کو افسردہ نہیں کرسکی تھی بلکہ زیرِ خاکستر چنگاریوں کی طرح ان کی تپش تیز ہوگئی تھی اور طوفانی انقلاب کے لئے ان کی حرارت اور بڑھ گئی تھی۔ تلمیذِ رشید وسعید مولانا محمود حسن کا سینہ حضرت استاد کے فیوض وافادات کا گنجینہ تھا۔ ان جذبات کا پرتو اس پر پڑا تو وہ آتشیں شیشہ بن گیا، جو ہر اُس آبگینہ کو سوزش وتپش کا تحفہ دینے لگا، جس میں عزتِ نفس، خودداری، خوداعتمادی اور استقلال وحریّت کی جھلک ہوتی۔ غیرتِ ملی اور حمایتِ وطن کی حرارت اس کے گوشۂ جگر میں ہوتی، گویا اس کی صدا یہ ہوگئی تھی .... ع ''من قاش فروش دل صد پارہ خویش ام''

یہ قاش فروشی کب شروع ہوئی اور اپنے نصب العین کی شمع سے دلوں کے چراغ دانوں کو منور کرنے کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی۔ اس کا کوئی سن وسال بتانا مشکل ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ شیخ الہندؒ کے آتشیں شیشہ نے جب حجۃ الاسلام کے آفتاب سے شعاعیں لینی شروع کیں، تب ہی سے اُن کی کرنوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کر دیا، یہ کرنیں کہاں کہاں پہنچیں اور کن کن حلقوں نے ان کرنوں کو سمیٹا اور کون کون سے حلقے ان کی تپش سے آتشدان بن گئے، ان کی نشاندہی مشکل ہے۔ صرف ایک حلقہ نمایاں ہوا یہ یاغستان کا حلقہ تھا۔

یاغستان یعنی آزاد قبائل میں کام کب سے ہو رہا تھا، ہمارے پاس اس کا بھی صحیح جواب نہیں ہے۔ البتہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب ۱۹۱۵ء میں وہاں پہنچے تو پچاس سالہ کوششوں کا منتشر ثمرہ اُن کے سامنے تھا جس کو منظم کرنے کے لئے مولانا سندھیؒ کو وہاں بھیجا گیا تھا۔

اگر ان کوششوں کی عمر پچاس سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کے آخری دَور اور حضرت شیخ الہندؒ کے عہدِ شباب سے وہاں کام ہو رہا تھا۔

اس علاقہ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کو جو حادثۂ عظیم پیش آیا تھا، جس نے گویا تحریک کو بے جان کر دیا تھا، وہ یاغستان کے متعلق اچھی رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، مگر بقول حضرت شیخ الاسلامؒ یہاں کے نوجوانوں میں فوجی صلاحیت تھی۔ جذبۂ جہاد بھی تھا۔ (نقشِ حیات ص ۲۰۹ ج ۲) یہ مقابلہ ومقاتلہ کے عادی تھے اور ان میں حبِ وطن، خودداری اور خوداعتمادی کا وہ جوہر تھا جس نے ان کو ہمیشہ انگریز کے مقابلہ میں صف بستہ رکھا، یہی جذبہ

تھا جس کی بناء پر یہ ہمیشہ انگریز کی غلامی کے لئے گردن جھکانے کے بجائے گردنیں کٹوانے کو پسند کرتے رہے۔

تحریک شیخ الہندؒ کے سلسلہ میں ان کی یہ خوبیاں نمایاں ہوئیں، اگر انگریزی فوجیں ان کی حدود میں داخل ہوگئیں تو ان کا مقابلہ اس شدت وقوت سے کیا کہ ان کی پلٹنیں کی پلٹنیں صاف کردیں اور یہاں تک پسپا کیا کہ ان کو اپنی چھاؤنیوں میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ (ایضاً ص ۱۴۵ و ۲۱۰ ج ۲) پھر ایک دفعہ ہی یہ صورت نہیں ہوئی بلکہ مسلسل یہ ہوتا رہا کہ مقابلہ کرتے اور جب رسد ختم ہوجاتی تو اپنے گاؤں میں جاکر رسد لاتے پھر جہاد کرتے۔ (ایضاً ص ۲۱۲ ج ۲) بے شک کامیابی میسر نہیں آئی مگر ان کی پہلوتہی یا بے وفائی کی بناء پر نہیں بلکہ بین الاقوامی حالات نے جس طرح جرمنی اور ترکوں کو لاچار کردیا، حتیٰ کہ ان کی سلطنتیں ختم ہوگئیں اور ان کے ممالک کے حصے بخرے ہوگئے۔ ان ہی حالات نے اُن مجاہدوں کو بھی کامیابی سے محروم کردیا جو ایسی حالت میں میدان میں آگئے تھے کہ اُن کو پوری طرح تیار ہونے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا۔

بہرحال اس علاقہ میں ایک عرصہ سے کام ہورہا تھا، مگر کام کی نوعیت کیا تھی اور کس جگہ کس کی سرکردگی میں کام ہورہا تھا، اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہوسکا۔ مولانا غلام رسول صاحب مہرؔ کی تحقیق یہ ہے کہ کام کی ابتداء مکاتب سے ہوتی تھی۔ (سرگذشت مجاہدین ص ۵۵۳) لیکن مکتب کو کس طرح تحریک کا مرکز بنایا جاتا تھا اور یہ مکتب کہاں کہاں تھے یہ سب پردۂ خفا میں ہیں۔

والد محترم حضرت شیخ الاسلامؒ کی تمنا تھی کہ وہ اس علاقہ کا دورہ فرمائیں اور تمام تفصیلات فراہم کریں اور ان سے رابطہ قائم کریں مگر افسوس اس کا موقعہ نہیں مل سکا۔

ہم شکرگذار ہیں جناب مولانا موسیٰ بھائی کرناڈی، طارق جلال صاحب اور اُن کے مخلص احباب کے کہ اُن کے ذریعہ اس تحریک کے متعلق حکومتِ ہند اور سی آئی ڈی کی کارگذاریوں کے اس ریکارڈ کا فلم میسر آگیا جو انڈیا آفس لندن میں محفوظ تھا۔

اس ریکارڈ سے ریشمی خطوط سے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں، کچھ افراد کی جدوجہد کا بھی علم ہوتا ہے مگر حضرت شیخ الہندؒ کی پوری تحریک کے متعلق پوری معلومات میسر نہیں آتیں۔ بنیادی غلطی یہ ہے کہ سی آئی ڈی نے بانی تحریک مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو اور مولانا ابوالکلام آزادؔ کو قرار دیا ہے۔ سی آئی ڈی کی نظر میں حضرت شیخ الہندؒ بانی تحریک نہیں تھے بلکہ مولانا سندھیؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اُن کو متاثر کیا تھا اور آلۂ کار بنالیا تھا۔ سی آئی ڈی نے اپنے اس یقین کی بنیاد پر جو کچھ فراہم کیا، وہ ان بزرگوں کے متعلق تو کافی قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس کو حضرت شیخ الہندؒ کی پوری تحریک کا مرقع نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ جب حضرت شیخ الہندؒ کے حریم تقدس تک اس کے نظر وفکر کی رسائی

ہی نہیں ہوئی تو تحریک کے اصل کار پردازوں اور اُن کی کارگذاری کا صحیح علم تو کیا ہوتا، ان کا وہم بھی نہیں ہوسکا۔

دس بارہ سال کا عرصہ ہوا، دہلی میں جامع مسجد کے علاقہ میں بم پھینکنے کا سلسلہ چلا، غالباً ایک سال تک چلتا رہا۔ دو تین مہینے کے بعد بم پھینک دیا جاتا تھا، یہ کیا سازش تھی اور اس کے سرغنہ کون تھے؟ سی آئی ڈی اس کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کے دماغ پر پاکستان کا ہوّا مسلط رہا اور وہ اس کو پاکستانیوں کی حرکت سمجھتی رہی اور جو اس کے دائیں بائیں اسی دہلی کے باشندے ہوں گے۔ ممکن ہے وہ پاکستان کے دشمن اور اکھنڈ بھارت کے حامی ہوں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ہم مشرب اور ہم پیشہ ہوں، ان کی طرف وہم وگمان بھی نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کی صورت حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کے سلسلہ میں بھی ہے، جس کو سی آئی ڈی ریشمی خطوط سازش کیس کہتی ہے۔

بہرحال اس ریکارڈ سے یہ حقیقت تو واضح اور ناقابلِ تردید ہوگئی کہ موجودہ آزادی کو جس جدوجہد کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے، ایک جماعت ایسی تھی جو اس سے پہلے سے یہ جدوجہد کر رہی تھی اور اس نے جہادِ حریت کے لئے، اپنے آپ کو اس وقت وقف کر دیا تھا، جبکہ ''انڈین نیشنل کانگریس'' نے مکمل آزادی تو درکنار ''ہوم رول'' اور ''ڈومنین اسٹیٹس'' کا نام بھی نہیں لیا تھا بلکہ حکومتِ وقت کی رضا جوئی میں مشغول تھی اور عام فضا یہ تھی کہ سروں اور خان بہادروں کا موسم بہار تھا، اس وقت اس جماعت نے مکمل آزادی کے لئے جان کی بازی لگادی تھی۔ ''اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے''۔ (آمین)

اس جماعت کے ارکان کی مدح وستائش کی سفارش کرنا ان سطور کا موضوع نہیں ہے جو پیش لفظ کے طور پر لکھی جارہی ہیں، نہ ان میں اس کی گنجائش ہے، البتہ اس جماعت کے ایک رُکن مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق چند کلمات لکھنے ضروری ہیں :

پاکستان میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے، بنام ''تحریک ریشمی رومال مولانا حسین احمد'' کتاب کے مصنف ہیں مولانا عبدالرحمٰن' اس کتاب میں مولانا عبدالرحمٰن نے یہ گل افشانی کی ہے کہ مولانا عزیز گل صاحب جاسوسی کیا کرتے تھے۔

اس نفرت انگیز الزام کے ثبوت کے لئے صرف ایک غیر مستند بیان پیش کیا ہے۔ باقی خود ساختہ قرائن درج فرمائے ہیں۔ کتاب کی تحریر کا ایسا انداز ہے کہ گویا حضرت والد صاحب (حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ) نے خاص مجلسوں میں سربستہ راز ظاہر فرمائے تھے اور عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو قلمبند فرمالیا تھا۔

میں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں جو تحریر کے انداز سے پیدا ہوئی ہے۔ واقعہ یہ

ہے کہ حضرت والد صاحب کو نہ اتنی فرصت ملتی تھی اور نہ یہ عادت تھی کہ طلبا کے ساتھ خاص مجلسیں کریں، وہ چشمہ رفیع اور علم کے دریا تھے، حلقۂ درس میں یہ دریا موجزن ہوتا تھا، تشنگانِ علوم وہیں سیراب ہوتے تھے، طلبہ کو دعوت دے مجلس جمانا یہ اُن کا طریقہ نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن صاحب کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ باوزن تو کیا ہوتے ایسے نہیں ہیں کہ کسی سنجیدہ مجلس میں ان کا تذکرہ کیا جائے، ان کا نام بھی ''رسوائے زمانہ'' جیسے توہین آمیز خطاب کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

طلبہ کے حلقہ میں بہت سی باتیں پھیلتی ہیں جو اکثر خود ساختہ ہوتی ہیں جن سے گرمیِ مجلس کا کام لیا جا ہے۔ عبدالرحمٰن صاحب نے انہی ہفوات کو جمع کر کے جاذبِ توجہ نام رکھ دیا ہے۔ ''تحریک ریشمی رومال''۔

بہر حال نہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت قابلِ اعتنا ہے، نہ وہ قرائن قابلِ التفات ہیں، جن مولوی عبدالرحمٰن نے اس الزام کی بنیاد رکھی ہے مگر تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ ایک صاحب جنہوں نے حضرت الہندؒ پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے، جس پر ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے، انہوں نے تقریباً دو صفحے اس ہفوات کو نقل کرنے میں رنگے ہیں اور ان قرائن کے متعلق فرمایا ہے، ''محلِ غور'' ہیں۔

غالباً مقالہ نگار صاحب کے نزدیک تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ متضاد قسم کے رطب و یابس جمع کر کے طرف سے محققانہ فیصلہ کرنے کے بجائے بارِ تحقیق پڑھنے والوں پر ڈال دیں اور فریضۂ غور و فکر اپنے بجائے ناظر کے ذمہ کر دیں۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے پیش کردہ قرائن میں سب سے قوی قرینہ یہ ہے کہ مولانا عزیر گل صاحب نے اخیر میں ایک میم سے شادی کر لی تھی۔ آپ فرماتے ہیں ''کیا حضرت شیخ الہندؒ کے مسلک کا فدائی انگریز رشتہ کر سکتا ہے''۔

اس قرینہ کا ایک جزو یہ ہے کہ کیا ایک مولوی کی مولویانہ آمدنی سے ایک میم کا تمدن پورا ہو سکتا ہے مولوی عبدالرحمٰن یہ قرینہ پیش کر رہے ہیں اور مقالہ نگار صاحب اس کو نقل کر رہے ہیں اور محقق مقالہ نگار صاحب کو یاد نہیں رہا کہ انہوں نے خود اس محققانہ مقالہ میں درج کر دیا ہے کہ یہ نکاح مولانا عزیر گل صاحب کی خواہش پر نہیں بلکہ خود میم صاحبہ کی خواہش پر ہوا تھا۔ (شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ از اقبال حسن خان ص ۲۰۳)

یہ میم صاحبہ نکاح کے بعد رُڑکی، پھر دیوبند میں بھی کئی سال تک رہیں، کہا جاتا تھا کہ ان کا تعلق لندن کے معزز خاندان سے تھا۔ ذی علم اور صاحبِ مطالعہ تھیں، بیوہ تھیں، ان کے پہلے شوہر ہندوستان میں اونچے عہدوں پر رہے تھے لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئیں تو زاہدانہ زندگی اختیار کر لی۔ یورپین تمدن کے بجائے دیوبند اور رُڑکی

قصباتی تمدن اپنایا۔ شدت سے پردہ کی پابند ہوگئیں، صوم وصلوٰۃ، اوراد و وظائف اور تلاوتِ قرآن کریم ان کا
فلہ تھا۔ تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ قرآنِ پاک کا ترجمہ بھی انگریزی میں لکھا، مگر افسوس طباعت کا انتظام نہیں ہوسکا۔

ایسی خاتون کے متعلق بدظنی گناہِ عظیم اور کسی خود ساختہ قرینہ کے لئے ایسی واجب الاحترام خاتون کا نام
''لا تنابزوا بالالقاب'' کے تحت حرام ہے۔

مولوی عبدالرحمٰن کے سامنے کوئی خیالی عزیرگل ہیں جن کی زندگی بلند پایہ دولت مند کی سی رہی، کیونکہ شیخ
ؒ کے رفیق اسیرِ مالٹا عزیرگل جن کا تعلق والد صاحب سے برادرانہ تھا اور بڑے بھائی کی طرح حضرت بھی ان پر
نت فرماتے اور ضرورت کے وقت تکفل بھی فرماتے تھے۔ ان کی زندگی تو ہمیشہ مولویانہ بلکہ طالب علمانہ رہی۔
بت سادہ بے تکلف' حضرت شیخ الہندؒ کی نشست گاہ میں رہا کرتے تھے، پھر مسجد یا مدرسہ کے حجرہ یا کرایہ کے مکان
زندگی بسر کی، کوٹھی یا پختہ مکان تو کیا اپنے لئے جھونپڑی بھی نہیں بنائی۔

مالٹا سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ کے خادمِ خاص تھے۔ واپس ہوئے تو زمانۂ تحریک میں خلافت کمیٹی دیوبند
صدر رہے، کچھ معمولی سی تجارت بھی کرتے رہے، تنہا تھے، کسی کا خرچ ان کے ذمہ نہیں تھا، ایک دفعہ لکڑیوں کی
بھی کرلی، اُسی میں اپنا اثاثہ ختم کردیا تو حضرت والد صاحبؒ نے رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں تقرر کرادیا۔ عرصہ
۔ اسی مدرسہ کے صدر مدرس رہے، اسی زمانہ میں میم صاحبہ کی متجسسانہ نظر نے آپ کو زوجیت کے لئے منتخب کرلیا،
سال بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ نکاح کا زمانہ ۱۹۴۰ء کے قریب کا ہے جبکہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک کا زمانہ جس میں
وسی ہوسکتی تھی، اس سے تقریباً پچیس سال پہلے یعنی ۱۵۔۱۹۱۴ء کا تھا۔

قرائن کے سلسلہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے دو مجلسوں کا ذکر کیا ہے کہ ان کی گفتگو کی خبر حکومت کو
ئی اور آپ کا خیال یہ ہے کہ شرکاءِ مجلس میں صرف مولانا عزیرگل صاحب ہی ایسے تھے جن کے ذریعہ خبر پہنچ سکتی تھی
ال یہ ہے کہ جن کارروائیوں میں مولانا عزیرگل صاحب نہیں تھے اور حکومت کے پاس ان کا بھی ریکارڈ تھا، اُن کی
رس نے پہنچائی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن کو کسی وجہ سے ذاتی طور پر حضرت مولانا عزیرگل صاحب سے پرخاش
ہے، اسی لئے وہ تہمات کو قرائن دے رہے ہیں اور اس میں خود اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت کی دلیل بھی پیش کر
ہے ہیں، خبر پہنچانے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجلس کا کوئی شریک ہی خبر پہنچائے۔ شرکاءِ مجلس کے دوسرے
وں سے بھی ذاتی تعلقات اس درجہ کے ہوتے ہیں کہ وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ فی الحقیقت وہ قابلِ اعتماد

نہیں ہوتے۔ان کے سامنے کوئی جملہ بے احتیاطی اور بے خیالی میں نکل گیا تو وہ اسی کی خبر بنا کر جہاں چاہتے ہیں، پہنچا دیتے ہیں، ہر بڑے شخص کے ساتھ ایسے لوگ لگے رہتے ہیں۔مولانا عزیر گل صاحب کا ماحول بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگا۔اس الزام کو مولانا عزیر گل صاحب کے سر تھوپنا عناد اور کینہ پروری کی دلیل ہے۔

جن صاحب کے بیان کو مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے شہادت میں پیش کیا ہے، اوّل تو خود ان کی شخصیت غیر معروف ہے، پھر وہ ایسے شخص کی روایت پیش فرما رہے ہیں جو مولانا عزیر گل صاحب کو پہچانتا نہیں تھا۔ صرف اس بناء پر وہ ایک شخص کو عزیر گل قرار دے رہا ہے کہ وہ پشتو بولتا تھا، گویا ہر پشتو بولنے والا عزیر گل، بہرحال عبدالرحمٰن کوئی سنجیدہ اور قابلِ اعتنا شخص نہیں ہے کہ ان کی باتوں کا خیال کیا جائے، تعجب ہے کہ مقالہ نگار صاحب نے ان ہفوات کو اہمیت دی اور حضرت والد صاحبؒ نے جس طرح مولانا عزیر گل صاحب کی توثیق کی ہے اور ان کی فداکارانہ خدمات بیان کی ہیں، ان کو اپنے مقالہ میں دو جگہ ص ۳۵۲، اور ص ۴۰۲ پر نقل کیا مگر ان پر اعتماد نہیں کیا۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس تحریک کے متعلق سی آئی ڈی کا ریکارڈ سامنے آیا تو اس میں بھی وہی ہے جو حضرت والدؒ صاحب نے نقشِ حیات میں تحریر فرمایا ہے۔پورے ریکارڈ کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔اسی کے پیشِ لفظ کے طور پر یہ سطور لکھی جارہی ہیں۔اس کے دوسرے حصہ میں ''کون کیا ہے''؟ کے تحت میں نمبر ۶۹ ملاحظہ فرمایئے۔بقولِ مولانا عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عزیر گل صاحب جن کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے وہ لکھ رہے ہیں:

> ''جب سے وہ دیوبند میں تھا تب سے مولانا محمود حسنؒ کا پکا مرید ہوگیا تھا۔بڑا اہم سازشی ہے۔وہ ان لوگوں میں سے تھا، جنہوں نے ہمیشہ مولانا کو اُکسایا کہ جہاد کے لئے ہجرت کر جائیں''۔

پورا بیان تقریباً ایک صفحہ میں ہے۔اوراق پلٹیئے اور پورا بیان ملاحظہ فرمایئے، کہیں کسی فقرہ سے بھی کوئی اشارہ اس الزام کا ملتا ہے جو اس ناخدا ترس عبدالرحمٰن نے مولانا عزیر گل صاحب پر لگایا ہے اور جس کو محقق مقالہ نگار نے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر اپنے مقالہ میں سجایا ہے۔

پیش لفظ طویل ہوگیا، مگر حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے تقدس اور ان کے اس احترام نے جو حضرت شیخ الہندؒ کے متوسلین کے دلوں میں ہے، اس ناکارہ کو اس طوالت پر مجبور کیا تاکہ ایک پاکباز کے دامن سے یہ ناپاک دھبہ دور ہو۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا سلیم بہادر ملکانوی
رُکن القاسم اکیڈمی

حضرت امیر الہندؒ اور دار العلومِ حقانیہ

آخری مغل بادشاہ ظفر مرحوم کی سلطنت کا ٹمٹماتا چراغ جب گل ہوگیا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی مسلمانوں کی شوکت وقوت کی آخری ہچکی ثابت ہوئی اور شکست وریخت سے دوچار ہوئی تو ملت کے پاسبانوں اور محافظوں (بانیانِ دار العلومِ دیوبند) نے اب بھی ہمت نہ ہاری۔ ملتِ اسلامیہ کے بقا اور تحفظ کا ایک اور کامیاب راستہ اختیار کیا اور الحمدللہ ثم الحمدللہ متحدہ برصغیر کو دوسرا اسپین واندلس ہونے سے بچالیا، جہاں بقول مفکرِ مشرق اقبال مرحوم سوائے جامع قرطبہ کے مسلمانوں کی عظمت وشوکت کا کوئی اور نشان باقی نہیں ہے۔

لیکن برصغیر کا معاملہ بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ باستثناءِ حرمِ مکہ ومدینہ زادھما اللہ شرفاً تمام عالمِ اسلام کے مقابلہ میں یہاں اسلام حیاتِ تازہ رکھتا ہے۔ یہ سب انہیں چند نفوسِ قدسیہ کی سعی مشکور ہے، جنہوں نے دیوبند میں انار کے درخت کے سایہ تلے شجرِ اسلام کا بیج بویا تھا جو آج تناور ہی نہیں بلکہ اس کی بادِ بہاری سے تمام عالمِ اسلام مہک رہا ہے۔ اس چمنستانِ علم وادب سے جو پہلا شجرۂ طوبیٰ تیار ہوا، اسے شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کہا جاتا ہے، پھر تو ایک تسلسل ہے بلکہ ایک سلسلۃ الذہب ہے جس کی سنہری کڑیوں میں مفسر تھانویؒ، حکمتِ قاسمیؒ کے شارح شبیر احمد عثمانیؒ، عنوانِ شرح حدیث الشاہ انور الکشمیریؒ اور تواضع، عاجزی اور انکساری کے مجسم پیکر اور جہد مسلسل کی لاثانی مثال حسین احمد مدنیؒ ہیں، تو اِن کی خاکِ پا کے آس پاس جنت کے مزے لوٹنے والی ایک شخصیت امیر الہند سید اسعد مدنیؒ بھی ہیں، جنہوں نے نصف صدی تک ملتِ اسلامیہ ہند کی ڈوبتی اور ڈولتی ناؤ کو سنبھالے رکھا اور طالع آزماؤں سے پنجے آزماتا رہا اور کامیابی سے ہمکنار ہوتا رہا۔

حضرت موصوفؒ کے پاکستان میں اسلامی علوم کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور اس کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے گہرے روابط ومراسم تھے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا! حضرت امیر الہند سید اسعد مدنیؒ کو حضرت شیخ الحدیث سے رشتۂ تلمذ حاصل تھا۔ حضرت امیر الہندؒ حضرت شیخؒ کے اپنے استاذ ہونے کے ناطے غایت درجہ احترام فرماتے اور حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت امیر الہند مدنیؒ کو استاذ زادہ

ہونے کے ناطے پورا اعزاز دیتے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کہ اپنے استاذ زادہ کے آگے دوزانو ہو کر بیٹھتے ...... ؎

یہ بھی کیا منظر ہے بڑھتے ہیں نہ ہٹتے ہیں قدم
تک رہا ہوں دور سے منزل کو میں منزل مجھے

حضرت امیر الہندؒ پاکستان تشریف آوری پر دارالعلوم حقانیہ ضرور تشریف لاتے اور قدومِ میمنت لزوم سے نوازتے اور اہلِ دارالعلوم حضرت امیر الہندؒ کے استقبال واعزاز کے لئے دیدہ ودل فرشِ راہ کرتے۔

مولانا سید نصیب علی شاہ صاحب ایم این اے ایک مجلس کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں :

مجلس کا عجیب منظر تھا، آپ (امیر الہندؒ) اپنے مشفق استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ساتھ بیٹھے فرطِ ادب سے بچھے جا رہے تھے اور شیخ الحدیث نے مرشد زادہ مخدوم کے ہاتھ چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ (الحق)

شاید لقمانِ فارس شیخ سعدیؒ ایسے موقع کے لئے کہہ گئے .... ؎

کہ نہ تنہا منم ربودۂ عشق ہر گلے بلبلے غزل خواں داشت

دارالعلوم حقانیہ کے در و دیوار اور اس کی عطر بیز فضا گواہ ہے کہ ایسی مختصر وطویل کئی مجلسیں قائم ہوئیں اور استاذ وشاگرد اور خادم ومخدوم زادہ مل بیٹھے تو ہر محفل ومجلس کو مختصر ترین گردانا گیا۔ امیر مینائی مرحوم کی زبان میں...... ؎

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

حضرت امیر الہندؒ جب رخصت ہونے لگتے تو یہ منظر بھی دیدنی ہوتا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ اپنی نمناک آنکھوں سے اپنے مخدوم زادۂ گرامی کو رخصت کرتے اور بزبانِ حال یوں گویا ہوتے ...... ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی !

اس تعلق و باہمی محبت، دردِ دل، اور علمی و روحانی دولت کے باہمی اشتراک و تقسیم اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی میراثِ علم کو اپنے شیخ کے چمنستان کے بلبلوں اور اضیافِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنوں کو بھرنے کے لئے آئندہ صفحات میں حضرت اسعد مدنیؒ کے دارالعلومِ حقانیہ میں دو خطابات (مرتب کردہ مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی وحافظ حسیب اللہ) کی ایک جھلک آپ بھی دیکھ لیں اور اپنے دامن کو نورِ علم سے بھر لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افادات : سید اسعد مدنیؒ　　ضبط وترتیب : حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس جامعہ حقانیہ

دین اور حاملینِ دین کا مقام

دارالعلوم حقانیہ میں مولانا محمد اسعد مدنیؒ کا خطاب

مورخہ ۷؍دسمبر بروزِ بدھ شیخ الاسلام والمسلمین مجاہدِ حریت ''اسیرِ مالٹا مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلف الصدق، جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور رابطہ عالمِ سلامی کے ممتاز رکن مولانا سید اسعد مدنی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ رات کو انہوں نے بعد نمازِ عشاء دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد میں طلباءِ دارالعلوم سے ایمان پرور خطاب فرمایا جو کہ انہیں کے الفاظ میں نذرِ قارئین ہے .... (فانی)

خطبۂ مسنونہ وَمن احسن قولا ممن دعا الی اللّٰہ و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین۔

حضراتِ گرامی قدر ! مولانا مجاہد صاحب نے پشتو میں جسے میں نہیں سمجھتا، تقریر فرمائی ہے اور اس نے خدا ہی جانتا ہے کیا کہا ہوگا، مجھ جیسے نااہل کو والد صاحب اور حضرات اسلاف کے ساتھ جوڑا، کوئی مجھے اچھا کہے یا بُرا کہے لیکن مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری تعریف ان حضرات اسلاف کی تنقیص تو نہیں، مولانا کی تقریر کو مبالغہ آمیز، شاعری سمجھو آپ دھوکہ میں نہ پڑیں .... ع　　چوں اکذب اوست احسن اوست

مجھ پر کسی کو قیاس نہ کریں، میں تو بالکل ہی نااہل ہوں، دوسری بات ہندوستان کے مسلمان ہوں یا ان کی خدمت اور ان کی اگر خدمت کرتا ہوں تو یہ میرا کمال نہیں بلکہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے۔ اللہ ہماری بھول چوک اور غلطیوں کو معاف فرمادے۔ اس میں تعریف کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔ (درمیان میں کسی نے رقعہ دیا کہ عربی میں تقریر فرمائیں، اس کے جواب میں آپ نے عربی میں فرمایا) کہ فارسی عربی پڑھی ہے لیکن مشق نہیں کی، اگرچہ عربی سبب اختصارِ کلام ہے، باوجود عربی پر قادر ہونے کے ان کی دلداری کے لئے معذرت کرتا ہوں۔

محترم بزرگو ! میرے لئے یہ بات شرف کی ہے کہ میں مولانا (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق) صاحب کی ملاقات کے لئے مدرسے حاضر ہوا اور آپ کے ساتھ بھی ملاقات ہوئی۔ طلباءِ کرام اللہ کا دین حاصل کرنے کے لئے

جمع ہوئے ہیں۔ پورے عالم کا مالک اللہ ہے اور یہ دنیا چند روزہ زندگی کا نام ہے۔ یہاں آج تک نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ جو بھی یہاں آیا، جانے کے لئے آیا، ہر قسم کے لوگ یہاں آئے اور جو آتا ہے اس کی یہی خواہش ہے کہ اب اسے نہ چھوڑا جائے، لیکن کسی کی تدبیر نہیں چلتی، جو بھی آیا گیا، ہم کو بھی ایک دن جانا ہے، یہ دنیا مزرعة الآخرة ہے۔ انسان کو یہاں اس لئے بھیجا گیا کہ وہ اللہ کے ابتلاء اور امتحان سے کامیاب گزرتا ہے یا ناکام۔ اگر ہم آخرت کی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی تیاری کریں اور دنیا میں کھونہ جائیں تو اس امتحان میں کامیاب اور فائز ہوں گے لیکن اگر دنیا ہی کو مقصد بنالیں اور آخرت کو بھول جائیں تو پھر ناکام ہوجائیں گے، فیل ہوجائیں گے، اس کا درجہ گرا جائے گا، جو راستہ اس دنیا کی زندگی کو کامیاب کرنے کے لئے ہے، اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ اللہ نے وہ راستہ تجویز کیا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے وہ راستہ بتایا۔ بس ڈیوٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا جو آپ کا فرضِ منصبی تھا، اس کی تیاری تمرین مشق اور اس کے علم حاصل کرنے کے لئے آپ یہاں اپنے گھر بار چھوڑ کر جمع ہوئے ہو۔

آپ کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرضِ منصبی کو ادا کرنے کے لئے تیاری کرنا ہے۔ صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ استعداد پیدا کرنا ہے۔ اس لئے آپ کو اس مقصد کو پسِ پشت نہیں ڈالنا چاہئے، اور اس کی ذمہ داریوں کے قابل بننے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر آپ اس تیاری سے غافل ہوجائیں اور اس مقام کے اہل بننے کی کوشش نہ کریں اور اپنا مقصود اس فرضِ منصبی کے بجائے خس وخاشاک بنالیں، گندگی کے ڈھیر بنالیں، مال ودولت کو بنالیں تو پھر یہ اس مقام کی اہانت ہوگی، توہین ہوگی، اس کو گرانا ہوگا۔

جہاں تک رزق کا تعلق ہے، اللہ نے اس کا وعدہ کیا ہے، ہم میں سے ہر ایک کو ماں کے پیٹ میں رزق دیا اور جب تک کمانے کے قابل نہیں ہوئے وہ دیتا ہے، تو ہم جیسے ایسے حیوانات کو جو کچھ نہیں کرسکتے، پتھروں کے اندر جنگلوں میں، پانی میں، سمندر میں اور دریاؤں میں اللہ رزق دیتا ہے۔ ربوبیت ہے، اس کی شان ہر ایک کی شان کے مطابق، ضرورت کے مطابق دیتا ہے، جب تک ہم غافل تھے، بے خبر تھے اور خدا جانے کیسے کیسے حال میں تھے، تب تک وہ دیتا رہا اور جب ہم اس کی ڈیوٹی، اس کا کام، اس کا حکم بجالائیں گے اور زندگی کو اس کے کام میں لگائیں گے، تو وہ بند کردے گا، اور رزق نہیں دے گا اور اگر ہم اس کے کام سے غافل ہوکر دنیا کو مقصود بنالیں تو وہ رزق دے گا، یہ شیطانی غلبہ اور وسوسہ ہے، تنہا وہ سب کچھ دینے، دلوانے والا ہے۔ سارے عالم کو دیتا ہے، اس کے دین کے خادم جو ہوں گے، ان کو وہ نہیں دے گا، یہ شیطان کا وسوسہ اور خیال ہے، رہی یہ بات کہ کتنا دے گا، کیسے دے گا، اور مشکل کوئی پڑے گی یا نہیں پڑے گی تو یہ ہر لائن میں ہوتی ہے اور جس سے تعلق ہوتا ہے، پاس خاطر ہوتا ہے، توجہ

ہوتی ہے، اسی کو چھیڑا جاتا ہے، اسی کو تکلیف دی جاتی ہے، اسی کے ساتھ کبھی کوئی کام ایسا کام، ایسی چیز پیش آتی ہے جو بظاہر تعلق کے مقتضی کے خلاف ہو اور جس سے مغائرت ہوتی ہے۔ اس سے آدمی کبھی کوئی بات نہیں کرتا ہے، اگر کسی کے پاس کپڑے ہوں، پانچ جوڑے، ایک ان میں سے زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہو تو وہ ان پانچ میں سے اسی ایک جوڑے کو بار بار پہنے گا، جو اسے زیادہ پسندیدہ ہے، وہ زیادہ استعمال ہوگا، تو میلا بھی زیادہ ہوگا، اور جو میلا زیادہ ہوگا، اس کو دھلوایا بھی زیادہ جائے گا اور جب وہ دھلنے کے لئے جائے گا تو وہ اُٹھایا جائے گا، رکھا جائے، پٹکا جائے گا رگڑا جائے گا اور اس پر لوہے کی استری کی جائے گی، اس کو تہہ لگائے جائے گی اور بار بار پہنا جائے گا۔ (نعرہ ہائے تکبیر وتحسین)

جس سے تعلق ہوتا ہے، اسی کو تکلیف دی جاتی ہے اور جو غیر ہے اس سے توقع نہیں۔ اس سے مناسبت نہیں جس سے قرب نہیں اس کو کوئی کیا کہے گا اور جس سے کوئی مناسبت ہوگی اس کو تکلیف دی جائے گی، اسی کو اس کی دلیل آقائے نامدار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اشد الناس بلاءً الانبیاءُ ثم الامثل فالامثل او کما قال علیہ السلام ۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مصیبتیں اللہ کے نبیوں کو آتی ہیں۔ سب سے زیادہ اشد الناس بلاء تو انبیاءِ کرام کو اس عالم میں مخلوقات میں سب سے زیادہ بلائیں اور مصیبتیں پیش آئیں، افتاد پڑی اور جو بتنا ان جیسا ہوگا، امثل ہوگا، زیادہ مثلیت پائی جائے تو انہیں بھی زیادہ مصیبتیں پیش آئیں گی۔

تو بھائی یہ اُصول ہے، یہ قاعدہ ہے، یہ جو اشد الناس بلاء ہے کیا اللہ تعالیٰ ان کو ناز ونعمت، عیش وعشرت نہیں دے سکتا، یہ تو کفارِ مکہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اگر اللہ کے رسول ہیں تو چھت سونے کی اور دیواریں اور پہاڑ سونے کی کیوں نہیں بنا دیتے اور حضور ﷺ کے آگے پیچھے فرشتے کیوں نہیں اُترتے، اور آپ بھوکے کیوں ہیں، ہم اولادوں والے، مال والے اور حضور ﷺ کے پاس کچھ نہیں، فاقے ہیں، ان کی عقل سے یہ بات باہر تھی کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اسے ستایا جاتا ہے اور جس سے محبت نہیں ہوتی اسے کوئی کیا ستائے۔

تو بھائی ! اگر تکلیف کوئی دنیا میں آتی ہے تو دینداروں کو، خادمینِ دین کو، تو یہ عدمِ قبولیت کی علامت نہیں بلکہ قبولیت کی علامت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لقد اخفت فی اللّٰہ ولا یخاف احدٌ لقد اُذیتُ فی اللّٰہ ولا یوذیٰ احدًا و کما قال علیہ السلام۔

بھائی یہ ایذا اور تکلیف یہ کبھی محبت کی علامت ہوتی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر استقامت ہو صبر و شکر ہو تو یہ خیر ہی خیر ہے اور ناشکری، ناسپاسی، رونا دھونا اور تمام خرافات اور بے صبری ہو تو یہ مصیبت ہے۔ اللہ سے

تعلق رکھنے والوں کو اللہ کے عشاق اور محبوب لوگوں کو اس میں لطف آتا ہے، مزہ آتا ہے، انہیں راحت سے اتنا مزہ نہیں آتا، جتنا مصیبت میں آتا ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کو جس دن کوئی فاقہ یا پریشانی یا مصیبت نہ آتی تو رویا کرتے کہ میرا محبوب آج مجھے بھول گیا۔

تو میں بات کہہ رہا تھا کہ وہ رازق ہے سارے عالم کا تو اسے اپنے دین سے دشمنی نہیں ہے کہ دین کے خادموں کو بھوکا رکھے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ مصیبت اور مشکل پیش آئے اور یہ ہوتا ہی ہے۔ تعلق کی بھی علامت ہوسکتی ہے، بے تکلفی کی علامت ہو، ایسی بات غلط ہے تو اس لئے اور دنیا میں کوئی ڈھونڈ کر نکالا نہیں جاسکتا ہے، جسے پریشانی اور مشکل نہ ہو، مختلف احوال، مختلف صورتیں، مختلف درجے، سب کا غم الگ لگ ہے، کسی کا کچھ، کسی کا کچھ اور کسی کا کچھ۔ ہر آدمی کو سامنے رکھو۔ اگر آپ جا رہے ہیں، سفر کر رہے ہیں، وقت پر پہنچنا ہے اور راستے میں کوئی آپ کو گالی دے رہا ہے، تو آپ گالی کی وجہ سے جانا نہیں چھوڑتے، اگر آپ کو سواری میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تو آپ سفر نہیں چھوڑتے، اگر آپ کو کوئی اور قسم کی دقت پیش آئی تو کام کی عظمت اور ضرورت جو ہے وہ آپ برداشت کر کے اگلی طرف دیکھنے دیتا ہے۔ اسی طریقے سے یہ جو احوال زندگی میں پیش آتے ہیں ان کی وجہ سے اصلی کام کو بھول جانا، یہ انسان کی بہت بڑی غلطی اور حماقت ہے۔ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس لئے کام سے کام ہونا چاہئے۔

سو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بڑا اشرف عطا فرمایا ہے۔ آپ یقین جانیں کہ جس طرح اللہ نے آپ کو انسان بنایا، آپ کے اختیار میں نہیں، خدا نے بنایا، مکھی نہیں بنایا، پتھر نہیں بنایا، درخت نہیں بنایا، جانور نہیں بنایا، گدھا، کتا، سانپ، بلی، بچھو نہیں، انسان بنایا، اپنی مہربانی سے، پھر انسان بنا کر آنکھیں دیں، اندھا نہیں بنایا، کان دئے، بہرہ نہیں بنایا، زبان دی گونگا نہیں بنایا، ہاتھ دئے لنڈا نہیں بنایا، پاؤں دئے لنگڑا نہیں بنایا اور یہ سب کچھ دینے کے بعد اپنی مہربانی سے مسلمان کے گھر پیدا کیا، ایمان دلایا، اگر کسی کافر کے گھر پیدا کر دیتا تو ایمان حاصل کرنے کی توفیق ضروری ہو جاتی، سمجھ لیتے، اختیار کر لیتے، یہ کوئی ضروری نہیں اور آج بھی اس کی مہربانی ہے کہ اس نے دل و دماغ کو ایمان پر قانع اور راضی کر رکھا ہے۔ اس کی شان بے نیازی بڑوں بڑوں کو اس نے دھتکارا ہے، بڑے بڑے مسند والے، بڑے بڑے علم و فضل والے، اس کی شانِ بے نیازی کے سامنے ٹھوکر کھا کر ایمان سے محروم ہوئے ہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے، میں نے تو حضرتؒ سے سنا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں مطاف میں دیکھے تھے۔ ایک آدمی نماز پڑھتے، دعائیں مانگتے، طواف کرتے، ہر حالت میں روتے، اور جب ایمان پر خاتمہ کے لفظ پر آتے تو بلک بلک کر تڑپ تڑپ کر بے صبر ہو جاتے۔ ایک دن، دو دن، تین دن، ہمیشہ یہی حالت آخر کوشش کر کے اسے

ایک دن پکڑا، بھائی! ایمان پر خاتمہ تو ہر ایک کے لئے ضروری ہے اور سبھی مانگتے ہیں اور خدا کے فضل کے علاوہ کوئی صورت اس کے حاصل کرنے کی نہیں، لیکن تیرا یہ حال کیوں ہے، بس زبان پر ایمان کے خاتمہ کا لفظ آیا، اور تو بالکل بے قابو ہو جاتا ہے، بات کیا ہے۔

اس نے کہا جاؤ جاؤ اپنا کام کرو، میں کسی کو نہیں بتاتا نہیں بھائی! بتاؤ تو سہی۔

ارے بھائی جاؤ، تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو، وہ لپٹ گئے نہیں مانتے، جب بہت گھیرا تو کہنے لگے کہ ہمارا خاندان اس مسجد حرام کا مؤذن ہے، پہلے سے ہم لوگ مؤذن ہیں، اور میں بھی مؤذن ہوں اور میرا بڑا بھائی جو اس مسجد کے مؤذن تھا، جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس نے کہا قرآن لاؤ۔ اس کے لئے قرآن لایا گیا اور العیاذ باللہ، العیاذ باللہ اس نے قرآن اُٹھا کر پھینکا اور مر گیا۔

یہ منظر ہم لوگوں نے دیکھا اور انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا تو اس دن سے مجھے یاد آ آ کر کہ حرمِ پاک کا مؤذن، اور یہ کیا مرتے وقت پڑھتا ہوں، مجھے سکون نہیں ہے، کیا ہوگا میرا۔ میرے بھائی کا یہ حشر ہوا، میرا کیا ہوگا، بڑی مصیبت اور پریشانی ہے، اس لئے روتا ہوں کہ یا اللہ مہربانی کر۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے یہ سن کر فکر ہوگئی کہ دیکھوں اس کا رونا آتا ہے یا نہیں، کہتے ہیں کچھ دن گذرے کہ اس میں نے دیکھا نہیں، تو میں نے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے، معلوم ہوا کہ بیمار ہے۔ میں جانے لگا اس کی مزاج پرسی کے لئے اور کئی دن جاتے جاتے ایک دن معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے، یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آیا۔ اس کے اعزہ جمع ہیں، میں بھی ہوں، اس نے کہا قرآن لاؤ، تو آدھے آدمی إنا للہ پڑھ کر اُٹھ بیٹھے، اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصہ خراب ہے۔

پھر اس نے کہا نہیں گھبراؤ مت لاؤ، لاؤ، جب لائے تو اس نے ہاتھ میں لیا اور سر پر رکھا اور چوما، سینے پر رکھا اور کہا گواہ رہو، اللہ ایک ہے، یہ اللہ کا کلام ہے اور کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے چلے گئے۔

بھائی ! اس کے یہاں کچھ نہیں چلتا، اس کے یہاں چلتی ہے عاجزی، اس کے یہاں چلتی ہے انکساری، وہ شخص بچ نہیں سکتا جو اپنے آپ کو بڑا کہے، بڑا بتائے اور بڑا دکھائے، کس کی بڑائی ہے جو خدا کے سامنے بڑا شمار ہو، حدیثِ قدسی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کہتا ہے :

الکبریاء ردأی فمن ناز عنی فی ردأی کببته فی النار او کما قال علیه السلام۔

جو تکبر اختیار کرے، چاہے وہ علم کا ہو، چاہے وہ بزرگی کا ہو، چاہے وہ پیری کا ہو، چاہے وہ سیادت کا ہو، کسی قسم کا بھی ہو، اس سے اللہ نے جنگ مول لی اور اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ بھائی اس کے ہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں

چلتا۔ عاجزی ایسی چیز ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتے ہیں :

انا عند المنکسرة قلوبهم جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، جن کا کوئی سہارا نہیں، اللہ ان کے ساتھ ہے۔

بھائی ! میں بھٹک بھٹک کے چلا جاتا ہوں، میرا کوئی موضوع نہیں، میں تو عرض صرف اتنا کر رہا تھا کہ وہ بہت بے نیاز ہے، صرف اس کی مہربانی ہے، جو کچھ ہم کرتے ہیں، کچھ اللہ کو نہیں چاہئے، یہ تو اپنے لئے تیار کرتے ہیں۔ اس کے دربار کے جب قابل ہو تب اس میں شرکت ہو اور جب ریا ہو جائے اور جب صنع ہو جائے اور جب تکبر ہو جائے تو پھر اس میں شیطان خبیث شریک ہو گیا۔ نفس شریک ہو گیا، اللہ کو وہ عمل بالکل منظور نہیں۔

دنیا میں جو چاہے، اس لئے بھائی اللہ تعالیٰ تو عاجزی پسند کرتا ہے، انکساری عاجزی اپنے فضل وکرم سے وہ عطا کرتے ہیں، کسی بندے کو، اس سے بڑی دولت، اس سے بڑی کامیابی اور کام کرنے والی چیز کوئی نہیں، تمام جتنی برائیاں ہیں، جتنے تکبر کے سامان ہیں، سب شیطانی دولت ہے۔ سب نفسانی خواہش ہے، سب جہنم کا سامان ہے اس میں کوئی چیز حقیقت نہیں۔

بھائی کیا ہے، جن چیزوں پر شیطان غرور کرتا ہے، ان میں سے کوئی چیز اپنی نہیں، اگر ہے بھی کچھ تو سب اللہ کا ہے، پرائی دی ہوئی چیز پر انسان تکبر کرے، اس سے بڑی حماقت کیا ہے، تو خیر میں بہت دور چلا گیا، میں تو صرف اتنا عرض کر رہا تھا، آپ حضرات پر اللہ کا کرم ہے کہ اس نے آپ کو یہاں اپنے فضل وکرم سے منتخب کیا ہے، دین کے لئے، اگر اس کی مہربانی نہ ہو تو یہ دل دین پر کھل نہیں سکتا۔ ایمان قبول کرنا یہ بھی اللہ کے کرم کی بات ہے۔

افمن شرح الله صدرهٗ للسلام فهو علىٰ نورٍ من ربه ۔ یہ اللہ کا کرم ہے، بہت بڑا کرم ہے، اسی طریقے سے جس طرح وہ ایمان کے لئے شرح صدر فرماتا ہے، مہربانی کرتا ہے، دولت نوازتا ہے، اسی طرح اس کی مہربانی کی بات ہے کہ وہ دین کی خدمت کے لئے دل و دماغ کو تیار کرتا ہے، قلب میں بیج ڈالتا ہے، دین کا اور دین کی خدمت کا، ہم پر اور آپ پر سب پر اس کا شکر واجب ہے، اور اس کے حق کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تو بھائی اتنی بڑی مہربانی، کرم عنایت اور اجتبا کے بعد پھر اس سے گر کر دنیا کو مقصود بنا لینا جب کہ دنیا کسی کی نہیں، ہمیشہ اپنے صاحب کو دھوکہ دیا، برباد کیا، اسے اپنا مقصود بنا لینا اس سے بڑی ناکامی نہیں۔

اس لئے بھائی ! اللہ نے جس مقام پر پہنچایا اس کا حق ادا کر، دین کی خدمت کرو، تو پھر اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا اور تمہیں ان شاء اللہ عزت ملے گی اور اجر وثواب ملے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مرسلہ ! حبیب اللہ

زندگی اور اس کے تمام مشاغل کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہئے

دارالعلوم حقانیہ کے طلباء سے صاحبزادۂ شیخ الاسلام مولانا اسعد مدنیؒ کا خطاب

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ سفرِ حجاز سے واپسی پر مختصر دورہ پر احباب اور متوسلینِ شیخؒ کی خواہش اور تقاضوں پر چند دن کے لئے پاکستان تشریف لائے، کراچی سے دین پور، ملتان، سرگودھا، راولپنڈی ہوتے ہوئے ۲۲؍ مارچ اتوار کی شام کو دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے، تمام طلباء و اساتذۂ دارالعلوم چشم براہ تھے۔ یہاں سے آپ مولانا عزیر گل صاحبؒ اسیر مالٹا کی زیارت کے لئے سخاکوٹ چلے گئے، دوسرے دن بروزِ پیر حسب پروگرام واپسی پر بعد از نمازِ عصر دوبارہ دارالعلوم تشریف لائے، مشتاقانِ دید کا ایک جم غفیر جو طلباء و اساتذۂ دارالعلوم کے علاوہ دور دراز سے آئے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے تلامذہ علماء معتقدین پر مشتمل تھا، دارالعلوم سے باہر دیدہ و دل فرشِ راہ کئے کھڑا تھا، حضرت صاحبزادۂ گرامی قدر نے تمام طلباء اور حاضرین سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں کو سرسری دیکھا۔ شام کی نماز معزز مہمان کی اقتداء میں پڑھی گئی۔ نمازِ مغرب کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے مختصر تقریر میں حضرت مولانا کی تشریف آوری پر خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہوئے مولانا کا نہایت مؤثر الفاظ میں خیر مقدم کیا۔ اور اس ضمن میں حضرت مدنی مرحوم کے کمالات ظاہری و معنوی کو بیان کرتے ہوئے مولانا اسعد مدنی کی بلند ہمتی، جذبۂ عمل اور علمی و عملی کمالات پر خوشی ظاہر کی جس کے جواب میں قابلِ احترام مہمان نے حسبِ ذیل مختصر بصیرت افروز خطاب سے حاضرین کو نوازا .... (ادارہ)

نحمدہٗ و نصلی ...... الخ ۔ معزز حضرات علماءِ کرام و طلباءِ عزیز ! میں ایک غیر ملکی ہوں، اس لئے

مجھ جیسے آدمی کو کسی بھی تقریر وغیرہ سے بہت احتیاط مناسب ہے۔ میں نے پچھلے سفر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایسا کوئی موقع نہ آئے، مثلاً ملتان میں جلسہ کا اعلان ہوا، میری بے خبری میں پوسٹر میں میرا نام بھی چھاپ دیا گیا، بڑے پارک میں ہزاروں کا مجمع تھا، مگر میں نے جمعہ کی نماز پڑھ کر بظاہر بہت نامناسب طریقہ سے وہاں چلا آیا۔ اس لئے میرے لئے مناسب ہے کہ کسی بھی اجتماع سے تقریر یا خطاب نہ کروں یہاں سب مجمع اہلِ علم اور طالب العلم بھائیوں کا ہے اور ان سے خطاب کرنا تو مجھ جیسے طالب العلم کے لئے اور بھی نامناسب ہے۔

حضرت مولانا (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ) نے مجھ جیسے ناکارہ کے بارہ میں نہ معلوم کن وجوہ سے حسنِ ظن کا اظہار فرمایا، آپ طلبہ حضرات کی طرح مجھے بھی حضرت مولانا مدظلہم سے (دیوبند میں) شرفِ تلمذ حاصل ہے اور حوصلہ افزائی اور ذرہ نوازی ہوتی ہے۔ مجھ جیسے ناکارہ کے بارہ میں بھی غلو کرتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے۔ بہر حال یہ ان حضرات کا حسن ظن ہے، ورنہ مجھ جیسے شخص کو حضرت مدنیؒ سے کچھ بھی نسبت نہیں ہوسکتی، اس لئے حضرت مدنی مرحوم کو مجھ پر قیاس نہ کریں، دنیا سے سب کو جانا ہے دنیا کا کام چلتا رہے گا، جیسے جیسے خیر اُٹھتا جاتا ہے، شر بڑھتا جاتا ہے، لوگ غلو بھی کرتے ہیں، محبت میں اور شہرتیں بھی ہوجاتی ہیں، ورنہ کسی کے بس میں نہ لینا ہے اور نہ دینا ہے۔ سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح چاہتا ہے کرتا اور کرواتا ہے، دیتا اور دلاتا ہے، سب اس کے قبضہ کی چیز ہے، وہ جس چیز کو چاہے بڑھا دیتا ہے، حسنِ ظن کروا دیتا ہے اور اگر ان کی پردہ پوشی نہ ہوتی تو ہم جیسوں کو تو شاید کتے سے بھی برا سمجھ لیا جاتا۔

بہر حال ایک ہی بات عرض کرنی ہے، جو میرے لائق تو نہیں کہ عرض کروں کہ آپ حضرات خود طلباءِ علم ہیں، علومِ الٰہیہ سے اپنے آپ کو وابستہ کیا ہے اور اس کا یہی مطلب سمجھنا چاہئے کہ آپ اس مقصد میں اپنی زندگی بھی صرف کریں، قیاس کا یہی تقاضا ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے تو سب سے اہم چیز یہ ہے کہ زندگی کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہو، اگر اس کے علاوہ کوئی بھی چیز ہو تو سب ماسویٰ اللہ ہے اور کوئی بھی ایسی چیز مقصد بن جائے تو وہ ساری جدوجہد تمنا اور کوشش سب غیر اللہ کے لئے ہوگی اللہ کے لئے نہیں اور اس عالم میں سب مشاغل اور مصروفیات غیر اللہ کے لئے ہوجائیں گی اور جو بھی اللہ کے علاوہ مقصود بنے وہ کسی قابل نہیں آخر میں پچھتانا ہوگا۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا، اور حضرتؒ سے بھی سنا، درس میں بھی سنایا کرتے تھے کہ ایک بہت ہی بڑے ترکی محدث تھے، کبھی کبھی دردبھرے لہجے میں کہتے تھے کہ ''چوہانغ دُردی چالدی'' ترکی جملہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ چرواہا بانسری بجا کر چلا گیا۔ بہت حسرت کرتے اور روتے تھے، لوگوں نے بے تکلفی میں پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں اور یہ کہہ کر گریہ کیوں طاری ہوجاتا ہے؟ تو کہا کہ ایک شب میں جارہا تھا، کسی ساتھی نے کہا آثار سے ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ آج رات شاید شب قدر ہے اور کہا کہ کوئی حسرت ہو تو آج رات دعا مانگ لی جائے، میں نے بھی آثار محسوس کئے تو میرے ساتھی نے اور میں نے اپنے لئے دعا مانگیں۔ صبح ایک دوسرے سے پوچھا کہ کیا مانگا تو ساتھی نے جو چرواہا تھا کہا کہ میں نے تو اللہ سے ایک ہی سوال کیا کہ الہ العالمین میرا خاتمہ ایمان پر فرما اور خود اسی بزرگ نے کہا کہ میں نے دعا کی کہ میرے حلقۂ درس سے کسی کا حلقہ بڑا نہ ہو۔ تو فرمایا کہ میں نے چرواہے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ کا نام لے کر دنیا سے رخصت ہوا اور مجھے بھی علم کا ایک بہت بڑا حلقہ ملا کہ کسی کا حلقہ بھی مجھ سے بڑا نہیں، مگر مجھے معلوم نہیں کہ آخرت کا کیا بنے گا، اور اس شہرت سے مجھے کیا ملا۔ اس لئے مجھے حسرت ہے کہ وہ جاہل چرواہا کامیاب ہو گیا اور مجھے اپنے حالات کا علم نہیں۔ اس بات کا صدمہ ہے اور دل میں ہوک اُٹھتی ہے کہ دنیا سے کیسے اُٹھوں گا۔

تو میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ کوئی عمل کسی درجہ کا بھی ہو، اگر اس میں رضائے الٰہی نہ ہو تو سب بیکار ہے اور اگر مقصد رضائے الٰہی بن جائے تو اس عمل کا بدلہ بھی کوئی عمل نہیں بن سکتا، اور یہ چیز خدا کے فضل سے ملتی ہے، اللہ کا فضل کسی پر ہوتا ہے، تب وہ پہنچتا ہے، لیکن کوشش سے اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ ہمارا آپ کا کام اتنا ہے کہ ہم سے جتنی کوشش ہو سکے کریں وہ کسی کو محروم نہیں کرتا۔

محترم بھائیو ! آپ حضرات تو علماءِ کرام ہیں، میں ایک پردیسی ہوں، نہ تقریر کر سکتا ہوں نہ مجھے کچھ آتا ہے، اتنا عرض ہے کہ اپنی زندگی کو خدا سے لگانے اور بنانے میں خرچ کرو، اگر ایسا کرو گے تو دنیا بھی دین بن جائے گی، ورنہ خدانخواستہ خطرہ ہوگا کہ کہیں دین میں بھی دنیا نہ بن جائے۔

میں پھر ایک بار عرض کرتا ہوں کہ میں ایک طالب علم ہوں نہ علم ہے نہ صلاح وتقویٰ ہے ....

ع   دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

تو اس لئے میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں اور اس خلوص ومحبت پر آپ سب کا شکر گزار بھی، اللہ تعالیٰ مجھے آپ سب کو اپنی مرضیات چلنے کی توفیق دے اور ہمارے عیوب اور خرابیوں کو دور فرمادے۔ آمین۔

مولانا عرفان الحق حقانی
مدرس جامعہ حقانیہ

حنفیّت اتباعِ سنت کا قابلِ فخر طریقہ ہے

دارالعلوم حقانیہ میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کا طلبہ سے خطاب

۱۱/اپریل ۲۰۰۱ء دارالعلوم حقانیہ کے لئے انتہائی مسرت اور سعادت کا دن تھا کہ اس کی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر وفد جس میں دارالعلوم کے شیوخ حدیث اور اساتذہ اور مہتممین حضرات شامل تھے کی تشریف آوری ہوئی۔ اس طرح یہ خوشی اور بھی دوبالا ہوگئی جب فدائے ملت، جانشینِ شیخ العرب و العجم مولانا سید اسعد مدنیؒ امیر جمعیۃ العلماءِ ہند نے بھی دارالعلومِ حقانیہ کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا اور آپ نے مفصل خطاب فرمایا۔ اس موقع پر آپ کے ہمراہ مولانا فضل الرحمٰن مدظلہٗ بھی موجود تھے۔ مدیر الحق مولانا راشد الحق سمیع ''خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس'' کے اختتام پر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اس قافلے کو نمازِ مغرب کے بعد دارالعلوم حقانیہ لے آئے۔ دارالعلوم حقانیہ کے خدام، مشائخ، اساتذہ اور ہزاروں طلبہ نے سربکف سربلند دیوبند، دیوبند کے فلک شگاف نعروں سے ان کا جی ٹی روڈ پر پُرجوش خیر مقدم کیا۔ ایوانِ شریعت (دارالحدیث) کے پُرشکوہ اور وسیع وعریض ہال میں معزز مہمانوں کو لایا گیا۔ تمام ہال حاضرین اور عقیدتمندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دارالعلوم کے مہتمم واستاذِ حدیث مولانا سمیع الحق نے پرجوش استقبالیہ کلمات سے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور دیوبند اور اکوڑہ خٹک کے تاریخی نسبتوں، سید احمد شہید کے اکوڑہ خٹک سے جہاد کے آغاز اور پھر جہادِ افغانستان میں دارالعلوم اور فضلاء کے مؤثر کردار پر روشنی ڈالی اور اکابر دارالعلوم دیوبند کی حقانیہ آمد کو اللہ کا عظیم احسان قرار دیا۔ اس موقع پر ان مشائخ نے تقریریں کیں اور دارالعلوم دیوبند کے حضرت شیخ الحدیث دام ظلہٗ نے حدیث پڑھ کر طلبہ کو خصوصی اجازت سے نوازا۔ ذیل میں جانشینِ شیخ الاسلامؒ امیر ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا مفصل خطاب نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

اطاعت الٰہی جس طرح اللہ کے حکم سے فرض ہے بعینہٖ اسی طرح اطاعتِ رسول ﷺ بھی فرض ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا جگہ جگہ حکم دیا ہے:

اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ ،حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُوْلَ ،حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو اس کے رسول کا۔ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ اور جو کوئی کہنے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد۔ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اور رسول تم کو جو کچھ دیں، وہ لے لیا کرو اور جس سے تم کو روک دیں تو تم اس سے رُک جایا کرو۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ،تو کہہ اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری راہ چلو تا کہ محبت کریں تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیتوں سے یہ حکم ثابت ہے۔

منکرینِ حدیث :

منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے اور منکرِ قرآن و منکر حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں حکم الٰہی کو ماننا فرض قرار دیا گیا ہے، بعینہ اسی طرح قرآن میں نبی ﷺ کی اطاعت بھی فرضِ عین قرار دی گئی ہے۔ اب جو لوگ حدیث کے منکر ہیں، وہ اللہ اور قرآن کے بھی منکر ہیں، اور وہ ایمان سے خارج ہیں۔ گمراہ لوگ آج دنیا میں گمراہی پھیلا کر اسلام سے دور کرنے کی سازشیں کرتے پھرتے ہیں اور پیسے کے ذریعے ایمان خرید کر بے ایمان بنانے کی سازش اور گمراہی دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

اہلِ قرآن فرقہ :

اتفاق سے ہمارے ہاں اہلِ قرآن فرقے کا ایک نوجوان گورنمنٹ نے پکڑا وہ پانچ کروڑ لے کر باہر سے آ رہا تھا۔ بے خبر سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے نوجوانوں کو پیسوں سے خریدا جاتا ہے، اور اسلام میں قسم قسم کے فرقے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اہل قرآن نامی فرقہ دراصل ایمان کے خلاف ایک بڑا فتنہ منکرِ قرآن ہے۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ ہر مسلمان کو اللہ اور رسول ﷺ کی اتباع کرنی چاہئے۔ اس اتباع کے لئے لوگوں نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں اور ہم لوگ حضورِ اقدس ﷺ کی اتباع کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے فتوے، رائے اور طریقے کو زیادہ انسب اور مناسب سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔

فضائلِ ابی حنیفہؒ :

اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ تابعی ہیں اور جس طرح امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور دیگر محدثین حفاظِ حدیث ہیں۔ اسی طرح امام صاحبؒ بھی حافظِ حدیث ہیں، جبکہ دنیا کا کوئی محدث اور کوئی فقیہ امام صاحب کی طرح حافظِ حدیث نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو جرح و تعدیل کا امام بنایا ہر ایک حافظ حدیث اور محدث نہیں ہوتا۔ تیسری

بات یہ ہے کہ اللہ نے امام ابوحنیفہؒ کو یہ مرکزیت دی ہے کہ آپ جہاں پر رہتے تھے، وہاں حرمین سے زیادہ اجل صحابہ تھے۔ آپ صحابہ کرامؓ کی گودوں میں پلے بڑھے اور حضور ﷺ کی پوری حیاتِ مبارکہ کو سمجھا، جانا اور پورے عالم میں سب سے زیادہ فقیہ (امامِ اعظمؒ) نے اپنے تفقہ کو عالم میں پھیلا کر دین کی ہدایت کی۔

تابعیت امام اعظم :

امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اگر ۸۰ھ میں بھی مانا جائے جو کہ متفق علیہ قول ہے تو امام صاحبؒ حضور ﷺ کے وصال کے ۷۰ سال بعد دنیا میں پیدا ہوئے اور صحابہ کرامؓ ۱۱۰ھ تک دنیا میں زندہ رہے تو اس طرح امام صاحبؒ کو ۳۰ برس صحابہ کرامؓ کے وجود دنیا میں ملے اور ان کا شہر اجل صحابہؓ کا حرمین سے بڑا مرکز تھا۔ امام صاحبؒ کو متعین طور پر اصحابِ رسول ﷺ کے ساتھ شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے اور ان سے احادیث حاصل کیں۔ کم از کم حضرت انس بن مالکؓ کا نام واضح طور پر متعین ہے اور ان کے علاوہ اپنے تفقہ، دلچسپی، محنت، ورع وتقویٰ، توجہ اور انہماک کے ساتھ حدیث کو دنیا میں پھیلایا۔

نبوی ﷺ پیشن گوئی :

نبی کریم ﷺ کی پیشن گوئی ہے کہ فارس کے نوجوانوں میں ایک شخص ایسا ہوگا کہ اگر دین ثریا میں بھی ہوتو وہ اسے حاصل کرے گا۔

پوری اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کا مصداق امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں۔ ایک واسطہ یا دو واسطوں سے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ **الصحابة کلهم عدول**، اہل السنّت والجماعت کا متفقہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی تعریف قرآن میں کردی، جس کی تعریف قرآن میں آ گئی، وہ نصِ قطعی سے ثابت ہو گیا، پھر اس میں کوئی بحث اور غور نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی کرتا ہے تو ایمان سے خارج ہونے اور گمراہی کو دعوت دیتا ہے۔ قرآن کے بعد دنیا میں کوئی چیز نہیں آئی۔ لہٰذا قرآن کے نصِ قطعی کو کوئی عبور کر کے نہیں جا سکتا۔ اس کو ماننا پڑے گا، اللہ نے قرآن میں صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا کہ **رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ**۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ صحابہؓ اللہ سے راضی۔ **اُولٰٓـئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعْمَتِہٖ**، وہ لوگ وہی ہیں، نیک راہ پر اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور **فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا**۔ سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح تم ایمان لائے ہدایت پائی انہوں نے بھی۔ اس طرح ایمان کے لئے حضور ﷺ کے صحابہ کو معیار قرار دیا گیا۔ جو ایمان کے لئے معیار ہیں عمل کے لئے کیوں نہیں ہوں گے۔

صحابہ کرامؓ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا: **اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعد غرضا**

فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو ہدف ملامت اور تنقید وتبصرہ مت بناؤ یعنی ایسی حرکت کو حرام قرار دیا گیا اور بتایا گیا جس نے میرے صحابہؓ سے محبت کی میری محبت سے جس نے میرے صحابہؓ سے دشمنی کی میری دشمنی سے تو صحابہؓ سے دشمنی حضور ﷺ سے دشمنی ہوگئی۔ صحابہ سے محبت حضور ﷺ سے محبت ہوگئی۔ لہٰذا وہ تنقید وتبصرہ سے بالاتر ہیں۔ قرآن وحدیث ماننے والا یہ ایمان کھودینے والی حرکت نہیں کرسکتا، تو عین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے براہِ راست امام صاحبؒ نے حضور ﷺ کی حیات، اعمال، اقوال اور احوال کو حاصل کیا اور پھر اپنے تفقہ سے اس سے دین کا استنباط کر کے لوگوں کو اس کی رہنمائی کی، جو لوگ دوڈھائی سو برس یا پانچ سو برس کے بعد آئے ہیں، ان کا قول روایت تنقید وتبصرہ اخذ و ترک امام صاحب کے لئے حجت نہیں اور امام صاحبؒ کا علم تمام عالم کے لئے حجت ہے، اس لئے کہ زیادہ سے زیادہ دو واسطوں سے ایک تابعی اور ایک صحابی کے واسطہ سے امام صاحبؒ حضور ﷺ سے اخذ کرتے ہیں۔ چار ہزار سے زیادہ سے زیادہ ایسے تابعین سے امام صاحبؒ نے علم حاصل کیا جنہوں نے صحابہؓ سے حضور ﷺ کی نماز، روزے، احوال واقوال خود سنے تھے۔ امام صاحبؒ ان کے تدین، تفقہ، علم وورع سے پوری طرح واقف اور خوب مطمئن ہوکر روایت حاصل کرتے ہیں۔ یا خود صحابی سے یا تابعی سے روایت نقل کرتے ہیں۔ اس لئے امام صاحب کے علم میں کسی قسم کی بحث نہیں کی جاسکتی ہے، جبکہ سوڈیڑھ دوسو برس بعد شیعیت، خارجیت، اعتزال اور دوسرے بے شمار قسم کے فتن عقیدوں اور اعمال میں پیدا ہوئے۔ لہٰذا ان تمام فتن میں ملوث لوگوں کا کہیں بھی نام آئے تو ایسی احادیث کو ائمۂ حدیث ترک کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے بڑی بڑی مضبوط قولی وفعلی حدیثیں جن کو امام صاحب نے بالکل مشہور ومتواتر کی طرح یقینی ہونے کی بناپر اختیار کیا تھا، بعد کے ائمۂ حدیث کے لئے وہ ضعیف ہوگئیں۔ جن کو انہوں نے پھر چھوڑ دیا تو اس لئے امام صاحبؒ کا مسلک اور علم حجت ہے، اور کسی دوسرے شخص کی حجت نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عبادت، زہد وتقویٰ :

امام صاحبؒ زہد وتقویٰ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ۱۶ برس کی عمر سے حج شروع کیا اور مسلسل ۴۰ حج کئے۔ امام صاحبؒ نے عشاء کے وضوء سے چالیس برس تک فجر کی نماز پڑھی۔ امام صاحبؒ علم وتقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ امام صاحبؒ کے صاحبزادے نقل کرتے ہیں کہ جب عشاء کے بعد وہ گھر تشریف لاتے تو نوافل شروع کردیتے اس دوران شدتِ بکاء کی یہ حالت ہوتی کہ پڑوسیوں کو ان کی حالت پر ترس آتا تھا۔ ہر رات سارا قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور اس دوران اللہ کے دربار میں بے اختیار تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے اللہ سے رحم طلب کرتے تھے اور یہ معمول امام صاحبؒ کا رمضان میں ڈبل ہوجاتا تھا یعنی ایک قرآن ہمیشہ رات بھر میں ختم کرتے اور رمضان میں ایک قرآن دن میں بھی ختم فرماتے تھے۔ اس طرح پورے مہینے میں ۶۰ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

امام صاحبؒ کو ستانے کے لئے ایک شخص آیا اور ان کی بوڑھی ماں کے بارے میں کہا کہ میں آپ کی والدہ کے ساتھ نکاح کرنے آیا ہوں، سو آپ اس کا خطبہ دینے کے لئے آجائیں، امام صاحبؒ نے کہا کہ شرعاً جائز ہے، میں جا کر اپنی ماں سے پوچھ آتا ہوں، اگر وہ تیار ہو جائے۔ تو گھر گئے اور اپنی ماں سے پوچھا کہ والدہ صاحبہ ایک شخص آیا ہے، فلاں فلاں نام کا، ساری تفصیل بتادی اور وہ کہتا ہے کہ میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، امام صاحبؒ کی والدہ نے جواب میں کہا کہ میں بوڑھی عورت ہوں، میں کہاں نکاح کروں گی۔ بہرحال امام صاحبؒ نے شرعی صورت ہونے کی بنا پر کسی قسم کی ناگواری ظاہر نہ کی۔

آج اگر ہم ان کی جگہ ہوتے تو ڈنڈے اُٹھا کر خوب مارتے۔ امام صاحبؒ کو ایک دفعہ بتایا گیا کہ ان کے شہر میں کچھ لوگوں نے بکریاں چرائی ہیں اور وہ شہر کی بکریوں میں مل گئیں ہیں، جیسے ہی معلوم ہوا کہ چرائی ہوئی اور خریدی ہوئی بکریوں میں تمیز نہیں ہوتی تو چرواہوں سے معلوم کیا کہ عادتاً بکری کتنے دنوں تک زندہ رہتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ عموماً ۷ برس، تو امام صاحبؒ نے اپنے شہر میں اس دن سے ۷ برس تک بکری کا گوشت استعمال نہیں کیا، حالانکہ فتویٰ یہ نہیں ہے لیکن انہوں نے اپنے اعتبار سے یہ احتیاط کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نوالہ چوری کے سالن کا میری پیٹ میں چلا جائے۔ اللہ نے امام صاحبؒ کو بڑے فضائل سے نوازا اور تابعیت جیسی بڑی نسبت عطا فرمائی تھی۔ حقیقت میں اتباعِ سنت کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے احنافؒ کو عطا فرمائی ہے۔

حنفیّت کا مقام :

حنفیت کے تمام مسائل سنتِ رسول ﷺ پر مبنی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اکثر اختیار کیا جاتا ہے۔ آپ حضرات کو مطمئن ہو کر جرأت و ہمت کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنی چاہئے ان شاء اللہ آئندہ دو مہینوں میں ایسا لٹریچر اور کتابیں آجائیں گی جس میں حنفیت کا ہر مسئلہ سنت سے ثابت کیا جائے گا اور وہ لٹریچر ہم یہاں پہنچانے کی کوشش کریں گے اور اگر اس سلسلہ میں کچھ حضرات ۲، ۳ رمئی کو دہلی آسکیں تو وہ خود لے کر یہاں آجائیں گے .... افسوس کہ آج امام ابوحنیفہؒ کے ذریعے سے اتباعِ سنت کو شرک کہا جا رہا ہے۔ مثلاً و ابتغوا الیه الوسیله یعنی توسل قرآن سے ثابت ہے، اس کی غلط غلط تفسیریں بے شمار قیودات اپنی طرف سے بڑھا کر کئے جاتے ہیں اور قرآن کے مطلق حکم کو توڑ مروڑ کر اور توسل کو حرام قرار دے کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتنی بڑی جہالت ہے کہ قرآن کا مطلق حکم قیودات سے مقید کر کے حرام بتایا جائے۔ اس لئے آپ حضرات کو اتباعِ سنت کے لئے حنفیت کو قابلِ فخر اور صحیح طریقہ مان کر عمل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل اور اخلاص وللّٰہیت کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام شرور وفتن سے بچا کر صحیح راستے پر چلائے۔ (آمین)

ادارتی شذرہ

مولانا راشد الحق سمیع حقانی
مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ کا عظیم سانحۂ ارتحال

مورخہ .... کو جانشینِ شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فرزندِ اکبر اور لائق وفائق جانشین حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی طویل علالت کے بعد رحلت کا المناک واقعہ پیش آیا۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔

حضرت مولانا مرحوم بذاتِ خود بڑے باکمال و باوصف انسان تھے اور عمر بھر ان کی مسلمانوں کے لئے مساعی اور شبانہ روز کوششیں تو اظہر من الشمس ہیں اور آپ کی وفات سے جو خلاء عالمِ اسلام بالخصوص ہندوستان میں پیدا ہوا ہے، اس کا پُر ہونا کسی بھی صورت ممکن نہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے آپ کی ہر دلعزیز شخصیت کی ضرورت پہلے سے زیادہ تھی، لیکن دستِ قضاء کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔ مولانا مرحوم کی شخصیت کا احترام تو ہر لحاظ سے مسلمانانِ برصغیر پر اس اعتبار سے بھی لازم تھا کہ آپ کی نسبت فخرِ عرب وعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ تھی۔ حضرت مدنیؒ کا فیضان آج کرۂ ارض اور خصوصاً برصغیر پاک وہند کے چپے چپے پر نمایاں ہے۔ حضرت مدنیؒ کے خانوادے نے مسلمانوں کے لئے جو علمی اور سیاسی خدمات سرانجام دی ہیں۔ آج اس کی ایک دنیا معترف ہے۔ تقسیمِ ہند سے پہلے تحریکِ آزادی کے روحِ رواں حضرت مدنیؒ ہی کی سحر انگیز شخصیت تھی۔ آپ کی شبانہ روز کوششوں سے انگریزی استعمار سے برصغیر پاک وہند کی گلوخلاصی ہوئی، اگر تحریک آزادی میں علماءِ دیوبند اور خصوصاً حضرت مدنیؒ کی ولولہ انگیز قیادت نہ ہوتی تو گاندھی اور کانگریس اور دیگر مسلم جماعتوں کی کوشش میں وہ دَم خم نہ ہوتا اور نہ آزادی کی منزل اتنی قریب ہوتی۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی روحانی وعلمی شخصیت نے دارالعلوم دیوبند کی عظمت و رفعت میں بھی چار چاند لگائے۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اپنے عظیم والد کے سیاسی وعلمی ورثے کو سنبھالا اور اسے بامِ عروج تک پہنچایا۔ مولانا ہندوستان کی طرح پاکستان میں بھی بہت زیادہ مقبول اور قابلِ احترام تھے۔ مولانا مرحوم جب بھی پاکستان ورخصوصاً صوبہ سرحد تشریف لاتے تو ضرور یہاں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

کی زیارت کے لئے آتے۔ حضرت دادا جانؒ کو حضرت مدنیؒ کے ساتھ اس قدر عشق ومحبت اور عقیدت تھی کہ وہ بیان سے باہر ہے۔ جب بھی آپ کی آمد کی اطلاع ہوتی تو آپ ان کے استقبال کے لئے باہر سڑک پر ان کا انتظار کرتے (اگر چہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے دیوبند میں شاگرد رہے ہیں) لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ اپنے استاذ زادے کا احترام بڑے شایانِ شان طریقے سے ہمیشہ کرتے اور ان کے لئے خصوصی چغہ اور دیگر تحفے تحائف کا انتظام فرماتے اور وہ دن حضرت دادا جانؒ کے لئے عید کا دن ہوتا۔ جب آپ کی دارالعلوم حقانیہ تشریف آوری ہوتی، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اس تعلق کو حضرتؒ کی وفات کے بعد بھی نبھایا اور ہمیشہ شفقت فرماتے ہوئے دارالعلوم اور ہمارے غریب خانے پر تشریف لاتے رہے۔ آپ آخری مرتبہ دارالعلوم دیوبند کانفرنس کے موقع پر اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ اس موقعہ پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور تمام اساتذۂ کرام بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ایوانِ شریعت ہال میں طلبہ سے اصلاحی خطاب فرمایا اور آخر میں والد صاحب مدظلہ کے پرزور اصرار اور درخواست پر ہمارے گھر کے تمام مرد وخواتین کو بیعت کی خصوصی اجازت بھی فرمائی۔ جو ہمارے لئے خوش قسمتی اور سعادت کی علامت ہے۔

خانوادہ مدنیؒ کے ساتھ ہمارے خاندان کا جو تعلق اور عقیدت واحترام کا سلسلہ ہے وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ مولانا مدنیؒ کی نمازِ جنازہ میں بھرپور شرکت کی جاتی لیکن بدقسمتی سے آپ کی وفات کی اطلاع مغرب کے بعد ہمیں موصول ہوئی اور اسلام آباد میں والد صاحب مدظلہٗ کے پاسپورٹ کی عدم موجودگی کے باعث ہندوستان جانے والے خصوصی وفد میں حضرت والد صاحب مدظلہٗ تشریف نہ لے جاسکے اور نہ راقم کو چند وجوہ کی بناء پر جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ وفد ارکانِ پارلیمنٹ کے علماء حضرات پر مشتمل تھا۔ دارالعلوم حقانیہ اور حضرت والد صاحب مدظلہٗ کی نمائندگی کے طور پر برادر محترم مولانا حامد الحق، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ہمراہ ہندوستان تشریف لے گئے اور وہاں پر حضرت مولانا ارشد مدنی، حضرت مولانا محمود مدنی اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، اساتذہ ومشائخ سے تعزیت کی۔ آج حضرت مولانا مدنیؒ کی وفات پر برصغیر کے تمام اسلامی مراکز ومدارس حزن ویاس میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ہر مدرسہ اور ہر عالم وفاضل اس کو اپنا خاندانی سانحہ سمجھتا ہے۔ دارالعلوم میں حضرت مولانا مدنیؒ کے لئے خصوصی ختماتِ قرآن اور دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔ پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں بھی خصوصی دعائیں کی گئیں۔ دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو ان کی قومی، ملی اور دینی خدمات پر بھرپور خراجِ تحسین پیش کرتا ہے اور خانوادہ مدنیؒ دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اس جانکاہ سانحہ میں ادارے کے تمام افراد کے ساتھ دل وجان سے شریک ہیں ....

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی　　اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حافظ محمد ابراہیم فانی

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جامع کمالات واوصاف شخصیت

حضرت امیر الہندؒ وفدائے ملتؒ

چند یادیں .... چند نقوش

آغشتہ ایم بر سرِ خارے بخونِ دل ۔۔۔ قانونِ باغبانی صحرا نوشتہ ایم

اسلافِ کرام، اکابرینِ دیوبند اور بالخصوص حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، العارف باللہ، المجاہد الکبیر مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی نسبتوں، ان کے اوصافِ کمال اور ان کی عظمتوں کے امین امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی وفات حسرتِ آیات سے تمام اہلِ اسلام کو بالعموم اور مسلمانانِ برصغیر کو بالخصوص جو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے، اس خلا کا پُر ہونا بظاہر محال معلوم ہو رہا ہے ....

رفتم و از رفتنم یک عالمے تاریک شد ۔۔۔ من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

لیکن کل من علیها فان ' کل شیء هالكٌ الا وجهه اور كل نفس ذائقة الموت کے اُصول کے تحت ہر انسان کو ایک نہ ایک دن اس جہانِ رنگ و بو اور دنیائے آب وگل سے رخصت ہونا ہے اور مرگ و زیست اور زندگی وموت کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہے گا ....

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں ۔۔۔ اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گی

یہاں پر کسی کے لئے ثبات نہیں، کسی کے لئے دوام وخلود نہیں ....

لو كانتِ الدنيا تدوم الواحد ۔۔۔ لكان رسول الله فيها مخلدا

حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ مختلف النوع اور گوناگوں صفات سے متصف تھے۔ ان کی شخصیت جامع الکمالات تھی، وہ بیک وقت بحرِ ذخارِ علم، رہبرِ دیدہ ور قدآور سیاسی رہنما، شیخِ طریقت اور مسلمانوں کے رفاہی

کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے عظیم انسان ہونے کے ساتھ ساتھ فرقِ باطلہ کے خلاف ایک تیغِ بے نیام اور سیفِ برّاں تھے .... ؎

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم | رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

انہی جامع الکمالات ہستی کی زندگی کا ہر پہلو انتہائی تابناک، جاندار اور توانا ہے اور یہ کمال آپ ہی کا حصہ اور آپ ہی کا نصیبہ ہے .... ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق | ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اپنے انہی اوصافِ حمیدہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبوبیت کے ارفع واعلیٰ مقام پر فائز کیا تھا، جس میں آپ کے والد محترم شیخ الاسلام، امام المسلمین مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی تربیت اور دعاہائے سحری کا بڑا دخل ہے۔ ایسی آغوش میں تربیت اور نشوونما پانا اور ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولنا جو کہ رشکِ آفتاب و ماہتاب اور نازشِ خورشید وقمر ہو اس کی تجلیات اور اثرات ضرور آپ کی شخصیت میں نمایاں ہوں گے۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ کو اپنے عظیم والد کا جانشین مقرر کیا گیا اور الحمد للہ آپ نے اپنی سیرت وکردار اور اپنے قول وعمل سے ان کی جانشینی کا صحیح حق ادا کر دیا .... ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو | پھر پسر لائقِ میراثِ پدر کیونکر ہو

آپ کی ذات والا صفات میں وہ تمام خصوصیات وامتیازات بدرجۂ اتم موجود تھیں جو کہ میرِ کارواں کے لئے زادِ راہ کا کام دیتی ہیں۔ بقولِ حکیم الامۃ علامہ اقبالؒ .... ؎

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز | یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اپنی حیاتِ مستعار کا لحہ لحہ ملتِ اسلامیہ کی خدمت میں صرف کرنا اور برصغیر کے چپّہ چپّہ پر اپنے کارہائے نمایاں کے انمٹ نقوش چھوڑنا اور پھر ہندوستان میں متعصب ہندوؤں کے درمیان مسلمانانِ ہند کی کامیاب اور مدلل وکالت کرنا یہ ایسی خصوصیات ہیں، جو کہ آپ کے رفعِ درجات کے لئے کافی ہیں۔

ان اوصاف اور کمالات کی طرف راقم نے ڈیڑھ صد سالہ خدمات دار العلوم دیوبند کانفرنس منعقدہ ۹، ۱۰، ۱۱/اپریل ۲۰۰۱ء کے موقعہ پر جب آپ پشاور تشریف لائے تھے، درج ذیل نظم میں اشارہ کیا ہے .... ؎

مسند رشد و ہدیٰ پر جلوہ آرا آپ ہیں | بہر جسمِ قوم و ملت چشمِ بینا آپ ہیں
جانشینِ حضرتِ مدنی امام المسلمیں | بالیقین و بے گماں جانِ تمنا آپ ہیں
باعثِ صد خیر و برکت آپ کی آمد یہاں | اے امیر الہند زعیم چارہ فرما آپ ہیں

تیرے دم سے ضو فشاں ہے شمعِ بزمِ دین وقوم
پیکرِ صدق و صفا علم سراپا آپ ہیں
حاملِ شرع وطریق وعلم وفن میں بے مثل
پھر سیاست اور تدبر میں بھی یکتا آپ ہیں
تیری ہیبت سے ہے لرزاں کفر واستعمار سب
رہبروں کے رہنما قائدِ توانا آپ ہیں
قوتِ بازوئے ملت مرکزِ محبوبیت
بے سہارا بے کسوں کے بس سہارا آپ ہیں
کر رہے ہیں اہلِ ایماں تیری عظمت کو سلام
ملتِ بیضا کی حرمت پر جو شیدا آپ ہیں
چار سو شہرہ ہے جس کی جرأت و ایثار کا
ہے فراست جس کی ظاہر وہ دانا آپ ہیں
شیخِ تفسیر و حدیث و ماہرِ فقہ و کلام
قلزمِ عرفان و تقویٰ اللہ اللہ آپ ہیں
سرزمینِ ہند کو تھا باعثِ صد افتخار
نازش و وجہِ شرف بہرِ زمانہ آپ ہیں
واقفِ روحِ تصوف آشنائے رمزِ دیں
اور معارفہائے قرآنی کا دریا آپ ہیں
یادگارِ شیخِ اسلام و رئیسِ اولیاء
عظمتِ اسلاف کا زندہ حوالہ آپ ہیں

کیسی کیسی نسبتیں وابستہ تیری ذات سے
اس لئے فانیؔ مری آنکھوں کا تارا آپ ہیں

اسی کانفرنس میں زعماءِ دیوبند اور اکابرینِ ملت کے ساتھ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی صاحبؒ بھی وسیع وعریض سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ وہ ایک عجیب روح پرور ساں اور پُر کیف منظر تھا۔ چنانچہ میں نے اس دلکش منظر کا نظارہ ان اشعار میں پیش کیا ہے ....

یہ انسانوں کا اِک طوفاں سمندر دیکھتے جاؤ
عجیب پُرکیف منظر ہے یہ منظر دیکھتے جاؤ
رسول اللہ ﷺ کے وارث یہاں تشریف فرما ہیں
شہِ لولاک ﷺ کے عاشق بہ منبر دیکھتے جاؤ
سریر آرائے مسند ہیں یہاں مرغوبِ ملت بھی
امیر الہندؒ کا چہرہ منور دیکھتے جاؤ
اُمڈ آتے ہیں یوں آفاق سے توحید کے فرزند
بہر سو نعرۂ اللہ اکبر دیکھتے جاؤ
جدھر دیکھو نظر آتے ہیں گویا نور کے پتلے
یہ بزمِ قدس ہے نور سراسر دیکھتے جاؤ
سجی ہے محفلِ رنداں چلا ہے دورِ میخانہ
مئے عرفان و وحدت کے یہ ساغر دیکھتے جاؤ
ارے تشنہ لبو پیرِ مغاں کا فیض ہے جاری
یہ تسنیم روان آب کوثر دیکھتے جاؤ
یہی زندہ کرامت ہے ہمارے ان اکابر کی
مسلمانو! یہاں جلوے برابر دیکھتے جاؤ

یہ موقعہ مل گیا ہم کو بفیضِ فضلِ رحمانی
نگاہِ لطف کے جلوؤں کے مظہر دیکھتے جاؤ
سنانے کی نہ باتیں ہیں یہ وجد و کیف کا عالم
ذرا فانیؔ فضا یہ روح پرور دیکھتے جاؤ

....

کانفرنس کے اختتام پر آپ اپنے رفقاء سمیت (یعنی مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند و اساتذۂ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مہمانانِ گرامی قدر) دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ یہاں پر ان کا والہانہ فقید المثال استقبال کیا گیا۔ پھر ایوانِ شریعت میں ایک علمی اور تاریخی خطاب فرمایا۔ بعد ازاں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے دیے گئے عشائیہ میں شرکت کی۔ راقم کی خوش بختی ہے کہ ان قدسی صفات ہستیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ....

یہ فخر کیا کم ہے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں

۱۹۸۰ء میں دارالعلومِ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آپ کی تشریف آوری کی خبر آئی بندہ کے والد محترم متکلمِ عصر، صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم قدس سرہٗ کو جب معلوم ہوا کہ آپ کے استاذ زادے تشریف لا رہے ہیں تو آپ کے چہرے پر خوشی اور سرور وانبساط کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا کہ آج ہم اپنے شیخ کے عکسِ جمیل کے دیدار سے شرفیاب ہوں گے اور ان سے ملاقات کا زریں موقعہ ملے گا۔ چنانچہ آپ دارالعلومِ حقانیہ کے دفتر اہتمام میں تشریف لے گئے، وہاں حضرت الشیخ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ پہلے سے تشریف فرما تھے حضرت الشیخؒ نے حضرت صدر صاحبؒ کو فرمایا کہ آج ہمارے مخدوم زادے ہمیں اپنے قدوم میمنت لزوم سے نواز رہے ہیں اور پھر دیر تک وقت کے یہ دونوں مسلّم شیوخ ان کے متعلق اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں اپنی یادوں کے جھروکوں جھانکتے رہے، تا آنکہ اطلاع آئی کہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ پندرہ منٹ بعد پہنچنے والے ہیں۔

چنانچہ دونوں شیوخ بمع دارالعلوم کے دیگر اساتذہ وطلبہ کے آپ کے استقبال کے لئے دارالعلوم کے صحن میں کھڑے رہے۔ جب آپ تشریف لائے تو حضرت الشیخ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ اور متکلم عصر مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین قدس سرہٗ نے آپ کے ساتھ معانقہ اور مصافحہ کیا اور دارالعلوم کے دیگر اساتذۂ کرام وطلبہ آپ کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے، پھر آپ دونوں شیخین اور اساتذہ وطلبہ کی جلو میں دفترِ اہتمام تشریف لے گئے۔ قِران السعداء کا یہ عجیب پُر کیف منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

ع نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

میں نے دیکھا کہ جب حضرت والد صاحب قدس سرہٗ آپ کے ساتھ معانقہ کر رہے تھے، تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، بعد میں فرمایا کہ اپنے اُستاذ زادے کو دیکھ کر مجھے اپنے محبوب شیخ یاد آ گئے۔ اب وہ کہاں اور ہم کہاں ...... ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

وہ کیا زمانہ تھا، جب ہم حضرت شیخ الاسلامؒ کی آغوشِ تربیت میں پڑھا کرتے تھے اور ان کا سایہ عاطفت ہم جیسے مسافر طلبہ کے لئے وجہ تسکین ونشاط رہا۔ اس کے بعد آپ دفتر اہتمام تشریف لے گئے، وہاں پر حضرت الشیخ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ باوجود یہ کہ وہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے شیخ ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے دوران آپ کے شاگرد رہ چکے ہیں، لیکن حضرت الشیخ اپنے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی عقیدت ومحبت میں اتنے فنا ہو چکے تھے کہ اپنے شاگرد کے سامنے اس طرح باادب بیٹھے ہیں جیسا کہ کوئی شاگرد اپنے اُستاذ کے سامنے بیٹھا ہو ...... ؎

قسم خدا کی محبت نہیں عقیدت ہے دیارِ دل میں بہت احترام ہے تیرا

پھر جب ۱۹۸۴ء میں آپ دارالعلوم تشریف لائے، مہمان خانہ میں جب آپ چلے گئے، تو برادر محترم مولانا قاری عبداللہ صاحب سابق سینیٹر ونائب امیر جمعیۃ العلماء اسلام صوبہ سرحد نے راقم کو کہا کہ آ و! حضرت مدنیؒ سے ملاقات کے لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے مصافحہ اور ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ایک پُر وقار شخصیت انسان کی روپ میں ایک فرشتہ، پُر رعب وباجلال، مگر اِذَا رُوؤا ذُکِرَ اللّٰہ کے مصداقِ اتم۔ ان کی ہر ادا سے سادگی ٹپکتی تھی۔ وہ عالمِ اسلام کے لاکھوں فرزندانِ توحید کے دلوں کی دھڑکن اور ان کی روح کی آواز، ان کے ساتھ مختصر ترین ملاقات میں ہم نے جو سکون اور طمانیت محسوس کی، اس کی تصویر کشی الفاظ کی تعبیر سے ممکن نہیں۔ واقعی مولانا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ...... ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

رات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد میں دیر تک آنگن مرے احساس کا مہکا رہا

اسی طرح آپ جب کبھی پاکستان تشریف لاتے، تو حضرت شیخ الہندؒ کے رفیق خاص، یادگارِ اسلاف، اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ ملاقات کے لئے ضرور سخا کوٹ مالاکنڈ ایجنسی تشریف لے جاتے۔ اسی دوران اپنے قدم میمنت لزوم سے دارالعلوم حقانیہ کو نوازتے۔

۱۹۸۵ء میں جب آپ کی زیر سرپرستی دہلی میں حضرت شیخ الہند سیمینار کا انعقاد کیا گیا اور پاکستان میں

برادر محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب زید مجدہٗ کے ذریعہ اس کے لئے دعوت نامے تقسیم کیے گئے اور اس عظیم الشان تاریخی سیمینار میں شرکت کے لئے برصغیر کے چیدہ چیدہ حضرات کو دعوت دی گئی تھی، مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ نے اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب قدس سرہٗ اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان مرحوم کو اس سیمینار میں مہمانانِ خصوصی کے طور پر مدعو کئے تھے، اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب قدس سرہٗ نے تو اپنی خلوت پسند طبیعت کی وجہ سے اس میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی۔ جبکہ باچا خان (خان عبدالغفار خان صاحب) نے شرکت پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ وزیر اعظم ہند کی حیثیت سے راجیو گاندھی کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی انہی دنوں مدراس میں کانگریس کی صد سالہ تقریبات کی تیاریاں بھی عروج پر تھیں، خان صاحب مرحوم اس میں بھی مدعو تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ شیخ الہند سیمینار کی تاریخیں کانگریس کی صد سالہ تقریبات کے ساتھ متصل ہونی چاہئیں، کیونکہ اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے زیادہ وقت وہاں نہیں گزار سکتا اور ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی کہ میں مہمانِ جمعیۃ العلماء ہند کا رہوں گا۔

چنانچہ آپ کی تجویز کے مطابق تاریخیں مقرر کی گئیں۔ راقم ان دنوں مدرسہ کے کوارٹر کی بیٹھک میں بیٹھا تھا کہ سامنے بڑی شاہراہ پر ایک کار رُکی اور اس کے ڈرائیور نے میری طرف اشارہ کیا، میں نے ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا، شاید کسی اور کو بلا رہے ہوں، مگر انہوں نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا، میں جب گیا تو کار میں مولانا فضل الرحمان صاحب تشریف فرما تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ، میں نے انہیں کہا کہاں جانا ہے، انہوں نے کہا کہ زیادہ باتیں کرنا چھوڑ دو، بس بیٹھ جاؤ (ہم دونوں زمانۂ طالب علمی کے بے تکلف ساتھی اور ایک ساتھ دورۂ حدیث میں شریک رہے ہیں) چنانچہ میں چار و ناچار ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا، آخر کہاں جانا ہے، انہوں نے کہا، کہ آپ کو پتہ چل جائے گا۔ چنانچہ میں نے از راہِ مزاح کہا، یہ تو سیدھا سادہ اغوا کا کیس ہے۔

بہر حال جب ہم نوشہرہ کے قریب پہنچے، تو ڈرائیور نے گاڑی بدرشی گاؤں کی طرف موڑ دی۔ وہاں خان شیر افضل خان مرحوم کے ڈیرے پر پہنچ گئے، تو آپ کے برخورداران جناب عثمان خان وغیرہ مولانا کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ مولانا نے انہیں کہا کہ یہ (بندہ) میرا ساتھی ہے اور ان کے لئے ایک کمرہ خالی کر دیں تا کہ یہ اطمینان سے وہاں پر کام میں مصروف ہو جائے۔ چنانچہ مولانا نے چند کاغذات میرے حوالے کئے اور کہا کہ یہ ایک غیر مرتب مقالہ ہے جو کہ شیخ الہند سیمینار میں خان عبدالغفار خان کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔ یہ غیر مرتب بھی ہے اور اس میں کمی وبیشی اور حک واضافہ کی بھی گنجائش ہے، تو آپ اس کو مرتب بھی کریں اور اس میں آپ کو موقع اور محل کی مناسبت سے ترمیم وغیرہ کا بھی مکمل اختیار ہے۔ چنانچہ بندہ کمرے میں اس کام کی تکمیل اور حکم کی تعمیل کے لئے

بیٹھ گیا۔ چائے وغیرہ بھی سامنے رکھی اور خادم دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

چنانچہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد بندہ نے وہ مقالہ مرتب کیا اور اس میں جا بجا مقالہ کی روح کے مطابق ترمیم وترخیم بھی کر لی۔ بندہ نے وہ مقالہ مولانا کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب میں پشاور جاؤں گا، اور وہاں پر اے این پی کے مرکزی رہنما حاجی غلام احمد بلور کو ساتھ لے کر چارسدہ ولی باغ جاؤں گا اور باچا خان صاحب کو یہ مقالہ دکھاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے پہلے مجھے اپنے گھر پہنچایا اور پھر عازم پشاور ہوئے۔ مقررہ تاریخوں پر پاکستان سے مختلف وفود اس سیمینار میں شرکت کے لئے دہلی پہنچے۔ خان عبدالغفار خان کے لے راجیو گاندھی نے ہندوستان سے خصوصی طیارہ پشاور بھیجا تھا۔ چنانچہ وہ اور ان کے ساتھ وفد کے ارکان جن میں مرحوم خان عبدالولی خان بھی شامل تھے، اس خصوصی طیارہ کے ذریعہ دہلی پہنچے۔

سیمینار کا پروگرام دہلی کے مشہور لال کٹورا ہوٹل میں منعقد کیا گیا تھا۔ سیمینار کے منتظمین نے بہت زبردست انتظام کیا تھا۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے سینکڑوں کارکن وہاں پر اس سیمینار کی رپورٹنگ کے لئے آئے تھے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم راجیو گاندھی اور دیگر سرکردہ سیاستدان بھی وہاں پر موجود تھے۔ خان عبدالغفار خان مرحوم کی طرف سے مقالہ جو کہ ہم نے یہاں مرتب کیا تھا، ان کے صاحبزادے خان عبدالولی خان نے پڑھ کر سنایا، دوسرے دن اخبارات میں اس سیمینار کی کاروائی جلی سرخیوں کے ساتھ آئی اور تمام اخبارات نے خان صاحب کا مقالہ اور اس کے چیدہ چیدہ نکات نمایاں طور پر شائع کئے۔ تمام قومی وبین الاقوامی اخبارات نے یہ سرخی لگائی کہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک ایک قومی تحریک تھی اور اس میں تمام ہندوستانی قوم نے بلا امتیاز مذہب وملت حصہ لیا تھا۔

آمدم برسر مطلب ! اس عظیم الشان شیخ الہند سیمینار کے انعقاد کا پس منظر یوں تھا کہ اس وقت ہندوستانی حکومت کی طرف سے ایک تجویز آئی کہ تحریکِ آزادیٔ برصغیر کی تاریخ لکھی جائے۔ جو کہ سرکاری طور پر ایک مستند دستاویز ہو۔ چنانچہ یہ بات طے پائی گئی کہ ایسی تاریخ مرتب کی جائے گی اور اس میں بنیادی نکتہ یہ طے پایا گیا کہ تحریکِ آزادی برصغیر میں غیر مسلموں مثلاً ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور انہیں لوگوں کی قربانیوں اور جدوجہد کے نتیجہ میں ہندوستان آزاد ہوا تھا، باقی رہے مسلمان تو وہ انگریز کے ایجنٹ تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بروقت اقدام کرتے ہوئے شیخ الہند سیمیار کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ نے جو تحریک ریشمی رومال چلائی تھی اور مالٹا میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں، کیا وہ ہندوستان کو فرنگی سامراج سے آزادی کیلئے نہیں تھیں اور آج بھی اس کے اہم

کردار مولانا عزیر گلؒ اسیر مالٹا اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان زندہ ہیں۔ اسی وجہ سے اسی سیمینار میں راجیو گاندھی وغیرہ کو شرکت کی دعوت گئی تھی اور خان صاحب کے مقالے میں اس نکتہ پر توجہ مرکوز کی گئی تھی کہ آزادیٔ برصغیر کی تحریک ایک قومی تحریک تھی۔ اس میں کسی خاص مذہب وملت کے پیرکاروں کا دخل نہیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آج تک ہندوستان میں سرکاری سطح پر ایسی تاریخ مرتب نہیں کی گئی۔

تو بات اس پر چل رہی تھی کہ آپ نے ہندوستان میں رہ کر مسلمانانِ برصغیر کی بھرپور وکالت کی اور جب کبھی ایسا موقعہ آیا جس میں مسلمانوں کا ملی خسارہ ہوتا تھا تو آپ نے مسلمانانِ برصغیر کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔ تاریخی بابری مسجد کا معاملہ ہو یا گجرات میں فرقہ وارانہ فسادات، مسلمانوں کے تاریخی ورثے مساجد واوقاف پر ہندوؤں کے دعوے کی بات ہو یا مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ آپ نے ان تمام میدانوں میں قائدانہ کردار ادا کیا۔

ہندوستان میں جب عاقبت نااندیش غیر مقلدوں نے اپنی افتادِ طبع کے بموجب وہاں ریشہ دوانیاں شروع کیں اور ملت اسلامیہ کے پیٹھ میں خنجر پیوست کرنے کی شیطانی کوشش کیں، تو سب سے پہلے اس فتنہ وفساد کے خلاف اُٹھنے والی توانا آواز وہ حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کی تھی۔ اس طرح جب بھارت میں شیعہ سنی فسادات برپا کرنے کی سازش کی گئی، تو اس کے روکنے کے لئے بھی آپ سینہ سپر ہوئے اور مسلمانانِ ہند پر واضح کیا کہ ایک ایسے ملک میں جس میں ہم اقلیت میں ہیں اور ہندوؤں کی کئی منظم تحریکیں مسلمانوں کی خلاف چل رہی ہیں، ہم مسلمان اس قسم کے اختلافات اور دنگہ وفساد کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

آپ کے دل میں تمام نوعِ انسانی کے لئے خیر وصلاح کا جذبہ تھا اور خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر کے مصداق جہاں بھی انسانیت تڑپ اُٹھتی، آپ کا دل دردمند بھی اس کے ساتھ دھڑک اُٹھتا تھا، گذشتہ سال جب رمضان شریف میں ۸؍اکتوبر ۲۰۰۵ء کو پاکستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا تھا جو کہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین زلزلہ تھا جس میں ایک لاکھ کے قریب لوگ شہید ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ بے گھر ہوئے جبکہ مالی نقصان کا تو تخمینہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ آپ نے جمعیۃ العلماءِ ہند کی طرف اپنی سرپرستی میں کروڑوں روپے کے ٹینٹ خیمے ادویات اور دیگر ضروری اشیاء لے کر ٹرکوں کا ایک بڑا قافلہ لے کر پاکستان روانہ کیا اور مسلمانانِ پاکستان کے ساتھ آپ نے اس مشکل گھڑی میں تعاون کا ہاتھ بڑھایا۔

آپ کی دوراندیشی اور فراست کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جب ریحانۃ الہند، برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ آخری بار ہندوستان تشریف لائے، تو یہاں پر آپ کی طبیعت انتہائی خراب ہوگئی۔ معتقدین ومتوسلین اور خدام نے مشورہ کے بعد طے کیا کہ آپ کو یہاں ہندوستان میں کسی اعلیٰ ہسپتال

میں داخل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس کے لئے انتظامات بھی مکمل کر لیئے گئے تھے، جب آپ کو اس کا علم ہوا، تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خدام ومتوسلین کو اس پر سرزنش کی اور ان کے لئے واپس حجازِ مقدس لے جانے کا پروگرام بنایا، اور فرمایا کہ جس ہستی نے زندگی کا اکثر حصہ حجاز میں مہاجرت کے طور پر گزارا، اس لئے کہ دیارِ حبیب اور مدینہ منورہ میں، حضور ﷺ کے جوار میں اس کو آرام گاہ نصیب ہو جائے۔ اب جب وقت آیا، تو آپ لوگوں نے اس کو ہندوستان میں علاج کے لئے ٹھہرایا، چنانچہ جب آپ حجازِ مقدس مدینہ منورہ لے جائے گئے، تو چند دنوں بعد ہی آپ کا انتقال ہوا' اور جنت البقیع میں امیر المؤمنین خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله**۔ آپ کی فراستِ مؤمنانہ کی کی بہتر مثال اس سے بہتر اور کیا ہوسکتی ہے، راقم اپنے ان پراگندہ سطور کو اپنے ان اشعار پر سمیٹ رہا ہے۔ جس میں امیر الہندؒ کی امتیازی شان کا تذکرہ ہے۔ آج اگر چہ وہ اس دنیا میں نہیں لیکن صفحاتِ عالَم پر آپ کا نام زندۂ جاوید ہے ....

تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی — تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

....

ظلمت الحاد میں نورِ سحر پائندہ باد — نازشِ خورشید و ہمدوشِ قمر پائندہ باد
جن کی شوکت ساری دنیا میں مسلّم مرحبا — وہ امیر الہند میرِ معتبر پائندہ باد
جانشینِ شیخِ اسلام و امام ذی وقار — سیدِ مدنی کے عکس پُراثر پائندہ باد
ملت اسلامیانِ ہند کے ہیں تکیہ گاہ — افتخارِ اُمت خیر البشر پائندہ باد
جرأت و ایثار و تقویٰ و تدبر علم و فن — صورتِ ایمان و ایقاں سر بسر پائندہ باد
عظمتِ اسلاف کی زندہ نشانی آخر میں — رہنمائے دور بین و دیدہ ور پائند باد
تیری عز و شان کو تیری شہامت کو سلام — بیشۂ اسلام کے اے شیرِ نر پائندہ باد
ملتِ بیضاء کے غم میں روز وشب مغموم آپ — قائدِ پُرسوز و پُردردِ جگر پائندہ باد
تو سیاست میں بھی یکتا حاملِ شرع وطریق — جامع الاوصاف قصۂ مختصر پائندہ باد

چارہ سازِ قوم فانؔی دینِ قیم پر فدا
صاحبِ فکر رسا اہلِ نظر پائندہ باد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۰
سلوک وارشاد
اور مدنی نسبتیں

حضرت مولانا السید ارشد مدنی دامت برکاتہم مرسلہ ! قاری تنویر احمد شریفی
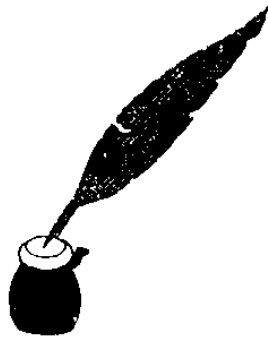
سلوک وارشاد کے امام

تنظیم القرأ والحفاظ ٹرسٹ کراچی پاکستان کے تعزیتی اجتماع سے حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہم کا مختصر خطاب فرمایا۔

مجھے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ آپ سب حضرات حضرت (مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی تعزیت کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ تعزیت کے معنیٰ ہیں کسی حادثے پر متأخرین کو تسلی دینا، بلاشبہ ہم سب جو ان سے رشتے داری رکھتے ہیں اور جو روحانی تعلق ان سے رکھتے ہیں، ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں' **مَوتُ العالِم موت العالَم** کا مصداق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال ہے۔ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ سے سلسلۂ سلوک کا جو طریقہ چلا ہے، اس کے اور ہندوستان و پاکستان میں جتنے مشائخ ہیں، ان سب میں سب سے زیادہ سلوک و ارشاد کے میدان میں حضرتؒ آگے نظر آتے ہیں۔ سب سے زیادہ سلوک وارشاد اس زمانے میں حضرتؒ سے پھیلا

حضرتؒ مسلکِ دیوبند کے محافظ تھے، کہیں سے بھی کوئی فتنہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علمائے دیوبند کے خلاف اُٹھتا، اس کا تعاقب فرماتے تھے، حکومت سعودیہ نے علمائے احناف اور بالخصوص علمائے دیوبند کے خلاف جو آواز اُٹھائی تھی، حضرتؒ کی کوششوں سے وہ ختم ہوئی۔ حضرتؒ نے بڑی سختی کے ساتھ سعودی حکام کے خلاف آواز اُٹھائی اور ان سے کہا کہ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالیں، آپ کو چاہئے کہ اتحاد بین المسلمین کو مضبوط کریں اور آپ اتحاد بین المسلمین کے داعی کہلاتے ہیں۔

حضرتؒ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ کوئی فتنہ دیکھتے تو اس کی سرکوبی کے لئے اس کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے، اس فتنے کی سرکوبی تک اپنی جدوجہد جاری رکھتے تھے۔ یہاں مسلمانوں کے لئے رفاعی ادارے قائم فرمائے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعے مسلمانوں کی بھرپور قیادت فرمائی۔ درحقیقت آج ہم سب ان کی کمی کو شدّت سے محسوس کررہے ہیں، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ دنیا میں زندگی کے بعد موت بھی ہے۔ اس لئے ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنی ہے اور اس کے لئے حضرتؒ نے اپنی زندگی، تن من دھن سے صرف کردی۔ ہم جو حضرتؒ کے متوسلین ہیں' حضرتؒ سے عقیدت رکھتے ہیں' حضرتؒ کے مشن کو اپنا مقصدِ زندگی بنائیں' اللہ ربّ العزت کے ذکر کا اہتمام رکھیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، حسنات کو قبول فرمائے، اپنی مرضیات پر چلائے، شرور وفتن سے محفوظ فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

قاری تنویر احمد صاحب شریفی

حضرت امیر الہند اور مدنی نسبتیں

حضرت امیر الہندؒ کا مقام :

فدائے ملت امیر الہند حضرتِ اقدس سیدی و مولائی مولانا السید اسعد المدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی فضیلت کے لیے بہت سے شواہد موجود ہیں، جن میں سے دو یہاں درج کیے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کا درجہ کیا تھا۔

حضرت میاں صاحب مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''مولانا حسین احمد کی سوانح حیات کو حضرت شیخ الہندؒ کی سوانح حیات سے وہی تعلق ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات سے ہے۔''(۱)

امیر امان اللہ خان مرحوم کی رائے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) نقل فرماتے ہیں :

''شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ایک نور تھے تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اس نور کی ضیا اور چمک تھے۔''(۲)

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ، حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہما کے فکر، مسلک و مشرب اور طریقِ کار کے امین تھے، بلکہ فکرِ قاسمی کے بھی داعی تھے۔ ان اکابر کے بعد ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں سب سے بڑا حصہ حضرت امیر الہندؒ کا ہے۔ ان اکابر کے کئی مشن تھے۔ مثلاً :

- اللہ کی مخلوق کو اللہ کے نظام سے آگاہ کرنا، حقوق اللہ کی فکر ان کے اندر پیدا کرنا۔
- اللہ کی مخلوق کے حقوق کا خیال کرنا، چاہے اس کے لیے حاکمِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات

کرنی پڑے۔

❁ اللہ کی مخلوق کی اصلاح کی فکر کرنا اور اپنے اکابر سے وابستہ افراد کے تعلق کا خیال رکھنا۔

اول الذکر دونوں امور ایسے ہیں جن کے لیے کئی دفتر چاہئیں، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اس موضوع پر کوئی متوسل تفصیلات جمع کر دے گا اور اس سے ہم جیسا طالب العلم بھی فائدہ اٹھا لے گا۔

مؤخر الذکر بھی موضوع کے اعتبار سے کافی وسیع ہے، لیکن راقم تو صرف اپنے گھرانے کے ساتھ حضرت امیر الہندؒ کو جو تعلق تھا اس کا ذکر کرے گا۔ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر الہندؒ کو تعلق نبھانے کا کیسا ملکہ عطا فرمایا تھا۔

بیعت کے لیے شیخ کا انتخاب :

میرے جد امجد حضرت الاستاذ مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۹ء میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین- ڈابھیل، ضلع سورت سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے، اس کے بعد تحفیظ قرآن کریم کا مدرسہ اپنے استادانِ مکرم حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ اور حضرت مولانا قاری عبد المالک علی گڑھیؒ کے حکم سے دہلی میں قائم کیا۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۷ء میں سلوک وتصوف کے مراحل طے کرنے کا ارادہ ہوا تو تین اکابر کے نام ذہن میں آئے۔

پہلا نام امیر التبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلویؒ کا.....

دوسرا نام حضرت مولانا پیر خواجہ عبد المالک صاحبؒ کا.....اور

تیسرا نام شیخ الاسلام والمسلمین حضرت الامام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ کا تھا۔

حضرت امیر التبلیغؒ مسجد حوض والی، نئی سڑک- دہلی میں تشریف لاتے تھے اور نمازیں حضرت قاری صاحب مدظلہم کی اقتدا میں ادا فرماتے تھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے شاید مجھے فائدہ نہ پہنچے، اس لیے کہ حضرتؒ تو خود ہی تشریف لے آتے ہیں اور ایسی ملاقاتوں کی وجہ سے قدرے بے تکلفی بھی ہو جاتی ہے، اس لیے ان کا نام تو پہلی ہی سوچ بچار کے بعد ذہن سے نکال دیا۔

حضرت پیر خواجہ عبد المالک صاحبؒ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں بیعت ہونے کی نیت سے حاضر ہوا۔ پیر صاحبؒ نے مغرب کی نماز کی امامت فرمائی، پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی دوسری میں اس کے بعد ایک چھوٹی سورت چھوڑ کر اس سے آگے کی پڑھی۔ حضرت

قاری صاحب مدظلہم بغیر ملاقات کیے واپس تشریف لے آئے۔ مدعا بیان کرنا تو دور کی بات تھی، یہ سوچا کہ نماز میں ایک چھوٹی سورت چھوڑ کر اس کے بعد والی پڑھنے سے تو نماز ہی مکروہ ہوگئی، اس لیے ان سے بھی بیعت کا فائدہ نہیں پہنچے گا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمتِ عالیہ میں :

اب تیسرا نام حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ العزیز کا تھا۔ جمعیت علمائے ہند میں آپ کی سربراہی میں بہ حیثیت ایک کارکن حضرت قاری صاحب مدظلہم بھی شریک تھے۔ بس یہی ایک جان پہچان تھی۔ ایک دن حضرت قاری صاحب مدظلہم اپنے دو ساتھیوں (۳) کے ساتھ دیوبند تشریف لے گئے۔ سامان اپنے استاذ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے یہاں رکھا اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آنے کا مقصد بھی بتلا دیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے کچھ سوالات فرمائے اور حضرت قاری صاحب مدظلہم نے ان کے جوابات دیئے۔ وہ یہاں تبرکاً نقل کر رہا ہوں :

سوال: دہلی میں بڑے بڑے بزرگ ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہیں، ان سے کیوں بیعت نہیں ہوتے؟

جواب: ہم آپ ہی کے پاس حاضر ہوئے ہیں، آپ ہی سے بیعت ہوں گے۔

سوال: استخارہ کر لیجیے۔

جواب: استخارہ تو وہاں ہوتا ہے جہاں تردّد ہو، اور جہاں تردّد ہی نہ ہو وہاں استخارے کی کیا ضرورت؟

سوال: اچھا! سامان کہاں ہے؟

جواب: سامان حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کے مکان پر ہے۔

سوال: مہمان میرے اور سامان وہاں؟

جواب: وہ میرے استاذ ہیں اور وہاں سامان رکھنے میں آسانی بھی ہے۔

ہدایت: اچھا! جب تک یہاں ہیں کھانے پر میرے ساتھ ہی ہوں گے، کہیں اور نہ کھائیں (۴)۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے بیعت فرما لیا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ساتھ جا کر دار العلوم دکھایا اور ارشاد فرماتے جاتے تھے:

''یہ یہاں علامہ بننے آئے ہیں، مہمانانِ رسول ہیں۔'' (۵)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی خواہش :

تقسیم ہند کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم نے پاکستان منتقل ہونے کا فیصلہ کیا، اور وجہ اس کی یہ تھی

کہ اکثر رشتے دار اور والدۂ محترمہ اور بھائی صاحبان کراچی آ گئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ قاری صاحب کو مدرسۂ عالیہ فتح پوری- دہلی میں بہ طور مدرسِ عربی مقرر کرلیا جائے، یہ قاری صاحب کا مادرِ علمی بھی ہے، لگن کے ساتھ کام کریں گے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اس کے لیے درخواست بھی انتظامیہ کو دی، لیکن حضرت قاری صاحب مدظلہم کے استاذِ محترم حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کرت پوری (رحمۃ اللہ علیہ)، حضرت مولانا قاری محمد میاں دہلویؒ کا تقرر کرا چکے تھے۔

پاکستان آنے کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم ریلوے سٹی اسٹیشن- کراچی کی مسجد میں پیش امام ہو گئے۔ اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر نیا نیا چلا تھا، اکثر جگہ نماز میں اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا اور جو کرتے بھی تھے تو اس میں اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کو بھی ایسی ہی صورت پیش آئی تو آپ نے اپنے مرشد حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ کو رہنمائی کے لیے خط لکھا، وہ درج ذیل ہے۔ اس سے حضرت شیخ الاسلامؒ سے بیعت کی تاریخ بھی معلوم ہو رہی ہے۔

قاری محمد شریف کا حضرت شیخ الاسلامؒ کے نام خط :

بہ گرامیٔ خدمت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہٗ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

میں حضرت والا کا ایک گم نام خادم ہوں، ۱۹۴۷ء میں حضرتِ والا سے بیعت ہوا تھا، اس کے بعد کا دور ایسا افراتفری کا گذرا کہ حضرت کے آستانۂ عالیہ پر دیوبند حاضری نہ دے سکا۔ مجھے اپنے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، اللہ کے لیے میری رہنمائی فرمائیں :

۱۔ جناب نے جو اوراد اور تسبیحات ستہ تلقین فرمائے تھے ان پر مداومت نہ کر سکا، لہٰذا اب کیسے کروں؟

۲۔ نماز میں خشوع وخضوع پیدا نہیں ہوتا، اس کا کیا علاج کیا جائے؟

۳۔ میں ایک مسجد میں یہاں امام ہوں۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے ایک مرتبہ عید کی نماز لاؤڈ اسپیکر پر پڑھا دی تھی، مولانا کا وہ فعل لوگوں کے لیے حجت سا بن گیا ہے، جس کی وجہ سے امسال مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو بھی نماز عید لاؤڈ اسپیکر پر پڑھانی پڑی اور اس جماعت میں سید سلیمان ندوی اور مفتی محمد شفیع صاحب بھی شریک تھے اور مفتی محمد شفیع صاحب نے مشروط طور پر لاؤڈ اسپیکر پر جواز کا فتویٰ بھی دیدیا۔

ان حضرات کے عمل کے بعد ہماری مسجد کے منتظمین بھی یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز لاؤڈ اسپیکر پر پڑھاؤ۔

اب تک تو خدا کے فضل وکرم سے بچا ہوا ہوں، لیکن اب بچنا مشکل اور محال ہے۔ اس لیے حضرت کا میرے لیے کیا مشورہ ہے؟ یعنی یہ کہ امامت چھوڑ دوں یا لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانی پڑے تو پڑھادوں؟

مولانا محمد صادق صاحب کھڈہ والے، جو اپنی جماعت کے بزرگ ہیں، ان کا مشورہ یہ ہے کہ امامت نہ چھوڑی جائے۔ والسلام

(نوٹ) یہ خط ذاتی ہے، کوئی فتویٰ نہیں، اس لیے حضرت میرے لیے جو مناسب راہ عمل تجویز فرمائیں اس پر عمل کیا جائے۔ دعائے خیر کا محتاج

(قاری) شریف احمد غفرلہٗ..... کراچی ...... ۲۰؍ستمبر ۱۹۵۰/ ۷؍ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

حضرت شیخ الاسلامؒ کا جواب:

مورخہ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ (۲۶؍ستمبر ۱۹۵۰ء)

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مزاج مبارک! والا نامہ مورخہ ۷؍ذی الحجہ باعثِ سرفرازی ہوا۔ یاد آوری کا شکر گذار ہوں، خیریت سے خوشی ہوئی۔ امورِ مسئولہ عنہا کا جواب حسبِ ذیل ہے:

۱۔ وظائف، تسبیحات اگر چھوٹ گئے تھے تو تدارک فرمایئے اور ان کو صبح بعد از فجر اور شام بعد از مغرب ادا فرماتے رہیے، اور اگر کبھی ایسے موانع پیش آجائیں کہ وقت مقررہ پر ادا نہ کرسکیں تو بوقتِ فراغ ادا کرلیا کریں۔ یعنی بعد از مغرب ادا نہ کرسکیں تو بعد از عشاء ادا کرلیں، اور اگر بعد از فجر نہ کرسکیں تو بوقت اشراق یا چاشت ادا کرلیا کریں۔

۲۔ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں ان کے معانی کا استحضار کرتے ہوئے یہ تصور کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ سامنے موجود ہے اور میں اس سے عرض معروض کررہا ہوں۔ اس دھیان پر زور دیں۔ جب بھی خطرہ دوسرا آئے اس کو چھوڑ کر اسی دھیان پر لوٹیں۔ اس کی عادت ڈالیں اور کوشش کریں، ان شاء اللہ آہستہ آہستہ کامیابی ہوگی۔

اور اگر جلدی چاہیں تو صورت یہ ہے کہ جس نماز میں ایسی صورت پیش آئے کہ اغیار کے خیالات نے توجہ الی اللہ کو اس نماز میں روکا ہے، اس نماز کو تنہائی میں دھرائیں۔ اگر اس میں بھی ایسے خیالات اور خطرات آئیں تو اس کو بھی دھرائیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ان شاء اللہ جلد کامیابی ہوگی۔

۳۔ لاؤڈ اسپیکر کی نماز کے لیے جب علمانے فتویٰ دیا ہے اور عمل بھی کیا ہے تو کیوں تردّد فرماتے ہیں؟ اگر نماز فاسد ہوگی تو ان مفتیوں کی گردن پر وبال ہوگا، آپ کو اس میں تردّد نہ ہونا چاہیے (۶)۔ مَنْ قَلَّدَ عَالِمًا لَقِیَ اللّٰہَ سَالِمًا

اب جب کہ حرمین میں بھی (یہی) عمل جاری کر دیا گیا ہے اور باوجود صدہا احتجاجات حکام حجاز نے اسی کو جاری رکھا ہے، ہزاروں بلکہ لاکھوں کی عبادت کو اسی کے تابع کیا گیا، اب کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سب کی نماز فاسد ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ کوئی قطعی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کی بنا پر کوئی قطعی فیصلہ کیا جا سکے، بلکہ قابل غور یہ امر ہے کہ آیا لاؤڈ اسپیکر کی آواز وہی آواز ہے جو کہ امام کی ہے یا دوسری آواز اس آلہ اور بجلی سے پیدا ہوئی ہے؟ اگر وہی آواز ہے جو کہ آلہ مکبرۃ الصوت میں گذرنے سے قوی ہوگئی ہے تو نماز کی صحت میں شبہ نہیں، اور اگر یہ دوسری آواز ہے تو عدمِ صحت میں شبہ نہیں۔ ماہرینِ فن اس میں مختلف ہیں۔ اسی بنا پر جمعیت علمائے ہند اس مسئلے کی تحقیق کررہی ہے اور ماہرینِ فن سے دریافت کرنے کی جدوجہد میں مشغول ہے (۷)۔ بناء بریں آپ تأمل نہ فرمائیں اور اپنی ملازمت سے علیحدگی کا خیال نہ کریں، بالخصوص جب کہ آپ کو مجبور کیا جارہا ہے اور آپ کے لیے بجز اس آمدنی کے اور کوئی صورت نہیں ہے، ایسی صورت میں آپ کا دامن ہر طرح پاک ہے۔

دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ واقفین پرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ میں نے دو خط ضروری مولانا صادق صاحب کے پاس ہوائی ڈاک سے بھیجے، ایک کا بھی جواب نہیں دیا، تعجب ہے۔ واقفین پر حال سے سلام مسنون کہہ دیں۔

ننگِ اسلاف ...... حسین احمد غفرلہٗ

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی وفات ۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ/ ۵؍ دسمبر ۱۹۵۷ء بہ روز جمعرات ہوئی۔ حضرتؒ کے متوسلین کو اس سے فطری طور پر دھچکا لگا۔ اور پھر جو پاکستان میں تھے ان کے لیے رنج وافسوس زیادہ تھا، اس لیے کہ تقسیم کی آہنی مصیبت کی وجہ سے ہندوستان جانا فوری طور پر ناممکن تھا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے جانشینِ حضرت شیخ الاسلامؒ۔ حضرت مولانا السید اسعد مدنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو تعزیتی خط لکھا، جواب میں حضرت امیر الہندؒ کا یہ خط آیا۔ (۸)

حضرتؒ سے انتساب کا تقاضا :

مکتوبِ اسعد (۱) :

محترم المقام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تعزیت نامہ موصول ہوا، جس کا شکریہ یہ اندوہ گین کسی طرح ادا نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل

وکرم سے آپ کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

بلاشبہ حضرت قدس سرہٗ کی رحلت کا سانحہ نہ صرف ہم لوگوں کے لیے بلکہ پوری ملت کے لیے ایک سانحہ ہے۔ حضرت قدس سرہٗ سے تعلق اور اس کے ثبات و قیام کے پیشِ نظر خدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ حضرتؒ کے لیے دواماً ایصال ثواب خود کرتے رہیں اور دوسرے متعلقین کو اس طرف توجہ دلاتے رہیں۔ نیز جنابِ باری عزاسمہٗ سے حضرت اقدسؒ کے علومرتبت اور رفعِ درجات اور مقبولیتِ تامہ کے لیے نہایت الحاح وزاری سے دعائیں کرتے رہیں۔ کیوں کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے علومراتب اور بلندئ درجات سے تمام ہی خدام کو فضل خداوندی سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی نہ صرف توقع بلکہ یقین ہونا چاہیے۔

حضرت قدس سرہٗ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم حضرتؒ کے اسوہ کو اپنی زندگی کا راہِ عمل اور آپ کی تعلیمات کو اپنا اسوہ بنالیں۔ ہمیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ اتباعِ سنت پر پابندی اور اپنی، اپنے گھر والوں اور خاندان والوں کی صورتیں اور سیرتیں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بنائے رکھنے کی کوشش، نیز خوشی وغمی کی فضول خرچیوں اور خلافِ منشائے شریعت رسومات کے استیصال میں حضرتؒ کو زیادہ سے زیادہ شغف تھا، اس لیے ہمیں خود عامل بن کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہنا چاہیے۔ حضرت قدس سرہٗ سے انتساب کا یہ تقاضا ہے کہ ذکر اللہ میں پوری پوری جدوجہد اور پابندئ اوقات کی جائے کہ یہی مقصدِ زندگی اور یہی اصلی زندگی ہے۔ قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ میں اس کی بے حد تاکید ہے۔

نہایت عاجزی سے یہ بھی درخواست ہے کہ دعواتِ صالحہ اور بالخصوص اوقاتِ مخصوصہ کی دعاؤں میں مجھے فراموش نہ فرمائیں کہ میں اس باب میں بہت زیادہ محتاج ہوں۔

فقط والسلام اسعد غفرلہٗ...... ۶/۸/۷۷ ۱۳ھ (۳۱ ردسمبر ۱۹۵۷ء)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی جانشینی :

شیخ مدنیؒ کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی (مہاجر مدنی رحمتہ اللہ علیہ) نے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو خلافت دی اور حضرت شیخ الاسلام کے تمام خلفا نے مل کر حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرف سے خلافت عطا فرمائی اور حضرت شیخؒ کا جانشین مقرر کیا۔

جناب اثر انصاری نے جانشینی کی تاریخ اس طرح رقم کی .... ؎

بہ ظاہر اجل کی بہ دولت جہاں میں　　　جہاں آفتاب طریقت کی ضو ہے

بہ باطن حرم خانۂ شمع دیں میں　　　اسعد اب چراغ محمد کی لو ہے

۱۳۷۷ھ

غالباً حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بھی اجازت اور خلافت حاصل تھی۔ ''مکتوبات شیخ الحدیث'' میں حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک خط ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

نسبتِ مدنی کے احترام کے معلم، متوسلین کو ہدایت :

حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنیؒ (جانشینِ حضرت شیخؒ) نے متوسلین حضرت شیخ الاسلامؒ کو یہ ہدایت فرمائی :

''تربیت پانے والے صاحبان اور جو حضرت شیخ الاسلامؒ کے سلسلے میں بیعت ہونا چاہیں وہ مذکورۂ بالا (جو خلفا کی فہرست (۹) ہے) خلفائے کرام میں سے جن کی طرف قلب کا رجحان پائیں ان سے تعلق قایم کریں۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ یُحِبُّهٗ وَیَرْضَاهُ(۱۰)۔

فقط　　اسعد غفرلہٗ۔''

اسی ہدایت کی بنا پر حضرت قاری صاحب مدظلہم نے حضرت مولانا سید حامد میاںؒ ابن مورخِ ملت حضرت العلام مولانا السید محمد میاں دیوبندی رحمہ اللہ سے تعلق قائم کیا۔ یہاں تک نسبتِ مدنی ہے۔ اس نسبت کا احترام حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے اخص صفات میں سے ایک تھا۔ جس کے ساتھ ایسا تعلق ہوا اس سے ساری عمر نبھایا۔ ذیل کی سطور میں اسی احترام کی ایک جھلک نظر آئے گی۔ حضرت مولانا سید حامد میاں قدس سرہٗ سے تعلق کی اطلاع حضرت قاری صاحب مدظلہم نے حضرتؒ کو دی، اس پر یہ جواب آیا۔

مکتوب اسعد (۲) :

مخدوم ومکرم زید مجدکم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

والا نامہ ۲۲ صفر ابھی ابھی ملا، یاد فرمائی کے لیے تہ دل سے شکر گذار ہوں۔

بہت اچھا ہوا کہ جناب نے بسلسلہ سلوک مولانا حامد میاں صاحب سے تعلق اصلاح قائم کرلیا۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّهٗ وَیَرْضَاهُ.

ان شاء اللہ کتبِ مطلوبہ کل تک روانہ کردی جائیں گی اور مکتبہ سے منگانے والوں کو آیندہ اس قسم کی شکایات نہ ہوں گی۔

دراصل میری کاہلی، ناکارگی، روسیاہی نے اس کا موقع نہ دیا۔ آپ کا جوابی لفافہ واپس ہے، بھلا اس رسم کی کیا ضرورت ہے؟ بس اس روسیاہ کو دعواتِ صالحہ سے سرفراز فرماتے رہیں۔ یہاں بحمداللہ سب چھوٹے بڑے بہ خیریت ہیں۔ فقط والسلام اسعد غفرلہٗ ۲۴ر صفر ۱۳۸۰ھ ......۱۸ر اگست ۱۹۶۰ء

نسبتِ مدنی کا احترام - حج کے سفر کا ایک واقعہ :

۱۹۶۴ء میں حضرت قاری صاحب مدظلہم حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت قاری صاحب کے مرشد ثانی شیخ طریقت حضرت مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہٗ (خلیفہ حضرت شیخ الاسلامؒ - بانی جامعہ مدنیہ- لاہور) پہلے ہی حج کو تشریف لے گئے تھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ میں تھے کہ حضرت مولانا اسعد صاحب کا پیغام ملا کہ میں آیا ہوا ہوں اور ملاقات کرنی ہے۔ منیٰ سے مکہ مکرمہ آتے ہی حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب کے ساتھ ملنے کے لیے گئے تو مولانا مدینہ منورہ روانہ ہو رہے تھے، کھڑے کھڑے ملاقات ہوئی۔ ایک دن کے بعد ہم بھی مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں تفصیلی ملاقات ہوئی۔

حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ جب میں حج پر جانے لگا تو اہلیہ (راقم کی دادی صاحبہؒ) کی حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے جاتے وقت اپنے ایک دوست حاجی محمد یٰسین (۱۱) پراچہ مرحوم سے کہا کہ میرے پیچھے اگر ان کا انتقال ہو جائے تو تجہیز و تدفین کا انتظام کر دینا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کیفیت یہ ہوگئی کہ ہر وقت جنازہ سامنے نظر آتا تھا۔ میں نے حضرت مولانا اسعد صاحب سے عرض کیا، حضرت نے کچھ پڑھنے کو بتایا، وہ میں نے پڑھا تو تیسرے دن کراچی سے خبر آگئی کہ بحمداللہ خیریت سے ہیں (۱۲)۔

پاکستان کے ذرائع ابلاغ :

حضرت امیر الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کئی مرتبہ پاکستان تشریف لائے۔ ان اسفار کے دوران پاکستانی اخبارات کے صحافی حضرتؒ کے گرد جمع ہو جاتے اور ایسے سوالات کرتے جن کے جوابات سے ان کے اخباروں میں شہ سرخیاں لگیں اور انھیں ایک محاذ ہاتھ لگ جانے کا اندیشہ ہوتا۔ لیکن حضرتؒ نے کبھی ایسا کوئی جواب نہیں دیا جس سے ان کی خواہشات پوری ہوسکیں۔ ہاں! از خود صحافی حضرات ان کے بیان پر مرچ مصالحے لگا کر پیش کرتے تھے۔ (۱۳)

حضرت امیر الہندؒ ۷، ۸، ۹ر جولائی ۱۹۷۸ء کو رابطہ عالم اسلامی کی پہلی ایشیائی کانفرنس میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لائے۔ یہ کانفرنس حبیب بینک پلازا، بالمقابل مسجد سٹی اسٹیشن میں ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید

ابوالحسن علی ندویؒ بھی انڈیا سے تشریف لائے تھے۔ راقم الحروف کو وہ وقت اچھی طرح یاد ہے کہ اس کانفرنس کے دوران آئی آئی چندریگر روڈ پر انتہائی سخت پہرہ تھا۔ اسی دن اس کانفرنس میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق مرحوم بھی شرکت کرر ہے تھے۔ اسی دوران حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ عصر کی نماز کے لیے کانفرنس ہال سے مسجد سٹی اسٹیشن تشریف لائے۔ حضرت رحمہ اللہ نے نماز کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم سے ملاقات کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ سے فرمایا :

''مفتی صاحب! آپ قاری صاحب کو جانتے ہیں؟''

حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ''میں پہچانا نہیں۔'' حضرتؒ نے فرمایا کہ :

''بھائی! بڑی عجیب بات ہے، یہ پاکستان بننے سے پہلے دہلی ہی میں تھے، جمعیت میں کام کر چکے ہیں۔''

اس وقت جامعہ دارالعلوم-کراچی کے ایک ''عالم ربانی'' نے ایک صاحب سے فرمایا تھا :

''کیا عجیب بات ہے، لوگ مولانا اسعد صاحب سے ملنے کے لیے ان کی قیام گاہ پر جار ہے ہیں اور مولانا اسعد صاحب قاری صاحب سے ملنے کے لیے مسجد سٹی اسٹیشن آر ہے ہیں۔''

اس موقع پر شیخ طریقت حضرت مولانا السید حامد میاں نور اللہ مرقدہٗ نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور پاکستان کے ذرائع ابلاغ کی نحوست کو محسوس کرتے ہوئے ایک خط حضرت قاری صاحب مدظلہم کو لکھا اور یہ تحریر فرمایا :

''اس وقت عریضہ صرف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مولانا (اسعد مدنی) کی خدمت میں آپ یہاں کے کچھ حالات کا خاکہ پیش فرمادیں، ممکن ہے کہ یہ مفید ہو۔

مجھے خیال آیا کہ انٹرویو لینے کے لیے پورے پاکستان کے اخبارات ورسائل کے نمائندے پہنچے ہوئے ہیں اور پنجاب کے نمائندے شاید کچھ شرارت بھی کریں۔

نوائے وقت اس وقت یہاں سب سے زیادہ مقبول روزنامہ ہے، اس کی اشاعت دو لاکھ سے کم نہیں، لیکن ذہنی طور پر یہ تاریخی گندہ اور مفسد ہے۔ سب سے پہلے اس نے فروری میں حضرت اقدس (مولانا حسین احمد مدنی) رحمہ اللہ کے خلاف متحدہ قومیت کے موضوع پر نہایت گم راہ کن مضمون اپنی طرف سے تیز تیز سرخیاں لگا کر شائع کیا۔ یہ ص ۳ کے نصف پر روزانہ بالاقساط پورے کا پورا شائع کیا اور ہمارا جواب نہیں شائع کیا۔

ع   نہ انکاری کنم نہ ایں کاری کنم

کی پالیسی اختیار کر لیتا ہے۔اس طرح اب متھائی کی کتاب کے اقتباسات مولانا آزاد رحمہ اللہ کے خلاف بڑی سرخیوں سے اور دوسرے ہفتے رفیع احمد قدوائی کے خلاف کہ وہ ایک سو فیصد لادین تھے، شائع کرنے شروع کیے۔

مولانا آزادؒ کے بارے میں جو مضمون تھا اس کے بارے میں ایک نوخیز ہفت روزہ نے تیز مضمون لکھا ہے، یہ میں دیکھنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔امید ہے کہ نوائے وقت اس کا اثر لے گا۔ کیوں کہ اس کی سمجھ میں معقول بات نہیں آتی، بلکہ جتنی زیادہ معقول و مدلل بات ہوتی ہے اتنا ہی ایسے لوگ اسے چھپاتے ہیں۔میرا مضمون انھوں نے چھپا کر ہی رکھ دیا۔البتہ مولانا (اسعد مدنی) سے انٹرویو میں جو معقول و مفید جملے ہوں گے وہ شائع ضرور ہو جائیں گے۔مولانا یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اس مناسبت سے کہ وہ اسلامی نظام کی اور اس کے نفاذ در پاکستان کی سعی کے لیے تشریف لائے ہیں۔صرف اسی موضوع پر زور دیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سوالات کے جوابات میں ایسے جملے ارشاد فرمائیں جیسے ہندوستان کے لیڈر کہتے رہتے ہیں کہ پاکستان کو ہم زیادہ مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے لیڈر کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے لیے کم زور پاکستان کی بہ نسبت مضبوط پاکستان زیادہ مفید ہے۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے نظریے کے بارے میں سوال ہو تو یہی کہا جائے جو شیخ الاسلامؒ نمبر وغیرہ میں ہے۔جس سے معلوم ہو کہ ان کا اختلاف نفسانیت سے بالا تھا اور پاکستان بننے کے بعد انھوں نے اسے ایسی مقدس زمین قرار دیا ہے جس کی حفاظت وتقویت ضروری ہو۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آزاد ریاست کے لیے مسٹر جناح کے ایک بیان کی فوٹو کاپی اور اس کا حوالہ بھیج رہا ہوں، اس کتاب میں ان کی ایک اور تقریر کا حوالہ بھی ملا، جو مفید ہوسکتا ہے۔اور پاکستان سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں اپنے قائد کی بات کہاں تک پوری کی؟ اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھی منسلک ہے''۔(۱۴)

حضرت شیخ طریقتؒ کا یہ گرامی نامہ اور اس میں اتنی ہدایات شاید اسی لیے تھیں کہ حضرت امیر الہندؒ ۱۹۷۰ء (آٹھ سال) کے بعد پاکستان تشریف لائے تھے۔اس موقع پر عارف باللہ حضرت محمود احمد عارفؔ خلیفہ مجاز شیخ طریقت حضرت مولانا السید حامد میاںؒ نے یہ نظم لکھی تھی :

وہ آئے حضرتِ اسعد بہ فضل ربانی — وہ جانشینِ حسینِ زمانِ لاثانی
رئیس اہلِ وفا، جانِ بزمِ اہل تقا — مثال نیرِّ تاباں ہیں شمس عرفانی

عمل میں جہدِ مسلسل ہے آپ کا حصہ
سراپا عشق و محبت و نور ایقانی
متاعِ اہلِ جہاں ہیچ ہے نگاہوں میں
محیط دل پہ ہوا عشق ذاتِ ربانی
عروج پر ہے ستارہ تری سعادت کا
سعید ہی نہیں اسعد ہیں مرد حقانی
رضائے ذاتِ مقدس نصیب ہو دائم
یہی تو غایتِ اولیٰ ہے روحِ ایمانی
دعائے عارفِ مہجور ہے دل و جاں سے
کریں یہ امتِ مرحومہ کی نگہبانی

تقاریر اور بیانات میں احتیاط :

حضرت امیر الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز پاکستان تشریف آوری میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔

۱۳۸۹ھ کے حج سے واپسی پر پاکستان تشریف لائے، اس سفر میں آپ اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا عبدالحق (رحمتہ اللہ علیہ) سے ملاقات کے لیے دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے۔ دارالعلوم میں استاذ محترمؒ نے اپنے لایق و فایق تلمیذ کے خطاب کا اعلان کر دیا، وہاں انتہائی مختصر خطاب میں آپ نے اس طرف بھی روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا :

''میں ایک غیر ملکی ہوں، اس لیے مجھ جیسے آدمی کو کسی بھی تقریر وغیرہ سے بہت احتیاط مناسب ہے۔ میں نے پچھلے سفر میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ ایسا کوئی موقع نہ آئے۔ مثلاً ملتان میں جلسے کا اعلان ہوا، میری بے خبری میں پوسٹر میں میرا نام بھی چھاپ دیا گیا۔ بڑے پارک میں ہزاروں کا مجمع تھا، مگر میں جمعہ کی نماز پڑھ کر بہ ظاہر بہت نامناسب طریقے سے وہاں سے چلا آیا۔ اس لیے میرے لیے مناسب ہے کہ کسی بھی اجتماع سے خطاب کرنا تو مجھ جیسے طالب العلم کے لیے اور بھی نامناسب ہے''۔ (۱۵)

مکتوب اسعد (۳) :

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ ! مزاج شریف!

والا نامہ اور چادر حافظ محمد احمد صاحب سہارن پوری (۱۶) کے ذریعے موصول ہوئی، تکلیف فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔

واقفین پرسان احوال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون فرما دیں۔ دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

فقط والسلام (مولانا) اسعد (صاحب مدظلہ)

رجوع الی اللہ کی ایک علامت :

۹؍ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ/ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۷۹ء بہ روز منگل کا حج --- جس میں بعض بلوائیوں نے حرم محترم مکۂ معظمہ پر قبضہ کیا تھا، اس حج میں راقم الحروف حضرت قاری صاحب مدظلہم کے ساتھ گیا تھا۔ جس وقت یہ حادثۂ عظیمہ پیش آیا۔ ہم مدینۂ منورہ میں تھے اور اسی دن مکۂ معظمہ واپسی ہونی تھی، لیکن اس حادثے کی وجہ سے ہم مکۂ معظمہ نہیں جا سکے۔ مزید چند دن مدینہ شریف میں قیام کیا اور اس کے بعد جدہ شریف کئی دن رہے، لیکن ہماری وطن واپسی تک حرم محترم نہیں کھلا تھا۔ یہ میرا پہلا سفرِ حج تھا اور میری عمر گیارہ سال تھی۔ اس سفر میں ہم میں سے کسی کو حجر اسود کے بوسے کا موقع نہیں ملا تھا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کو اس کا بڑا قلق تھا۔ اس کا اظہار کسی خط میں حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اپنے مرشد حضرت مولانا سید حامد میاں (نور اللہ مرقدہٗ) سے کیا۔ حضرتؒ نے حضرت امیر الہندؒ سے کسی خط میں اس کا اظہار کیا۔ حضرت امیر الہندؒ نے جواباً حضرت میاں صاحبؒ کو لکھا کہ حجر اسود کا بوسہ کوئی فرض و واجب نہیں۔ لیکن اس پر بھی قاری صاحب کا افسوس رجوع الی اللہ کی ایک علامت ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ اور حضرت امیر الہندؒ :

۳، ۴، ۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳؍مارچ ۱۹۸۰ء بہ روز جمعہ، ہفتہ اور اتوار دیوبند میں ارالعلوم کا صد سالہ عظیم الشان اجلاس ہوا، حضرت امیر الہندؒ نے تن من دھن سے اس اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کی۔

حضرت قاری صاحب مدظلہم فرماتے ہیں :

> ’’ہم جب دیوبند اسٹیشن پہنچے تو حضرت مولانا اسعد صاحب اپنے رفقا کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھے۔ گاڑیوں اور تانگوں میں مہمانوں کو دارالعلوم بھیج رہے تھے۔ مدنی منزل (رہائش گاہ حضرت شیخ الاسلامؒ) کھلی ہوئی تھی۔ جس کا جی چاہے مدرسے میں قیام کرے یا مدنی منزل میں۔ حضرت مولانا کھانے کے وقت ہر مہمان سے پوچھتے اور ہر شخص یہ سمجھتا کہ مجھ سے سب سے زیادہ تعلق ہے۔‘‘

پریس کے بارے میں سوال :

حضرت قاری صاحب مدظلہم کا ایک قدیم اشاعتی ادارہ کراچی میں ’’مکتبۂ رشیدیہ‘‘ کے نام سے قائم ہے۔ اس ادارے کے لیے پریس کا قیام شوال المکرم ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء اگست میں عمل میں آیا اور اس کا افتتاح حضرت امیر

الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کے برادرِ نسبتی اور بہنوئی حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد و خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے دست مبارک سے ہوا۔ حضرت مولاناؒ نے ہندوستان جا کر حضرت امیر الہندؒ کو بتایا ہوگا کہ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے پریس لگایا ہے۔ اس کے بعد جب حضرت امیر الہندؒ پاکستان تشریف لائے اور جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن میں قیام فرمایا تو حضرت قاری صاحب مدظلہم ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ فرمانے لگے:

''قاری صاحب! آپ کیوں آگئے، میں تو مغرب کی نماز میں آپ کے پاس آرہا ہوں۔'' (یہی نسبت مدنی کا احترام ہے)۔

حضرتؒ سفرِ کراچی میں اکثر مغرب کی نماز میں سٹی اسٹیشن کی مسجد میں تشریف لاتے تھے اور پھر مغرب کی نماز کی امامت آپ کے ذمے ہوتی تھی۔

اسی دوران جامعہ علوم اسلامیہ کے مہمان خانے سے حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قبر پر فاتحہ کے لیے تشریف لاتے ہوئے راستے میں میرے والد محترم حافظ رشید احمد صاحب مدظلہٗ سے فرمایا:

''آپ کے پریس کا کام کیسا ہے؟ کیا چھاپ رہے ہیں؟''

یہ منظر آج تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضرت امیر الہندؒ نے کس شفقت کے ساتھ سوال فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک صفت خانوادۂ مدنی میں ایسی رکھی کہ ہمارے لیے شفقت کا سبب ہوتی ہے کہ یا اللہ! ہم سے اتنا تعلق؟ اللہ تعالیٰ خوب خوب اس خانوادے کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۹۸۲ء میں حضرت امیر الہندؒ کی پاکستان تشریف اور دار العلوم دیوبند کے لیے کمیٹی کا قیام:

۱۹۸۲ء میں حضرت امیر الہندؒ پاکستان تشریف لائے۔ اس وقت کے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے جناب افضل چیمہ کے ذریعے حضرت امیر الہندؒ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت امیر الہندؒ نے اسلام آباد میں صدر صاحب سے ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر بھی دار العلوم دیوبند کا مفاد پیشِ نظر تھا۔ حضرت امیر الہندؒ نے صدر صاحب سے فرمایا کہ دار العلوم دیوبند کے بہی خواہوں کی تعداد پاکستان میں بہت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ دار العلوم کی مالی طور پر مدد کریں۔ اس کے لیے قانونی طور پر کوئی صورت نکلے جیسا کہ اس سے پہلے تھی۔ رقم یہاں سے ہندوستان منتقل ہو سکے اور حکومتِ پاکستان اس سلسلے میں تعاون کرے۔ صدر صاحب نے تعاون کا وعدہ کرلیا۔ حضرت امیر الہندؒ نے ایک پانچ رکنی کمیٹی بنائی اور ان کے نام صدر صاحب کو دیئے، جس کے ارکان مندرجۂ

ذیل تھے :

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم		صدر کمیٹی
حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی (رحمہ اللہ)	(مہتمم جامعہ رشیدیہ-ساہیوال)	رکن
حضرت مولانا محمد طاسین (رحمہ اللہ)	(مہتمم مجلس علمی-کراچی)	رکن
حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہٗ	(بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ-کراچی)	رکن
جناب سید محمد بنوری (مرحوم)	(جامعہ علوم اسلامیہ-کراچی)	رکن

لیکن افسوس! جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے جیسے اور وعدے تھے یہ بھی ویسا ہی وعدہ ثابت ہوا اور کوئی تعاون حکومت سے نہ مل سکا۔ (۱۸)

مکتوبات شیخ الاسلامؒ--طباعت کی اجازت :

حضرت شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے مکاتیبِ گرامی میں علم اور سلوک وتصوف کے ساتھ ساتھ تحریک آزادی کی تاریخ کا ایک بیش بہا اور گراں قدر خزانہ ہے۔ حضرت مولانا نجم الدین اصلاحیؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی زندگی میں اس کی جمع وترتیب شروع کی تھی اور دو جلدیں حضرتؒ کی زندگی میں مکتبہ دینیہ-دیوبند سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی (رحمتہ اللہ علیہ) نے شائع فرمائی تھیں۔ متوسلینِ حضرت شیخ الاسلامؒ کے لیے پاکستان میں اس کی اشاعت کا بیڑا حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اُٹھایا۔ شیخِ طریقت حضرت مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی اور نگرانی میں حضرت الاستاذ سید انور حسین نفیس رقم مدظلہم کے تلامذہ نے کتابت کی اور جامعہ مدنیہ لاہور کے اساتذہ نے اس کی تصحیح کی۔ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ/ جون ۱۹۹۴ء میں مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ-پاکستان، کراچی سے شائع ہوئی۔

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ نے اس کی اشاعت کی اجازت حضرت شیخ طریقتؒ کو ایک خط میں تحریر فرمائی۔ اس کے الفاظ اس طرح ہیں :

''قاری شریف صاحب مکتوبات چھاپ سکتے ہیں، اگر اس کی کتابت اچھی ہوئی تو ہم اس کا فوٹو لے کر یہاں بھی چھاپ دیں گے۔''

حضرت امیر الہندؒ کی غیر متوقع آمد :

۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ/ ۲۰ر مارچ ۱۹۸۹ء بہ روز پیر، اچانک حضرت امیر الہندؒ کراچی تشریف لائے۔ اس وقت چلنے پھرنے سے معذور تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ایک ٹریفک حادثے کی وجہ سے ٹانگوں میں چوٹ لگی تھی اور وہیل چیئر پر تشریف لائے تھے۔ اس سفر میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے چھوٹے صاحب زادے حضرت مولانا سید

اسجد مدنی مدظلہٗ بھی ہم راہ تھے، یہ آپ کا پہلا پاکستانی سفر تھا۔

حضرت قاری صاحب مدظلہم نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے مدرسے کے پانچ طلبا کا قرآن پاک حضرتؒ سے ختم کرایا اور حضرتؒ کا ایک اصلاحی بیان مسجد سٹی اسٹیشن میں اس موقع پر ہوا۔

اس سفر سے واپسی پر حضرت امیر الہندؒ نے یہ خط تحریر کرایا۔

مکتوب اسعد (۴) :

محترم المقام جناب قاری صاحب دامت برکاتہم سلام مسنون !

امید ہے کہ مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔ آپ سے رخصت ہو کر ۲۱/ مارچ کی شام میں الحمد للہ بہ خیر دہلی پہنچا۔ آپ حضرات کی عزت افزائی، کرم اور مہمان نوازی کا شکر گذار ہوں۔ جزاکم اللہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات سے نوازے اور حفاظت فرمائے۔ آمین

پرسانِ احوال سے سلام فرمادیں اور دعا کی درخواست۔ دعواتِ صالحہ کا خواستگار ہوں، فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام (حضرت مولانا) اسعد مدنی (مدظلہٗ) ۱۹۸۹/۳/۲۵ء

میں تو پاکستان جارہا ہوں :

راقم الحروف ۱۹۸۹ء میں حضرت قاری صاحب مدظلہم کے ساتھ ہندوستان گیا۔ اس سفر میں جناب محمد اقبال ہمدم والے بھی ساتھ تھے۔ یہ سفر ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں ۲۳/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ/ ۲۹/مئی ۱۹۸۹ء کو جمعیت علمائے ہند کے دفتر، مسجد عبدالنبی (نئی دہلی) سے مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا سید اسجد مدنی مدظلہم حضرت قاری صاحب مدظلہم اور راقم الحروف کو لے کر حضرت امیر الہندؒ کی سرکاری رہائش گاہ پہنچے (حضرت امیر الہندؒ کو یہ رہائش گاہ پارلیمنٹ کے ممبر کی حیثیت سے ملی ہوئی تھی)۔ حضرت امیر الہندؒ اسی وقت بمبئی کا دورہ کر کے واپس ہوئے تھے اور سامان اگلے سفر کے لیے درست فرمارہے تھے۔ صرف ڈیڑھ دو گھنٹے کا وقت تھا۔ اسی میں نماز عشاء ہیں جماعت کے ساتھ ادا کی۔ حضرتؒ سے ملاقات ہوئی، دیکھ کر فرمانے لگے: قاری صاحب! آپ ہمارے دیس میں اور ہم آپ کے دیس کی تیاری کررہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹرین سے روانگی ہے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے کہا کہ آپ سے ملاقات ہوگئی یہی غنیمت ہے۔ ورنہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ محرومی رہتی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ خیر! میں تو لاہور اور کوئٹہ کے سفر پر رہوں گا۔ کراچی کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا قاری تنویر احمد شریفی

سلوک وطریقت

حضرت امیر الہندؒ سے تعلقِ اصلاح :

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۹۰ء میں جب پاکستان تشریف لائے تو جامعہ علوم اسلامیہ۔ کراچی کے مہمان خانے میں حضرت قاری صاحب مدظلہم نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ ان چند حضرات کو بیعت کر لیجیے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نماز ظہر کے بعد ان شاء اللہ بیعت ہوگی۔ اس دوران بیعت کرنے والے کافی لوگ جمع ہو گئے۔ نماز کے بعد مہمان خانے میں حضرتؒ نے بلایا اور دروازہ بند کرادیا۔ ہم سب حلقہ بنا کر بٹھا دیئے گئے۔ تقریباً پچیس تیس کے قریب افراد تھے۔ حضرت امیر الہندؒ نے فرداً فرداً سب سے احوال پوچھے۔ کسی سے بیعت ہیں؟ کوئی طالب العلم تو نہیں؟

کسی نے کہا کہ فلاں بزرگ سے بیعت ہوں۔ اگر وہ بزرگ انتقال کر گئے تھے تو انھیں بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمادی گئی یا جو کسی سے بیعت نہیں تھے انھیں اجازت دی گئی۔ اس مجلسِ بیعت میں ایک صاحب نے کہا کہ میں حضرت مولانا سید حامد میاںؒ سے بیعت تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، بیٹھے رہیے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی سے بیعت ہوں۔ حضرت درخواستیؒ حیات تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ باہر چلے جائیے۔ شیخ حیات ہیں، دوسری بیعت کی ضرورت نہیں۔ ان صاحب نے بہتیرا کہا کہ حضرت! میں نے شیخ درخواستی سے اجازت لے لی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں بیعت نہیں کرتا۔ آپ باہر چلے جائیے۔ وہ اصرار کرتے رہے، حضرتؒ نے غصے میں فرمایا اور انھیں کمرے سے باہر جانے کا حکم سختی سے فرمایا۔ اس طرح صرف دس افراد باقی بچے، جنھوں نے بیعت کی۔

حضرتؒ نے مجھ سے بھی پوچھا کہ کسی سے بیعت تو نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ میری خوش قسمتی کہ حضرتؒ نے یہ سوال نہیں فرمایا کہ طالب العلم تو نہیں ہو؟ ورنہ شاید میں بھی اٹھا دیا جاتا۔ اس لیے کہ حضرت شیخ

الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کا طریقہ یہی تھا کہ طالب العلم کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔حضرت امیر الہندؒ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا اور یہی طریقہ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا بھی تھا۔میں اس وقت جامعہ یوسفیہ بنوریہ میں زیر تعلیم تھا۔

حضرتؒ نے بیعت کی اہمیت پر روشنی ڈالی، بیس پچیس منٹ تقریر فرمائی۔اس کے بعد ایک رومال کا سرا اپنے ہاتھ میں لیا اور رومال کے باقی حصے بیعت کرنے والوں نے پکڑ لیے۔حضرتؒ الفاظ کہلواتے رہے اور ہم ان الفاظ کو دھراتے رہے۔تسبیحات تلقین فرمائیں اور دعا ہوگئی۔

بیعت کرنے والوں میں جناب عبدالوہاب (مکہ بیکری والے) اور جناب اکبر حسین بھی تھے۔ہم تینوں کو بیعت کے بعد حضرت امیر الہندؒ نے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا کہ ہفتہ واری مجلسِ ذکر میں شریک ہوا کریں۔شجرہ مبارکہ دیدیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا۔شروع شروع میں تو تسبیحات بہت پابندی کے ساتھ ہوئیں۔سفر کی حالت میں پابندی ہوجاتی ہے لیکن حضر میں جیسا اس کا حق ادا ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا۔لیکن الحمدللہ! ہفتہ واری مجلس ذکر میں پابندی سے شرکت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے کہ اصلی زندگی ہی یہی ہے۔

مکتوب اسعد (۵) :

۱۴/اکتوبر ۱۹۹۲ء (۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ)

محترم المقام جناب قاری صاحب زید مجدہم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ !

امید ہے کہ مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی مکتوبات کی طباعت کے ساتھ ساتھ کتابت بہت خراب ہے۔نیز تصحیح بھی نہیں ہے۔میرا ارادہ ہے کہ کمپیوٹر کے ذریعے کتابت ہوجائے۔آج کل پاکستان میں بہت اچھی کتابت ہورہی ہے۔ہندوستان میں اردو کمپیوٹر آگیا ہے، لیکن وہ صفائی نہیں ہے۔تو کیا یہ ممکن ہے کہ تصحیح شدہ جلدیں آپ کے پاس بھیج دی جائیں اور آپ اپنی نگرانی میں کمپیوٹر کے ذریعے دوبارہ کتابت کرادیں؟ جیسی صورت ہوسکے مطلع فرمائیں، منتظر ہوں۔

الحمدللہ! یہاں سب بخیر ہیں۔ارشد واسجد سلمہما سلام عرض کرتے ہیں۔پرسانِ احوال سے سلام فرمادیں اور دعا کی درخواست، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

(حضرت مولانا) اسعد (مدظلہٗ) بہ قلم اسجد غفرلہٗ

کراچی میں مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ-پاکستان سے حضرت قاری صاحب مدظلہم نے جومکتوبات چھاپی تھیں وہ بہت اعلیٰ کتابت کی ہیں۔اس کا ایک سیٹ فوری طور پر ہندوستان بھیجا گیا، تاکہ اگر یہ بہتر ہوتو وہاں مکتبۂ دینیہ دیوبند سے چھپ جائیں۔یا جیسا حضرتؒ کا حکم ہوگا یہاں کمپیوٹر کرالیا جائے گا۔لیکن اس دوران ہندوستان میں کمپیوٹر کا اچھا پروگرام آ گیا اور حضرت نے وہیں کمپیوٹر کرالیا۔اس کے بعد مکتبۂ دینیہ دیوبند نے کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن شائع کیا۔(۱۹)

قرآن منزل کا معاینہ اور قاری صاحب کے فیصلے کی تائید :

۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ/ ۷؍اکتوبر ۱۹۹۶ء بہ روز پیر حضرت امیر الہندؒ لاہور سے کراچی تشریف لائے۔محترم مولانا سید محمود میاں مدظلہٗ شریکِ سفر تھے۔ترجمان علمائے دیوبند مولانا مفتی محمد جمیل خان (شہیدؒ) نے اقرأ روضۃ الاطفال نرسری برانچ میں دو بچوں کا قرآن مجید حضرتؒ سے ختم کرایا۔حضرت امیر الہندؒ نے بڑا مصروف دن کراچی میں گذارا۔مجلس علمی، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن میں علما، صلحا اور اتقیا کا اجتماع رہا۔بہت سے حضرات نے حضرتؒ سے بیعت کی درخواست کی۔حضرتؒ نے فرمایا کہ رات عشاء کے بعد قاری شریف احمد صاحب کے یہاں مسجد سٹی اسٹیشن میں بیعت کروں گا۔اس کا اعلان مسجدِ باب الرحمت، پرانی نمائش میں متوسلین میں کر دیا گیا۔

عشاء کے بعد مسجد سٹی اسٹیشن میں حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اپنے مدرسے کے ایک طالب العلم کا قرآن پاک ختم کرایا۔حضرتؒ نے اس پر ایک گھنٹہ بیان فرمایا اور ذکر اللہ کی فضیلت وعظمت اور اہمیت پر جامع بیان ہوا۔بیان کے اختتام پر اعلان کرایا گیا کہ بیعت کے خواہش مند حضرات وضو کرلیں، تھوڑی دیر کے بعد قاری صاحب کے کمرے میں بیعت کے لیے جمع ہو جائیں۔

کمرہ بند کرالیا گیا، تقریباً پینتیس افراد نے حضرتؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ان حضرات میں تنظیم القراء والحفاظ ٹرسٹ کے سرپرست جناب حاجی محمد اسحٰق غوری (۲۰) مرحوم، حافظ اخلاق احمد پراچہ، حافظ عبیدالرحمٰن شریفی، حافظ محمد یونس ربڑی والے اور حافظ محمد شفیع ربڑی والے بھی تھے۔یہ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے تلامذہ میں ہیں۔حضرتؒ نے انھیں اور دیگر بیعت ہونے والوں سے ارشاد فرمایا کہ قاری صاحب سے رابطہ رکھیں اور اصلاحِ احوال کراتے رہیں۔

بیعت کے بعد شجرہ شریف جب مریدین میں تقسیم کرنے کا وقت آیا تو وہ اس وقت دو چار تھے۔حضرت امیر الہندؒ نے

میرے متعلق ارشاد فرمایا کہ کل ظہر کے بعد اس سے وصول کرلیں، میں صبح اس کو دیدوں گا۔ حضرتؒ نے جب شجرہ دیا تو شاید پینتیس میں سے دس بارہ افراد نے ہی وہ شجرہ وصول کیا، جن میں محترم قاری ضیاء الحق زید مجدہٗ (ابن حضرت قاری عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ) بھی شامل تھے۔

بیعت کے بعد عشائیہ تھا۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم نے جو جگہ مدرسے کے لیے خریدی تھی اور اس کا نام (اگر چہ جگہ تعمیر نہیں ہوئی تھی) ''قرآن منزل'' راقم نے تجویز کیا تھا، معائنہ فرمایا اور دعا فرمائی۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے کہا دعا فرمایئے کہ حالات اچھے ہو جائیں تو تعمیر کیا جائے۔ مفتی محمد جمیل خانؒ نے کہا کہ قاری صاحب! آپ بنایئے ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ حضرت امیر الہندؒ نے فرمایا کہ نہیں، قاری صاحب صحیح کہتے ہیں۔

زمانہ بے نظیر کی حکومت کا تھا اور مدارس کے خلاف یہود ونصاریٰ کی بولیاں بولی جارہی تھیں (۲۱)۔ اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت امیر الہندؒ کی نظر عالم اسلام کے حالات پر بہت گہری ہے۔ بس اتنی سی بات پر کہ ''دعا فرمایئے کہ حالات اچھے ہو جائیں تو تعمیر کیا جائے۔'' حالات کا اندازہ کرلیا۔

قرآن منزل کا معاینہ فرمانے کے بعد حضرتؒ سے درخواست کی کہ میری اہلیہ اور ہمشیرہ کو بیعت فرمالیجیے، حضرتؒ نے فرمایا کہ کہاں ہیں؟ سامنے ہی مدرسہ تھا، حضرتؒ تشریف لے گئے، پردے کے پیچھے سے بیعت فرمالیا، میں بھی اس دوران وہیں حضرتؒ کے سامنے بیٹھا رہا۔

یہ خود دیوبند پہنچائیں:

جامعہ مدنیہ جدید، رائے ونڈ روڈ- لاہور کے سنگ بنیاد کے موقع پر حضرت امیر الہندؒ لاہور تشریف لائے۔ ۹ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/۱۲ جون ۲۰۰۰ء کو جب واپس دہلی تشریف لے جانے لگے تو مکرمی حافظ فہیم الدین پراچہ نے کچھ کھجوریں مدینہ منورہ سے منگائیں اور کچھ عربی حلوہ منگایا۔ ان کی خواہش تھی حضرت مولانا کو بھی پیش کریں اور حضرت اقدس مولانا السید ارشد مدنی مدظلہم کو بھی دیوبند بھیجیں۔ اس کے لیے میں ان کے ہم راہ صبح ۱۰ بجے کے قریب جامعہ مدنیہ کریم پارک (لاہور) گیا، حضرتؒ سے ملاقات ہوئی، یہ سوغات دی اور عرض کیا کہ یہ آپ کی اور یہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدظلہٗ کی ہے، تو فرمایا کہ بھائی! دیوبند پہنچاؤ۔ یہاں میں نہیں لیتا۔ اتنا شوق ہے، دیوبند آؤ۔ کون لے کر جائے گا؟ سامان میرے پاس پورا ہے۔ مولانا سید رشید میاں مدظلہٗ نے عرض کیا کہ حضرت! میں پیک کر کے پہنچاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ انہیں دیدو، یہ دیوبند پہنچانے کی ذمے داری لے رہے ہیں۔ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت! ایئر پورٹ تک نہ کہ دیوبند تک۔ حضرت نے فرمایا کہ سامان زیادہ ہے، وزن

کون دے گا؟ مولانا رشید میاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میری ذمے داری ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں، جس کو شوق ہو ہدیہ دینے کا، وہ دیوبند آئے۔ مولانا فضل الرحمٰن زادمجدہٗ بھی بیٹھے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم بھی تو بھائی ارشد کے بھائی ہیں، ہمیں دیدیں، ہم کھالیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی چیز میں نے ابھی لی نہیں، اس لیے مالک نہیں بنا تو دینے کا سوال ہی نہیں۔ ہاں یہ دیدیں تو اور بات ہے۔ جب بہت دیر ہوگئی تو حضرت نے فرمایا کہ اچھار کھدو۔ جب ہم دعا کی درخواست کے ساتھ رخصت ہونے لگے تو ارشاد فرمایا :

''بھائی! برا تو نہیں مانے۔'' اللہ اکبر! ہم تو پانی پانی ہو گئے۔

حضرت امیر الہندؒ کی اہلیہ محترمہ کی وفات :

حضرت اقدس علیہ الرحمہ نے صحیح معنی میں ملک وملت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ اہلیہ محترمہ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت بھی حضرت امیر الہندؒ غیر ملکی تبلیغی واصلاحی سفر پر تھے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے تعزیتی خط لکھا تو اس کے جواب میں صاحب زادۂ محترم مولانا سید محمود اسعد مدنی اطال اللہ عمرہٗ نے یہ جوابی خط تحریر فرمایا :

۲۱؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ/ ۱۹؍اکتوبر ۲۰۰۰ء .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

محترمہ والدہ صاحبہ رحمہا اللہ تیئس روز کی بیماری کے بعد ۲۳؍اگست کی صبح خالق حقیقی سے جاملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

ایسے شدید صدمے پر آپ کی توجہ اور تعزیت سے جو قلبی تقویت حاصل ہوئی ہے اس کے لیے میں مشکور و ممنون ہوں اور امید کرتا ہوں کہ والدہ مرحومہ کے لیے برابر دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کریں گے۔ نیز حضرت والد صاحب مدظلہٗ العالی کی صحت کے لیے دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مدظلہٗ العالی کا سایہ ہم پر تادیر قایم رکھے۔ آمین دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، کرم ہوگا۔

والسلام .... محمود اسعد مدنی

الوداع

پاکستان کا آخری سفر :

خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس میں شرکت کے لیے حضرت امیر الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز ۱۴؍محرم

الحرام ۱۴۲۲ھ/ ۹/اپریل ۲۰۰۱ء کو پاکستان کے سفر پر لاہور تشریف لائے اور وہاں سے پشاور تشریف لے گئے۔ ۱۱/اپریل کا آخری اجلاس حضرتؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ لیکن حضرتؒ کا بیان بہ مشکل ڈیڑھ منٹ کا تھا۔ اس سے متوسلین کو محرومی کا احساس ہوا، اصل میں اس میں ایک اہم سبق ہم سب کے لیے تھا۔ (بہت معذرت کے ساتھ) ہمارے علما وقت کی پابندی کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ حضرتؒ پابندیٔ وقت کے معلم تھے۔ حضرتؒ کے بیان کا جو وقت تھا وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے ختم ہو گیا تھا اور اسی کا اظہار حضرتؒ نے فرمایا۔

۱۲/اپریل کی صبح حضرتؒ پشاور سے کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے فون کر دیا کہ میں کراچی پہنچ رہا ہوں۔ دوپہر کا کھانا آپ (قاری صاحب) کے یہاں کھاؤں گا۔ مجھے یہ بات لاہور میں فون کے ذریعے معلوم ہوئی۔ مجھے افسردگی محسوس ہوئی کہ اس مرتبہ حضرتؒ کی زیارت سے بھی محرومی رہی۔ میں جامعہ مدنیہ کریم پارک (لاہور) پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت کل دوپہر تک لاہور واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس سفر کی روئیداد محترم مولانا مفتی محمد مظہر اسعدی زید مجدہٗ (خلیفہ مجاز حضرت امیر الہندؒ) کے قلم سے اس طرح ہے:

''۱۲/اپریل ۲۰۰۱ء بہ روز جمعرات صبح سات بجے کراچی کے لیے پشاور ایئر پورٹ پہنچے۔ اس موقع پر جے یو آئی کے امیر مرکزیہ مولانا فضل الرحمٰن بھی دار العلوم سرحد آ گئے۔ پشاور ایئر پورٹ پر مولانا فضل الرحمٰن نے الوداع کہا۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے حضرت امیر الہند کے ہم راہ لاہور سے پشاور مولانا سید رشید میاں، مولانا سید محمود میاں، مولانا سید مسعود میاں سمیت حضرت سید حامد میاںؒ کے قریبی عزیز حضرت مولانا محمد انور مہتمم دار العلوم کبیر والہ اور قاری محمد اسحاق مدرس خیر المدارس ملتان اور راقم الحروف بھی تھا۔ جب کہ پشاور سے کراچی کے لیے حضرت امیر الہند کے ہم راہ صرف مولانا سید رشید میاں اور بندہ راقم الحروف تھا۔

پرواز کی تاخیر کے باعث ہم کراچی تقریباً گیارہ بجے پہنچے۔ ایئر پورٹ پر مولانا قاری شریف احمد (خطیب جامع مسجد، سٹی اسٹیشن-کراچی) دیگر معززین کے ہم راہ موجود تھے۔ اس موقع پر حضرت اقدس ایئر پورٹ سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوریؒ ٹاؤن پہنچے۔ قاری شریف احمد نے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی۔ حضرت امیر الہند نے ارشاد فرمایا کہ میری روایت ہے کہ میں کراچی میں قیام کے دوران بنوری ٹاؤن کے علاوہ کہیں نہیں ٹھہرتا، کیوں کہ میں مولانا بنوریؒ کی شفقتوں اور والہانہ محبت کی لذت کو آج تک محسوس کرتا ہوں۔ جامعہ بنوری ٹاؤن میں پہنچتے ہی جب دار الافتاء میں اطلاع پہنچی تو رئیس دار الافتاء مفتی عبد السلام صاحب نے اپنے

دیگر رفقا کے ہم راہ حضرت امیر الہند کا پر جوش استقبال کیا اور آپ سے کراچی میں قیام کے معمول کی تفصیلات معلوم کیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوپہر کا کھانا قاری شریف صاحب کے ہاں ہے۔ باقی وقت بنوریؒ ٹاؤن میں گزارا جائے گا۔

رئیس دارالافتاء نے حضرت امیر الہند کا سفری سامان اپنی تحویل میں لے کر مہمان خانہ تک پہنچایا۔ حضرت امیر ہند قاری شریف کے ہم راہ ان کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں نماز ظہر ادا کی اور دوپہر کا کھانا ایک وسیع دسترخوان پر معتقدین کے ہم راہ تناول فرمایا۔

اس کے بعد واپس بنوری ٹاؤن تشریف لے آئے۔ عصر تک آرام فرمایا۔ عصر سے مغرب تک جامعہ کے اساتذہ سے عمومی ملاقات فرمائی۔ مغرب کے نماز کے بعد حیدر آباد کے لیے روانہ ہوئے۔

یادرہے کہ روانگی سے قبل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی رہائش گاہ پر ان کے بیٹے حافظ محمد یحییٰ سے تعزیت کی۔ مولانا لدھیانویؒ کے بیٹے نے تاثرات کی تحریر کے لیے رجسٹر پیش کیا۔ حضرت امیر الہند نے فرمایا: ''میں صرف تعزیت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

تعزیتی کلمات کے بعد حضرت امیر الہند نے اجازت چاہی۔ مولانا لدھیانویؒ کے بیٹے نے مولانا مرحوم کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے جواباً فرمایا:

''شہید کے لیے کیا دعا کروں؟''

اس پر مولانا لدھیانویؒ کے بیٹے نے عرض کیا کہ مدرسے کی خیر و برکت کے لیے دعا کر دیجیے۔ اس پر حضرت نے دعا فرمائی اور حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئے''۔ (۲۲)

۱۵/اپریل کو صفہ ٹرسٹ کی سالانہ تقریب تھی۔ مولانا نعیم الدین مدظلہٗ نے حضرت امیر الہندؒ کو تقریب میں چندمنٹ کی شرکت کی دعوت دی تھی۔ حضرت ایک گاڑی میں تشریف لائے، مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی مدظلہٗ کی تقریر ہو رہی تھی کہ مولانا نعیم الدین نے اعلان کیا کہ حضرت تشریف لائے ہیں، لیکن گاڑی میں بیٹھے رہیں گے، اس لیے آپ حضرات باہر چلیے تاکہ حضرت کی زیارت بھی ہو جائے اور دعا بھی ہو جائے۔ اس سفر میں میرے لیے یہ پہلی زیارت تھی۔

حضرتؒ کی صحبت اور میری نمازوں کی کیفیت:

دوپہر میں ظہر سے پہلے جامعہ مدنیہ جدید، رائے ونڈ روڈ میں حضرتؒ کی تقریر تھی۔ میں صفہ ٹرسٹ سے

سیدھا رائے ونڈ چلا گیا۔ حضرت رحمہ اللہ تشریف لائے، جامعہ کے مہمان خانے میں تشریف رکھتے تھے کہ مولانا مفتی محمد جمیل خان (شہیدؒ) بھی آ گئے۔

سلام و دعا کے بعد مفتی صاحب نے پہلا سوال کیا کہ حضرت! آپ لاہور سے بغیر گارڈ اور محافظ کے رائے ونڈ، اتنی دور آ گئے؟ حفاظتی نقطۂ نظر سے محافظ ضروری تھا۔

حضرت امیر الہندؒ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جی ہاں! تا کہ مجھے سب دیکھتے کہ کون جا رہا ہے؟ مجھے کوئی نہیں جانتا، گارڈ لے کر چلوں تو سب پہچانیں اور مفتی صاحب! آپ نے کتنے مولویوں کو گارڈ رکھ کر بچا لیا؟ موت تو اپنے وقت پر آئے گی۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ گارڈ بھی نہیں بچا سکتا۔ ہم نے ہندوستان میں کبھی محافظ نہیں رکھے، یہاں کیسے اجازت دوں؟ اور اگر اسی طرح لکھی ہے تو آ کر رہے گی اور شہادت مل جائے گی۔ ہماری کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔''

یہ مجلس صحبت تقریباً آدھا گھنٹہ رہی۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی اور حضرت کا بیان ہوا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن دامت برکاتہم سے حضرتؒ نے عرض کیا کہ دعا کرا دیجیے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ ہی کرائیے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ:

''میاں! روٹی تو حلال کرلو۔ ابھی کھانا بھی تو کھانا ہے۔''

اس صحبت کا اثر میں نے ایک عشرے تک محسوس کیا۔ میں نماز میں ایسی کیفیت محسوس کرتا تھا کہ اس کا بیان تحریر میں نہیں آ سکتا۔ بس مختصر یہ کہ دل میں سکون و اطمینان اور عبادت میں عجیب لطف تھا۔ میں نے آج تک اپنی زندگی میں ایسی نمازیں نہیں پڑھیں، حتیٰ کہ حرمین شریفین میں بھی نہیں پڑھیں۔ اللہ اس حلاوت کو قبول فرما کر ہماری تمام عبادات کو محض اپنے فضل و کرم سے قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

مجھے ویسے ہی کندھے پر اُٹھالو:

جامعہ جدید کی مسجد زیر تعمیر تھی، فرش ناہموار تھا، بیان کے بعد حضرت جب جامعہ کے ہاسٹل کی طرف جانے لگے اور مسجد سے باہر تشریف لائے تو ایک طالب العلم جوتا سیدھا کرنے لگا۔ حضرت نے فرمایا اور غصے میں فرمایا کہ کیا گرانا ہے؟ مارنا ہے؟ میں لیٹ جاتا ہوں، ویسے ہی کندھے پر اُٹھالو۔

مصافحے کی بدعت تو نہ کرو:

مغرب کی نماز کے بعد مدینہ مسجد کریم پارک سے اٹھے اور جامعہ مدنیہ کے مہمان خانے کی طرف جا رہے

تھے کہ مصافحوں والوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ نماز کے بعد تو مصافحہ بدعت ہے۔ پھر تھوڑی دیر میں فرمایا کہ اچھا جنھوں نے اب تک نہیں کیا وہ کرلیں۔ میں نے پھر بھی مصافحہ نہیں کیا۔ میں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ زیارت ہوگئی، یہی بہت ہے۔ مصافحے سے اگر میرے حضرتؒ کو تکلیف پہنچ گئی تو مجھے کون سی راحت ہوگی؟ (۲۳)

یہ حضرت کا پاکستان کا آخری سفر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرتؒ کے مزاج میں عمر اور ضعیفی کی وجہ سے سختی آگئی۔ جیسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی سختیاں کتابوں میں پڑھی ہیں۔ لیکن حضرت امیر الہندؒ ایسی سرزنش کے بعد دل داری فرمادیا کرتے تھے۔

حضرت امیر الہندؒ کا آخری حج :

۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء کے حج میں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے حاضری نصیب فرمائی۔ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۲ جنوری ۲۰۰۵ء کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے نواسۂ محترم مولانا سید اخلد رشیدی زاد اللہ مجدہٗ سے عشا کی نماز میں ملاقات ہوئی۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت مولانا تشریف لائے ہوئے ہیں، ملاقات ہوئی؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ باب عبدالعزیز قدیم (شاہ سعود کی تعمیر میں) کے قریب تشریف رکھتے ہیں، میں وہاں حاضر ہوا۔ حضرتؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرتؒ کافی کم زور ہو چکے تھے۔ فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے، اٹھتے وقت کافی دقت ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، لیکن فرض کھڑے ہو کر ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ البتہ سنن ونوافل بیٹھ کر پڑھتے دیکھا اور اس میں سجدہ کامل اعضا کے ساتھ کرتے دیکھا۔ مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم اور ڈاکٹر ابوسلمان صاحب کا سلام پہنچایا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جب واپس جاؤ یا فون پر بات ہو تو میرا سلام بھی ان حضرات کو پہنچا دینا۔

صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے وقت کیفیت :

حضرت وہیل چیئر پر بیٹھ گئے، مولانا سید مودود مدنی (صاحب زادۂ محترم) اور مولانا سید محسن مدنی زید مجدہما (ابن حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ) وہیل چیئر چلاتے ہوئے باب السلام سے مواجہ شریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے چلا گیا۔ مواجہ شریف میں دیوار کے ساتھ مقام ملائکہ پر اطمینان کے ساتھ حضور پرنور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا۔ کیا اطمینان، تضرع وزاری کی کیا کیفیت تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت مدنیؒ کی شبیہ حضرت اسعد کی صورت میں :

میں نے حضرت قاری صاحب مدظلہم سے کئی بار سنا ہے کہ اگر کسی نے حضرت مدنیؒ کو دیکھنا ہے تو مولانا

سید اسعد صاحب کو دیکھے۔ پوری شبیہ حضرت مدنیؒ کی ہے۔ اور حقیقتاً اب جو حضرت کی زیارت ہوئی تھی تو آپ کے چہرۂ مبارک اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی جو تصویر دیکھی ہے اس میں کچھ فرق محسوس نہیں ہوا۔ فوراً میرے ذہن میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا تصور آ گیا کہ حضرت مدنیؒ کی کیفیت بھی ایسی ہی ہوتی ہوگی اور جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کے جواب کی آواز حاضرینِ روضۂ مطہرہ نے سنی تھی۔

حضرت مدنیؒ کے سلام کا جواب :

پیر کرم شاہ الازہری مرحوم، سابق چیف جسٹس شرعی عدالت (حکومت پاکستان) ایک رسالہ ندائے حرم نکالتے تھے، ۱۹۴۸ء کے کسی شمارے میں پیر جماعت علی شاہؒ لکھتے ہیں کہ

> ''میں مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر بیٹھا تھا، میرے ساتھ پانچ چھ ساتھی بھی بیٹھے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا، اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو اندر (روضۂ مطہرہ) سے ''وعلیکم السلام'' کا جواب آیا۔ میں بہت حیران ہوا کہ یہ کون شخص ہے؟ میرے پاؤں میں زخم تھا اس لیے میں نے اپنے ایک ساتھی کو اس شخص کے پیچھے بھیجا کہ وہ کون شخص ہے؟ وہ نوجوان جنت البقیع کے ملحقہ باغ میں داخل ہوا اور اوپر والا کپڑا اتار کر ذکر کرنے لگ گیا۔ تو اس نے چہرۂ مبارک دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں۔ واپس آ کر اس نے سب کچھ بتا دیا۔ پیر جماعت علی شاہ مرحوم نے یہ سن کر توبہ کی، کیوں کہ وہ حضرت مدنیؒ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے''۔ (۲۴)

تجدید بیعت کی درخواست :

میں جب حج کے لیے جانے لگا تو حضرت قاری صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ اگر حضرت مولانا اسعد صاحبؒ سے ملاقات ہو جائے تو بتانا کہ میں جناب سے طالب العلمی کے زمانے میں بیعت ہوا تھا، اور بعد میں معلوم ہوا کہ آپ طالب العلم کو بیعت نہیں فرماتے۔ اب میں تجدید بیعت چاہتا ہوں۔ میں نے محترم مولانا سید اخلد رشیدی مدظلہ کے گوش گزار کیا اور درخواست کی کہ اس کا واسطہ آپ بنیں۔ موصوف نے کرم فرمایا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی عشاء کے بعد حضرتؒ سے یہ درخواست کی۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ بیعت کی تجدید کی ضرورت نہیں۔ بس جب تک یہاں ہیں فجر اور مغرب کے بعد میرے پاس آ جایا کریں اور یہاں بیٹھ کر ذکر کریں۔ الحمد للہ! اس حکم پر میں نے اگلے دن فجر سے عمل شروع کر دیا۔ اگلے دن حضرتؒ کی طرف سے مولانا اخلد صاحب

نے حکم دیا کہ آج رات کا کھانا حضرتؒ کے ساتھ کھانا ہے۔ حضرتؒ کے ساتھ روضۂ اقدس پر اسی کیفیت کے ساتھ سلام پیش کیا اور باب البقیع سے نکل کر تہہ خانہ میں کار پارکنگ کی طرف چلے گئے۔ گاڑی میں مدنی منزل پہنچے۔ حضرت جب اخبار کا مطالعہ فرمارہے تھے تو میں چہرے کی طرف دیکھتا ہی رہا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے آخری زمانے کی تصاویر میں حضرت مدنیؒ کو جیسا دیکھا بالکل ویسی ہی شبیہ حضرت امیر الہندؒ میں معلوم ہورہی تھی۔ اس کا اظہار میں نے اس وقت برادرم مولانا سید محسن مدنی زید مجدہٗ (ابن حضرت اقدس مولانا السید ارشد مدنی دامت برکاتہم) سے بھی کیا۔ (۲۵)

تھوڑی دیر کے بعد دستر خوان لگ گیا، مختلف الانواع نعمتیں مدینۂ منورہ کی سرزمین پر چنی گئیں۔ حضرتؒ نے حکم دیا کہ کھاؤ۔ اور بھی کئی مہمان تھے۔ حضرتؒ نے صرف ایک ہی چیز تناول فرمائی اور ہمارے متعلق مولانا اخلد صاحب مدظلہٗ کو فرماتے رہے کہ انھیں بریانی نکال دو۔ انھیں فلاں چیز دو۔ یہ کیسے جوان ہے؟ کھاتے نہیں؟ جیسے شفیقانہ الفاظ فرمائے اور مولانا موصوف حکم کی تعمیل کرتے رہے۔ اسی موقع پر حضرتؒ کے بڑے صاحب زادے مولانا السید احمد مدنی زاد اللہ مجدہٗ سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ موصوف مدینۂ منورہ کے پیدائشی ہیں، حضرت مولانا سید احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ (بانی مدرسۃ الیتامیٰ لعلوم الشرعیہ۔ مدینۂ منورہ) کے نواسۂ محترم ہیں، مدینۂ منورہ کے مقامی ہیں، شاید دو ایک مرتبہ ہی ہندوستان کا سفر کیا ہے، اردو بالکل نہیں آتی، حضرتؒ کو ان سے عربی میں ہی بات کرتے دیکھا۔ مدرسۂ علوم شرعیہ کے فاضل اور آج کل اس کے مہتمم ہیں۔ یہ مدرسۂ علوم شرعیہ آج کل الحمد اللہ خود کفیل ہے۔ ڈھائی کروڑ ریال سالانہ اس کا خرچ ہے اور پانچ کروڑ ریال سالانہ اس کی جائیدادوں کی آمدنی ہے، اس لیے اس کی انتظامیہ نے عام چندہ بالکل بند کر دیا۔

حضرتؒ سے جب اجازت چاہی تو ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مداومت کرو، ان شاء اللہ بہت جلد اس کے فوائد نظر آئیں گے۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کہاں قیام ہے؟ میں نے عرض کیا مسجد بلالؓ کے پاس۔ ارشاد فرمایا کہ گاڑی میں انھیں ان کی منزل پر پہنچاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں چلا جاؤں گا۔ فرمایا کہ مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ چلے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! اس وقت تو میں حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاؤں گا اور وہ تو قریب ہے، میں پیدل چلا جاؤں گا۔ ارشاد فرمایا کہ ان کو حرم شریف چھوڑ آؤ۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور مولانا اخلد صاحب نے ڈرائیور سے حرم شریف تک پہنچوا دیا۔ میں نے جا کر دو رکعت نفل شکرانے کے ادا کیے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے شیخ کی صحبت نصیب فرمائی اور صلوٰۃ وسلام مواجہ شریف میں اپنی اور حضرت امیر الہندؒ کی طرف سے بھی پیش کیا اور پھر قیام گاہ چلا گیا۔

میں تو انتہائی بے کار آدمی ہوں، لیکن ساتھیوں میں تبلیغی جماعت کے ایک صاحب جناب فیض الرحمٰن

(تلہ گنگ) نے چہرہ دیکھ کر کہا کہ شیخ کی مجلس وصحبت کے اثرات چہرے سے ظاہر ہیں۔ میرے لیے یہ دوسرا موقع تھا کہ عبادات میں عجیب لطف محسوس ہوا۔ میں آٹھ دن مدینۂ منورہ میں رہا، روزانہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت شیخؒ کی زیارت اور صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہا۔

حضرت امیر الہندؒ کی آخری زیارت :

۱۱ر ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۱ر فروری ۲۰۰۵ء بہ روز جمعتہ المبارک منیٰ سے طواف زیارت کے لیے مکۂ مکرمہ آیا، صبح فجر کی نماز میں حرم محترم گیا تو باب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیڑھیوں پر حضرت محترم مولانا سید اخلد مدظلہم سے ملاقات ہوئی، تکبیر ہو رہی تھی اس لیے کسی بات کا موقع نہ ملا، سنتیں پڑھ کر جس صف میں جماعت کے لیے شامل ہوا یہ صف خانوادۂ مدنی کی تھی۔ نماز کے بعد حضرتؒ سے ملاقات ہوئی، اپنے چھوٹے بھائی توفیق احمد سلمہٗ کو بھی ملایا۔ حضرتؒ اور ہم سب احرام کی حالت میں تھے۔ حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی سیاسی ڈائری کے سلسلے میں مقالات شیخ الاسلامؒ کی جلد آ گئی ہے، لیکن قیام گاہ پر ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مفتی سلمان صاحب آئے ہوئے ہیں۔ ان کو دے دینا، میں تو کل مدینہ شریف چلا جاؤں گا اور وہاں سے پرسوں دہلی کے لیے روانگی ہے۔ حضرتؒ نے دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ یہ آخری ملاقات تھی۔ اب تو آنکھیں ایسی شخصیت کے دیدار کو ترستی ہی رہیں گی۔

یہ عظیم شخصیت اپنی پوری اسّی سالہ زندگی میں مجموعی طور پر پچاس سال صرف اسفار میں مخلوق کی خدمات میں گذار گئی۔ آرام نام کی چیز ان کے یہاں تھی ہی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ درس وتدریس، سلوک وارشاد اور سیادت وقیادت میں اپنے عظیم والد کے عکسِ جمیل تھے۔

اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور جسمانی وروحانی اولاد کو حضرتؒ کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم!

حواشی :

(۱) حیاتِ شیخ الہندؒ: ص ۷۱، مطبوعہ کتب خانۂ اصغریہ۔ دیوبند

(۲) چراغِ محمد، مرتبہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ: ص ۲۱، طبع اول، مطبوعہ دار الارشاد، اٹک۔

(۳) اپنے ایمان کی خیر منانا۔

ان دو ساتھیوں میں ایک اَن پڑھ بزرگ جناب حاجی محمد عثمان خان پراچہ مرحوم تھے۔ بڑے باوضع بزرگ اور اکابر کی صحبتوں سے مستفید تھے۔ راقم الحروف نے انھیں دیکھا ہے۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے

دوستوں میں تھے۔ ہفتہ واری مجلسِ ذکر میں بھی تشریف لاتے تھے۔

دوسرے ساتھی حضرت قاری صاحب مدظلہم کے شاگرد جناب حافظ محمد یونس خان پراچہ (مرحوم) تھے۔

(۴) تذکرۃ الشریف، مرتبہ حافظ تنویر احمد شریفی: ص ۵۰، ۵۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ۔ کراچی

(۵) حضرت مدنیؒ والی صفات کے مالک:

اپنے جدامجد مدظلہم کے ساتھ راقم الحروف ۱۹۸۹ء میں ہندوستان گیا۔ دیوبند بھی حاضری ہوئی۔ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کے مکان میں قیام ہوا۔ صاحب زادۂ محترم حضرت اقدس مولانا السید ارشد مدنی دامت برکاتہم نے خود ساتھ جاکر دارالعلوم دکھایا۔ حضرتؒ کے خانوادے میں وہی صفات ہیں جو حضرتؒ میں تھیں۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ

(۶) متفقہ مسئلہ سے اختلاف کرنے والے کا عمل کس پر ہو؟

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے کیسے پتے کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ اسی طرح کی ایک بات حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم نے ۶ رشوال المکرّم ۱۴۲۱ھ/۲ رجنوری ۲۰۰۱ء کو مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان کا ایک اجلاس (جو حضرت مولانا ارشد مدنی مدظلہم کے حکم سے قاری منزل پاکستان چوک کراچی میں منعقد ہوا تھا اور اس میں ''حضرت مدنیؒ کی سیاسی ڈائری'' کے متعلق امور زیر غور آئے تھے۔ اس کے بعد) دوپہر کے کھانے پر پاکستان کے مشہور عالم مولانا رشید احمد لدھیانوی مرحوم کا ذکر آیا کہ وہ صبح صادق کے متفقہ وقت سے بعد میں صبح صادق بتلاتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے اور علاقے کے جمہور ایک مسئلہ بیان کریں تو اختلاف کرنے والے کو بھی جمہور کے مسئلے اور مسلک پر عمل کرنا چاہیے۔ اس محفل میں حضرت مولانا سید اصلح الحسینی مدظلہٗ، حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم، جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری مدظلہٗ اور مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید بھی موجود تھے۔

(۷) جمعیت علماء ہند کا لاؤڈ اسپیکر کے متعلق فیصلہ:

جمعیت علماء ہند نے جب تحقیق مکمل کر لی تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے ایک شاگرد مولانا سید عبدالشکور ترمذی (رحمہ اللہ) کو تحریر فرمایا:

> ''.....مگر بعد میں دفتر جمعیت میں اس کے متعلق اجتماع کیا گیا اور کئی گھنٹے بحث وتمحیص کے بعد قرار پایا کہ ماہرین فن آلۂ مکبر ۃ الصوت سے تحقیق کی جائے کہ یہ آواز وہی ہے کہ جس کو متکلم بولتا ہے؟ آلہ اسی آواز کو قوی اور منتشر کر دیتا ہے، جس طرح عینک نور عین کو دوربین یا خوردبین بناتی ہے یا کوئی جدید آواز پیدا کرتا ہے؟ چناں چہ ماہرین فن سے ہندوستان اور

یورپ میں تحقیقات کی گئی اور معلوم ہوا کہ آواز وہی ہے، آلے کی وجہ سے اس میں صرف وسعت اور قوت پیدا ہوگی۔''

(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ ص۱۲۰، مطبوعہ ادارۃ المعارف-کراچی)

(۸) حضرت حکیم الاسلامؒ کا خط:

دارالعلوم دیوبند کو جو تعزیتی خط حضرت قاری صاحب مدظلہم نے ارسال کیا تھا اس کا جواب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے یہ دیا تھا:

حضرت المحترم زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون! تعزیت نامہ باعثِ تسلی ہوا۔ آپ نے اس ہمہ گیر غم میں ہم لوگوں کو یاد رکھا اور ہمارے شریکِ غم ہوئے، اس کا دلی شکریہ قبول فرمائیے۔

آپ کے پیغامِ تعزیت سے مجروح دلوں کو بہت تسلی اور تسکین حاصل ہوئی۔ حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت مدنیؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم بخشے۔ پسماندوں کو صبر جمیل دے اور دارالعلوم اور ملک کو حضرت کا بدل نصیب فرمائے۔ آمین! اُمید ہے کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوگا۔ والسلام

محمد طیب ...... مدیر دارالعلوم دیوبند

ملاحظہ: حضرت شیخ الاسلامؒ کا بدل ملک کو مولانا سید اسعد مدنیؒ اور دارالعلوم کو مولانا سید ارشد مدنی اطال اللہ عمرہٗ کی شکل میں اللہ نے عطا فرمایا۔

(۹) خلفا کی فہرست مکتوبات شیخ الاسلامؒ (سلوکِ طریقت) مرتبہ: مولانا محمود احمد مدنی، مطبوعہ مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان، کراچی کے ص۲۶۲ سے ۲۷۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰) تذکرۂ شیخ مدنیؒ، مرتبہ مولانا راشد حسن عثمانیؒ ص۲۳۸، مطبوعہ ارشد بک ڈپو۔ دیوبند

(۱۱) حضرت مدنیؒ کے انتقال پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے دعائے مغفرت کی۔

(۱۲) میرے والد محترم جناب حافظ رشید احمد صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں لفافہ بند خط سعودی عرب میں چیک ہوتے تھے، اس لیے اس کی ترسیل میں وقت لگتا تھا۔ میں نے پوسٹ کارڈ لکھ کر ڈال دیا تھا اور تیسرے دن مدینہ طیبہ میں وہ مل گیا۔

(۱۳) مولانا اسعد مدنیؒ سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے بے جا گلہ کیا تھا:

(تفصیل کے لیے ''مردِ مجاہد'' کا انتظار فرمائیے۔)

(۱۴) (تذکرۃ الشریف: ص۱۴۲-۱۴۵)

بھارتی مسلمانوں کے بارے میں ایم اے جناح کے ارشادات :

قائد پاکستان مسٹر ایم اے جناح کا ارشاد ہے کہ

''ہندوستان میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو میں یہی مشورہ دوں گا کہ وہ جس مملکت میں رہیں اس کے ساتھ پوری پوری وفاداری کا ثبوت دیں اور ساتھ ہی ساتھ انھیں یہ بھی چاہیے کہ اپنی تنظیم کریں اور صحیح قسم کی قیادت پیدا کریں، جو اس پُر آشوب زمانے میں ان کی ٹھیک رہنمائی کر سکے''۔ (۱۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء)

دوسرا ارشاد گرامی :

''ہمارے وہ مسلمان بھائی جو ہندوستان میں اقلیت میں ہیں، اطمینان رکھیں، ہم نہ ان کو فراموش کر سکتے ہیں، نہ ان کی طرف سے لاپروا ہو سکتے ہیں۔ ہماری دلی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ ان کی اعانت اور بہتری کے لیے ہم بڑی سے بڑی کوشش کو بھی زیادہ نہیں سمجھیں گے۔ کیوں کہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اس برصغیر میں مسلم اقلیتی صوبے ہی تھے جنھوں نے ہمارے نصب العین پاکستان کے لیے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور اس کے جھنڈے کو سر بلند کیا۔''

(پیغام عید: ۱۸/اگست ۱۹۴۷ء) (خطبات قائد اعظم: ص ۵۸۷، مرتبہ: رئیس احمد جعفری)

(۱۵) ماہ نامہ الحق۔ اکوڑہ خٹک، صفر المظفر ۱۳۹۰ھ/ ص ۶۱، ۶۲

(۱۶) بیٹھ کر تکبیر پڑھنا :

جناب حافظ محمد احمد سہارن پوری مرحوم حضرت امیر الہندؒ سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے، بڑے بڑے اکابر کو دیکھے ہوئے تھے، مسجد سٹی اسٹیشن کراچی میں مؤذن بھی رہے۔ قرآن کریم کے عاشق تھے، جو اچھا پڑھنے والا ہوتا اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، حاضر جوابی میں بڑے ماہر تھے، بڑے سے بڑے عالم کو ٹوک دیا کرتے تھے، اذان اور تکبیر پڑھنے کا بڑا شوق رکھتے تھے، اللہ نے آواز بھی سریلی دی تھی۔ ایک مرتبہ بریلوی مسلک کی کسی مسجد میں چلے گئے اور مؤذن سے تکبیر پڑھنے کی اجازت لے لی، اُس نے اجازت دیدی۔ امام صاحب آئے اور مصلے پر بیٹھ گئے۔ حافظ صاحب موصوف نے بیٹھے بیٹھے ہی تکبیر پڑھ دی۔ سارے ان کے سر ہو گئے کہ بیٹھ کر تکبیر کیوں پڑھی؟ کہنے لگے کہ امام تو بیٹھ گیا، کیا میں پاگل ہوں کہ کھڑا رہوں؟ موصوف کا انتقال کراچی میں ۶/رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ/۲/نومبر ۲۰۰۳ء کو ہوا۔

(۱۷) حضرت مولانا محمود احمد دامانیؒ حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے۔ دیو بند میں مدنی منزل ہی میں قیام تھا، وہیں انتقال ہوا۔

(۱۸) دارالعلوم دیو بند کے لیے حضرت قاری صاحب کی خدمات:

قیامِ پاکستان کے بعد دارالعلوم دیو بند کی ایک کمیٹی پاکستان میں قائم ہوگئی تھی اور اس وقت اس کو قانونی حیثیت بھی حاصل تھی۔ اس کمیٹی میں شروع ہی سے حضرت قاری صاحب مدظلہم خزانچی کے عہدے پر تھے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ الاسلامؒ حیات تھے۔ پاکستان کی موجودہ سینٹ کے چیئرمین جناب محمد میاں سومرو کے دادا جان حاجی مولا بخش سومرو مرحوم حضرت شیخ الاسلامؒ سے نہایت عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ حضرتؒ جب علیل ہوئے اور دارالحدیث میں چڑھنا اترنا مشکل ہوگیا تو حاجی صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ میں نے دارالحدیث میں لفٹ کے لیے رقم رکھی ہے، آپ لفٹ کی اجازت دیدیجیے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ ہمارے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ جب تک اوپر چڑھ سکتا ہوں ٹھیک ہے ورنہ نیچے ہی پڑھاؤں گا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میں تو نیت کر چکا ہوں کہ اتنی رقم اس مد میں دوں گا؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ کراچی میں قاری شریف احمد صاحب دارالعلوم کے نمائندے ہیں، یہ رقم آپ ان کے پاس جمع کرادیں۔ حاجی صاحب نے وہ رقم دارالعلوم کے لیے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے پاس جمع کرادی۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سے ایک مرتبہ حضرت بزرگ نے فرمایا تھا کہ دارالعلوم دیو بند کے سفیر اور نمائندے کے لیے آپ نے غیر قاسمی کی خدمت لے رکھی ہے۔ آپ نے قاری صاحب کو نمائندہ بنا رکھا ہے؟ حضرت حکیم الاسلامؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے ہم عصر اور ہم مشرب تھے، انھوں نے بڑا پیارا جواب دیا کہ:

> ''آپ قاسمی ہیں، آپ کو خود آگے بڑھ کر کام کرنا چاہیے تھا۔ قاری صاحب تو قاسمی نہیں ہیں، لیکن دارالعلوم کے لیے پُرخلوص کام کرتے ہیں، آپ کو کیوں اعتراض ہے؟''

(۱۹) ایک ضروری اپیل:

مکتوباتِ شیخ الاسلامؒ کے پاکستانی ایڈیشن میں جلد چہارم کے آخر میں دس مکاتیب کا اضافہ ہے۔ راقم الحروف نے اس پر نیا کام شروع کیا ہے، ان مکتوبات کو حروف تہجی سے مرتب کیا جارہا ہے۔ مکتوب الیہ کا تعارف بھی مختصر مرتب کیا گیا ہے۔ ایسے خطوط جو مکتوبات کے مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گئے ان کو بھی شامل کیا جارہا ہے۔ قارئین کرام سے دو درخواستیں ہیں:

ایک یہ کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کی تکمیل کرا کر قبول فرمائے۔

دوسرے یہ کہ کسی بزرگ کے پاس حضرت شیخ الاسلامؒ کا کوئی خط ہو تو اعلیٰ قسم کی فوٹو اسٹیٹ بنوا کر اس پتے پر بھیج دیجیے۔ تمام خرچہ میرے ذمے ہوگا۔

پتا: تنویر احمد شریفی

مجلس یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ جی پی او بکس نمبر 1498۔ کراچی 74200۔ پاکستان

جزاکم اللہ

(۲۰) ایک پاکستانی گو یّا :

حاجی صاحبؒ موصوف کی دکان پر ایک پاکستانی گویا .... آئے اور کہنے لگے تم مجھے اپنی گدی پر بٹھا دو، پھر دیکھو برکت کی بہار۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم اس گدی پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو، اس لیے کہ اس گدی پر مولانا اسعد مدنی بیٹھے ہیں۔ اس نے بڑا تعجب کیا، کہنے لگا وہ تمہارے پاس کیسے آئے؟ حاجی صاحبؒ نے کہا یہ میرے اللہ کا کرم ہے۔ یہ ان کے بیعت ہونے سے کئی سال پہلے کا واقعہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضرتؒ تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت قاری صاحب مدظلہم سے فرمایا کہ مجھے اسٹیل کے برتن لینے ہیں۔ حضرت قاری صاحب مدظلہم نے فرمایا جس وقت چاہیں تشریف لائیے، میں ساتھ چلوں گا۔ حضرت ظہر کی نماز میں سٹی اسٹیشن کی مسجد تشریف لائے، نماز کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہم نے بگھی منگائی، بارش ہو رہی تھی، اسی میں دونوں ہستیاں جوڑیا بازار تشریف لے گئیں۔ حاجی صاحب کا چوں کہ قاری صاحب سے تقسیم ہند سے پہلے دہلی کی پہاڑ گنج سے تعلق تھا، سیدھا ان کی دکان پر تشریف لے گئے اور حضرتؒ کو انھوں نے اپنی مسند پر بٹھایا تھا۔ یہ واقعہ موصوف نے مجھ سے خود بیان کیا تھا۔

(۲۱) قرآن منزل کا سنگ بنیاد حضرتِ اقدس مولانا سید ارشد مدنی مدظلہم نے ۸ر شوال المکرم ۱۴۱۸ھ/ ۶ر فروری ۱۹۹۸ء بہ روز جمعۃ المبارک اپنے دست مبارک سے رکھا۔

(۲۲) ماہ نامہ الاسعد۔ بھاول پور، مئی ۲۰۰۱ء: ص ۹، ۱۰

(۲۳) میں نے اپنی عادت بنالی ہے کہ بڑے سے بڑا عالم اور ولی اللہ سے اس وقت تک مصافحہ نہیں کرتا جب تک ان کو راحت نہ ہو۔ بس زیارت کر لیتا ہوں۔ میں نے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات سے یہی سبق سیکھا ہے۔

(۲۴) محترم مولانا واحد بخش فیصل آبادیؒ کا مکتوب حضرت قاری صاحب مدظلہم کے نام: ۱۹ر فروری ۱۹۸۶ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۱
مواعظ، خطبات
اور افادات

کریم الاحسانی انڈیا
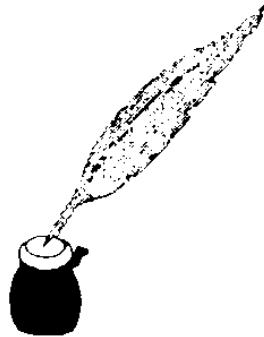
اکابرینِ دیوبند کا مشن اور اہداف

صد سالہ اجلاسِ دیوبند (۲۳ر مارچ ۱۹۸۰ء میں مولانا محمد اسعد مدنی کا خطاب

خداوند قدوس کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی توفیق بخشی۔ یہ دارالعلوم کی عمارت جسے آپ دیکھ رہے ہیں، یہ وہی جگہ ہیں جہاں سے سید احمد شہیدؒ نے علمِ نبوت کی بو سونگھی تھی اور اس جگہ پیشاب کرنا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ یہ کنواں جو آج بھی احاطۂ دارالعلوم مولسری میں آپ دیکھ رہے ہیں، یہ وہی کنواں ہے جس پر حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ مہتمم اوّل دارالعلوم نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو دودھ تقسیم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

حرمین الشریفین میں ۷۰ سال سے دارالعلوم کے فیض یافتہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، کوئی جماعت، کوئی تنظیم، کوئی تحریک جو دین کی خدمت میں لگی ہوئی ہے، یہ دارالعلوم ہی کا فیض ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ اس سرزمین کو کتاب وسنت کی تعلیم کے واسطے منتخب فرمایا۔ اس کی بدولت ہزاروں خاندان اسلام میں داخل ہوئے۔ جب بھی کوئی تحریک کسی بھی نام پر نمودار ہوئی کہ جس سے اسلام کو خطرہ ہوا، دارالعلوم کے سپوتوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اکابرینِ دیوبند نے ہمیشہ سچ کہا کبھی دین میں خیانت نہیں کی، نہ ان شاءاللہ کی جائے گی، کبھی یہ نہیں سوچا کہ فلاں ناراض ہو جائے گا، کبھی کوئی رعایت نہیں کی، جان مال عزت آبرو کی کوئی پرواہ نہ کی، اسلام کا حق ادا کیا اور اسی طرح کرتے رہیں گے۔

۱۹۴۷ء میں یہ فیصلہ کیا کہ یہی ملک ہمارا ہے ہم اسی ملک میں رہیں گے اور مسلمان بن کر زندہ رہیں گے، جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے دارالعلوم کے فیض یافتہ حضرات حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ مجاہد اور ان کے ساتھی سر پر کفن باندھ کر نکلے اور فیصلہ کیا کہ مسلمان بچہ بچہ کو مسلمان بنا کر اس ہندوستان میں زندہ وسلامت رکھیں گے اور عزت وآبرو جان ومال کی آخری لمحہ تک حفاظت کریں گے۔

حضرت مجاہد ملت سے کہا گیا کہ آپ اپنی اور بچوں کی حفاظت کریں ہر طرف خطرہ ہی خطرہ ہے، مولانا

نے فرمایا کہ میں اس بات کو بہتر سمجھتا ہوں کہ میری لاش دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خاک وخون میں پڑی ہو، اس سے کہ میں اپنے بچوں اور جان کو لے کر کسی پناہ گاہ میں چلا جاؤں جو کچھ ہوگا ایک ساتھ ہوگا۔ حاجی رشید صاحب دارالعلوم کی شوریٰ کے رُکن اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور میں مدینہ منورہ کے باہر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا کب تک ہندوستان میں پڑے رہو گے۔ ایک نہ ایک دن تو آنا ہی پڑے گا، آج دیکھ لو، یہ دارالعلوم کا فیض ہے کہ ساری دنیا سے زیادہ اسلام ہندوستان مین زندہ ہے، مسلمان زندہ ہے، اوران شاءاللہ کسی کی طاقت نہیں ہے کہ ہم سے ہمارا دین چھین لے، ہم مرمٹیں گے، مگر دین کو نہ چھوڑیں گے، ہماری جان کی کوئی قیمت نہیں، دین کی قیمت ہے، دنیا کا کوئی ملک ہمارے مقابلہ میں دیندار نہیں۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں ہزاروں جانیں ضائع ہوچکی تھیں، کروڑوں کا مال تباہ ہو چکا تھا، جمعیۃ العلماء ہند کے اکابر جو دارالعلوم کے فیض یافتہ تھے، مولانا ابوالکلام آزاد سے لے کر نیچے تک کے لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اگر آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنا ہے تو گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں مدارس کا جال پھیلا دو، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ تحریک مقبول ہوئی اور پورے ملک میں پچاسی ہزار مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے۔ جن میں گیارہ گیارہ بارہ بارہ مدرس دینی تعلیم کی خدمت انجام دیتے نظر آتے ہیں اور ہندوستان کے غریب مسلمان اس بوجھ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد عزت وآبرو جان ومال ہزاروں امتحانوں میں مبتلا ہوئے، مگر دین الحمدللہ اسی طرح باقی ہے اور باقی رہے گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ دین کی خدمت کے واسطے ہمارے قدم آگے رہے ہیں اور آگے رہیں گے۔ تحریکِ قادیانیت میں حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کی آواز نے تہلکہ مچادیا، ہزاروں وہ بستیاں جو قادیانی ہوچکی تھیں۔ اس فیض یافتۂ دارالعلوم کے طفیل میں اسلام میں واپس آگئیں۔

دارالعلوم کے فیض یافتہ جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اُٹھے اور ۱۶، ۱۶ لاکھ ان افراد کو جو مرتد ہو چکے تھے، اسلام میں واپس لائے، پیدل چل کر گئے، صعوبتوں کو برداشت کیا، مگر قدم پیچھے نہ ہٹا، اللہ کا فضل ہے، ہمارا سرمایہ خلوص ہے، للٰہیت ہے، انابت الی اللہ ہے، ہمارا یہ اجلاس ترقی کا ذریعہ دنیا کے اعتبار سے نہیں، انہیں خصوصیات کا حامل ہے جن خصوصیات کو لے کر اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا، وہ انابت الی اللہ۔

یہ دارالعلوم خالی ایک دینی درسگاہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک تحریک بھی ہے''۔ (ماہنامہ الحق مئی ۱۹۸۰ء)

انتخاب ! حافظ محمد قاسم

تحفظِ سنت اور علماءِ دیوبند

جمعیۃ علماءِ اسلام کے زیرِ اہتمام تحفظِ سنت کانفرنس میں مولانا سید اسعد مدنی کا خطبۂ صدارت

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینه و نستغفره و نؤمن به و نتوکل علیه و نعوذ با اللّٰہ من شرورِ انفسنا و من سیئات اعمالنا من یهده اللّٰہ فلا مضل له و من یضلله فلا هادی له و نشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لاشریک له و نشهد ان محمدا عبده و رسوله و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سید المرسلین و خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد و علٰی آله و اصحابه و اتباعه اجمعین .

امابعد :

قال اللّٰہ تعالٰی ...... فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین هداهم اللّٰہ و اولئک هم اولوالالباب۔

سو آپ میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دیجئے جو کلامِ الٰہی کو پوری توجہ سے سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں یہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی اہل عقل ہیں۔

علمائے اَعلام ومعزز حاضرین :

''تحفظ سنت کانفرنس'' کی صدارت کا امتیاز دے کر آپ حضرات کی جانب سے اعتماد وخلوص کا جو اعزاز مجھ جیسے بے بضاعت کو عطا کیا گیا ہے، اس کو میں اپنے واسطے شرفِ دنیا و آخرت سمجھتا ہوں اور اپنی اس خوش بختی پر نازاں ہوں کہ علمائے اَعلام کی نظرِ انتخاب مجھ جیسے ناتواں پر پڑی۔ بلاشبہ یہ میرے لئے ایک نیک فال ہے اور میں شهداء اللّٰہ فی الارض کی اس انتخابی شہادت کو اپنے لئے ذریعۂ نجات باور کرتا ہوں اور ربّ ذوالمنن

کے فضل وکرم سے توقع رکھتا ہوں کہ جماعت علماء کے ساتھ اس ارتباط وپیوستگی کے بدولت میرا حشر بھی اسی جماعت حقہ کے ساتھ ہوگا۔ ''ھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم''۔

اساطینِ اسلام :

برصغیر (متحدہ ہندوستان) کی علمی وثقافتی تاریخ سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ ۹۲ھ میں عراق کے گورنر کے حکم پر اسلامی فوج محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ پہنچی اور تین سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں ۹۵ھ میں سندھ کا پورا علاقہ اسلام کے زیرنگیں آ گیا، چونکہ ان حضرات کا تعلق عراق سے تھا، اس لئے عراقی فقہ ہی کے پابند تھے۔ اس وقت سے آج تک ہمیشہ سندھ عراقی مدرسۂ فکر اور فقہ حنفی کا گہوارہ رہا ہے، اس کے بعد چوتھی صدی ہجری یعنی ۳۹۲ھ میں محمود غزنوی نے لاہور اور اس کے مضافات کو اپنی قلمرو میں داخل کر کے اسلامی حکومت کو سندھ سے لاہور تک وسیع کر دی، سلطان محمود غزنوی بھی فقہ حنفی ہی سے وابستہ تھے، بعد ازاں ۵۸۹ھ میں سلطان غوری کے زمانہ میں اسلامی سلطنت دہلی تک وسیع ہوگئی اور اس وقت سے ۱۲۷۳ھ تک پورے برصغیر میں مسلمانوں ہی کی حکومت رہی۔ اس طویل مدت کی تاریخ پڑھ جایئے، حنفی حکمرانوں کے علاوہ کوئی اور حکمراں آپ کو نہیں ملے گا، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھی اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے، وہ اپنے رسالہ ''ترجمان وہابیہ'' ص ۱۱ میں لکھتے ہیں :

> ''خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے لے کر آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم، فاضل، قاضی، مفتی اور حاکم ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاویٰ ہندیہ یعنی فتاویٰ عالمگیری جمع کیا اور اس میں شیخ عبد الرحیم دہلوی والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم بھی شریک تھے'' ....

ع حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

حاضرین ذوالاحترام :

یہ ہے برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں مذہب حنفی کی اجمالی تاریخ جس سے روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کے داخلہ کے وقت سے انگریزوں کے تسلط تک بغیر کسی اختلاف ونزاع کے یہاں عالم، فاضل، قاضی، مفتی، حاکم اور عام مسلمان تواتر کے ساتھ اجتماعی طور پر فقہ حنفی ہی کی روشنی میں اسلامی مسائل اور

دینی احکام پر عمل پیرا رہے ہیں۔

محافظانِ سنت :

مسلمانوں کے عہد زوال میں جب سامراجی سازشوں کے تحت جماعت مسلمین میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی غرض سے مذہبی فرقہ بندیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تو فقہ اسلامی، فقہائے اسلام بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین و مقلدین کے خلاف عدم تقلید کا نعرہ لے کر ایک نئے فرقہ نے سر اُٹھایا، چنانچہ خود اسی فرقہ کے جماعتی مؤرخ مولانا محمد شاہجہان پوری اپنی کتاب...... ''الارشاد الی سبیل الرشاد'' میں لکھتے ہیں :

''کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں بلکہ ان کا نام بھی ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد، وہابی، یالامذہب لیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت ہاتھ اُٹھاتے ہیں جیسا کہ تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں، بنگالہ کے لوگ ان کو رفع یدین بھی کہتے ہیں''۔ (ص۱۳مع حاشیہ)

اس نو پید اور غیر مانوس فرقہ کا تعارف اس کے محسنِ اعظم نواب صدیق حسن خان صاحب جن کے مالی تعاون نے اس کی نشو ونما میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، ان الفاظ میں کرتے ہیں :

''فرق درمیان مقلدین اور فرقۂ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ موحدین نرے قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اور باقی اہل مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقۂ شریعت ہے''۔

(ترجمان وہابیہ ص:۶۲)

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ بزعم خود کتاب وسنت پر عامل اور طریقۂ شریعت کے متبع بس یہی مدعیان ترکِ تقلید شرذمۂ قلیلہ ہیں، ان کے علاوہ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان جو ائمۂ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کے پابند ہیں، کتاب وسنت کے مخالف اور اسلامی شریعت سے دور ہیں۔ یہی دعویٰ آج اس فرقہ کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور ان کے نزدیک ہر وہ مسلمان جو ائمۂ اربعہ کا مقلد ہے نعوذ باللہ صحیح راستہ سے ہٹا ہوا اور گمراہ ہے، جبکہ ان کا یہ دعویٰ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد :

''علیکم بالجماعة و العامة'' اور'' اتبعو السواد الاعظم '' کے یکسر معارض اور منافی ہے

اور خود ان کے گھر کی شہادت بھی یہی بتا رہی ہے، ان کا یہ دعویٰ سراسر باطل اور واقعہ حال کے بالکل خلاف ہے، چنانچہ اس فرقہ کے نامور اور مشہور عالم مولانا عبدالجبار غزنوی جو اپنے حلقہ میں امام کہے جاتے ہیں اور مولانا عبدالتواب جو اس فرقہ کے مایۂ ناز مناظر تھے دونوں کا بیان ہے کہ :

''ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے، مگر یہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے پر ہیں جو حدیثیں سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں، ان کو ادنیٰ سی قوت اور کمزور سی جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہؓ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت قانون اور بے نور سے قول کے سبب پھینک دیتے ہیں اور ان (احادیث نبویہ اور فرمودات صحابہؓ) پر اپنے بیہودہ خیالوں اور بیمار فکروں کو مقدم کرتے ہیں اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں'' حاشا وکلا'' اللہ کی قسم یہی لوگ جو شریعت محمدی کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں اور ملت حنفیہ (اسلام) کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ (نبویہ) کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار (صحابہ) کو پھینک دیا ہے اور ان (فرمودات رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشادات صحابہؓ) کو دفع کرنے کے لئے وہ حیلے بناتے ہیں کہ جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی مؤمن کا سر اُٹھتا ہے''۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۷ ص ۷۹۔۸۰)

تنبیہ ! یہ فتاویٰ علمائے حدیث اس فرقہ غیر مقلدین کی اہم ترین اور نہایت عظیم کتاب ہے جس پر علامہ احسان الٰہی ظہیر جیسے بڑے بڑے علماء کی تصدیقات ہیں۔

یہ ہے فرقہ غیر مقلدین کا صحیح تعارف جو خود ان کے امام اور مناظر علام نے بیان کیا ہے، جس سے بغیر کسی خفا اور پوشیدگی کے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فکر وخیال کے مقابلہ میں معمول بہا احادیث کو رد کر دیتے ہیں، آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ان کے نزدیک ادنیٰ وقعت بھی نہیں، خدائے علیم وخبیر کے فرستادہ انسانیت کے سب سے عظیم معلم ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت سے آراستہ ان تلامذہ رسول کے آثار و ارشادات کو قانونی قوت سے عاری اور بے نور کہہ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اپنے مختار مذہب ومسلک میں حق کو منحصر بتا کر دیگر تمام مسلمانوں کو بے راہ بلکہ گم راہ اور کافر ومشرک قرار دینا اس فرقہ کا عام شیوہ ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے عالم کبیر اور بہت ساری کتابوں کے مصنف نواب وحید الزمان لکھتے ہیں :

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی

ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلفِ صالحین صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہلِ حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے باقی اور آداب اور سنن اور اخلاقِ نبوی سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ، افترا سے باک نہیں کرتے، ائمۂ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں''۔ (لغات الحدیث ج ۲ ص ۹۱ کتاب ش)

نواب صدیق حسن خان اپنی مشہور ''**کتاب الحطة فی ذکر الصحاح الستة**'' میں اپنے عہد کے غیر مقلدین کے بارے میں لکھتے ہیں، ہم بغرض اختصار صرف ترجمہ لکھ رہے ہیں۔

''بخدا یہ امر انتہائی تعجب و تحیر کا باعث ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص موٴحد گردانتے ہیں اور اپنے علاوہ سارے مسلمانوں کو مشرک بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ خود انتہائی متعصب اور دین میں غلو کرنے والے ہیں الخ''۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے خود اپنی پروردہ جماعت کے کردار سے تنگ آکر انتہائی کرب و اضطراب کے عالم میں تقریباً ''**الحطة فی ذکر الصحاح الستة**'' دوصفحات ۱۵۴۔۱۵۵ میں ان کا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔

غیر مقلدین کے ان نواب صاحبان کی یہ شکایت بالکل بجا اور درست ہے، واقعہ یہی ہے کہ غیر مقلدین نے ''حق'' کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور اپنے ما سوا کسی کو صحیح مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، اس فرقہ کے مشہور و مقتدر عالم ابوشکور عبدالقادر حصاروی کی کتاب ''**سیاحة الجنان**'' ص ۴ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ کیجئے:

''یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ حق مذہب اہل حدیث ہے اور باقی جھوٹے اور جہنمی ہیں تو اہل حدیثوں پر واجب ہے کہ ان تمام گمراہ فرقوں سے بچیں اور ان سے خلا ملا اختلاط میل جول دینی تعلقات نہ رکھیں الخ''۔

غیر مقلدین کے اس ناروا اور بے جا رویہ سے جماعت مسلمین میں اختلاف و نزاع کا ایک نیا دروازہ کھل گیا اور برصغیر میں آباد اہل السنت والجماعت کی صدیوں سے قائم مذہبی وحدت انتشار کی شکار ہوگئی پھر بھی اس

جماعت کے سنجیدہ اتحاد پسند علماء نے اپنے فکر وعمل پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے عام مسلمانوں سے اپنا قرب بنائے رکھا اور مذہبی اختلاف کی بناء پر ان کی تفسیق وتضلیل کرنے کے بجائے نہ صرف یہ کہ مقلدین مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور مدارات کا مظاہر کرتے رہے بلکہ دینی وسیاسی معاملات ومسائل میں اپنا بھرپور مخلصانہ تعاون بھی دیتے رہے جن میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالوہاب آروی وغیرہ کا نامِ نامی سرفہرست ہے۔

ان حضرات کے اس مصالحانہ رویہ کی بناء پر مقلدین وغیر مقلدین کا باہمی اختلاف بڑی حد تک "وکانوا شیعًا" کی حد میں داخل ہونے سے محفوظ رہا مگر آزادروی اور انتشار پسندی بلکہ نواب صدیق حسن صاحب کے الفاظ میں انتہائی متعصب (اور حکم الٰہی" لا تغلوا فی دینکم" کے برخلاف) دین میں غلو کرنے والا یہ فرقہ اپنے پیشروان بزرگوں کے اس اتحاد پسند رویہ کو ہضم نہ کرسکا اور خود اپنے ان بزرگوں ہی کے درپئے آزار ہوگیا اور اپنی جماعت کے صفِ اوّل کے عالم اور مایۂ ناز شخصیت مولانا ثناء اللہ امرتسری (جنہوں نے جماعت اہل حدیث کی وقیع خدمات میں اپنی پوری زندگی صرف کردی) کے خلاف ایسا طوفان برپا کردیا کہ الحفیظ والامان، انہیں اہل السنّت والجماعت سے خارج کرکے فرقۂ ضالہ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، قدریہ وغیرہ کی صف میں کھڑا کردیا گیا اور جب اس پر بھی ان کے غلو پسند، تکفیر نواز ذوق کو تسکین نہ ملی انہیں اسلام ہی سے خارج ٹھہرانے کے لئے اجتماعی فتویٰ حاصل کرنے کی نامسعود سعی کی گئی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے خلاف اس زمانہ میں شائع رسائل الاربعین (جس میں چالیس دلائل سے انہیں گمراہ اور دین میں تحریف کرنے والوں کا ہم زبان ثابت کیا گیا ہے) **الفیصلة الحجازیة السلطانیة بین اهل السنة و بین الجهمیة الثنائیة**، فیصلہ مکہ فتنۂ ثنائیہ وغیرہ میں اس سلسلے کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔

اور دوسرے بزرگ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے ساتھ خود ان کی جماعت نے کیا برتاؤ کیا اس کی کچھ مبہم سی تفصیل خود مولانا سیالکوٹی کے قلم سے ان کی کتاب تاریخ اہل حدیث کے دیباچہ میں۔ نیز کتاب کے آغاز میں ناشر نے مصنف کے حالاتِ زندگی کے عنوان سے جو تحریر شائع کی ہے، اس میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، اس مختصر خطبہ میں ان تفصیلات کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرات علمائے ذی شان :

اب تک کی مذکورہ تفصیلات سے جو خود فرقۂ غیر مقلدین کے اکابر علماء کی تحریروں کے حوالہ سے پیش کی گئی

ہیں، درج ذیل اُمور ثابت ہوئے ہیں :

۱۔ یہ ایک نو پید، غیر مانوس فرقۂ شاذہ ہے۔

۲۔ یہ فرقہ اپنے آپ کو اہلِ حدیث بتاتا ہے جبکہ تمام مسلمان اسے غیر مقلد، وہابی اور لامذہب کہتے ہیں۔

۳۔ یہ فرقہ اپنے ماسویٰ سارے مسلمانوں کو مخالفِ سنت وشریعت سمجھتا ہے۔

۴۔ یہ فرقہ اتباعِ سنت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ سلف وخلف کے بیان کردہ معمول بہا حدیثوں کو بھی بلاوجہ رد کر دیتا ہے۔

۵۔ آثارِ صحابہؓ اس فرقہ کے نزدیک قانون کی طاقت سے عاری، بے نور اقوال ہیں۔

۶۔ یہ فرقہ اجماعی مسائل کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

۷۔ یہ فرقہ سلف صالحین اور احادیثِ مرفوعہ سے ثابت قرآنی تفسیروں کے مقابلہ میں اپنی من مانی تفسیروں کو ترجیح دیتا ہے۔

۸۔ بس رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ مختلف فیہ حدیثوں پر عمل تک اہل حدیث ہے، آداب وسنن اور اخلاقِ نبوی ﷺ سے متعلق احادیث سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

۹۔ یہ فرقہ ائمۂ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شان میں بے ادبی وگستاخی کرتا ہے۔

۱۰۔ یہ فرقہ اپنے علاوہ دیگر تمام طبقاتِ مسلمہ کو بدعتی اور مشرک وکافر سمجھتا ہے۔

اوپر مذکور یہ سب باتیں اس فرقہ کے لوگوں کے بارے میں خود انہیں کے اکابر علماء کی بیان کردہ ہیں، جن کا ان لوگوں سے روز کا سابقہ تھا، ان لوگوں کے اعمال وکردار جن کی نگاہوں کے سامنے تھے، جنہوں نے ان کے اہل حدیث ہونے کے دعویٰ کو ان کی سیرت وعادت کے آئینہ میں اچھی طرح پرکھ لیا تھا، ائمۂ مجتہدین اور اکابر صوفیاء کی شان میں ان لوگوں کے گستاخانہ کلمات جو خود اپنے کانوں سے سنتے رہتے تھے، ان لوگوں کے ناروا تعصب اور دینی غلو کا انہیں پوری طرح تجربہ تھا، اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان چشم دید معتبر گواہوں کی شہادت قبول نہ کی جائے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ شہادتیں اس قدر پختہ اور محکم ہیں کہ دنیا کی کوئی عدالت انہیں رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

غیر مقلدین کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں عقیدہ وفکر بڑی حد تک شیعیت اور رافضیت کا ترجمان ہے، ان کے اکابر کی کتابوں میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو فاسق تک کہا گیا ہے اور اب جو نئی نئی کتابیں سلفیت کے مراکز سے چھپ کر آ رہی ہیں، ان میں صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کے بارے میں نہایت گستاخانہ انداز گفتگو اختیار کیا گیا ہے، مثلاً جامعہ سلفیہ سے شائع ہونے والی کتابیں ''اللمحات''، ''تنویر الآفاق'' اور ''ضمیر کا بحران'' وغیرہ میں

اسلام کی اس مقدس جماعت (صحابہ کرامؓ) کے بارے میں جو کچھ تحقیق' ریسرچ کے نام پر لکھا گیا ہے، وہ ایک سنی العقیدہ مسلمان کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔ تنویر الآفاق کی ان عبارتوں کو ذرا سینہ پر ہاتھ رکھ کر آپ حضرات بھی سن لیں' مصنف لکھتا ہے :

''اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ذاتی مصلحت ہی کی بنیاد پر بعض خلفائے راشدین بعض احکامِ شرعیہ کے خلاف بخیال خویش اصلاح امت کی غرض سے دوسرے احکام صادر کر چکے تھے، ان احکام کے سلسلہ میں ان خلفاء کی باتوں کو عام اُمت نے رد کر دیا''۔(ص:۱۰۷)

اس سلسلہ میں مزید ارشاد ہوتا ہے :

''ہم آگے چل کر کئی ایسی مثالیں پیش کرنے والے ہیں جن میں احکامِ شرعیہ ونصوص کے خلاف خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کو پوری اُمت نے اجتماعی طور پر غلط قرار دے کر نصوص و احکامِ شرعیہ پر عمل کیا ہے''۔(ایضاً)

اس بد بخت مصنف کے بغضِ صحابہ وخلفائے راشدین کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو لکھتا ہے :

''مگر ایک سے زیادہ واضح مثالیں ایسی موجود ہیں جن میں حضرت عمرؓ یا کسی بھی خلیفہ راشد نے نصوصِ کتاب وسنت کے خلاف اپنے اختیار کردہ مؤقف کو بطورِ قانون جاری کر دیا تھا، لیکن پوری امت نے ان معاملات میں بھی حضرت عمرؓ یا دوسرے خلیفہ راشد کے جاری کردہ قانون کے بجائے نصوص کی پیروی کی ہے''۔(۱۰۸)

صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کے بارے میں یہ طرزِ گفتگو خالص شیعی ذہنیت کی ترجمان ہے اور دین میں اللہ نے صحابۂ عظامؓ کا جو مقام رکھا ہے، ان کو اس مقام سے گرانے کی سعی نامحمود ہے، اس طرح کی عبارتوں سے یہ پوری کتاب بھری ہوئی ہے۔

یہ ہے اس جماعتِ نو پید کا فکری وعملی خاکہ جو روزِ روشن کی طرح آپ کے سامنے ہے کہ اس کی چیرہ دستیوں سے نہ تو کتابِ الٰہی کے مفاہیم و مدلولات محفوظ ہیں اور نہ ہی رسولِ خدا ﷺ کی احادیثِ مقدسہ۔ اس جماعت کی غلو پسندی سے نہ تو حضرات صحابہؓ کا وہ مقام ومرتبہ محفوظ ہے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عطا کیا ہے اور نہ ہی فقہائے مجتہدین کا شرعی وعرفی احترام وکرام جن کے وہ مستحق ہیں اور اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ اگر خدانخواستہ اُمت کے دلوں سے ان مقدس اور بابرکت ہستیوں کی وقعت واہمیت نکل گئی اور ملت کی وابستگی ان سے قائم نہ رہی تو پھر دین ومذہب کا خدا ہی حافظ، کیونکہ انہی سلف صالحین اور ائمۂ دین کی سعی

مشکور اور مساعی جمیلہ کی بدولت دینِ اسلام بغیر کسی تحریف و تبدیلی کے اپنی اصلی حالت میں ہم تک پہنچا ہے، لہٰذا دینِ اسلام کے ان محافظین کے خلاف بدگمانی پیدا کر کے ان کی خدمات سے انکار کر دیا گیا تو کیا دین کی صحت قابلِ اعتماد رہ سکے گی؟ سلفِ صالحین اور ائمۂ دین کے اس مقام و مرتبہ اور اہمیت کو امام بیہقیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''**دلائل النبوة و معرفة احوال صاحب الشريعة**'' کے مدخل میں بڑے اچھے انداز سے بیان کیا ہے، بغرض اختصار یہاں اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے، امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی اور خود اس کتاب عظیم کی حفاظت کی ضمانت لی، جیسا کہ (سورۃ الحجر کی آیت ۹ میں) ارشاد ہے: ''**انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون**''۔ ہمیں نے قرآنِ عظیم کو نازل کیا ہے اور ہمیں اس کے محافظ ہیں۔

اور اپنے رسول ﷺ کو کتابِ مقدس کی تفسیر و تشریح کے منصب سے سرفراز فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ''**و انزلنا اليک الذكر لتبين للناس مانزلاليهم ولعلهم يتفكرون**'' اور ہم نے آپ پر کتابِ عظیم اُتاری تا کہ آپ اس کتاب کے مضامین کو لوگوں پر اچھی طرح واضح کر دیں اور تا کہ لوگ اس واضح مضامین میں غور کریں اور نبی پاک ﷺ کو اپنی کتاب کی تفسیر و بیان تک آپ کو امت میں باقی رکھا اور اس کام کے مکمل ہو جانے کے بعد آپ کو آغوشِ رحمت میں لے لیا اور (اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر نافذہ اور حکمتِ بالغہ سے) اُمت کو ایسا واضح و روشن طریق فراہم کر دیا کہ اُمت مسلمہ کو جب بھی کوئی نیا مسئلہ پیش آیا، اس کے بارے میں صحیح رہنمائی کتاب و سنت سے صراحتاً یا دلالۃً حاصل ہو جاتی ہے، پھر اس اُمت میں ہر ہر زمانہ میں ائمۂ دین پیدا کرتے رہے جو شریعت کے بیان و تحفظ اور بدعت کی تردید کی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے: ''**يرث هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تاويل الجاهلين**'' ''اس علم دین کو حاصل کرتے رہیں گے، بعد میں آنے والے ہر گروہ کے معتمد و ثقہ جو اس دین سے غلو پسندوں کی تحریف، اہل باطل کی کذب بیانی اور جاہلوں کی تاویل کی تردید و نفی کرتے رہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق عہدِ صحابہؓ سے ہمارے زمانے تک برابر پائے جاتے رہے ہیں''۔ (۴۳/۱ طبع بیروت ۱۴۰۵ء)

حضرات ! اُمنائے دین ومحافظانِ شریعت کی شان میں بدزبانی اور مذہب اسلام کے ان سچے وفاداروں کے خلاف بدگمانی پھیلانا اس فرقہ کا خاص شیوہ ہے۔ان کی تقریریں ''اذا خاصم فجر'' کی تصویر اور تحریریں ''لعن آخر هذه الامة اولها'' کی نمونہ ہوتی ہیں، امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام ابوحنیفہؒ کو امامِ اعظم کہنا ان کے یہاں شرک ہے، مگر ملکۂ وکٹوریہ کو ملکۂ معظمہ کہنا عین توحید ہے۔امام صاحب کی شان میں اس فرقہ کی بدزبانیوں کے لئے خاص ''اللمحات'' مصنفہ محمد رئیس ندوی مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء الجامعہ السلفیہ بنارس، ''اصلی اسلام کیا ہے'' ۔ مصنفہ ابوالاقبال سلفی مطبوعہ ادارہ دعوت اسلام بمبئی ''مذہب حنفی کا اسلام سے اختلاف'' شائع کردہ شہر جمعیۃ اہل حدیث بریلی ،'' اختلافِ اُمت کا المیہ'' از فیض عالم مطبوعہ پاکستان،'' امام ابوحنیفہؒ کا تعارف محدثین کی نظر میں'' از محمد بن عبداللہ ظاہری وغیرہ کتابیں دیکھی جائیں جن میں امام صاحب کی شان میں ایسی ایسی بدزبانیاں کی گئی ہیں ، ایسی ایسی جھوٹی من گھڑت باتیں کہی گئی ہیں کہ شریف اور بامروت لوگ اس قسم کی باتیں زبان وقلم پر لانے سے شرم وعار محسوس کرتے ہیں۔

ادھر چند سالوں سے اس فرقہ نے علمائے دیوبند بالخصوص ان کے اکابر رحمہم اللہ کے خلاف ہمہ گیر پیمانے پر مہم چلا رکھی ہے اور انہیں نہ صرف یہ کہ دائرۂ اہل السنت والجماعت سے خارج بتا رہے ہیں بلکہ دائرۂ اسلام ہی سے خارج کردینے کی ناپاک ونامراد کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

پاسبانِ ملت :

کون نہیں جانتا ہے کہ علمائے دیوبند' محدثین دہلی یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ کے علمی و فکری منہاج کے وارث وامین ہیں اور مسند ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے توسط سے سلف صالحین سے پوری طرح مربوط ہیں ، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر محدثین دہلی تک اسنادِ اسلام کی ہر کڑی کے پورے وفادار ہیں اور سلفِ صالحین کی اتباع وپیروی کے اس حد تک پابند ہیں کہ اپنے مخلصانہ جہد وعمل سے چھوٹی سی چھوٹی بدعت کو بھی دین نہ بننے دیا۔

برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب کے بعد انگریزوں کی بدنام زمانہ پالیسی لڑاؤ اور حکومت کرو کے تحت اسلام کے عظیم عقیدہ ختم نبوت پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت کے داعی ، مسلمانوں کو ارتداد کی علانیہ دعوت دینے لگے، اس ارتدادی فتنہ سے مسلمانوں کو سب سے پہلے انہی علمائے دیوبند نے مسلمانوں کو خبردار کیا اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف مؤثر تقاریر اور بے پناہ مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل وفریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب مقابلہ کیا کہ اسے اپنے مؤلد ومنشا لندن میں محصور ہوجانا پڑا۔

اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلۂ اسلام کی صف اوّل یعنی صحابۂ کرامؓ کی ناموس اور دین میں ان کی معیاری حیثیت پر حملہ کیا تو دفاع صحابہؓ میں علمائے دیوبند نے نہایت وقیع اور گرانقدر خدمات انجام دیں، جس کے آثار ہدیۃ الشیعہ ، اجوبۂ اربعین ، ہدایۃ الشیعہ ، ہدایات الرشید نیز امام اہل السنت والجماعت مولانا عبدالشکور فاروقی کی اس موضوع پر تصنیفات ومضامین اور صحابۂ کرامؓ کے مقام ومرتبہ اوران کے معیارِ حق ہونے سے متعلق شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے علمی مقالات کی شکل میں آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اسی عہد فتنہ ساز میں اتباعِ سنت اور حجیۃ حدیث کا انکار کرنے والا ایک گروہ نمودار ہوا، جس نے ''مرکزِ ملت'' کے نام سے ایک نئی اصطلاح وضع کر کے قرآنِ حکیم کی تشریح وتعبیر کا مکمل اختیار اس مفروضہ مرکز ملت کو سونپ دیا کہ یہ نام نہاد مرکز ملت زمانے کی اُمنگوں کے مطابق پیغمبر اسلام کے ارشادات صحابۂ کرامؓ کے فیصلوں اور اجماع اُمت سے قطع نظر کر کے جو چاہے فیصلہ کردے۔

اس کے بالمقابل ایک دوسرے گروہ نے زبانی عشقِ رسول ﷺ کے نام سے سر اُٹھایا جس نے اپنے علاوہ تمام طبقاتِ اسلام کو قابل گردن زدنی قرار دیا جبکہ عملاً اس کا حال یہ ہے کہ شریعت کے روشن چہرے کو مسخ کر کے دین میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے اور من گھڑت افکار کو شریعت بتاتا ہے۔

اکابر دیوبند مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ چاندپوری وغیرہ نے ان فرقوں کا کامیاب مقابلہ کیا اور ماضی قریب میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہٗ وغیرہ نے بھی اس محاذ پر نہایت کامیاب خدمات انجام دیں۔

ہندوستان کی دینی وثقافتی تاریخ سے واقف جانتے ہیں کہ علمائے دیوبند اسلام کی سنت قائمہ کے حامی اور بدعت سے بہت دور ہیں اور ایسے کسی عمل کو جو شاہراہِ مسلسل سے نہ آئے اسے وہ اسلام کا نام دینے کے لئے تیار نہیں کیونکہ ان کا موقف اسلام کی سنت قائمہ سے مکمل وفاداری کا ہے ان کے نزدیک اہل السنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو اسلام کی سنت قائمہ سے وابستہ اور جماعت صحابہؓ کے آثار ونقوش سے دین کی راہیں تلاش کرنے والے ہوں ان حضرات کا یقین ہے کہ بدعات کا دوازہ کھلا رکھنے سے تفریق بین المسلمین لازمی ہوگی کیونکہ بدعات ہر طبقہ کی اپنی اپنی ہوں گی، یہ فقط سنت ہے جو تمام طبقاتِ مسلمہ کو ایک لڑی میں پرو سکتی ہے اور ملتِ واحدہ بنا کر رکھ سکتی ہے۔

اسی عہد شکست وریخت میں حکمران انگریزوں کی خفیہ سرپرستی آریہ سماج کے ذریعہ فرزندانِ اسلام کو اسلام سے جدا کردینے کے لئے ارتداد کی تحریک پوری قوت سے شروع کی گئی۔

اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابرِ دیو بند نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا، تقریر وتحریر، بحث ومناظرہ اور علمی و دینی اثر ونفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا، بالخصوص علمائے دیو بند کے سرخیل اور قائد وامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سلسلے میں نہایت اہم اور مؤثر خدمات انجام دیں۔

نیز تقسیمِ ہند کے قیامت خیز حالات میں جبکہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا، اس قیامت خیز دور میں شدھی وسنگھٹن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی، اس موقع پر بھی علمائے دیو بند وقت کے خونی منظر سے بے پرواہو کر میدانِ عمل میں کود پڑے اور خدائے عزیز وقدیر کی مدد ونصرت سے ارتداد کے اس طوفان سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لائے۔

مسلمانوں کے اسی دورِ زوال میں عیسائی مشینری حکومتِ وقت کی بھرپور حمایت کے ساتھ برصغیر میں اس زعم کے ساتھ داخل ہوئی کہ وہ فاتح قوم ہیں، مفتوح قومیں فاتح کی تہذیب کو آسانی سے قبول کرلیتی ہیں، انہوں نے بھرپور کوشش کی مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کے تہذیبی وثقافتی نقوش مٹادیں یا کم ازکم اُنہیں ہلکا کردیں تاکہ بعد میں انہیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے۔

اس محاذ پر بھی اکابر دیو بند نے عیسائی مشینری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکر لی اور نہ صرف علم واستدلال سے ان کے حملے پسپا کردئے بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مآخذ پر کھلی تنقید کی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تصانیف اظہار الحق ازالۃ الشکوک، ازالۃ الاوہام، اعجازِ عیسوی، اصح الاحادیث اور معدن المواج المیز ان، اس کی شاہدِ عدل ہیں۔ نیز حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ان کے تلمیذِ خاص حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوری، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور بعد میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری علیہم الرحمۃ وغیرہ نے اس محاذ پر گرانقدر خدمات انجام دیں۔

پھر جب ایک مرتب اسکیم کے تحت پورے ملک میں انگریزی اسکولوں کا جال بچھا دیا گیا اور اسلامی مدارس کو ختم کردینے کی غرض سے ان کے لئے دنیوی ترقی کی تمام راہیں مسدود کردی گئیں، اس وقت ضروری تھا کہ قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم اور اسلام کے آبرومندانہ ماحول کے لئے عربی دینی مدارس کو ہر طرح کی قربانی دے کر باقی رکھا جائے، نیز جدید دینی عربی مدارس قائم کئے جائیں اور اس کی امکانی سعی کی جائے کہ کوئی اجنبی چیز اسلام کے نام پر اسلام میں گھسنے نہ پائے۔

اس محاذ پر بھی اکابر دیو بند نے پوری ذمہ داری اور اسلام کے ساتھ مکمل وفاداری کا ثبوت دیا اور برصغیر کے چپے چپے پر اپنی درسگاہوں کے ذریعہ علم ودین کے چراغ روشن کردئے، اس سلسلے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا

محمد قاسم نانوتویؒ، ان کے رفیقِ خاص محدث کبیر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور آزادی کے بعد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے کامیاب جدوجہد کی۔

برصغیر میں تحفظ اسلام کے سلسلے میں علمائے دیوبند کی خدمات کا یہ اجمالی تعارف بتارہا ہے کہ پچھلی صدی مادی ترقیات کے ساتھ فکر ونظر کا جو انقلاب اپنے جلو میں لائی تھی اس کے دفاع میں علمائے دیوبند کی یہ تعلیمی، تبلیغی جدوجہد نہ ہوتی تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا انجام کیا ہوتا اور کچھ بعید نہیں کہ متحدہ ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دہرادی گئی ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور تدبیرِ نافذہ سے علمائے دیوبند کو کھڑا کردیا جن کی بدولت اسلاف کی یہ امانت ہرنوع کے زیغ وضلالت کی دست وبرد سے محفوظ رہی۔ فالحمد للّٰہ علی ذلک و شکر اللّٰہ سعیھم۔

فرزندانِ اسلام ! حیف صد حیف کہ فرقہ غیرمقلدین اور خارجیت جدیدہ کے علم برداروں نے نصوص فہمی کے سلسلہ میں سلف صالحین کے مسلمہ علمی منہاج ودستور کو پس پشت ڈال کر اپنے علم وفہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق وباطل اور ہدایت وضلالت کے درجہ میں پہنچادیا ہے اور ہر وہ فرد اور طبقہ جو ان کے اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں وہ ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال ومضل اور فرقہ ناجیہ بلکہ دینِ اسلام ہی سے خارج ہے۔

کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ جو چیز اُمت کے لئے باعثِ رحمت اور علماء کے حق میں موجبِ کرامت تھی، آج اسی رحمت وکرامت کو یہ خارجیت جدیدہ کے علم بردار، علم وفہم سے کھلواڑ کرتے ہوئے شقاوت وضلالت باور کرانے پر تلے ہیں اور برصغیر ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں چونکہ اہل السنّت والجماعت کے مرکز علمائے دیوبند ہی ہیں، اس لئے ایک خاص ذہنیت کے تحت قادیانیوں، رافضیوں وغیرہ فرقہ مکفرہ وضالہ کے بجائے بطورِ خاص علمائے دیوبند اور اکابر دیوبند کو اپنی تضلیلی وتکفیری مشن کا ہدف بنارکھا ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں ''الدیوبندیۃ'' کے نام سے طالب الرحمٰن سلفی نامی غیرمقلد نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ ابوحسان نامی کسی گمنام غیرمقلد نے کیا ہے جو دارالکتاب والسنۃ کراچی سے شائع ہوئی ہے، یہ عرب ممالک بالخصوص سعودی عرب میں بغیر کسی ردوقدح کے فروخت کی جاری ہے اور ایک مہم بناکر شیوخِ حجاز ونجد اور سرکاری دفتروں تک پہنچائی گئی ہے۔

اس فتنہ انگیز کتاب میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے مرکز دارالعلوم دیوبند کے بارے میں لکھا گیا ہے،

دارالعلوم دیوبند سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والا ادارہ ہے اور آپ ﷺ کے طریقہ کو پھینک دینے والا ہے، اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر رکھی گئی ہے۔ (ص:۹۸)

دیوبندی علماء کے بارے میں تحریر ہے :

''دیوبندیوں کے اقوال واعمال اور واقعات واضح علامت ہیں کہ ان میں شعوری یا غیرشعوری طور پر شرک سرایت کرگیا ہے اور وہ مشرکین سے بھی آگے نکل گئے ہیں''۔ (ص:۴۷)

اس کتاب کے صفحہ ۱۹ میں ہے :

''علمائے دیوبند عقیدۂ توحید سے بالکل خالی ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ توحید کے علم بردار ہیں''۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ پر محرفِ قرآن، کفر صریح کا مرتکب اور اللہ پر صریح جھوٹ بولنے والے جیسے الزمات چسپاں کئے گئے ہیں۔ (ص:۲۶۶)

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو '' **ویلک یا مشرک** '' (اے مشرک تیرے لئے بربادی ہو) سے خطاب کیا گیا ہے، پھر آپ کی شان میں ایسی باتیں کہیں گئی ہیں جسے قلم لکھنے پر آمادہ نہیں، کتاب مذکور کے صفحات ۱۲۳، ۱۷، ۱۹۰، ۲۵۳ وغیرہ خود دیکھئے۔

محدثِ عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ پر بدعت کی تہمت عائد کی گئی ہے، محمد انور بدعت کی طرف مائل تھا۔ (ص:۱۵)

اکثر لوگ انور شاہ کی رائے پڑھتے ہیں، خدا تجھ پر رحم کرے تم نے بدبودار تعصب کے ماحول میں پرورش پائی ہے تجھے توحید وسنت کے داعیوں سے شدید بغض ہے۔ (ص:۱۸)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں ہے :

''اگر اشرف علی کو اس بات کا خطرہ تھا کہ شاہ عبد الرحیم رائے پوری کے پاس بیٹھنے سے وہ احوال پر مطلع ہوجائیں گے تو یہ کشف نہیں بلکہ شیطانی احوال ہیں''۔ (ص:۱۵۲)

محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے متعلق ہے :

محمد یوسف بنوری کا ابن عربی کی تعریف کرنا بنوری کے زندیق ہونے کی علامت ہے''۔ (ص:۳۰)

دل پر جبر کر کے صرف یہ چند حوالے درج کئے گئے ہیں ورنہ پوری کتاب علمائے حق پر کذب وافتراء اور دشنام طرازی ہی پر مشتمل ہے۔ ابھی زمانہ قریب میں ایک کتاب '' کیا علمائے دیوبند اہل سنت ہیں'' کے نام سے عربی واردو میں '' **المكتب التعاونى للدعوة والارشاد وتوعية الجاليات بالسلى** ص ب ۱۱۴۱۹ **الرياض** '' سے شائع ہوئی ہے اور حج کے موقع پر بڑے پیمانے میں حجاجِ کرام میں تقسیم ہوئی ہے۔ اس کتاب میں علم وتحقیق کے اُصولوں کو یکسر نظر انداز کر کے علمائے دیوبند کو فرقۂ ناجیہ جماعت اہل سنت سے خارج بتایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک فاضل شمس الدین سلفی کی ایک کتاب '' **جهود علماء الحنفية فى ابطال عقائد القبورية** '' تین ضخیم جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب دراصل شمس الدین کا وہ مقالہ ہے جس پر اسے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مکتبۃ الدعوۃ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی ہے۔

دو ٹکڑے ہوگئی، آخری سانس تک احد احد اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے، کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جان دے دی تو یہ حال تھا اسلام کا اور مظلومیت کا، ظلم برداشت کرتے رہے اور آج کل لوگوں کا یہ حال ہے دنیا کا اس قدر غلبہ ہے۔

بنگلہ دیش، مشرقی بنگال، پاکستان بنا، مشرقی پاکستان جو مردم شماری ہوئی تو وہاں پورے مشرقی بنگال میں چھ ہزار عیسائی تھے اور جب پینتیس سال بعد بنگلہ دیش بنا جو مردم شماری ہوئی تو عیسائیوں کی تعداد چھ ہزار سے پچاس لاکھ ہو چکی تھی۔ پینتیس سال کے اندر، آٹھ دس جماعتیں اسلام کو ختم کرنے کے لئے بن چکی ہیں اور قلب ڈھاکہ میں بہت بڑا کالج کرسچنوں کا اور اسی طرح پورے بنگال میں دو دو میل تین تین میل پر کالج یونیورسٹیاں اور این جی اوز کے بائیس ہزار سکول ہیں، جو SLOW POISON کے ذریعے مسلمان بچوں کو کرسچین بنا رہے ہیں اور نوے ہزار عورتوں ہیں جو این جی اوز کی صرف نوکر ہیں، اسلام کو ایک ایک گھر سے ختم کر رہی ہیں، عیسائیت کے لئے اس طریقہ سے، پیسہ سے، ہسپتالوں میں تعلیم دیتے ہیں اور علاج کرتے ہیں اور فری ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے بنگلہ دیش میں یہ ہوتا کہ عورتیں اور مردان پڑھ قسم کے جاتے ہیں، بچارے اور وہ جا کر کے اپنے آپ کو دکھاتے ہیں تو عیسائی ڈاکٹر ان کو دیکھ کر کے یہ کہتا ہے کہ دیکھو دوا لے جاؤ، اُلٹی دوا دیتا ہے وہ اور کہتا ہے دیکھ سات بار بسم اللہ پڑھنا اور اللہ سے دعا مانگنا کہ اے اللہ شفا دیدے اور یہ کرنا اور وہ کرنا، سب سکھائی پڑھائی باتیں اور وہ اُلٹی دوا دیتا ہے، دو تین دن کے بعد مریض پھر آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بیماری بڑھ گئی، یہ ہوا یہ ہوا تو ڈاکٹر کہتا ہے تو نے بسم اللہ نہیں پڑھی ہوگی، دعا نہیں مانگی ہوگی یہ بھی کیا یہ بھی کیا پھر بھی اللہ نے شفا نہیں دی، اچھا لاؤ دوسری دوائی دیتا ہوں اور دیکھو تین مرتبہ یہ دعا مانگو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، کھانے سے پہلے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ کہو کہ اے عیسیٰ ہمیں صحت دینا، اب ٹھیک دوا دی ہے اور اس نے ان پڑھ جاہل نے وہ دعا مانگ لی اور دوا کھالی، اس سے فائدہ ہو گیا وہ دوا تھی ہی ٹھیک، اس طرح وہ ایسے SLOW POSION ہر ہسپتال میں ہر سکول میں۔

ڈھاکہ میں ایک بڑا افسر ہفتہ وار چھٹی پر گھر آیا، بچہ اس کا انگلش میڈیم کرسچین سکول میں پڑھتا تھا وہ بھی چھٹی کر کے آیا، باپ بیٹھا ہوا تھا منہ سے نکلا ایک اللہ ہی سب کچھ کرتا ہے، بیٹے نے فوراً لقمہ دیا ٹوکا NO DADY GOD IS THREE, NOT ONE خدا تو تین ہیں، ایک نہیں تم نے کیسے کہہ دیا، ایک اللہ ہے ماں باپ کو پتہ ہی نہیں چلتا، وہ کبھی اس کی فکر نہیں کرتے اور اس طرح SLOW POSION کے ذریعہ ہر لڑکے لڑکی کا مزاج مرتد اور عیسائیت میں رنگا ہوا بنایا جا رہا ہے اور یہی مقصد ہے این جی اوز کی کوششوں کا کہ عیسائی بنو اور تمام اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوں، شرابی ہوں، جواری ہوں، زانی ہوں، ناجائز تعلقات ہوں اور اسلام سے متنفر ہوں، اس طرح کی نسل ہر جگہ بن رہی ہے، آپ کے ہاں بھی این جی اوز کام کر رہے ہیں اور دیہاتوں میں

جوان جوان لڑکیوں کو لے جاتے ہیں اور نوجوان دین، اسلام، نماز، روزہ، حرام، حلال، آخرت دنیا کچھ نہیں جانتے، ان نوجوانوں کو وہ لڑکیاں جو ہیں آپ کے ہاں بہت سے گانے ہیں، ناچ ہے، پنجابی مختلف زبانوں کے وہ کرتی ہیں اور سناتی ہیں اور وہ نوجوان جو بالکل بے خبر ہیں پاگل ہیں وہ ان کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں اور خیمے لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں رات گزارتے ہیں، زنا شراب ہوتی ہے اور اسی طرح عیسائیت پھیلائی جاتی ہے۔ مسلمان کی نسل کو بالکل پتہ نہیں۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں علماء عیش کے عادی ہیں، علماء کو چاہئے وہ باسی روٹی سوکھی روٹی کھائیں پیدل چل کر دین کے لئے مصیبت اُٹھائیں۔ پاکستان کے علماء اس کے لئے تیار نہیں ہیں، کوئی فکر نہیں، نماز نہیں، جماعت نہیں، مسجد نہیں، دینداری نہیں، علم نہیں اور اس طریقہ سے لوگ مرتد ہورہے ہیں۔ علماء اپنی نزاکت اور مخملی فرش سے نیچے اُتر کر جائیں اور مسجد میں نمازِ جماعت اور دین سکھائیں، اس کے لئے تیار نہیں ہیں۔

معاف کیجئے گا بڑی بڑی تنخواہ دس دس ہزار روپے کی مدرسے میں ملے تو مدرسے میں پڑھائیں گے، حضرت مدنیؒ آخری وقت تک پانچ سو روپے تنخواہ لیتے تھے جبکہ اخراجات تو ہزاروں کے تھے، حضرت شیخ الہندؒ کی تنخواہ شوریٰ نے بڑھانی چاہی، پچاس روپے سے کچھ زیادہ کرنی چاہی، حضرت شیخ الہندؒ نے کہا کہ نہیں بھائی میرے سے تو پچاس روپے کا حساب بھی نہیں دیا جائے گا۔ میں تنخواہ بڑھوا کر کیا کروں گا۔ مجھے نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے، آپ جو یہ دیوبند دیوبند پکار رہے ہیں، کیا یہ ٹیلی ویژن سے ہوا، ویڈیو سے ہوا؟ خون پسینہ اللہ کے لئے ایک کیا ہے، تب ہوا ہے کوئی آدمی نہیں ہوتا تیار، ٹی وی سے اور وی سی آر سے اللہ کے راستے میں سب کچھ قربان کریں اللہ مدد کرتا ہے اور سب کچھ کرتا ہے۔

آج تم دیوبند کے نقلی نعرے لگاتے ہو اور کہیں دیوبند نہیں، ان کے اکابر کا کوئی نمونہ نہیں، کوئی خون پسینہ ایک نہیں کرتا، کوئی دیہات میں دھکے نہیں کھاتا، کوئی فاقہ نہیں جھیلتا، کوئی اسلام کی فکر نہیں کرتا، مرتد ہورہی ہے نسل اور تیاریاں ہورہی ہیں کہ کئی کئی ضلعوں کو عیسائی ریاست آپ کے پنجاب میں بنالیں، سازشیں ہورہی ہیں اور آپ کو فرصت نہیں ہے، اے سی سے نکلنے کی، گرمی میں کہاں نکلیں گے، آپ اور آپ کو کوئی فکر نہیں کہ مسجد ہے نہیں ہے، چھپر کی ہو، کوئی امام ہو، کوئی مؤذن ہو، سمجھائیں جماعت کے بارے میں ایمان کی فکر کریں، کوئی توجہ نہیں، کوئی کام نہیں، یہ اللہ کے ہاں گرفتار ہوں گے، پکڑے جائیں گے، چھوٹ نہیں سکیں گے، صرف تنخواہ لے کر مدرسوں میں پڑھاؤ، یہ کام بہت ضروری ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے، اسلام رہے گا تو مدرسے رہیں گے، اسلام ہی مٹ جائے گا، خدانخواستہ تو مدرسے کہاں سے آئیں گے، کون طالب علم ہوگا، کس کو پڑھاؤ گے، اس لئے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لئے محنت کرو، قربانیاں دو۔

حیرت انگیز، جس چیز کو خرید لیں ختم نہ ہونے پائے، جس معاملہ میں ہاتھ ڈال دیں برکت ہی برکت ظاہر ہو۔

یہ ساری باتیں سن کر حضرت خدیجہ کہنے لگیں، سچ کہا کہ دنیا میں ان جیسا آدمی نہیں، جب تم آرہے تھے دونوں، تو میں اوپر بالا خانے میں تھی، کھڑکی سے میں نے دیکھا دو حضور ﷺ کے اوپر دو فرشتے سایہ لیے ہوئے ہیں۔ یقیناً اللہ نے ان کو ایسی ہی شان دی تھی، پچیس سال کی عمر میں حضور ﷺ کا رشتہ ان کے ساتھ ہوا۔ حضرت خدیجہ نے خواہش ظاہر کی، حضور ﷺ سے کہ میں چاہتی ہوں کہ تم سے شادی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیسے ہوگا، انہوں نے کہا کہ تم چچا سے کہو تمہارے چچا رشتہ لے کر آئیں، میں قبول کرلوں گی۔

حضور ﷺ گئے ابوطالب کے پاس اور جا کر کہا کہ آپ میرا رشتہ حضرت خدیجہؓ سے کردیں، انہوں نے کہا بیٹا! ایسی مغرور، ایسی متکبرہ دو مرتبہ بیوہ ہوئیں اور مکہ کا کوئی سردار ایسا نہیں رہا جو اپنا رشتہ لے کر نہ گیا ہو۔ اس نے ٹھوکر نہ ماری ہو، تم یتیم اور غریب، میں جاؤں تو کیا ہوگا؟ ٹھوکر مار دے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ جائیے دیکھئے تو سہی وہ تیار ہوگئے اور حضور ﷺ کے مناقب میں طویل خطبہ پڑھا، وہ تو خود خواہشمند تھیں، انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور آپ کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے ہوا، جن کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی۔ حضور ﷺ سے پندرہ برس بڑی تھیں، دو دفعہ کی بیوہ تھیں، کئی بچوں کی ماں تھیں، ان سے پہلے نکاح ہوا، پھر ساری عمر کبھی کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں، وہ اپنا سب کچھ حضور ﷺ کے قدموں پر قربان کردیتی تھیں اور حضور ﷺ کو زندگی تو زندگی انتقال کے بعد دوسری شادیاں ہونے کے بعد بھی کسی بیوی سے حضرت خدیجہؓ جیسا تعلق اور محبت نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بے حد سمجھدار اور پیاری بیوی ہیں، مگر یہ کہتی ہیں کہ مجھے کسی عورت پر غبطہ نہیں آیا، جتنا حضرت خدیجہؓ پر کاش حضور ﷺ کے دل میں جو مقام خدیجہؓ کا تھا، میرا ہوجائے، آخری وقت تک جب کبھی ذکر آتا تو ان کا خیر سے ذکر کرتے اور بھلائیوں سے اور کمالات سے ان کی تعریفیں فرماتے۔ ان کے لئے دعائیں کرتے، اگر کوئی عورت خدیجہؓ کی دوست سہیلی ہمارے گھر آجاتی تو حضور ﷺ فرماتے کہ یہ خدیجہؓ کی سہیلی ہیں، ان کا اعزاز کرو، ان کو بٹھاؤ، ان کو کھلاؤ، ان کو پلاؤ، خاطر تواضع کرو وغیرہ، وہ کہتی ہیں کہ جتنا غبطہ حضرت خدیجہؓ پر آیا کسی عورت پر نہیں آیا۔ اتنا تعلق آخر وقت تک ہمیشہ حضور ﷺ کا رہا اور وہ اتنی نازنین، اتنی دولت مند ایسی حیثیت کی عورت جس نے مکہ کے ہر سردار کو ٹھوکر ماری تھی حضور ﷺ کے ساتھ جب کوئی مصیبت آئی مکہ والوں نے بائیکاٹ کیا اور حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ ایک گھاٹی میں بند اور محصور ہوگئے۔

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جنگل کی گھاس کھاتے کھاتے بکریوں کی مینگنیوں کی طرح پاخانہ ہوتا تھا، کوئی آدمی نہ بیچتا تھا نہ خریدتا تھا نہ معاملہ کرتا تھا اور حضرت خدیجہؓ کا بائیکاٹ نہیں تھا۔ حضور ﷺ کو چھوڑ کر نہیں گئیں، بائیکاٹ میں شریک ہوئیں، خدیجہؓ شریک رہیں، ابوطالب شریک رہے، اس کے باوجود کہ کفر تھا لیکن حضور ﷺ

کو نہیں چھوڑا، پوری وفاداری سے ساری عمر ابو طالب نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا مقدر میں اسلام نہیں تھا اور اس دنیا سے اسلام سے محروم گئے۔ حضور ﷺ نے کوشش کی اور یہ فرمایا : یا عمی قل کلمة ، اے چچا! ایک کلمہ کہہ دو احد، مجھے قیامت کے دن لڑ جھگڑ کر چھڑانے کا موقع دے دو، اللہ سے میں کہوں گا کہ میں گواہ ہوں، میرے سامنے یہ کہا ہے اور کسی طرح آپ کو نجات مل جائے، وہ تیار ہوئے ابو جہل نے کہا ناک کٹ جائے گی، ایسا ہوگا ویسا ہوگا، نہیں ہوسکا، جب انہوں نے جواب دے دیا تو حضور ﷺ اُٹھ کر آ گئے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابو طالب کے بیٹے وہ آئے اور حضور ﷺ سے کہا، ان عمک الضال قد مات ، تمہارا گمراہ چچا مر گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کیا کروں، جاؤ اسے کسی گڑھے میں ڈال دو، تو مقدر میں نہ تھا اس لئے ایمان نہیں لا سکے اور حضور ﷺ کی شہرت اور معاملات اور صبر اور اخلاقِ حسنہ سب کے ساتھ یہ تو تھے، کمزوری کے زمانے میں جب حضور ﷺ مظلوم تھے تو مظلوم آدمی دب کر سب کے ساتھ اچھے اخلاق برتتا ہی ہے، لیکن جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی، دو سال تک مدینے کے لوگ آتے رہے، حج کے زمانے میں حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لاتے رہے، اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہوتے رہے اور عرض کرتے رہے کہ حضور بڑا ظلم ہو رہا ہے، پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، ہم لوگ سن سن کر پریشان ہیں، مدینہ موجود ہے، آ جایئے، ہم لوگ جان دے دیں گے، کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچے گا۔ آپ آ جائیں حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، مصیبتوں سے گھبرا کر آرام اور آسائش کے لئے مکہ چھوڑ دوں، یہ نہیں کروں گا، اللہ سب جانتا ہے جو کچھ ہو رہا ہے، جب اللہ کہے گا کہ جاؤ تو جاؤں گا اور اللہ نہیں کہتا تو میں مکہ چھوڑ کر مدینہ نہیں جاؤں گا۔

تشریف نہیں لے گئے دوسرے سال اور حضرات آئے، سات آٹھ اور حضور ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور بیعت ہوئے، اور پھر عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، میں اپنی آسانی کے لئے چھوڑ کر چلا جاؤں، یہ نہیں کروں گا۔ اللہ خوب جانتا ہے، اس کو اختیار ہے جب کہے گا، تب جاؤں گا، مکہ والوں نے تنگ کیا جب ہر تدبیر بیکار ہو گئی اور ایمان کا ایک ماننے والا کسی قیمت پر اسلام چھوڑنے کو تیار نہیں ہوا۔ آج تو مسلمان اپنی حیثیت اتنی بگاڑ چکے ہیں کہ چند ٹکوں میں قادیانی ہو جائیں، چند روپے میں کافر مرتد ہو کر کرسچین ہو جائیں، جو چاہو بنا لو، ایمان کی کچھ حیثیت ہی نہیں، آخرت پر یقین نہیں ہے، اس کی فکر نہیں، بس ہائے پیسہ ہائے پیسہ، خدا کے بجائے پیسہ، ہر بے ایمانی، ہر چار سو بیسی پیسے کے لئے کرنے پر مسلمان تیار ہے، رات دن جس گلی میں جاؤ، ایمانداری کا کوئی نام نہیں اور بے ایمانی عام ہے۔

تو بھائیو! ایسی حالت میں حضور ﷺ نے فرمایا نہیں میں نہیں جاتا۔ حضرت سمیہ جوان جوان بیٹوں کی ماں ایک پاؤں ایک اونٹ میں دوسرا دوسرے اونٹ میں باندھ دیا گیا، اس اونٹ کو ادھر دوڑا دیا، اس کو ادھر،

انتخاب ! جان محمد جان
زکن القاسم اکیڈمی

دعوت وتبلیغ، علماءِ کرام کی ذمہ داریاں اور این جی اوز کی یلغار

دیوبند کانفرنس کے بعد جامعہ مدنیہ لاہور میں خطاب

امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کا خطاب

مکہ کی ایک دولت مند خاتون نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا مال لے جایئے تجارت کیجئے جو نفع ہو آدھا آپ کا آدھا میرا۔ حضور ﷺ نے ان کی یہ پیش کش قبول کرلی، جب حضور ﷺ نے سفر کی تیاری شروع کی تو انہوں نے اپنا غلام میسرہ بھیجا ...... حضور ! یہ میرا غلام ہے آپ کے پاس بھیج رہی ہوں، آپ ان کو ساتھ رکھیں۔ آپ کا سامان رکھنا، کھولنا، کھانا، پکانا، برتن دھونا اور دوسری تمام ضرورتوں میں آپ کا مددگار ہوگا۔ سفر میں سہولت ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اچھی بات ہے آجاؤ وہ ساتھ ہوگیا۔

اس وقت غلاموں کا جو حشر تھا، گالی سے کم تو کوئی بات نہیں کرتا تھا اور مار پیٹ برا بھلا کہنا اور ذرا سی ناگواری ہوجائے قتل کردینا معمولی بات تھی، ایسے حالات میں کیا توقع تھی کہ حضور ﷺ کے ساتھ وہ سفر میں شریک ہوا تو اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ اس کو کبھی نام لے کر نہیں بلاتے، کبھی غلطی پر مارتے نہیں، ڈانٹتے نہیں اور جب کوئی کام اس سے کرواتے ہیں خود بھی اس میں شریک ہوتے ہیں، لکڑیاں چنتے ہیں، آگ جلاتے ہیں سامان اُتارتے ہیں، سواری میں اگر بیٹھتے ہیں تو اس کو بھی بٹھاتے ہیں، اس طریقہ سے بالکل برابر کا معاملہ غلام کے ساتھ اس نے دیکھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کا وقت ہوتا، کھانا تیار ہوتا تو غلام کو بچا کھچا الگ نہیں اس کافر غلام کو اپنے ساتھ بٹھا کر اپنے برتن میں شریک کر کے کھانا کھلاتے، کافر غلام کو اپنے ساتھ شریک کرتے، اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ جو خود کھاتے ہیں وہ اسے کھلاتے ہیں اور کھانے کے بعد عادت شریفہ کے مطابق کسی درخت کے سائے میں حضور ﷺ سوجاتے ہیں، جب حضور ﷺ سوجاتے تو تھوڑی دیر کے بعد سورج ڈھلتا تو یہ اُتر کر

کہ دھوپ آ جانی چاہئے تھی، لیکن وہ درخت حضور ﷺ پر دھوپ نہیں آنے دیتا، اپنا رُخ پلٹ دیتا اور حضور ﷺ پر سایہ باقی رہتا۔ اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ چلے جارہے ہیں، دوپہر میں، مشرق ومغرب، شمال جنوب کہیں بادل نہیں ہے لیکن ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس رفتار سے بالکل حضور ﷺ پر سایہ کیے جارہا ہے۔ دھوپ نہیں آنے دیتا، اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ چلے جارہے ہیں اور چٹانوں سے، سنگریزوں سے، پتھروں سے آواز آرہی ہے، السلام علیکم یارسول اللہ......

پہنچے شام کے بارڈر پر، وہاں ایک راہب مستورہ اس کا نام...... وہ اس غلام میسرہ کو ملا اور کہنے لگا دیکھو یہ جو تمہارے آقا ہیں، مخدوم ہیں، جن کے ساتھ تم سفر کررہے ہو، یہ اللہ کے آخری نبی ہوں گے۔ ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام نے اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے، وعدہ لیا ہے اور یہ علامتیں بتائی ہیں، وہ سب ان میں پائی جاتی ہیں، یہ اللہ کے آخری نبی ہوں گے۔

اب شام میں داخل ہوئے، بزنس اور کاروبار شروع ہوا، اس نے دیکھا ایک پیسے کی بھی گڑبڑ نہیں دودھ الگ، پانی الگ، کسی چیز کو کسی چیز میں ایک پیسے کی کمی زیادتی نہیں۔ حساب بالکل صاف اور حضور ﷺ ضرورت کے لئے دودھ میٹھا، آٹا، گھی کوئی چیز خریدیں تو لیں تو دو دن کے لئے اور دس دن تک استعمال ہورہی ہے، ختم نہیں ہوتی، برکت ہی برکت، جس چیز میں ہاتھ ڈال دیں نفع نہایت کامیاب۔ خریدار آئے چیز کو دیکھیں اُلٹ اُلٹ کر، پسند کرے قیمت پوچھے اور قیمت دے کر چیز لے جانا چاہے۔ حضور ﷺ اس کا ہاتھ پکڑ لیں تم نے جو چیز دیکھی اچھے طریقے سے اور پسند کی اور پیسے دے دیے ہیں اس میں یہ عیب ہے تمہیں پتہ نہ چلا پھر یہ دیکھو، اب تمہارا جی چاہے لو جی چاہے تو چھوڑ دو، تمام دنیا کے تاجروں کا یہ طریقہ ہے کہ چوَنی کمانے کیلئے، اٹھنی کمانے کے لئے سو جھوٹ بولتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں، عیب کو ہنر بتاتے ہیں، بھلا بتلاتے ہیں، کسی طرح بِک جائے پیسے مل جائیں اور حضور ﷺ اس کی بالکل پروا نہیں کرتے۔

ایک شخص نے اپنے آپ دیکھ بھال کر ایک چیز پسند کی پیسے دے کر لے جانا چاہتا ہے، کسی نے کچھ نہیں بتایا اور اس کا ہاتھ روک کر اسے عیب کھول کھول کر بتلاتے ہیں، وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ واپسی ہوئی میسرہ نے اپنی آقا حضرت خدیجہ سے منہ بھر کر تعریف کی، ایسے اخلاق، ایسے مجھے اپنے ساتھ کھلاتے تھے جو خود کھاتے تھے وہ مجھے بھی کھلاتے تھے، ایک برتن میں شریک ہوکر اپنے ساتھ کھلاتے اور کبھی نام نہیں لیتے تھے، کبھی برا نہیں کہتے تھے، کبھی ڈانٹتے نہیں تھے، غلطی پر بھائی کہہ کر پکارتے تھے اور بادل کو اس طرح دیکھا اور درخت رُخ پلٹ کر دھوپ نہ آنے دیتے، سنگریزے ان کو سلام کرتے، میں نے خود سنا السلام علیک یا نبی اللہ السلام علیک یا رسول اللہ۔ تمام معاملات بھی صاف، ایک پیسے کا کوئی دخل نہیں، دودھ کا دودھ پانی کا پانی، اس طرح لوگوں کے ساتھ معاملات نہایت برکت

جس میں ''اشهر فرق القبورية'' کے عنوان کے تحت علمائے دیوبند کو قبوری یعنی قبر پرست کہا گیا ہے۔ (ج ا ص ۲۹)

کتاب کے مقدمہ میں امام ابوحنیفہؒ اور مذہب حنفی پر نہایت رکیک اور توہین آمیز تبصرہ کیا ہے۔ اسی مقدمہ میں علماءِ دیوبند کو قبوری کے ساتھ مرجئ وجہمی بھی کہا گیا ہے۔ (ج ا ص ۳۲ حاشیہ اور ص ۵۱، ۵۲)

علاوہ ازیں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کو قبوری، خرافی وغیرہ لکھا گیا ہے۔

علمائے دیوبند کے علاوہ ڈاکٹریٹ کے اس مقالہ میں علم کلام میں اشعری و ماتریدی مکتب فکر سے متعلق سارے علماء وفضلاء کو بالتکرار جہمی لکھا گیا ہے، بالخصوص امام کرمانی شارح بخاری، حافظ سیوطی، علامہ ابن حجر ہیثمی مکی، امام زرقانی شارح مؤطا اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ اساطین علمائے اہل السنت والجماعت اور خادمین کتاب وسنت کو نام بنام قبوری اور وثنی کے مکروہ خطابات سے نوازا گیا ہے۔

گویا دین خالص حامل اور سنت رسول پر عامل اُمت میں بس یہی فرقۂ نو پید اور وہی شرذمۂ قلیلہ ہے جو اپنے آپ کو سلفی اور اہل حدیث کہتے ہیں اور ملت کا سوادِ اعظم اور اُمت کے وہ سارے طبقات جو عقیدۃً اشعری یا ماتریدی ہیں اور حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہیں، اور مشائخ طریقت سے عقیدت وارادت رکھتے ہیں وہ سب اہل السنت والجماعت سے خارج، بدعتی، قبوری، وثنی، جہمی، مرجئ وغیرہ ہیں ...... **فالى الله المشتكىٰ وهو المستعان۔**

پوری کتاب میں گنتی کے چند لوگوں کو چھوڑ کر پوری ملتِ اسلامیہ کو صحیح دینِ اسلام سے خارج کر دیا گیا، اس پر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ڈاکٹریٹ کی سند دیا جانا نہ صرف باعثِ حیرت بلکہ لائقِ مذمت ہے، یہ کس قدر تکلیف دہ حقیقت ہے کہ جو تعلیمی ادارہ قرآن وحدیث اور دیگر علومِ دینیہ کی اشاعت اور صحیح علوم کی تعلیم وتفہیم کے لئے وجود میں آیا تھا، آج اسی علمی ودینی ادارہ سے مسلمانوں کو صحیح دین سے خارج اور نکال دینے کا کام لیا جا رہا ہے۔

مملکتِ سعودیہ عربیہ کو چونکہ حرمین شریفین سے ایک خاص انتساب ہے، اس حکومت نے حرمین شریفین کی توسیع وتزئین کے سلسلے میں جو تاریخی کارنامے انجام دئے ہیں، نیز فریضۂ حج کی ادائیگی سے متعلق جس طرح کی بے مثال سہولتیں فراہم کی ہیں، ان وجوہ سے علمائے دیوبند کا حکومت اور اربابِ حکومت سے مخلصانہ جذباتی تعلق رہا ہے، جس کا مظاہرہ بار بار ہو چکا ہے۔ اس دیرینہ تعلق کی بناء پر توقع کی جاتی تھی کہ فرقہ غیر مقلدین، ایک خاص منصوبہ کے تحت علمائے دیوبند پر جو ناروا کیچڑ اُچھال رہے ہیں، مملکتِ سعودیہ اور اس کے کارکنوں کی جانب سے اس انتشار افزا رویہ کی ہمت افزائی نہیں ہوگی، لیکن اس وقت مملکت سعودیہ سے علمائے دیوبند سے متعلق جس طرح

کے غلط اور بے بنیاد مواد پوری دنیا میں پھیلائے جارہے ہیں، اسے دیکھ کراب ہمارا یہی احساس ہے دانستہ یا نادانستہ طور پر مملکت علمائے دیوبند کے خلاف اس غلط مہم میں شریکِ کار ہے بلکہ سرپرستی کررہی ہے جس سے بے زاری اور نفرت کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ ع دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

علمائے دین :

پورے حالات آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں کہ آپ کے مذہب، آپ کے مکتبِ فکر اور آپ کے اکابر کو خارجیت جدیدہ کے علم بردار غیر مقلدین کس قدر ہدفِ طعن وتشنیع بنائے ہوئے ہیں، ان حالات میں آپ کی مذہبی وفکری حمیت کا کیا تقاضا ہے، اسے آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔آپ حضرات کے بلند عزائم اور جہد وعمل کی بے پناہ قوت سے مجھے یہ توقع ہے کہ اس تقاضے کو بروئے کار لانے میں آپ کسی کوتاہی اور غفلت کے شکار نہیں ہوں گے۔

(۱) فتنۂ غیر مقلدیت کے اس موجودہ دور میں ضرورت ہے کہ ہمارا اختلاط اس فرقہ کے لوگوں سے کم سے کم ہو، تاکہ ہماری موجودہ نسل اباحیت پسندی کی راہ سے دور رہے اور اسلاف، اکابر کے مسلک وعقیدہ کے بارے میں کسی طرح کے تذبذب کا شکار نہ ہو۔

(۲) ضرورت اس کی بھی ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں اس فرقہ کے قائم کردہ مدارس واسکولوں میں داخل نہ ہوں، اس لئے کہ اس کا تجربہ ہے کہ ہمارے جو بچے اور بچیاں غیر مقلدین کے مدارس اور سکولوں میں داخل ہوتے ہیں ان کے اذہان وافکار پر غیر مقلدیت کی چھاپ پڑنی شروع ہوجاتی ہے اور ہمارے یہ بچے اپنے مسلک وعقیدہ اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۳) مدارس ومکاتب کے ذمہ داروں کو نصابِ تعلیم میں کچھ منتخب احادیث جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہو ضرور شامل کرنا چاہئے ان احادیث کو طلبہ زبانی یاد کریں اور ان کے ترجمہ ومعنی سے بھی واقف ہوں تاکہ ان کو شروع ہی سے یہ احساس ہو کہ جس مذہب کی وہ تقلید کرتے ہیں، اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔

اگر ان کا لحاظ کیا جائے تو اللہ کے کرم سے اُمید ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں غیر مقلدیت کے فتنہ کا شکار ہونے سے بڑی حد تک محفوظ رہیں گے۔

اس سمع خراشی کی معذرت کے ساتھ اپنی گزارشات کو اب ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عزائم میں، ارادوں میں پختگی، اعمال میں اخلاص پیدا فرمائے اور ہمیں اپنے دین، مذہب اور اکابر کی عزت وناموس کی حفاظت کے لئے قبول فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام
علٰی سید المرسلین و علٰی اٰلہ و اصحابہٖ اجمعین۔

۴۵ جناب علی حسن صاحب، بھاگوں والا بجنور
۴۶ جناب محمد جمیل صاحب خان پور گنگوہ
۴۷ ماسٹر انتظار احمد صاحب بھیڑہ ضلع سہارنپور
۴۸ حکیم محمد ذکی جوگی پور ضلع سہارنپور
۴۹ جناب زندہ حسن صاحب، چکوالی ضلع سہارنپور
۵۰ مولانا محمد عرفان صاحب کیرانہ مظفرنگر
۵۱ جناب محمد شاہد صاحب، رتو پورہ غازی آباد
۵۲ مولوی محمد عباس صاحب مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین بجرل باغپت
۵۳ مولانا عبدالحفیظ صاحب، مرحوم، بلند شہر
۵۴ حافظ محمد خورشید صاحب بلوا ضلع مظفرنگر
۵۵ مولانا عبدالحمید صاحب سریاواں بازار بستی
۵۶ مولوی صغیر احمد صاحب، تاج پورہ ضلع سہارنپور
۵۷ مولوی محمد داؤد صاحب، بڑھانہ مظفرنگر
۵۸ جناب محمد سلیم صاحب بھوجپور ضلع سہارنپور
۵۹ حافظ محمد فرقان صاحب، نگلہ راعی ضلع سہارنپور
۶۰ جناب اسرار رفیع صاحب، ڈھانسری ضلع مظفرنگر
۶۱ جناب مولانا اسعد صاحب دیوریاوی مدرسہ شاہی مرادآباد
۶۲ جناب مفتی محمد سلمان صاحب، منصور پوری مدرسہ شاہی مرادآباد
۶۳ جناب سید لائق علی صاحب مرحوم ضلع میرٹھ

صوبہ دلی

۶۴ جناب حاجی محمد یونس صاحب دیوبندی، نظام الدین دہلی
۶۵ حافظ محمد عرفان صاحب، کوچہ رحمان، دہلی

صوبہ ہریانہ وراجستھان

۶۶ میاں جی محمد فاروق صاحب، دھانہ ضلع نوح دمیوات
۶۷ میاں جی مہتاب صاحب، نگینہ ضلع گڑگاؤں میوات
۶۸ ماسٹر محمد یونس میواتی گڑگاؤں
۶۹ مولانا عبدالرحیم صاحب، بڈیڈوی میوات ہریانہ
۷۰ میاں جی دانی صاحب، موضع روپڑہ کا ضلع گڑگاؤں ہریانہ

صوبہ بہار

۷۱ مولانا عبدالرحمٰن صاحب، کرن پور بھاگلپور
۷۲ حافظ محمد صالح صاحب اعزازی موضع کروڈیہہ بھاگلپور
۷۳ جناب مفتی محمد جاوید صاحب، کشن گنج
۷۴ جناب محمد غلام مصطفیٰ صاحب مونگیر
۷۵ منشی محمد زکریا صاحب، مدرسہ دارالعلوم ڈوریا ضلع پورنیہ
۷۶ مولانا ابوخطیب محمد صالح صاحب مرحوم بانڈر ضلع مونگیر
۷۷ ماسٹر محمد شفیع الہدیٰ صاحب، جل کوڑا ضلع مونگیر
۷۸ حافظ محمد شعیب صاحب اڈسار ضلع مونگیر
۷۹ حافظ محمد جمال الدین صاحب، بدلو چک بھاگلپور
۸۰ جناب حسیب الرحمٰن صاحب، چھوٹی اڈسار ضلع مونگیر
۸۱ مولانا عبدالحکیم صاحب، موضع کروڈیہہ بھاگلپور
۸۲ مولوی محمد ایوب صاحب بلاس پور میاگھاٹ دربھنگہ
۸۳ مولوی تجمل حسین صاحب ارشاد منزل کچہری روڈ گیا
۸۴ ماسٹر محمد ہاشم صاحب، موضع اڈسار ضلع مونگیر
۸۵ ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب چندن پارہ ضلع چمپارن
۸۶ مولانا جعفر حسین صاحب مرحوم، مقام کوئے ماری ضلع پورنیہ
۸۷ حافظ سعید احمد صاحب، چمپانگر بھاگلپور
۸۸ مولوی عبدالحمید صاحب، کروڈیہہ بھاگلپور
۸۹ جناب محمد ولی الدین صاحب، ستھنہ ضلع بھاگلپور
۹۰ جناب توحید علی صاحب، دوگاچھی ضلع بھاگلپور
۹۱ مولانا محمد اشفاق صاحب مرحوم سریا ضلع بھاگلپور
۹۲ جناب عبدالصمد صاحب، بنائے ارون ضلع گیا
۹۳ جناب غلام غوث الاعظم صاحب، صاحب گنج ضلع دمکا
۹۴ جناب مولوی صلاح الدین صاحب سریا بھاگلپور
۹۵ جناب خواجہ شہاب الدین صاحب پٹنہ سٹی
۹۶ مولوی بشیر احمد صاحب ضلع پورنیہ
۹۷ مولوی عبدالقیوم صاحب پراتیں ضلع بھاگلپور
۹۸ جناب شمعون صاحب چندن پارہ ضلع مظفرپور
۹۹ جناب ظہور عالم صاحب سیتامڑھی
۱۰۰ حاجی محمد طیب صاحب چلمل ضلع بھاگلپور
۱۰۱ حاجی جان علی صاحب برلو، ضلع ہزاری باغ
۱۰۲ جناب احمد حسین صاحب گھڑی ساز توپ خانہ بازار ضلع مونگیر
۱۰۳ جناب حافظ منیر الدین صاحب کٹھنی
۱۰۴ جناب محمد منصور صاحب چمپانگر

۱۰۵ جناب عالم گیر صاحب، ڈھمرا بھاگلپور
۱۰۶ جناب نعیم الدین صاحب بالو باری پورنیہ
۱۰۷ جناب ڈاکٹر مقبول عالم آرہ
۱۰۸ ماسٹر عبدالرشید صاحب سین پور دمکا
۱۰۹ جناب محمد شفیق العارفین صاحب دمکا
۱۱۰ جناب مولوی عبدالوحید صاحب کاکوڈیا ضلع بیر بھوم
۱۱۱ مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپور
۱۱۲ جناب عین الحق صاحب مظفر نگر
۱۱۳ جناب مولانا غیاث الدین صاحب مقیم جامعہ حسینیہ راندیر گجرات
۱۱۴ جناب ماسٹر جمال احمد خانصاحب کمن پور پٹنہ
۱۱۵ جناب مولانا قاری امتیاز احمد صاحب مدھوبنی سابق استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد
۱۱۶ جناب محمد سعید صاحب بھاگلپور
۱۱۷ جناب قاری نجیب الرحمٰن صاحب بھاگلپوری استاذ مدرسہ تعلیم القرآن مرادآباد
۱۱۸ جناب روح الامین صاحب گدھوارہ بیگوسرائے
۱۱۹ مولوی قمر الدین صاحب ڈھاکہ چمپارن
۱۲۰ جناب ـیاد احمد صاحب گیہواں ضلع پورنیہ
۱۲۱ ماسٹر عبدالسلام بیر نگر پورنیہ
۱۲۲ مولوی رفیع اللہ صاحب کرن پور بھاگلپور
۱۲۳ جناب محمد ذکیر الدین صاحب بیر نگر پورنیہ
۱۲۴ جناب مفتی دبیر حسن صاحب بیر بھوم
۱۲۵ حاجی محمد الیاس اکراہا پورنیہ
۱۲۶ مولانا جنید صاحب پوا کھالی ضلع کشن گنج
۱۲۷ منشی کبیر الدین صاحب بارسوتی کٹھیار
۱۲۸ ماسٹر منصور علی صاحب سلطان گنج بھاگلپور
۱۲۹ جناب محمد شفیع صاحب سدھولی دربھنگہ
۱۳۰ جناب محمد شفیق صاحب جلال گڑھ پورنیہ
۱۳۱ جناب قاری محی الدین صاحب قاضی محلہ شیر گھاٹی گیا
۱۳۲ جناب حاجی محمد الیاس صاحب اکراہا پورنیہ
۱۳۳ مولوی عبدالرشید صاحب پورنیہ
۱۳۴ حکیم عبدالجبار صاحب بیر نگر سہریا پورنیہ
۱۳۵ حاجی ظہور الحق صاحب ٹھنی بہار
۱۳۶ جناب محمد حشمت علی صاحب بھاگلپور
۱۳۷ جناب عبدالماجد صاحب پورنیہ بہار
۱۳۸ جناب عبدالرزاق صاحب بارسوئی داس گرام کٹیہار
۱۳۹ جناب مولانا فیض الدین قاسمی صاحب مہیشن پور کٹیہار
۱۴۰ جناب سراج الدین صاحب سیوان بہار
۱۴۱ جناب عبدالصمد صاحب شکار پور ضلع کٹیہار
۱۴۲ جناب محمد یسین صاحب سوتی کماتی ضلع کشن گنج
۱۴۳ جناب مولانا عماد الدین رانچوی، سیرانگو ضلع رانچی
۱۴۴ جناب قاری محمد سلیمان نعمانی، انجمن اسلامیہ خزانچی ہاٹ پورنیہ

صوبہ آسام

۱۴۵ جناب محمد عبداللطیف صاحب سلچر
۱۴۶ جناب مولانا عباس علی صاحب پرتاپ گڑھی تانی باڑی ضلع کچھاڑ
۱۴۷ جناب مولانا عبدالقاہر صاحب بھوپانی پور ضلع کچھاڑ
۱۴۸ جناب مولانا مزمل علی صاحب پھول باڑی ضلع کچھاڑ
۱۴۹ جناب مولانا محمد ایوب علی صاحب دھولائی ضلع کچھاڑ
۱۵۰ جناب مولانا محمد یوسف صاحب مدرسہ مرکز العلوم بھنگہ ضلع کچھاڑ
۱۵۱ جناب ماسٹر عبدالسبحان صاحب دھوبڑی
۱۵۲ جناب ریف الدین صاحب دھوبڑی
۱۵۳ جناب عبدالحی صاحب گوریپور گوالپاڑہ
۱۵۴ جناب قاری مفیض الدین صاحب امام جامع مسجد دھوبڑی
۱۵۵ جناب مولوی احمد حسین صاحب سنگاریا ضلع کچھاڑ
۱۵۶ جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب بدرپوری نگھر نینک جوریات کچھاڑ
۱۵۷ جناب مولوی فیض احمد صاحب مدرسہ عالیہ بوزی بائل ضلع کچھاڑ
۱۵۸ جناب مولوی عبدالخبیر صاحب کریم گنج
۱۵۹ جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ہیلاکندی
۱۶۰ جناب مولوی محب اللہ صاحب ہیلاکندی
۱۶۱ جناب مولوی محمد یاسین صاحب کاموری ڈھوبری
۱۶۲ جناب عبدالعزیز صاحب ڈھوبری
۱۶۳ جناب عبدالرحمٰن صاحب پردھانی
۱۶۴ جناب عزت اللہ صاحب پردھانی ڈھوبری

حکومت کے خاتمے کے لئے طالبان پر ظلم وتشدد اور بربریت وجارحیت کے پہاڑ توڑ ڈالے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج پھر بدامنی کا دور دورہ ہے، ان پر اور ہر جگہ بے قصور مسلمانوں پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات عائد کیے جارہے ہیں، ان کو دقیانوس، بنیاد پرست، غیر مہذب سب کچھ کہا، ان کے لئے دہشت گردی کی اصطلاح ایجاد کی گئی، اس طرح کے الزامات کی تردید اُمت کی ذمہ داری ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے فرمایا کہ اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم دہشت گردی کو کسی طرح کا تعاون دینے کو تیار نہیں۔ آج ساری دنیا جانتی ہے کہ ہمارے ملک میں لاکھوں لوگ ہیں، جو دہشت گرد تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں۔ کروڑوں لوگ ناجائز ہتھار رکھے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے جرائم کے مرتکب ہیں اور اسی کی انہیں ٹریننگ دی جاتی ہے، لیکن انہیں دہشت گرد کہنے واال کوئی نہیں ہے۔ وہ آج بھی حکومت سے غداری کررہے ہیں۔ مدارس کو بدنام کرنے کی مسلسل کوششیں کی جارہی ہیں، آج امریکہ، اسرائیل، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک اسلام کے خلاف مسلسل غلط پروپیگنڈے کررہے ہیں، دینی مدارس اور مسلمانوں کے اداروں کی تحقیقات ہورہی ہیں، سروے کیا جارہا ہے، ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور ان کو ختم کرنے کے لئے کروڑوں ڈالرخرچ کیے جارہے ہیں۔

ان حالات میں ہم مدارس والوں کے بھی کچھ فرائض ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا تعلق استوار اور مستحکم ہونا چاہئے۔ ہمارے اندر خشیت الٰہی، توکل اور استغناء ہونا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت عالمی پیمانہ پر ہمارے خلاف سازشیں ہورہی ہیں، ہمیں مطمئن ہوکر نہیں بیٹھنا ہے، ہم کو بڑے احتیاط اور حزم وتدبر سے کام لینا چاہئے۔ ملک میں بھائی چارے اور یک جہتی کو فروغ دینا چاہئے اور خانہ جنگی کی ہر کوشش کو ناکام بنادینا چاہئے لیکن اگر ان تمام چیزوں کے باوجود مسلمانوں کے خلاف خانہ جنگی چھیڑی جاتی ہے اور اس ملک میں امن وسکون سے جینا ان کے لئے مشکل کردیا جاتا ہے تو پھر ایسے حالات میں ضروری ہے کہ اپنے دفاع کے لئے تیار رہا جائے، اور ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے، مسلمانوں نے ہمیشہ قربانی دی ہے اور اپنی حفاظت ودفاع کے لئے آج بھی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے……

ع اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، فہم وفراست سے نوازے، بروقت صحیح فیصلے اور صحیح عمل کی توفیق بخشے، تمام تر خطرات سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جولائی ۲۰۰۲ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست خلفاء ومجازین حضرت امیر الہندؒ

حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر جن خوش نصیب حضرات نے بیعت کر کے راہ سلوک مکمل کی ان کے اسماء ذیل میں درج کئے جارہے ہیں یہ فہرست حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض خاص سے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا سید محمود مدنی زید مجدہ کے توسط سے حاصل ہوئی ہے ممکن ہے کہ اس میں بعض حضرات کے نام رہ گئے ہوں ان کے اسماء تحقیق کے بعد اس میں شامل کردیئے جائیں گے، ہم نے اس فہرست کو علاقہ وار مرتب کردیا ہے جس سے حضرت کے روحانی فیوض کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے (مرتب)

صوبہ اتر پردیش

۱ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، دار العلوم دیوبند
۲ حضرت مولانا سید محمود مدنی، مدنی منزل دیوبند
۳ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب، منصور پوری دار العلوم دیوبند
۴ جناب عبد العزیز صاحب، بجنور
۵ مولوی محمد عثمان صاحب، ہزاروی مرحوم، دیوبند
۶ جناب صوفی عبد الرزاق صاحب، محلہ خیرات علی متصل امام باڑہ ضلع میرٹھ
۷ مولوی محمد شبلی صاحب، محلہ چندپور کو پا گنج ضلع اعظم گڈھ
۸ حاجی محمد محسن صاحب، چھپائی والی گلی کرنیل گنج کانپور
۹ مولوی محمد انیس الحق صاحب، جامع مسجد دیوبند سہارنپور
۱۰ مولوی عبد الغفار صاحب، قصبہ لہساڑ ضلع سہارنپور
۱۱ مولوی حکیم وصی احمد صاحب، مرحوم، علی گڈھ دواخانہ گورکھپور
۱۲ مولوی ظفر الحسن صاحب، کان پور
۱۳ مولوی عادل محمد صاحب نگلہ ہرے رو ضلع میرٹھ
۱۴ ڈاکٹر محمد زاہد صاحب، امروہہ ضلع مرادآباد
۱۵ حافظ ابراہیم صاحب، گلاوٹھی بلند شہر
۱۶ صوفی ابو الحسن صاحب، مرحوم، دودھ گڈھ ضلع سہارنپور
۱۷ جناب فیاض خاں سٹھلہ میرٹھ
۱۸ جناب حکیم ضیاء الدین کرہی ضلع لکھنؤ
۱۹ صوفی محمد لیاقت صاحب تجبل ہیڑا ضلع مظفر نگر
۲۰ مولانا محمد کامل گڈھی دولت ضلع مظفر نگر
۲۱ صوفی محمد الیاس شجوڑ ضلع سہارنپور
۲۲ حاجی محمد قاسم سونچڑا ضلع سہارنپور
۲۳ مولانا محمد اشرف صاحب، دیوبند ضلع سہارنپور
۲۴ مولانا ابو الحسن حیدری صاحب الہ آباد
۲۵ مولانا حشمت علی صاحب مرحوم سونچڑا سہارنپور
۲۶ حافظ ولی محمد صاحب بڑہی مزرعہ سہارنپور
۲۷ جناب محمد حسن صاحب ماجری ضلع سہارنپور
۲۸ جناب محمد سلیم صاحب، شجوڑ ضلع سہارنپور
۲۹ جناب ملا علی حسن صاحب، تیوڑہ ضلع مظفر نگر
۳۰ جناب مولوی خورشید احمد صاحب سرساوہ ضلع سہارنپور
۳۱ جناب شکیل احمد صاحب، دودھ گڈھ سہارنپور
۳۲ جناب نذیر احمد صاحب برلا ضلع مظفر نگر
۳۳ جناب حافظ ظہور احمد صاحب خان پور
۳۴ جناب مولانا محمد نبیہ صاحب، جلال پور فیض آباد
۳۵ صوفی محمد انوار صاحب منصور پور مظفر نگر
۳۶ جناب سید بشارت علی صاحب اکبر پور بیر بل کان پور
۳۷ مولانا عبد اللطیف صاحب، بھینسا ریڑھی ضلع مظفر نگر
۳۸ جناب محمد یاسین صاحب شجوڑ ضلع سہارنپور
۳۹ جناب محمد اسلام صاحب، کیرانہ ضلع مظفر نگر
۴۰ جناب محفوظ صاحب درگوزی
۴۱ جناب محمد عامل موہن پورہ گنگوہ
۴۲ جناب وکیل احمد صاحب، درگوزی
۴۳ ملا فخر الدین صاحب، چکرالی ضلع سہارنپور
۴۴ مولوی جمیل احمد صاحب، دودھ گڈھ ضلع سہارنپور

انتخاب ! حافظ محمد طیب

دینی مدارس کی بقاء اور ہماری ذمہ داریاں

کل ہند اجلاس مجلس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند (منعقدہ ۳۰؍اپریل ۲۰۰۲ء) سے مولانا سید اسعد مدنیؒ کا خطاب

صدرِ محترم، بزرگو اور بھائیو ! ہم لوگ اس وقت اس ملک میں مدارس کے لحاظ سے، اسلام کے نظریات اور مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو کے اعتبار سے سخت امتحان کے دور سے گزر رہے ہیں، ہمیں ایسے حالات میں اسلام کا مطالعہ کرنا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام کے ماننے والوں نے اس طرح کے حالات کا کس طرح سے مقابلہ کیا۔ ضرورت یہ ہے ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے لئے کیا ضروری ہے، ہمارے اندر کیا کمی آ گئی ہے اور ہم کس طرح اپنے اندر سدھار پیدا کر سکتے ہیں، ہم کس طرح ان بدلے ہوئے حالات میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ مدارس کے حوالے سے ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کی تاریخ کیا ہے؟ نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں مکی اور مدنی زندگی کا مطالعہ ضروری ہے۔ مکی زندگی میں اسلام کو کتنی مشکلات اور امتحانات سے گذرنا پڑا تھا۔ اذان دے کر ایک ساتھ نماز پڑھنا بھی مشکل تھا، جان و مال کی بربادی عام ہوگئی تھی، ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے کون سا راستہ اور کون سی حکمت عملی اختیار کی تھی؟ آپ اور صحابہ کرامؓ نے انفرادی اصلاح کا اہتمام کیا اور صبر وضبط سے کام لیا۔ مکہ والوں نے جب سب ہی مظالم آپ اور آپ کے اصحاب پر توڑ ڈالے اور دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کی اسکیم تیار کی گئی تو آپ حکم خداوندی کے پیش نظر مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے، لہٰذا سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت وضرورت دین کی بقاء کے لئے جزوِ اعظم ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت کی بقاء اور علوم اسلامیہ کی اشاعت میں مدارسِ دینیہ کے کردار کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ: سویت یونین میں کسی شخص کو مذہبی تعلیم دینا حرام تھا اور اس کی سزا قتل تھی، چنانچہ ایک روسی مسلمان نے یہ اعتراف کیا کہ نہ ہم نے اسلام کو سیکھا اور نہ کبھی نماز پڑھی، چنانچہ ایک روسی مسلمان تاجر نے دہلی میں مدرسہ دیکھنے اور نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی اور پہلی بار نماز ادا کی۔

حضرات علمائے کرام کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ یہ صرف ہندوستان کی بات نہیں ہے بلکہ ان بزرگوں اور علمائے کرام نے دیگر ممالک کی آزادی اور ان میں اسلامی ثقافت کی بحالی میں بھی نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس حوالے سے الجزائر کی جہادِ آزادی کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے مدینہ منورہ میں اپنے ایک شاگرد بشیر ابرہیمی سے فرمایا جو الجزائر کے تھے اور وہاں فرانس کے سامراجی مظالم سے تنگ آکر ہجرت کی غرض سے مدینہ منوہ آگئے تھے۔ ان سے فرمایا کہ ہجرت کا ارادہ ترک کرو اور الجزائر واپس جاؤ اور وہاں علماء کی ایک تنظیم قائم کرکے فرانسیسی استعمار کے خلاف منظم جدوجہد کرو۔ چنانچہ شیخ بشیر ابراہیمی نے حضرت کی نصیحت اور ہدایت کے مطابق الجزائر واپس جاکر جمعیۃ علماء الجزائر قائم کی اور منظم جدوجہد کا آغاز کیا، جس کے نتیجہ میں الجزائر کو آزادی ملی۔

آپ نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا کہ سراج الدولہؒ نے بنگال، ٹیپو سلطان شہیدؒ نے جنوبی ہندوستان اور شاہ عبد العزیزؒ نے متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے جہاد کا بگل بجایا۔ جہاد کے ذریعہ ملک کو آزاد کرایا۔ ملک بھر میں ہتھیار اور رضا کار جمع کیے اور جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کیا۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے اندر دوسرے جہاد کا آغاز ہوا جس میں لاکھوں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مولوی کی پہچان یہ بتلائی کہ جس کی داڑھی لمبی ہو اور وہ لمبا کرتا پہنتا ہو وہ مولوی ہے۔ چنانچہ گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ مولویوں کو تلاش کیا گیا۔ جہاد آزادی میں حضرات اکابر علمائے دیوبند کے کارناموں کا آپ نے ذکر کیا اور عیسائی مشنری کے خلاف علماء کی جدوجہد کا ذکر کیا اور فرمایا کہ علمائے دین نے پادریوں کے ساتھ مناظرہ کیا اور مسلمانوں کو عیسائی بننے سے بچایا۔ اس سلسلے میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے عیسائیت کے خلاف زبردست کارنامہ انجام دیا۔ اس طرح اکابر علمائے کرام نے عیسائیوں کا مقابلہ کیا، اسلام کا زندہ رہنا عیسائیوں کو پسند نہ آیا۔

دارالعلوم کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے بے حد مقبولیت عطا فرمائی اور دور دراز علاقوں اور دیگر ممالک سے بھی تشنگانِ علم کھنچ کھنچ کر دارالعلوم آنے لگے۔ چنانچہ افغانستان سے بھی بڑی تعداد میں طلبہ آتے رہے اور یہ سلسلہ ملک کی تقسیم تک جاری رہا۔ یہاں سے فارغ ہوکر جانے والے فضلاء نے دارالعلوم کے نصاب ونظام کے مطابق اپنے یہاں ادارے اور مدارس قائم کیے۔ افغانستان میں چند نوجوانوں نے مظالم کے خلاف آواز اُٹھائی، امن قائم کیا اور ملک کو مختلف حصوں میں بٹنے سے بچایا۔ ہر طرف امن وسکون عام ہوا، عوام نے ان کی ان کوششوں کو پسند کیا، ان کی حمایت کی یہ چیز دشمنانِ اسلام کو پسند نہ آئی اور دنیا کے ظالموں و دہشت گردوں نے امن قائم کرنے اور دہشت گردی ختم کرنے کے بہانے، اسلام اور اسلامی

بنگال میں ایک شخص جاتا تھا اور چرچ میں جو وہ کہلوانا چاہتے تھے کہہ دیا کرتا تھا اور پیسے کچھ لے آیا کرتا تھا، پھر گاؤں میں آکر اللہ کے آگے روتا پیٹتا تھا، استغفار توبہ کرتا تھا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں تو سچا ایماندار ہوں، پیسے کی مجبوری ہے، غربت ہے کیا کروں کلمہ کفر کہنا پڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اس کی کسی نے اطلاع مشنری والوں کو دیدی کہ جب یہ گاؤں جاتا ہے تو استغفار توبہ رونا پیٹنا کرتا ہے تو اس کے بعد جب یہ گیا تو اس کو پادری نے کہا تم سچے عیسائی نہیں ہو اور تم جھوٹ بولتے ہو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے، چلے جاؤ۔ اب یہ گھر والوں کو مصیبت میں چھوڑ کر آیا تھا کہ پیسے لاؤں گا تو کھانا ہوگا، یہ ہوگا وہ ہوگا، اب کہاں جائے پریشان ہوا، تو اس نے خوشامد درآمد کی اور یہ کہا کہ بھئی جو کہو میں کہہ دونگا، کہا کہ نہیں نہیں تم ایسے نہیں ہو جب زیادہ کہا تو کہنے لگے کہ جو ہم کہیں وہ کرنا پڑے گا۔ قرآن زمین پر رکھا اور اس شخص کو قرآن پر کھڑا کیا اور یہ کہا کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ قرآن جھوٹا اور بائبل سچا ہے۔ یہ جو آج میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، کرسچین لوگ' یہ ہے ان کی حقیقت، آج تم ان کے ساتھ منافقت برتو اور ان کے ساتھ (خلاف) صحیح معاملہ نہ کرو اور اسلام کو غارت کرو اور تو بوسنیا بنے گا بوسنیا کو سو بنے گا، کوسوو تمہارا پاکستان انڈونیشیا بنے گا اور تم چین سے نہیں رہو گے اور تمہارے ہی میں سے تیار کئے ہوئے لوگ تمہارے پیٹ میں چھرا ماریں گے، انڈونیشیا کے مسلمانوں کا گوشت کباب بنا بنا کر پکایا ہے۔

دنیا میں دیکھو تو ہو کیا رہا ہے، اسلام کی فکر نہیں اور نسلوں کی نسلیں مرتد ہو رہی ہیں، عیسائی ہو رہے ہیں، یہودی ہو رہے ہیں، قادیانی ہو رہے ہیں اور کوئی توجہ نہیں، میں نہیں کہتا کہ جھگڑا کرو لیکن کم سے کم ان کو دین کی تعلیم تو دو، سمجھاؤ تو سہی نماز باجماعت کا پابند تو کرو، حرام حلال کا تو پتہ ہو کوئی نظام بناؤ کوئی تنظیم بناؤ اور زکوٰۃ، صدقات خیرات دنیا بھر کے مصرف میں خرچ کرتے ہو، اسلام کے لئے بھی خرچ کرو، ان غریبوں کو تم زکوٰۃ نہیں دو گے تو پھر یہ کرسچنوں کے پاس ہی جائیں گے اور اگر ان کی صدقات خیرات سے مدد کرو گے بیواؤں کا یتیموں کا غریبوں کا ہاتھ بٹاؤ گے تو پھر یہ تمہاری بات سنیں گے۔ تمہاری بات میں اثر ہوگا۔ بنگلہ دیش میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیکھ کر آئے ہیں، کچھ کام ہو رہا ہے تو تقریباً چالیس پچاس لاکھ روپے کا سالانہ جو کام شروع ہوا ہے، پچاس دنوں میں نظام قائم ہوا ہے اور دنیا بھر سے زکوٰۃ صدقات جمع کر کے ان غریبوں کو دے رہے ہیں اور ان کو اسلام پر پختہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ خود معمولی مدد کرنے پر کہتے ہیں کہ مسلمان اگر ہمیں دیکھیں، ہماری کچھ خبر لیں تو ہم کافروں کے پاس کیوں جائیں، تو اس لئے بھائیو سوچو واقعات تو بہت ہیں میں تفصیل میں نہیں جاتا لیکن آج دنیا سے اسلام کو مٹانے کے لئے اسرائیل اور تمام عیسائی ممالک کروڑوں ڈالر خرچ کر کے لگے ہوئے ہیں۔

تو اللہ کے بندو! دیندار علماء ہفتہ میں ایک دن صرف نکال لو اور کسی ایک گاؤں میں دو چار اس میں ہر ضلع کے اور مدرسے کے لوگ جائیں اور جا کر پہلی بات یہ کہ نماز اور جماعت اور ہر گاؤں میں یہ کام ہوتا کہ نماز اور

جماعت ہو، پانچوں وقت اور بچوں کو دین کی تعلیم ہو سکے اور یہ نگرانی ہو کہ کوئی اسلام دشمن عورت یا مرد اس گاؤں میں نہ آنے پائے، اس کی فکر کرنی چاہئے، کم از کم اتنا تو کرنا چاہئے لیکن وہ مدرسے والے بدقسمتی سے اے سی کولر اور جناب کیا کہوں؟ کیسے ان کو مصیبت اُٹھانے کی قربانی کی توفیق ہو، وہ عیش وآرام میں زندگی گزار رہے ہیں اور اسلام کا بستر بوریا بندھ رہا ہے، آپ کو یہ تکبر ہے کہ ہمارا ملک پاکستان ہے، حالانکہ اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے۔ ضلعوں کے ضلع ارتداد کے شکار ہیں اور قسم قسم کی تحریکات چل رہی ہیں، کوئی گمراہی ایسی نہیں جو آپ کے ملک میں برآمد نہ ہوتی ہو، آپ کچھ توجہ کیجئے، مسلمانوں کو سیدھے راستے پر لائیے، بچایئے، اللہ نے آپ کو کاریں بھی دی ہیں، پیسہ بھی دیا ہے، زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں، مدرسوں میں بھی خرچ کیجئے لیکن غریبوں کی طرف بھی توجہ کیجئے۔

تو بھائیو ! اس طرف توجہ کرو اور اللہ کے راستے پر چلو۔ ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے ملک میں شہروں میں فتنہ ہے، اہلِ قرآن کا، یہودیوں اور شیعوں کی جھوٹی کتابیں لکھی اور پڑھی جارہی ہیں، قرآن کے مقابلے میں۔ قرآن نے اس کو حرام کیا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کو حرام کیا ہے، اس کے باوجود اس کو دلیل بنایا جاتا ہے، جھوٹی کہانیوں کو، اسرائیلیات کو اور صحابہ کرامؓ کو متہم کیا جاتا اور ایمان خراب کیا جاتا ہے، وہ جو لوگ اہل قرآن ہیں حقیقت میں وہ جھوٹے ہیں، قرآن کو نہیں مانتے، قرآن میں اللہ نے اللہ کی اطاعت اور حضور ﷺ کی اطاعت دونوں کا حکم دے کر دونوں کو فرض کیا ہے، جب حضور ﷺ کی سنتوں کا انکار، حدیثوں کا انکار کرتے ہیں تو قرآن کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ اہل قرآن نہیں ہیں، وہ جھوٹے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، اپنے آپ کو بھی اور آپ کو بھی جہنم میں لے جانے کی تیاری کررہے ہیں اور یہودیوں کی اور شیعوں کی کتابیں پڑھتے ہیں، ان کو اللہ نے صحابہ کرامؓ کی مخالفت کی لعنت میں گرفتار کرلیا ہے تو بہرحال ان کے ایمان کی فکر کرو اور گمراہیوں سے بچاؤ۔

ہمارے ہندوستان میں کچھ نوجوان اسی طرح کے بکے ہوئے، ایک نوجوان باہر سے آرہا تھا، گورنمنٹ نے اسے پکڑ لیا، پکڑا شبہ ہوا ہوگا، کوئی اطلاع ہوئی ہوگی، پانچ کروڑ روپیہ پکڑا گیا لے کر آرہا تھا، پانچ کروڑ روپیہ اسی تحریک کے لئے تو مسلمان کا ایمان کوئی چیز نہیں، جب چاہو خریدلو، قادیانی بنالو، جب چاہو خریدلو عیسائی بنالو، جب چاہو خریدلو اہل قرآن بنالو، تمام گمراہیاں مسلمان قبول کرنے کو تیار ہے۔

بدقسمتی سے ایسا ہو گیا، ایمان سے بیر ہے اور پیسہ خدا بن گیا۔ ان چیزوں سے بچنا چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہئے اور گمراہی اور جہنم سے پناہ مانگنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور شرور وفتن سے بچائے اور صحیح راستے پر چلائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۶۵ جناب محمد اسحٰق خان صاحب ڈھوبری
۱۶۶ جناب محمد شمشیر علی صاحب ڈھوبری
۱۶۷ جناب مولانا محمد ضمیر الدین صاحب نوڈانگا نوگاؤں
۱۶۸ جناب مولوی معین الدین صاحب کچھاڑ
۱۶۹ جناب سکندر علی صاحب گوری پور
۱۷۰ جناب ماسٹر منیر الدین صاحب لوہار کاٹا ضلع کامروپ
۱۷۱ جناب عبدالحلیم صاحب بہاری بالوچر ڈھوبری
۱۷۲ جناب مولوی ابوالکلام آزاد صاحب گنوری پور گوالپاڑہ
۱۷۳ جناب خلیل الرحمٰن صاحب گنوری پور گوالپاڑہ
۱۷۴ جناب مولوی شناور علی صاحب بھانگہ بازار ضلع کچھاڑ
۱۷۵ جناب قطب الدین احمد صاحب لوہار کاٹھا ضلع کامروپ
۱۷۶ جناب مولوی محمد ایوب صاحب کھدرہ کندی ضلع کچھاڑ
۱۷۷ جناب مولوی عبدالرقیب صاحب کھدرہ کندی ضلع کچھاڑ
۱۷۸ جناب مولانا یٰسین صاحب عاصم گنجی کھدرہ کندی ضلع کچھاڑ
۱۷۹ جناب محمد عبدالمصور صاحب لالہ بازار ضلع کچھاڑ
۱۸۰ جناب مولوی شعیب الرحمٰن صاحب مالوا کچھاڑ
۱۸۱ جناب محمد مقدس علی صاحب ہولا شنکھر رانا بازی کچھاڑ
۱۸۲ جناب مولانا مطیع الرحمٰن صاحب کباڑی بند پتھار کندی
۱۸۳ جناب مولانا عبدالمصور صاحب کھدری کندی کچھاڑ
۱۸۴ جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب بانسکنڈی کچھاڑ
۱۸۵ جناب حاجی شمس الدین خان صاحب کنکش پور کچھاڑ
۱۸۶ جناب محمد بلال علی صاحب برہٹہ بارپیٹا
۱۸۷ جناب مولانا تاج الدین صاحب ہیلا کندی
۱۸۸ جناب مولوی فراز الدین صاحب ہیلا کندی
۱۸۹ جناب مولوی ابوالقاسم صاحب لکھیم پور آسام
۱۹۰ جناب مولانا بدرالدین اجمل صاحب ہوجائی آسام
۱۹۱ جناب مولانا کمال الدین صاحب ہیلا کندی
۱۹۲ جناب مولانا عبدالمجید صاحب گوہاٹی آسام

صوبہ مغربی بنگال

۱۹۳ جناب حکیم محمد محسن صاحب جھنگری آسنسول ضلع بردوان
۱۹۴ جناب ماسٹر محمد رضا انصاری صاحب سوپور کوپسری سندر چک بردوان
۱۹۵ جناب مولانا محمد یونس صاحب براگوپال ضلع باوڑا
۱۹۶ جناب مولانا ضمیر الدین آروی صاحب آسنسول
۱۹۷ جناب محمد مصطفیٰ صاحب اکھڑا آسنسول
۱۹۸ جناب مولانا محمد شفیع صاحب ندیادی
۱۹۹ جناب مولوی انیس الرحمٰن صاحب بیربھوم
۲۰۰ جناب مولوی حمید اللہ صاحب بران پور
۲۰۱ جناب عارف الدین صاحب مغربی دیناج پور
۲۰۲ جناب محی الدین صاحب ڈرائیور سیتارامپور بردوان
۲۰۳ جناب مولوی عبدالمجید صاحب مرشد آبادی بردوان
۲۰۴ جناب مولانا ارشد علی صاحب ندیا مغربی بنگال
۲۰۵ جناب مولوی امداد الاسلام صاحب جے نگر ۲۴ پرگنہ
۲۰۶ جناب آفتاب الدین صاحب موناپور مغربی بنگال

صوبہ منی پور

۲۰۷ جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب پائیری پوک منی پور
۲۰۸ جناب مولوی امجد علی صاحب پائیری پوک ٹولی بل منی پور

صوبہ گجرات

۲۰۹ جناب مولانا رشید احمد صاحب بزرگ سملک، ڈابھیل

صوبہ اڑیسہ

۲۱۰ جناب مولانا عبدالصمد صاحب راؤڑ کیلا
۲۱۱ جناب مولوی نور اللہ صاحب جدد پور
۲۱۲ جناب شیخ تقی الدین صاحب بری جاج پور
۲۱۳ جناب مولانا محمد صابر صاحب منجھا پور ضلع کٹک
۲۱۴ جناب عبدالرشید صاحب راوڑ کیلا

راجستھان

۲۱۵ جناب علی محمد صاحب چتراودہ جھالاواڑ
۲۱۶ جناب مولوی محمد صاحب باڑھمیر
۲۱۷ جناب سید عبدالحی صاحب کرولی

صوبہ تمل ناڈو

۲۱۸ جناب مولانا مزمل حسین صاحب سیلم مدراس

۲۱۹ جناب لیاقت علی صاحب

مہاراشٹر

۲۲۰ جناب سلیم اللہ صدیقی صاحب بمبئی

آندھرا پردیش

۲۲۱ جناب مولانا عزیز الدین صاحب نلگنڈہ

متفرق مقامات

۲۲۲ جناب مولوی رکن الدین صاحب بھودا

۲۲۳ جناب حاجی حبیب احمد صاحب گھاٹم پور

۲۲۴ جناب مولوی بہاؤالدین خانپوری

بنگلہ دیش

۲۲۵ جناب مولوی عبدالصمد صاحب مدرسہ معین الاسلام چٹگام

۲۲۶ جناب مولانا فیض الباری صاحب محدث کنائی گھاٹ ضلع سلہٹ

۲۲۷ جناب مولانا عزیز الحق صاحب سندیپ سنتوش پور، چانگام

۲۲۸ جناب مولانا عبدالشکور صاحب سلہٹ چانگام

۲۲۹ جناب مولانا علیم الدین صاحب دارالعلوم کنائی گھاٹ سلہٹ

۲۳۰ جناب مولانا رشید احمد صاحب سلہٹ

۲۳۱ جناب مولانا امداداللہ صاحب سلہٹ

۲۳۲ جناب مولانا عبدالباری صاحب نواکھالی

۲۳۳ جناب مولانا ارجمند قاسم صاحب سلہٹ

۲۳۴ جناب عبدالمتین صاحب ڈھاکہ

۲۳۵ جناب مولوی حسین احمد صاحب لاف ناؤٹ سلہٹ

۲۳۶ جناب مولانا فریدالدین مسعود صاحب ڈھاکہ

۲۳۷ جناب مولوی نثار احمد صاحب بارہ کوٹ سلہٹ

۲۳۸ جناب مولوی عتیق الرحمٰن صاحب قاضی بازار سلہٹ

۲۳۹ جناب مولوی محسن احمد صاحب چوکی دیکھی سلہٹ

۲۴۰ جناب مولوی عبداللہ صاحب برہمن باڑیہ

۲۴۱ جناب مولانا عمران مظہری صاحب جامعہ حسینیہ عرض آباد ڈھاکہ

۲۴۲ جناب مولانا احسن حبیب صاحب ڈھاکہ

۲۴۳ جناب مولوی عبدالخالق صاحب سلہٹ

۲۴۴ جناب مولوی احمد اللہ صاحب برہمن باڑیہ

۲۴۵ جناب محمد عاشق الرحمٰن صاحب جمی گنج

۲۴۶ جناب مولانا روح الدین صاحب مدینۃ العلوم فریڈ پاک سلہٹ

۲۴۷ جناب مولانا عبدالسلام صاحب تانیر گل سنام گنج

۲۴۸ جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب ناز پور پیروز پور اسال

۲۴۹ جناب مولانا نور محمد صاحب غفار گاؤں میمن سنگھ

برما

۲۵۰ جناب مولانا عبدالرحمٰن قاسمی مدرسہ رحمانیہ پڑنااُں کامے رنگون

ایران

۲۵۱ جناب مولانا تاج محمد صاحب دارالعلوم عزیزیہ سرباز بلوچستان (ایران)

انگلینڈ

۲۵۲ جناب مولانا محمد حسن بوڑھانوی انگلینڈ

۲۵۳ جناب مولانا محمد طریق اللہ صاحب لندن

۲۵۴ جناب محمد معاذ صاحب کڈرمنسٹر انگلینڈ

۲۵۵ جناب مولوی شہزاد خاں برمنگھم انگلینڈ

جنوبی افریقہ

۲۵۶ جناب مولانا محمد ایوب کامجوی صاحب پیلسبرگ ساؤتھ افریقہ

۲۵۷ جناب شیخ احمد مسلم مرحوم جان اشس بائی دے، ساؤتھ افریقہ

۲۵۸ جناب حاجی ابراہیم موسیٰ پانڈور پیلسبرگ ساؤتھ افریقہ

۲۵۹ جناب ڈاکٹر محمد ہدات صاحب ساؤتھ افریقہ

۲۶۰ جناب حاجی یعقوب اسمٰعیل پانڈور ساؤتھ افریقہ

۲۶۱ جناب حاجی محمد محسن پانڈور ساؤتھ افریقہ

پاکستان

۲۶۲ جناب مولانا ایوب جان صاحب مرحوم پشاور صوبہ سرحد

۲۶۳ جناب مولانا سید محمد مظہر اسعدی صاحب بہاول پور

۲۶۴ جناب ڈاکٹر شاہد اشرف صاحب لاہور

○○

مزید فہرست مجازین حضرت فدائے ملتؒ

گذشتہ شمارہ میں حضرت فدائے ملتؒ کے خلفاء ومجازین کی نامکمل فہرست شائع ہوئی تھی اس کے بعد درج ذیل حضرات کے بارے میں خلافت کی تصدیق موصول ہوئی، اس لئے مذکورہ فہرست میں ان ناموں کا اضافہ کرلیا جائے۔ (مرتب)

حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب موضع ابراہیمی سرساوہ ضلع سہارنپور

الحاج صوفی سرفراز صاحب موضع گنگرالا، مورنہ ضلع مظفرنگر

الحاج صوفی ماسٹر لیاقت علی صاحب چرتھاول ضلع مظفرنگر

مولانا مفتی محمد اصغر صاحب مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ ضلع غازی آباد

مولانا محمد اقبال صاحب منگا چک سنہولہ ہاٹ ضلع بھاگلپور، بہار

حضرت فدائے ملتؒ کی آخری رقت آمیز تقریر

۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کو ظہر کے بعد جامع رشید دیوبند میں سیکڑوں معتکفین کے مجمع میں بحالت اعتکاف خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: ”محترم بزرگو دوستو! اللہ تعالیٰ کا بے انتہا انعام واکرام ہے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اور اس میں اپنی عبادتوں کی توفیق عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہماری ان ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو قبول فرمائیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم میں کون کون ایسا ہوگا جس کو اگلا رمضان المبارک نصیب ہوگا۔ آپ سب لوگوں نے اپنا راحت وآرام کو چھوڑ کر صرف اپنی آخرت کو بنانے کے لئے یہاں کا سفر کیا اور یہاں کی پریشانیاں اٹھائیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ آپ ہمارے یہاں آئے اور ہم سے آپ کا صحیح اکرام نہیں ہوسکا، دیوبند ایک چھوٹی سی جگہ ہے یہاں تھوڑے وسائل ہیں، یہاں نہ ڈھنگ کے کھانے ملتے ہیں، نہ کھانا بنانے والے ملتے ہیں، میرے کچھ ساتھی ہیں جنہوں نے میرا ساتھ دیا اور آپ کی خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمتوں کو قبول فرمائے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آپ کو نہ ڈھنگ کا کھانا ملا، نہ صحیح آرام کی جگہ ملی، میں اس کے لئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں، مجھ کو اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں ہے، میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں، آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمان پر موت نصیب فرمائے، بلکہ ہر ایک کو ایمان پر موت نصیب فرمائے۔ میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرے مہمانوں کو مسجد میں اعتکاف کی اجازت دی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے“۔

اس کے بعد حضرت نے چند حضرات کو بیعت کی اجازت دی۔ اور تقریر کے دوران بار بار روتے رہے اور مجمع بھی آنسو بہاتا رہا۔

ضبط کردہ: جناب قاری نجیب الرحمٰن صاحب بھاگلپوری، استاذ مدرسہ فیض الاسلام بروالان مرادآباد
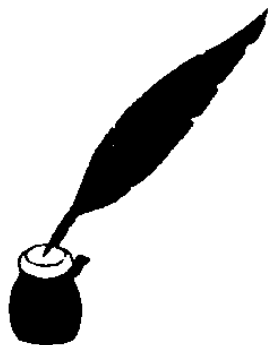
باب : ۱۲
منظوم خراجِ عقیدت

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی

جانشینِ شیخِ اُمّت سوئے علیین چلا

جانشینِ شیخِ اُمّت سوئے علّیین چلا
وہ فدائے قوم و ملّت سوئے علّییں چلا

باشکوہ و با جلال و باوقار و باجمال
بامتانت با شہامت سوئے علّییں چلا

اللہ اللہ خدمتِ دیں جہدِ پیہم بہرِ قوم
صاحبِ عزّ و کرامت سوئے علّییں چلا

سیّدِ والا نسب اعلیٰ حسب اجلیٰ لقب
نیّرِ صبحِ سعادت سوئے علّییں چلا

لالہ زارِ فہم و دانش مرجعِ اہلِ ہُدیٰ
جلوہ گاہِ علم و حکمت سوئے علّییں چلا

وہ امیرِ کاروانِ حق سفیرِ درد و شوق
ایک کوہِ استقامت سوئے علّییں چلا

خانوادۂ حسینی کے گلِ سرسبد واہ
مردِ میدانِ سیاست سوئے علّییں چلا

کس خرامِ ناز سے اور امتیازی شان سے
مظہرِ حق و صداقت سوئے علّییں چلا

ساقیِ آبِ محبت دافعِ کفر و فساد
عکسِ ایثار و قناعت سوئے علّییں چلا

جن کے دم سے تھا یہاں اسلام کا جھنڈا بلند
نازشِ اہلِ بصیرت سوئے علّییں چلا

اہلِ دل اہلِ نظر والائے اوصافِ کمال
رونقِ بزمِ طریقت سوئے علّییں چلا

بوذر و سلماں صفت تھے فقر و درویشی میں جو
عاشق وشیدائے سنت سوئے علّییں چلا

وہ امیرِ محترم اب آہ دنیا میں نہیں
دے گیا وہ داغِ فرقت سوئے علّییں چلا

رہنمائے قدسیاں و قدوۂ اربابِ فضل
بلبلِ باغِ شریعت سوئے علّییں چلا

عالمِ اسلام کا فانیؔ وہ فرزندِ جلیل
سوئے خلد و سوئے جنت سوئے علّییں چلا

مفتی اسرار احمد دانش نجیب آبادی

محسن وغم خوار کہاں ہے

اے قوم ترا محسن و غم و خوار کہاں ہے ☆ اے کارواں تیرا بتا سالار کہاں ہے
اے ارضِ وطن تیرا وفادار کہاں ہے ☆ ملت ترا بتلا ذرا سردار کہاں ہے
اے حسن تیری گرمیٔ بازار کہاں ہے ☆ اے عشق ترا محرم اسرار کہاں ہے
اے باد صبا ابر گہر بار کہاں ہے ☆ اسلاف کے گلشن کا نگہدار کہاں ہے
اے گردش دوراں ترا احسان بتا دے ☆ ملت کی قیادت کا سزا وار کہاں ہے
وہ قافلۂ علم کا سالار کہاں ہے ☆ احسان و طریقت کا خبردار کہاں ہے
ڈھونڈو تو ذرا اب دل بیدار کہاں ہے ☆ دیکھو تو کوئی چشم اثر دار کہاں ہے
اخلاص کے جذبات سے سرشار کہاں ہے ☆ ہو حق کے لئے برسر پیکار کہاں ہے
ہر موڑ پر وہ حق کا طرفدار کہاں ہے ☆ باطل کے لئے برہنہ تلوار کہاں ہے
تھا درد جس کے دل میں سبھی اہل جہاں کا ☆ وہ حزن و الم غم کا گرفتار کہاں ہے
باطل کی صفوں میں جو اک ہلچل سی مچا دے ☆ اب آہ وہ آواز گرج دار کہاں ہے
وہ وارثِ محمود و حسین احمدِ مدنی! ☆ اسلاف کی عظمت کا وہ شہکار کہاں ہے
ہر وقت جو ملت کے لئے سینہ سپر ہو ☆ بتلاؤ تو وہ قوم کا معمار کہاں ہے
اے چشم فلک دیکھا ہے تونے تو بتادے ☆ اسلاف کا آئینہ کردار کہاں ہے
اک گوشہ نشیں شیخ اور میداں کا مجاہد ☆ وہ راہ رو وادی پرخار کہاں ہے
جس در پہ ملے جام اور سنداں کا سبق ساتھ ☆ اب دین و سیاست کا وہ دربار کہاں ہے
روشن ہو خرد قلب و نظر جس کی ضیاء سے ☆ بتلاؤ تو وہ نور کا مینار کہاں ہے
جو قوم کو ہر وقت صحیح رخ کا پتہ دے ☆ دانائے زماں وقت کا ہشیار کہاں ہے
وہ شیخ جہاں پیر زماں مرشد دوراں ☆ افسوس اب وہ ذاتِ گراں بار کہاں ہے
پرنور اور صد رشک قمر جس کی جبیں تھی ☆ بتلاؤ اب وہ روئے ضیاء بار کہاں ہے
اے پیر مغاں آج بھی محفل تو سجی ہے ☆ محفل میں مگر بارش انوار کہاں ہے
اے فخر وطن زیبِ چمن شاہ زمن ہاں ☆ اب ہند میں تجھ سا کوئی دلدار کہاں ہے

کہتے ہیں سبھی اہل خرد آج اے دانش
تھا اپنے زمانے کا جو شہکار کہاں ہے

شاعرِ اسلام سید امین گیلانی

عظمت دارالعلوم دیوبند

عین حق ہے جو تجھے علم کا دریا کہہ دوں
یہ بھی سچ ہے کہ تجھے گلشنِ تقویٰ کہہ دوں
ایشیا ہے جو انگوٹھی تو پھر اس میں تجھ کو
کیوں نہ میں ایک چمکتا ہوا ہیرا کہہ دوں
جتنے دِل والے ہیں وہ تجھ پہ شیدا دِل سے
کیوں نہ دِل والوں کی میں تجھ کو تمنا کہہ دوں
تو نے پیدا کئے محمودؒ و رشیدؒ و انورؒ
زیب دیتا ہے انہیں جس قدر اچھا کہہ دوں
ہاں بجا ہوگا کہ میں تیرے حسین احمدؒ کو
پیکرِ عشق کہوں‘ علمِ سراپا کہہ دوں
ہاں ترے اشرفؒ و عثمانیؒ و طیبؒ کو میں
جھوٹ کیا ہوگا ، اگر فخرِ زمانہ کہہ دوں
ایک دو چار جو ہوتے تو گِنا دیتا میں
حق ہے یہ‘ تجھ کو نوادر کا خزانہ کہہ دوں
بار بار آتا ہے گیلانؔی کے دِل میں کہ تجھے
دلِ افرنگ میں اٹکا ہوا کانٹا کہہ دوں

مولانا امام علی دانش صاحب

جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہوگیا

قافلہ سالار امت آہ رخصت ہوگیا
رہبر علمائے امت آہ رخصت ہوگیا

اس کی رحلت پر سبھی اہل وطن غمگین ہیں
پاسباں ملک و ملت آہ رخصت ہوگیا

سونا سونا ہے حسین احمدؒ کا روحانی چمن
مرشد راہ طریقت آہ رخصت ہوگیا

فکر شیخ الہند محمود الحسن کا پاسباں
جانثار قاسمیت آہ رخصت ہوگیا

حق پرستی اور حق گوئی رہا جس کا شعار
وہ نگہبان صداقت آہ رخصت ہوگیا

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
واقف دینی سیاست آہ رخصت ہوگیا

ہر طرف دینی مدارس پر اداسی چھاگئی
جس کو تھی فکر حفاظت آہ رخصت ہوگیا

اپنے بیگانے سبھی پر جو کرم کرتا رہا
سب پہ تھی جسکی عنایت آہ رخصت ہوگیا

خوگر اکرامِ مہماں پیکر لطف و کرم
معدن جود و سخاوت آہ رخصت ہوگیا

یادگار قاسمؒ و امدادؒ و محمودؒ و رشیدؒ
نازش اسلاف امت آہ رخصت ہوگیا

فتنۂ لامذہبیت پر لگائی جس نے روک
وہ امیر اہل سنت آہ رخصت ہوگیا

پارہ پارہ ہوگیا دجل و فریب قادیاں
حامئ ختم نبوت آہ رخصت ہوگیا

سب سمجھتے تھے کہ حق گو شیر زندہ ہے ابھی
جس سے لرزاں تھی حکومت آہ رخصت ہوگیا

جس کے اخلاق کریمانہ پہ شاہد ہیں سبھی
وہ فدائے ملک و ملت آہ رخصت ہوگیا

نورتقوی جس کے چہرے پر تھا ہر دم جلوہ گر
جلوہ گاہِ نور سنت آہ رخصت ہوگیا

حال دل کس کو سنائیں کون دے گا مشورہ
جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہوگیا

رہبری جس کی تھی دانش کے لئے آب حیات
وہ سراپا خیر و برکت آہ رخصت ہوگیا

نالۂ غم

از : قاری عبدالستار فہیم قاسمی میرٹھی

ہر طرف کیسی ہے یہ آہ وفغاں
بحر غم میں غرق ہے سارا جہاں

لالہ وگل سوگ میں مرجھاگئے
ہو گیا ویران سارا گلستاں

ماہ و انجم، ماہتاب و آفتاب
ہم ہی کیا، ہے آسماں ماتم کناں

اک مربی سے جدائی ہوگئی
دے گیا ہر فرد کو رنج رواں

ناخدا کشتی کا تھا رخصت ہوا
یعنی ملت کا مجاہد پاسباں

ہیں کہاں حضرت اسعد اے دیوبند
وہ محبت اور مروت کا نشاں

داغ فرقت دے گئے وہ تو فہیم
صبر دے بس صبر دے اللہ میاں

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

اے حسین احمدؒ کے بیٹے زندہ و پائندہ باد

رہنمائے قوم و ملت ، نازشِ ہندوستاں — اے ہمارے قائدِ باحوصلہ اسعد میاں

برد باری ، نکتہ سنجی، دور بینی ، آگہی — آپ کی ہستی میں ہیں موجود ساری خوبیاں

آپ کے ذوقِ عمل کا اک زمانہ معترف — آپ کی توصیف میں ہر فرد ہے رَطبُ اللّساں

عقل و دانش کے جلائے آپ نے ہر سو چراغ — آپ ہیں علم و ادب کے ایک بحرِ بیکراں

خامۂ رنگیں ادا ہے آپ کا جادو نگار — آپ ہیں عمدہ مقرر، آپ ہیں شیریں بیاں

آپ کی اک اک ادا سے علم وحکمت آشکار — فہم و ادراک و ذہانت آپ کے رُخ سے عیاں

حق نوائی ، حق نگاری ، حق پرستی ہے شعار — اہلِ باطل اس لئے ہیں آپ سے کچھ بدگماں

آپ لے جائیں گے ان کو منزلِ مقصود پر — آپ ہیں ہندی مسلمانوں کے میرِ کارواں

بڑھ رہے ہیں جانبِ منزل بڑی تیزی سے آپ — حوصلے ہیں آپ کے اونچے ،ارادے ہیں جواں

ہیں یقین محکم ، عمل پیہم کی تصویرِ حسین — آپ کے ہاتھوں میں ہے محفوظ اسلامی نشاں

دینِ ابراہیمؑ کی تخریب کو جو بھی اُٹھے — آپ نے برسائیں ایسے دشمنوں پر بجلیاں

جب بھی ملت پر مصیبت کا کہیں ٹوٹا پہاڑ — آپ اس کو روکنے کے واسطے پہنچے وہاں

جانشینِ شیخؒ اے نورِ نگاہِ اہلِ حق — آپ نے ورثہ میں پائی ہیں بہت سی خوبیاں

آپ کی خو میں ہے شامل ، استقامت اور صبر — آپ کو بد دل نہ کر پائے گی سعیِ دشمناں

آپ نے موڑا ہر اک بڑھتے ہوئے طوفاں کا رُخ — آپ نے روکیں مصیبت کی ہزاروں آندھیاں

قومِ مردہ میں نئی اک روح پھونکی آپ نے — آپ نے بخشی ہے اس کو زندگی جاوداں

خدمتِ انسانیت میں آپ ہر دم ہیں مگن — ذات پر ہے آپ کی نازاں بہت ہندوستاں

بہرِ حق ہیں آپ اک مدت سے مصروفِ جہاد
اے حسین احمدؒ کے بیٹے، زندہ و پائندہ باد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مفتی اشفاق احمد اعظمی

میرِ کارواں جاتا رہا

چھوڑ کر ملت کی کشتی ناخدا جاتا رہا
شیخ اسعدؒ، شیخ کل، شیخِ زماں جاتا رہا

رو رہا ہے پورا عالم، پوری دنیا سوگوار
قوم وملت کا محافظ، پاسباں جاتا رہا

اہل جمعیۃ کا دل ہے، جس کے غم سے پاش پاش
وہ امیر الہند، میرِ کارواں جاتا رہا

فیض جس کا عام تھا، اقوامِ عالم کے لئے
ایسا ہادی، رہنما، شیخِ جہاں جاتا رہا

ملتِ بیضا کو جس کی جرأتوں پر ناز تھا
وہ جری، حق گو، مجاہد، ترجماں جاتا رہا

دینِ حق پر جب کبھی یلغارِ باطل کی ہوئی
باندھ کر سر سے کفن، باطل سے ٹکراتا رہا

حق میں آمیزش نہیں برداشت تھی اس ذات کو
جس کی ہر آواز سے باطل لرز جاتا رہا

اہلِ حق ششدر ہیں، دے گا کون باطل کا جواب
حق کا وہ مردِ مجاہد، ترجماں جاتا رہا

زندگی تھی وقف مظلوموں کی خدمت کے لئے
ظالموں کی صف میں بجلی بن کر گرجاتا رہا

زندگی جس نے گزاری سنتوں کی چھاؤں میں
اہلِ سنت کا محافظ، باغباں جاتا رہا

مادرِ علمی کا مایہ ناز وہ فرزند تھا
حق ادا کرکے دکھایا اور پھر جاتا رہا

زندۂ جاوید ہیں، خدمات اس کی ہر طرف
نقش ہائے زندگی وہ چھوڑ کر جاتا رہا

رب سے رشتہ زندگی میں کس قدر مضبوط تھا
بے خطر، خطرات میں ہر موڑ پر جاتا رہا

کامیابی جس کے قدموں میں ہمیشہ کھیلتی
وقت کا تیور ہمیشہ خود بدل جاتا رہا

غم غلط ہوجائے گا، ہم کو نہیں اُمید ہے
نقش جس کا دل پہ ہے، وہ نقشِ جاں جاتا رہا

زندگی بھر فکرِ اُمت میں تڑپتا چل بسا
خود تو ہے، فردوس میں اور ہم کو تڑپاتا رہا

بخش دے مولیٰ ہمارے شیخ کی ہر چوک کو
ذکر میں زندہ رہا اور ذکر میں جاتا رہا

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

وہ آسمانِ علم کا بدرِ منیر تھا

وہ آسمانِ علم کا بدرِ منیر تھا — اس دورِ پُرفتن میں وہ روشن ضمیر تھا
بے خود و حق شناس، جوان مرد شیر دل — لرزیدہ جس سے ملک کا ہر اِک شریر تھا
بے چینیوں میں جس نے گزاری تما عمر — نامہرباں جس پہ بہت چرخِ پیر تھا
ملت کے درد میں جو تڑپتا رہا مدام — دردِ وطن بھی جس کے لئے ناگزیر تھا
اسلامیانِ ہند کا بے خوف ترجماں — ہندوستانیوں کا جو سچا مشیر تھا
جس کی کوئی مثال نہیں آج دوستو! — اس دور میں جو آپ ہی اپنی نظیر تھا
ہر اِک سمجھ رہا تھا جسے ''ترجمانِ دل'' — مخلوقِ کائنات کا جو ہم صفیر تھا
یکساں رہا جو مفلس و زردار کے لئے — جس کی نظر میں ایک، صغیر و کبیر تھا
ہاتھوں میں جس کے دین کا پرچم رہا بلند — جو مؤمنوں پہ فضلِ خدائے قدیر تھا
''ہنگامہ ہائے سخت'' سے فرصت نہ تھی جسے — جو آشنائے لذّتِ ہر دار و گیر تھا
آتے تھے در پہ جس کے ہزاروں ستم زدہ — ناکام و نامراد کا جو دستگیر تھا
جہد و عمل میں جس نے گزاری تمام عمر — جو بے نیازِ زعمِ ''قلیل و کثیر'' تھا
حافظ تھی جس کو قوم کی ہی فکر ہر گھڑی — ''فکرِ مآلِ قوم'' کا ہی جو ''اسیر'' تھا

آخر وہ اپنے باپ کے پہلو میں سوگیا
''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوری

اسلامیانِ ہند کا سردار چل دیا

اسلامیانِ ہند کا سردار چل دیا
حاصل تھے جس کو دین کے انوار چل دیا

ہر سانس جس کا وقف تھا ملت کے واسطے
ملت کا آج ایسا فدا کار چل دیا

جس کا بلند عزم تھا ، مضبوط تھا یقیں
جو قوم کا تھا ''طالعِ بیدار'' چل دیا

مانی نہ جس نے ہار ''مصائب کی دھوپ'' سے
وہ ''بے نیاز سایۂ دیوار'' چل دیا

کشتی پھنسی ہوئی ہے جو امواجِ بحر میں
تھامے ہوئے تھا اُس کی جو پتوار چل دیا

جس قافلے کی تاک میں رہزن ہیں سینکڑوں
اُس قافلے کا قافلہ سالار چل دیا

جو ملک دشمنوں سے لڑا خوب تا حیات
بھارت کا وہ شجاعِ طرح دار چل دیا

''حب وطن کی مے'' جسے بیحد پسند تھی
دل میں تھا جس کے ''جذبۂ احرار'' چل دیا

تھا جس کے دل میں جذبۂ تعمیر موجزن
وہ قصرِ ملک و قوم کا معمار چل دیا

فرقت میں اُس کی قوم و وطن بیقرار ہیں
قوم و وطن کا مونس و غم خوار چل دیا

اسعدؒ کی مغفرت کا ہے حافظؔ مجھے یقیں
واللہ مغفرت کا سزاوار چل دیا

تواریخ وفات

مقبول الانام فدائے ملت مولانا محمد اسعد مدنی ۱۴۲۷ھ
محبوبِ زماں حضرت امیر الہند صاحب ۲۰۰۶ء

آہ لوائے نصرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی ۱۴۲۷ھ
امیرِ محفل صدر جمعیۃ علماءِ ہند ۱۴۲۷ھ

رہنمائے قوم مولانا محمد اسعد صاحب مدنی رحمہ اللہ المجیب
۱۴۲۷ھ

مقبولِ عالم کی موت، عالَم کی موت ہے
۱۴۲۷ھ

اقلیتوں کا باہمت رہنما چلا گیا ۱۴۲۷ھ
منجانب اشکبار حبیب الرحمٰن معروفی ۱۴۲۷ھ

گوہر سعیدی، کوپا گنج، منو

وہ بحرِ معرفت کے شناور چلے گئے

ہنستے ہوئے جہاں کو رُلا کر چلے گئے
پیغام اپنا سب کو سنا کر چلے گئے

مثلِ جرس رہے سدا غافل کے واسطے
سوئے ہوئے تھے ہم وہ جگا کر چلے گئے

کس نے بلا دیا کہ کسی سے نہ کچھ کہا
خاموش اُٹھ کر بزم سے باہر چلے گئے

تسکینِ قلب کے لئے آئے تھے جو یہاں
دردِ جگر وہ اور بڑھا کر چلے گئے

کچھ لوگ انتظار میں بیٹھے تھے شام تک
جانے کہاں وہ صبح نہا کر چلے گئے

کرتے بھی لوگ اس کے سوا اور کیا بھلا
اپنے گھروں کو اشک بہا کر چلے گئے

دیکھا سوادِ شہر تو پتوار رکھ دیا
ساحل قریب تر ہے بتا کر چلے گئے

علم و ہنر کہاں وہ سخنور کہاں رہے
سنگیت رہ گیا ہے نواگر چلے گئے

نقشِ قدم پہ ان کے عزیز و چلے چلو
وہ راستے کو کرکے اُجاگر چلے گئے

اب کون ہے جو دے ہمیں گوہر نکال کر
وہ بحرِ معرفت کے شناور چلے گئے

ڈاکٹر راحت مظاہری

اسعد تھا جس کا نام روشن ضمیر تھا

اسلامیانِ ہند کی صف میں دبیر تھا
اسلاف کا نمونہ تھا روشن ضمیر تھا

سویا جگا کے قوم کو خود خوابِ دائمی
اسعد تھا جس کا نام روشن ضمیر تھا

منصب تھا اس کے پاس جمعیۃ کے صدر کا
ملت کے کارواں کا وہ تنہا امیر تھا

لیکے وہ دل میں درد مسلماں کا سوگیا
ایوانِ سلطنت میں جو برسوں سفیر تھا

قرطاس پر رقم ہوں کیا اس کی خوبیاں
حاکم تھا بحر قوم ، وہ خود اک فقیر تھا

شیخوں کا شیخ بھی اور ان کا جانشین
قرآن کی زباں میں سراج منیر تھا

راحت بغل میں لیکے یہ کہہ دیں رسولِ خدا
اسعد ہے میری گود میں ' میرا خمیر تھا

قاری محمد فرمان میرٹھی
استاذ جامعہ عربیہ خادم الاسلام، ہاپوڑ

ہم کو تڑپائیں گے تیری قربانیاں

الوداع ، الوداع شیخ اسعد میاں
ہم سے رخصت ہوئے آج اسعد میاں

ہوگیا تیرے جانے سے سُونا جہاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

آپ کی ذاتِ اقدس ہے سب پر عیاں
آپ کے فیض کو کر رہے ہیں بیاں

جن و انس و ملک کائناتِ جہاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

کس قدر ملک و ملت پہ احسان ہیں
ہم قیادت پہ تیری ثنا خوان ہیں

ہم کو تڑپائیں گے تیری قربانیاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

شیخِ اسلام کے جانشین آپ تھے
کاروانِ حسینی کی پہچان تھے

گلشنِ قاسمی کے تھے تم پاسبان
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

ہاں کسی نے اگر ہم کو رُسوا کیا
آپ نے قوم و ملت پہ احسان کیا

آپ میں اس قدر تھی شجاعت عیاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

تھا منوّر جہاں تیرے انوار سے
تجھ کو نسبت ملی شاہِ ابرار سے

شیخ و مرشد پہ اسعدؒ بڑے مہرباں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

تم تھے شیریں ذہن تم تھے شیریں سخن
باغباں چل بسے او ر یہ سُونا چمن

ہر گلی آج رو کر کرے یوں بیاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

کتنے غمگین محمود و مسعود ہیں
ہاں محمد و احمد و مودود ہیں

بھائی اسجد و ارشد و خرد و کلاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

آج مغموم ہیں گلشن ناظری
جس چمن میں ہوئی بارہا حاضری

خوب تشریف لاتے تھے اسعدؒ میاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

ہوگا آقا کا فرمان نکیرین سے
جا کے بتلاؤ تم قرۃ عین سے

آئے ہیں ہم بھی اُٹھ جاؤ اسعدؒ میاں
الوداع ، الوداع ، شیخ اسعدؒ میاں

شاہد رامپوری رامپور

آج خاموش ہے طوفان اُٹھانے والا

وہ کہ عالم ہی نہیں غازیٔ گفتار بھی تھا
وہ کہ ناصح ہی نہیں صاحبِ کردار بھی تھا
حق پرستوں کے لئے قافلہ سالار بھی تھا
وہ کوئی شخص نہیں دور کی تاریخ تھا وہ
قوم کے جھیلے ہوئے جور کی تاریخ تھا وہ

وہ کسی پیری میں بھی اِک عزمِ جواں رکھتا تھا
دردِ ملت کا سدا دل میں نہاں رکھتا تھا
وہ ستائش کی تمنا ہی کہاں رکھتا تھا
آج خاموش ہے طوفان اُٹھانے والا
اپنی تقریر سے سوتوں کو جگانے والا

قوم روئے گی اسے یاد کرے گی برسوں
گلشنِ دیں میں ہوا اس کی چلے گی برسوں
دل سے شاہد کے صدا یہ بھی اُٹھے گی برسوں
تیرا بندہ تھا عطا کر اسے جنت یارب
مشعلِ راہ بنے اس کی صداقت یا رب

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب مسلم الحریری

افتخارِ ملک وملت

حضرت سید محمد اسعد والا تبار — افتخار ملک و ملت حریت کے شاہ کار

محفلِ علم و عمل کی شمع نورانی ہے تو — پیکرِ انسانیت کا نور پیشانی ہے تو

دانش و حکمت تری تحریر میں تقریر میں — دورِ حاضر کی سیاست ناخن تدبیر میں

”كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ“ کے راز سے واقف ہے تو — ہے زباں پر بھی تمہاری مژدۂ لَا تَقْنَطُوْا

ہیں سلف کے کارنامے اس طرح پیشِ نظر — تیری حق گوئی کا چرچا ہے زبان دار پر

اے سراپائے محبت دشمن بغض و عناد — تیرا مذہب ربط باہم تیرا مسلک اتحاد

پاسبان، ملک و ملت آدمیت کے نقیب — تو نے جب آواز دی ہے جاگ اٹھے ہیں نصیب

پھر ذرا اُٹھ کر اذاں دیدے بلالی شان سے — روشنی مل جائے ہم کو بھی ترے ایمان سے

آدمیت پھر ہے محو خواب پھر آواز دے — پھر محبت ہو گئی نایاب پھر آولنز دے

پھر نئے ساغر میں تہذیب کہن کو ڈھال دے — پھر وہی درس وفا و عزم و استقلال دے

دام فرقہ واریت پھیلا ہوا ہے چار سو — سرد ہے سینوں میں اب بھی آدمیت کا لہو

منتشر قوموں کو دیدے پھر سے جام اتحاد — پھر ملا دے دیدہ و دل کو بہ نام اتحاد

جوڑ دے ٹوٹے ہوئے دل پھوڑ دے جام وسبو — نظم مے خانہ بدل دے صدرِ اعلا ہے تو

پھر سے کردے رشتۂ قوم وطن کو استوار — متحد ہو کر چمن بندی کریں پھولوں سے خار

ڈوبتی کشتی کو پھر سے کردے ساحل آشنا — آج اس طوفان میں ملت کا تو ہے ناخدا

زندہ باد اے آبروئے ملک و ملت زندہ باد

زندہ باد اے ساقی بزم محبت زندہ باد

نتیجۂ فکر: عارف باللہ حضرت محمود احمد عارفؔ ہوش یار پوری رحمۃ اللہ علیہ

رئیسِ اہلِ وفا، جانِ بزمِ اہلِ تقا

وہ آئے حضرتِ اسعدؔ بہ فضلِ ربانی ۔۔۔ وہ جاں نشینِ حسینؒ، زمانِ لاثانی

رئیسِ اہلِ وفا، جانِ بزمِ اہلِ تقا ۔۔۔ مثالِ نیرِ تاباں ہیں شمسِ عرفانی

عمل میں جہدِ مسلسل ہے آپ کا حصہ ۔۔۔ سراپا عشق و محبت و نورِ ایقانی

متاعِ اہلِ جہاں ہیچ ہے نگاہوں میں ۔۔۔ محیط دل پہ ہوا عشقِ ذاتِ ربانی

عروج پر ہے ستارہ تری سعادت کا ۔۔۔ سعید ہی نہیں اسعدؔ ہیں مردِ حقانی

رضائے ذاتِ مقدس نصیب ہو دائم ۔۔۔ یہی ہے غایتِ اولیٰ، روحِ ایمانی

دعائے عارفِؔ مہجور ہے دل و جاں سے ۔۔۔ کریں یہ امتِ مرحوم کی نگہبانی

از ہدلطیف کشن گنج

یہ وفاتِ اسعد مدنیؒ

بڑا ہی سانحہ ہے یہ، وفاتِ اسعدِ مدنی ☆ کہاں سے لائیں گے اب ہم وہ ذاتِ اسعدِ مدنی

بپا اک شور ہے یہ، قائدِ ملت کہاں ہیں اب ☆ امیر ہند، فدائے قوم جنابِ اسعدِ مدنی

نہیں تابِ بیاں مجھ میں، کروں کیسے بیاں ان کو ☆ تھی رشکِ قدسیاں ہر سو، حیاتِ اسعدِ مدنی

سیاست اور تصوف میں یگانہ، نازشِ ملت ☆ یقیناً مرجع خلقت تھی، ذاتِ اسعدِ مدنی

کبھی جب ملت بیضاء پہ کوئی آنچ آ پہنچی ☆ پلٹ جاتی تھی پھر اس دم، بساطِ اسعدِ مدنی

جگر کے خون سے سینچا، جمعیۃ کے شجر کو جب ☆ انوکھا رنگ لایا پھر، جہادِ اسعدِ مدنی

بہت ہی لہلہایا باغِ قاسمؔ، تیری محنت سے ☆ تو تھا اک گوہرِ نایاب، جنابِ اسعدِ مدنی

کوئی انگلی اٹھاتا جب، مسلمانوں کی عزت پر ☆ گرجتا مثلِ اسد، پھر عتابِ اسعدِ مدنی

اے پیاسو! تم بجھاتے تھے ہمیشہ، پیاس کو ان سے ☆ کیا اب بھی پاؤ گے تم وہ، شرابِ اسعدِ مدنی

سبھی مجلس میں ماتم ہے سبھی محفل میں رنج و غم ☆ بڑی کلفت کا باعث ہے وفاتِ اسعدِ مدنی

لطیفؔ غم زدہ غمگین دل سے یہ دعا گو ہے
ہو آساں آخرت میں کل حسابِ اسعدِ مدنی

ولی اللہ ولی قاسمی

ملتِ اسلامیہ کی آبرو، فخرِ زمن

اسعدؔ مدنی فدائے ملت و دین و وطن
ملتِ اسلامیہ کی آبرو ، فخرِ زمن

رہنمائے ملک و ملت ، قائدِ عہدِ رواں
تھے امیر الہندؔ ثانی ، نازشِ ہندوستاں

حضرتِ مدنی ، حسینؔ احمد کے ابنِ ہوشمند
بتکدانِ ہند پر ، اسلام کی ڈالی کمند

ان سے دو بالا رہی ہے عظمتِ دارالعلومؔ
ان سے وابستہ رہی ہے ، نسبتِ دارالعلومؔ

صدر جمعیۃ رہے ، بہتر امیرِ کارواں
رہتی دنیا تک ، دَرَخشاں ہوگا ، نقشِ جاوداں

اک مفکر ، اک مدبر ، ایک قومی رہنما
کاروانِ اہلِ حق کا ، ایک سچا ، پیشوا

تھے وہ جمعیۃ کے صدرِ محترم چونتیس سال
مشعلِ راہِ طریقت ، پیکرِ فضل وکمال

تھے وسیع الفکر ، عالی ظرف ، قائد ، باوقار
صاحبِ فہم و فراست تھے مجاہد جاں نثار

دوراندیشی صفت تھی ، خوب تھا اظہارِ رائے
مرگِ اسعدؔ پر ، زمانہ کررہا ہے ہائے ہائے

وہ علمبردارِ حق تھے ، عہد کے رجلِ عظیم
صاف گوئی کی علامت ، صاحبِ قلبِ سلیم

ایم پی ، تھے محترم ، وہ بے گماں اٹھارہ سال
سرپرستِ قومِ مسلم ، رہنمائے خوش خصال

قومِ مسلم کی جہاں میں ، معتبر آواز تھے
عشقِ حق میں تھے فنا ، وہ اہلِ سوز وساز تھے

وہ محاسن کے تھے پیکر ، اسعدِ ملت تھے وہ
ہاں زمانے میں مثالی ، قائدِ ملت تھے وہ

عہدِ حاضر کے اکابر میں رہے وہ بے مثال
کارنامے ، شیخ اسعدؔ کے ہوئے ہیں لازوال

سادگی ، سنجیدگی ، مجد وشرافت میں تھے طاق
ان کی آرار ، پر عمل ہورہا تھا ، اتفاق

تھے مریدوں کے مربی ، رہبرِ اہلِ سلوک
کررہے تھے ، ہرکس وناکس سے وہ اچھا سلوک

رہبرائے معرفت تھے ، صاحبِ نسبت رہے
عالمِ دیں ، متقی تھے ، مصلحِ امت رہے

دے گئے ہیں، قومِ مسلم کو وہ تعلیمی شعور
ہے دعا کہ: سرخرو، ہوکر اٹھیں، یومِ نُفور
وہ تھے گونا گوں، صفاتِ فاضلہ سے متصف
ان کی ہمدردی کے ہیں اپنے پرائے معترف
ان کی فرقت سے ہوا، محصول، رنجِ جانگسل
مدتوں روتے رہیں گے، یادکر کے، اہلِ دل
اسعدِ مدنی کے ہیں لاکھوں، کروڑوں سوگوار
جو کہ، ہیں ان کی جدائی پر برابر اشکبار
سب دعا گو ہیں، الٰہی: کر انہیں جنت عطا
اور دے پسماندگوں کو، جذبۂ صبر و رضا
ان کی تربت کو بنادے، نازشِ دارِ نعیم
حشر میں ان کو عطا کر، سایۂ عرشِ عظیم
ہے ''ولی'' کی یہ دعا! ہو جنت الماویٰ نصیب
روزِ محشر، اسعدِ مدنی رہیں تیرے قریب

تیری تربت پر، زمانہ فاتحہ خوانی کرے
تا قیامت رحمتِ باری، نگہبانی کرے

❁ ❁ ❁

گلہائے عقیدت

اسعد فردوس بریں رفت

۱۴۲۷ھ

مولانا قاری محمد اصغر صاحب جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

امروز فدائے دیں از مابہ قریں رفتہ ☆ از بند جہاں رستہ او خندہ جبیں رفتہ
اعراض زما کردہ پوشیدہ پس پردہ ☆ فردوس بریں رفتہ یک قصر حسیں جستہ
کردار و خصائلش بر منوالِ نبی بودہ ☆ رفتار متیں بودہ گفتار حسیں شستہ
تقریر و کلام او درہائے ثمیں سفتہ ☆ صوتش بشنود آں کو در قعر زمیں خفتہ
از مرگ نہ ترسیدہ چوں فتنہ بپا دیدہ ☆ بس کوہ گراں بودہ در عزم چنیں پختہ
اخبار حوادث چوں در گوش فرا آمد ☆ بے خوف و خطر بودہ زود سے زمیں جستہ
از رحلت حضرت آں میخانہ ہمہ ویراں ☆ ہر قلب و جگر زخمی ہر بیت و مکیں خستہ
مضبوط و قوی کردہ اہداف جماعت را ☆ ہر تخم اخوت را در اہلِ زمیں کشتہ
در عہد حسینیت در جمعیۃ ما ہرجا ☆ صد گلشن گونا گوں بر فرشِ زمیں کشتہ
گلہائے عقیدت را در سلک حسیں سفتہ ☆ ابیات رثا اصغر از قلب حزیں گفتہ

تاریخ وصال او ہاتف بمن ایں گفتہ
شاداں بشوی اسعد فردوس بریں رفتہ ہ
۱۴۲۷ھ

صالح احقر، سہارنپور

الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم
عالمِ اسلام کو ہے آپ کے جانے کا غم

آپ کا تقویٰ مثالی سادگی تھی بے مثال
آپ تھے مردِ مجاہد ایک عالم باکمال

آپ جیسے اس جہاں میں اب نظر آتے ہیں کم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

آپ سے بہتر نہ پایا کوئی بھی اخلاق میں
کارنامے درج ہیں سب آپ کے اوراق میں

آپ کے دَم سے تھا حضرت پوری ملت کا بھرم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

آپ کے دَم سے تھی حضرت اس جمعیۃ کی بہار
آپ کے جانے سے ہے پوری جماعت سوگوار

آپ کی فرقت کو حضرت کیسے سہ پائیں گے ہم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

در کھلا رہتا تھا آپ کا عالی جناب
آپ کے در سے ہزاروں آ کے ہوتے فیضیاب

آپ کا چہرہ نورانی آپ کا لہجہ نرم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

بعد مرنے کے حضرت فیض جاری آپ کا
برکتوں کا سلسلہ ہے اب بھی جاری آپ کا

ہے لحد پر آپ کی ہر وقت بارانِ کرم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

ہے دعا احقر کی ربّ سے آپ کو بخشے کریم
جنت الفردوس میں ہو آپ کا رتبہ عظیم

مغفرت کرنا خدایا واسطہ شاہِ اُمم
الوداع اے قائد اسعد میاں اے محترم

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

لٹ گیا سرمایۂ اسلامیاں

رو رہا ہے آج ہر پیر و جواں
لٹ گیا سرمایۂ اسلامیاں

گر گئی ہے آج برق بے اماں
جل گیا آخر ہمارا آشیاں

ہو نہ ہو، اپنا نشیمن جل گیا
صحن گلشن سے جو اُٹھتا ہے دھواں

کون سا چہرہ ہے وہ جس سے نہیں
آج دل کا درد و رنج و غم عیاں

چل دیا ہے کارواں کو چھوڑ کر
وہ مسلمانوں کا میرِ کارواں

تا قیامت رویئے سر پیٹئے
ہاں مگر اسعد سا رہبر اب کہاں

ہاں وہی اسعد ہمارا رہنما
ہاں وہی اسعد وطن والوں کی جاں

دُکھ اُٹھائے جس نے ملت کے لئے
جس نے بہر ملک جھیلیں سختیاں

''غیر'' جس کے خون کے پیاسے رہے
جس نے ''اپنوں'' سے بھی کھائیں گالیاں

رو رہے ہیں اس کو اب قلب و جگر
رو رہی ہے اس کو چشم خوں فشاں

ہو نہیں سکتی تلافی عمر بھر
ہے یہ ایسا ملک و ملت کا زیاں

روح کو حافظؔ ملے اس کی قرار
ہوں خدا کی رحمتیں اس پر نثار

عبدالواحد واحد نوگانوی

غم کے آنسو

ہر طرف ہے آج سارے ہند میں غم کا سماں
چھپ گیا زیر زمیں علم و عمل کا پاسباں

غمزدہ ہے اُن کے غم میں آج ہر پیر و جواں
دیوبند میں ہو رہا ہے ہر طرف شور و فغاں

رہنمائے قوم کا ہے یہ سفر آج آخری
ایسے عالم کا زمانے میں نہیں ملتا نشاں

اُن کی نظروں میں تھا ہر دَم قوم و ملت کا مفاد
کرتے تھے قربان ملت کے لئے وہ جسم وجاں

اُن میں باقی تھا حسین احمد کی عظمت کا اثر
اپنے والے کی طرح تھے دینِ حق کے سائباں

کھینچ لائے تھے جسے وہ حدِ منزل کے قریب
خوف ہے کہ گم نہ ہوجائے کہیں وہ کارواں

غمزدہ ہے آپ کی فرقت میں یہ دارالعلوم
کہہ رہا ہے اپنا رہبر ڈھونڈ کر لائیں کہاں

علمیت کا دے گئے ہیں آپ وہ سب کو سبق
یاد ہم کرتے رہیں گے جس کا مقصد بے گماں

حضرتِ مدنی نے کی تھی خدمتِ قوم و وطن
جس کے باعث یاد کرتے تھے اُنہیں پیر و جواں

چھا رہی ہے آج ہر طبقے میں یہ غم کی لہر
حضرتِ مدنی سا رہبر ڈھونڈ کر لائیں کہاں

ہندو مسلم سکھ عیسائی تھے اُن کے معتقد
اِک اشارے پر ہی اُن کے جمع ہوتے مہرباں

جشنِ آزادی کے رہبر تھے محبِ قوم و ملک
آج آزادی کے باعث اُن کے جمع ہوتے مہرباں

اُن کے دل میں تھی ہمیشہ اِک ترقی کی جھلک
لاکھوں آجاتے تھے سننے جب وہ کرتے تھے بیاں

مل گیا ہے آج ایسا غم بھلا سکتے نہیں
تا ابد قائم رہے گا اُن کی عظمت کا نشاں

مغفرت کے واسطے کرتے ہیں ہم سب یہ دعا
اپنی رحمت میں جگہ دے اُن کو ربِّ دو جہاں

ہو رہا ہے آج اُن کے غم میں واحد بے قرار
صبر آئے کس طرح اِس غم کے مارے کو یہاں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شفیق احمد اعظمی امام وخطیب، ابوظبی، امارات

ہنگامۂ فراق

چلی بادِ خزاں ہمراہ اپنے لے کے حیرانی
کہ آنکھوں میں کلی کی آ گئی اشکوں کی طغیانی

کہاں نغمہ سرائی صبح دم شاخِ نشیمن پر
رُلاتی ہے عنادل کو گلوں کی چاک دامانی

مسرت تھی، غزل خوانی تھی لیکن ان شبستاں میں
جدھر بھی دیکھتے ہیں ہو رہی ہے مرثیہ خوانی

غم و اندوہ کی کالی گھٹا گلشن پہ چھائی ہے
برستی ہے سراسر دامنِ گل سے پریشانی

یکایک خرمنِ دل پر گری برقِ تپاں آ کر
گیا جس وقت محفل چھوڑ کر وہ ہمدمِ جانی

نوائے عندلیبِ گلشنِ الجمعیۃ ہمدم
اچانک ہوگئی گم چھا گئی ہر سمت ویرانی

نرالہ رنگ تھا خوشبو بھی تھی اس کی انوکھی ہی
گلوں کے ہار میں اس کا نہیں ہے اب کوئی ثانی

شفیقِ ناتواں کی یہ دعائے عاجزانہ ہے
شبانہ روز ہو تربت پہ اس کی لطف ربانی

امیر الہند

مولانا مجیب بستوی

افسوس آج فخر مسلمان چلے گئے
وہ سوئے خلد، خلد بداماں چلے گئے

وہ اسعدِ مدنی جنہیں کہتا تھا زمانہ
کر کے ہماری زیستِ ہراساں چلے گئے

جمعیۃ علماءِ ہند کا محافظ خدا رہے
وہ چھوڑ کے اسے بپئے ایماں چلے گئے

ہندوستاں کو ناز تھا ان پر خدا گواہ
لے کر وہ ساتھ عیش کا ساماں چلے گئے

وہ تھے امیر ہند، وہ سردار ملک تھے
کیسا اُٹھا کے درد کا درماں چلے گئے

یا اُن کی دل کو جانے کہاں لے کے جائیگی
دل آج کس قدر ہے پریشاں چلے گئے

محمود مدنی آج بہت سوگوار ہیں
وہ کر کے ان کو کس طرح گریاں چلے گئے

اللہ ان کی قبر منور رہے سدا
دُنیا میں آج کر کے چراغاں چلے گئے

ہو ان کی مغفرت کی دعا لب پہ اے مجیبؔ
وہ پیکرِ اخوت و احساں چلے گئے

شاعر ملت: قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوری انبالہ شہر

''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''

وہ آسمانِ علم کا بدرِ منیر تھا
اِس دورِ پُر فتن میں وہ روشن ضمیر تھا

بے خوف وحق شناس ، جواں مرد شیر دِل
لرزیدہ جس سے ملک کا ہر اِک شریر تھا

بے چینیوں میں جس نے گزاری تمام عمر
نا مہرباں جس پہ بہت چرخِ پیر تھا

ملّت کے درد میں جو تڑپتا رہا مدام
دردِ وطن بھی جس کے لئے ناگزیر تھا

اسلامیانِ ہند کا بے خوف ترجماں
ہندوستانیوں کا جو سچا مشیر تھا

جس کی کوئی مثال نہیں آج دوستو !
اس دور میں جو آپ ہی اپنی نظیر تھا

ہر اِک سمجھ رہا تھا جسے ''ترجمانِ دل''
مخلوقِ کائنات کا جو ہم صفیر تھا

یکساں رہا جو مفلس و زردار کے لئے
جس کی نظر میں ایک، صغیر و کبیر تھا

ہاتھوں میں جس کے دین کا پرچم رہا بلند
جو مؤمنوں پہ فضلِ خدائے قدیر تھا

''ہنگامہ ہائے سخت'' سے فرصت نہ تھی جسے
جو آشنائے لذّتِ ہر دار و گیر تھا

آتے تھے در پہ جس کے ہزاروں ستم زدہ
ناکام و نامراد کا جو دستگیر تھا

جہد وعمل میں جس نے گزاری تمام عمر
جو بے نیازِ زعمِ ''قلیل و کثیر'' تھا

حافظؔ تھی جس کو قوم کی ہی فکر ہر گھڑی
''فکرِ مآلِ قوم'' کا ہی جو ''اسیر'' تھا

آخر وہ اپنے باپ کے پہلو میں سو گیا
''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''

حافظ حبیب الرحمٰن نقشبندی
رُکن القاسم اکیڈمی

ہر سمت اُجالا ہے چراغِ مدنی سے

آواز یہ آئی کوئی کہتا تھا کسی سے — ہر سمت اُجالا ہے چراغِ مدنی سے
تھے گرچہ جہاں بانی میں مشہورِ زمانہ — ربط آپ کا قائم تھا مدینے کی گلی سے
اس طرح سے خدمت کو بنایا تھا وطیرہ — نکلے نہ کبھی آپ سیاست نگری سے
کام آیا مساجد و مقابر کا تحفظ — حکام بھی ڈرنے لگے اسعد کی چھڑی سے
مسلم کا جو اوقاف تھا کی اس کی حفاظت — اس وقت میں ایسا نہ ہوا اور کسی سے
حفظِ حرم پاک کے بھی ساعی تھے حضرت — پایا یہ شرف آپ نے دربارِ نبی سے
کہتے تھے کہ ہے علم کا مقصد بڑا اعلیٰ — جاہل کو نوازا نہ گیا شانِ کئی سے
در بند ہو گر علم کا دیوبند میں آؤ — علم آئے گا دیوبند کی دریوزہ گری سے
نمبر ہے تیرے دستِ ہنر میں مدنی کا — حقانی نے چھاپا ہے اسے دیدہ وری سے
دلدادہ نہ اسعد کا جہاں بھر میں ملے گا — گر ڈھونڈنا چاہو ملے قاسم کی گلی سے
بخشا ہے شعور اِس نے ہمیں تادمِ محشر — واقف نہ تھے علم و ہنر و شانِ کئی سے
برجستہ مضامیں نگہِ شوق میں آئے — بخشی ہے ضیا ذوقِ ہنر کو مدنیؒ سے
نمبر کے علاوہ بھی مجھے فیض ملے گا — القاسم و حقانی کی دریوزہ گری سے
شوق اپنا فراواں ہوا جب آیا نظر میں — پڑھتا ہوں میں اس لئے اسے دلجمعی سے
نظریں ہیں سرورق سے ہٹتی ہی نہیں ہیں — اب مجھ کو کوئی کام نہ کھوٹی نہ کھری سے
نمبر کی اشاعت میں کوئی لے گیا نمبر — ہے کون؟ مزیّن ہے سرورق اسی سے
اے نمبرِ اسعد مدنی سینے سے لگ جا — خیرہ ہے نظر میری تیری جلوہ گری سے

لکھتا ہوں حبیبؔ ان سے محبت کی بنا پر
ہے ایسا تعلق مجھے اسعد مدنی سے

''غیر مسلم ہند'' بھی کرتا ہے اسعدؔ کو سلام

غیر مسلم شاعرِ قوم ! ڈاکٹر پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی کا شہکار نذرانۂ عقیدت

یادگارِ بانیان و فاضلانِ دیوبند
پیکرِ خدمات ملک و قوم جانِ دیوبند

تو حسین احمدؒ کی روح اسعد و مسعود تھا
آج لا موجود ہے کل شاہد و مشہود تھا

جمعیۃ علماء کی خدمت کر گیا چالیس سال
سارے ہندوستانیوں کو کر گیا تو پُرملال

قاسمؔ و محمودؔ کا وارث، حسین احمدؒ کا دل
''شیخ ہند'' اور ''شیخ اسلامی'' کا تو تھا عکس وظل

یاد پھر آتے ہیں مجھ کو مولوی احمد سعیدؒ
کھو گئی کیا قاری طیبؒ کے خزانوں کی کلید

حفظِ رحمانی ؒ کی جانے گم ہوئی تصویر کیا
ہائے وہ ''شاہ جہاں پور'' کی اُٹھی رسمِ وفا

اب یہاں مفتی کفایتؒ کا بھی لے گا نام کون؟
عالمِ اسلام کا پہنچائے گا پیغام کون؟

میرے ان سب عالموں کیساتھ گزرے ساٹھ سال
مجھ کو ہر اجلاس کا جمعیۃ کے حاصل ہے جمال

''شیخ اسلامی'' کا مجھ پر یہ خصوصی تھا کرم
نہروؔ و آزادؔ و مدنیؔ نے رکھا میرا بھرم

جتنے اسلامی ممالک کے اکابر ہند آئے
اُن کے استقبال کو گلزار دلّی یاد آئے

کاش اب محمود مدنی پیکرِ اسعدؔ بنیں
جمعیۃ علماء کے بڑھ کر خادمِ ارشدؔ بنیں

پھر بلائے جمعیۃ علماء برہمن زاد کو
پھر تسلی مل سکے اس کے دلِ ناشاد کو

آج رنجیدہ ہے کتنی مسجدِ عبد النبی
وہ کہ ''دے او بند'' کا دلّی میں سایہ ہے غنی

مختصر میری دعا کا ہو اثر فردوس میں
مولوی اسعدؔ کا ہو گھر جنت الفردوس میں

حضرتِ گلزار کے ہے رنج و غم کا یہ پیام
''غیر مسلم ہند'' بھی کرتا ہے اسعدؔ کو سلام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حسب ارشاد : حضرت مولانا نثار احمد صاحب　　　نتیجۂ فکر : زاہد حسن امجد برلوی

تھا یہاں پر جو رئیسِ اولیاء جاتا رہا

شیخ مدنی کا دُلارا دوستو جاتا رہا
کیا بتائیں ہم سے کیسا رہنما جاتا رہا

جو خدا کی یاد میں ہر دَم تڑپتا ہی رہا　　ملک و ملت کے لئے ہر سو مچلتا ہی رہا
جو سدا مظلوم کی خاطر پگھلتا ہی رہا　　مثلِ شمشیر برہنہ جو اُبھرتا ہی رہا

سرزمینِ ہند سے وہ رہنما جاتا رہا
شیخ مدنی کا دُلارا دوستو جاتا رہا

حال ارشدؔ اور اسجدؔ کا تو آ کر دیکھ لے　　ہیں پریشاں کتنے عثمانؔ آج آ کر دیکھ لے
مضطرب محمودؔ و ازہدؔ ہیں تو آ کر دیکھ لے　　خانوادہ شیخ مدنی مضمحل ہے دیکھ لے

تو نثار احمد کو روتا چھوڑ کر جاتا رہا
شیخ مدنی کا دُلارا دوستو جاتا رہا

رو رہا ہے غم میں تیرے آج یہ دارالعلوم　　ہر طرف ماتم کناں ہے آج یہ دارالعلوم
ہو گیا ہے آج سونا بن ترے دارالعلوم　　کہہ رہا ہے آج تجھ سے یہ ترا دارالعلوم

لاڈلے ہو کر جدا مجھ سے سدا جاتا رہا
شیخ مدنی کا دُلارا دوستو جاتا رہا

رو رہے ہیں گلشنِ محمود کے یہ بام و دَر　　ہر کلی پر ہے اُداسی ہر شجر ہے چشم تر
حسرت و رنج و الم سے جھک گئے برگ و ثمر　　آج ہے غم میں یہاں ڈوبا ہوا ہر اِک بشر

تھا یہاں پر جو رئیس اولیاء جاتا رہا
شیخ مدنی کا دُلارا دوستو جاتا رہا

یا خدا حضرت کو تو اب قبر میں آرام دے　　میرے مولیٰ آبِ کوثر کا انہیں تو جام دے
کر عطا جنت انہیں منزل خدا آسان دے　　حشر میں ان کو شہیدوں کی سی یاربّ شان دے

رب کے آگے جھک کے امجدؔ یہ دعا کہتا رہا
شیخ مدنی کا دُلارا دوستو جاتا رہا

منور بستوی

نچھاور تم پہ ہو اللہ کی رحمت اسعدِ مدنیؒ

اُٹھے ہیں اس طرح دنیا سے حضرتِ اسعد مدنیؒ
کشادہ ہوگئی ہے راہِ جنت اسعدِ مدنیؒ

ملا جمعیۃ علماء کا دل روتا ہوا ، مجھ کو
ہوئیں غمگیں جماعت کی جماعت اسعدِ مدنیؒ

امیر الہندؒ کی یہ حق پسندی کا تاثر ہے
کیا ہے آپ نے سب کی امامت اسعدِ مدنیؒ

''مدینہ'' ملکِ ہندوستان سے پہنچا دیا حق نے
تدبر کی جہاں دی تم نے دعوت اسعدِ مدنیؒ

تمہاری رہبری سے قومِ مسلم نے سکون پایا
ہوئی ہے اس طرح محکم قیادت اسعدِ مدنیؒ

اہم قوم و وطن کی تم نے خدمت ایسی کر ڈالی
کہ گمراہوں نے پائی ہے ہدایت اسعدِ مدنیؒ

رسولِ پاک ﷺ کی سیرت چراغِ راہ منزل ہے
عمل میں ہے نبی ﷺ کی پاک سنت اسعدِ مدنیؒ

شبوں کو زندہ تم رکھتے تھے، تابندہ دنوں کو بھی
مشن تیرا تھا تبلیغ و عبادت اسعدِ مدنیؒ

ہمیشہ مذہبِ اسلام کا کلمہ رہا لب پر
ترا ایمان تھا اتنا سلامت اسعدِ مدنیؒ

بغیر اسعدِ مدنیؒ جہاں اچھا نہیں لگتا
بہت ہی ہے ہماری خستہ حالت اسعدِ مدنیؒ

مرے پیارے وطن کا فخر سے سر اُونچا ہے اب تک
وہ تم نے کی ہے تعمیرِ سیاست اسعدِ مدنیؒ

حدیثِ پاک تھی وردِ زباں تا زندگی ، پیہم
تھا آپ کا کام قرآں کی تلاوت اسعدِ مدنیؒ

حسین احمد مدنیؒ کو دُنیا یاد کرتی ہے
ملی ہے آپ کو اُن کی سعادت اسعدِ مدنیؒ

زمانہ عمر بھر رویا کرے گا واسطے تیرے
بنی ہے سانحہ اِک تیری رحلت اسعدِ مدنیؒ

خدا توفیق بخشے مجھ کو میں دیکھوں مدینہ کو
محمد مصطفیٰ کی جائے ہجرت اسعدِ مدنیؒ

تمنا تھی ترا دیدار ہوتا زندگانی میں
مگر اب حشر میں ہوگی زیارت اسعدِ مدنیؒ

تمہاری قبر پر ہو رات دن انوار کی بارش
خدا کی تم پہ ہو چشمِ عنایت اسعدِ مدنیؒ

منوّر دل کی گہرائی سے یہ آواز آتی ہے
نچھاور تم پہ ہو اللہ کی رحمت اسعدِ مدنیؒ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جمال بھارتی دہلی

ہستی تیری علومِ حقیقت کی کان تھی

اے قوم اُٹھ کے قایدِ ملت کو دیکھ لے
روشن گرِ چراغ ہدایت کو دیکھ لے
مدفن میں اہلِ دل کی امانت کو دیکھ لے
وہ سو رہا ہے، یوسفِ حکمت کو دیکھ لے
شوریدہ سر جو موجۂ بادِ صبا ہے آج
کنجِ لحد میں اسعدِ شیریں نوا ہے آج

اللہ اُس کے عزمِ مقدس کی طاقتیں
لائیں نہ تاب قوتِ باطل کی نخوتیں
الجھیں چراغِ نورِ ہدایت سے ظلمتیں
دہشت میں مبتلا تھیں یزیدی حکومتیں
اربابِ حق کا عزمِ حقیقت پناہ ہے
اسلام کا فسانۂ ماضی گواہ ہے

وہ جس کا ہر قدم تھا تمنائے انقلاب
وہ جس کا ہر نفس تھا مجاہد کا پیچ و تاب
اسلام کا نقیب تھا وہ حریت مآب
جس کی صدائے حق سے تھا باطل کو اضطراب
بے مثل اپنے شوقِ شہادت کے رنگ میں
جیسے مجاہد برسرِ پیکار جنگ میں

جو زندگی میں موردِ الزام ہی رہا
لیکن پناہِ عظمتِ اسلام ہی رہا
عالَم میں مشقِ گردشِ ایام ہی رہی
تبلیغ حریت سے مگر کام ہی رہا
جو ختم ہوا تھا خالقِ اکبر کے سامنے
وہ سر نہ جھک سکا کسی خود سر کے سامنے

اے دیوبند! تجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے
ماضی کو وہ مہیب فسانہ بھی یاد ہے
یعنی مقیمِ ظلمتِ خانہ بھی یاد ہے
آزادیٔ وطن کا دوانہ بھی یاد ہے
رکھا تھا تیری خاک میں عزلت نشیں جسے
کیونکر بھلا سکے گی تری سرزمیں اُسے

اے ''میرِ ہند'' اُف یہ ترا عظمت و وقار
ہندوستاں میں قاسمِ ملت کی یادگار
اے وارثِ رشید ترے نام پر نثار
اسلامیانِ ہند کو تو وجہ افتخار
ہستی تری علومِ حقیقت کی کان تھی
باقی ابھی اکابرِ اُمت کی شان تھی

اے رہنمائے ملک وطن میرِ حق پسند
نازاں ہے تیری ذاتِ گرامی پہ دیوبند
کتنا ترا مقامِ فضیلت ہے ارجمند
ہر ذرّہ تیری خاک کا گردوں سے سربلند
تھی تیری ذات شانِ حقیقت لیے ہوئے
اسلاف کا وہ رُعبِ جلالت لیے ہوئے

جہد و عمل کی شان لیے حریت مآب
ظلمت کی شب کو چاک کرے مثلِ آفتاب
یارب عطا ہو قوم کو وہ جذب و اضطراب
جاگ اُٹھے جس کی شورشِ پیہم سے انقلاب
کر دے عیاں اکابرِ اُمت کی شان کو
ہو سوزِ ''میرِ ہند'' عطا ہر نوجوان کو

مرسلہ ! قاری عطاء اللہ تحسینی

شیخ الحدیث مولانا رضاء الحق صاحب مدظلہم

جنوبی افریقہ آمد ...... منظوم استقبالیہ

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بلند پایہ عالمِ دین، ملک وملت کے بے مثال رہنما اور جمعیت علمائے ہند کے سر پرستِ اعلیٰ ہیں۔ حق تعالیٰ نے بے مثال باریک بینی، بالغ نظری اور عجیب وغریب سیاسی بصیرت سے نوازا ہے۔ امیر الہند کے لقب سے ملقب اور پورے ہند میں مسلمانوں کے ہر دلعزیز رہنما ہیں۔ مسلمانانِ ہند کے لئے آپ کی خدمات تاریخ ہند کا تابناک باب ہے۔ آپ کی جنوبی افریقہ آمد کے موقع پر شیخ الحدیث مولانا رضاء الحق مدظلہٗ نے بعض احباب کی فرمائش پر یہ استقبالیہ نظم کہی تھی، نذرِ قارئین ہے۔

ہو مبارک سب کو شیخ دیدہ ور آہی گئے
ہر طرف بادِ صبا کا ہے گزر' آہی گئے

پُر مسرت ان کی آمد' پر سعادت ہے قدوم
ہاں امیر الہند' سید معتبر' آہی گئے

ان کی آمد سے ہوا ہے ذرہ ذرہ آفتاب
صاحبِ علم و عمل ، بالغ نظر، آہی گئے

جو شرافت کے فلک پر درخشاں ہیں روز و شب
وادیٔ شفقت ہے جن سے تر بتر' آہی گئے

رہنما و رہبر و دین نبی کا باغباں
جس نے باطل کو کیا زیر و زبر' آہی گئے

سب نے ان کو چن لیا ہے وہ امیر الہند ہیں
قوم کے احوال سے ہیں باخبر' آہی گئے

پُر وقار و قائدِ حق' شیر دل' شیریں زباں
قوم و ملت کے لئے ان کا سفر' آہی گئے

ان کے فیضِ عام سے سیراب ہے ہر خاص و عام
پرتو انوار وہ رشکِ قمر' آہی گئے

یا الٰہی تو عطا کر دے انہیں عمر دراز
یہ ہماری ہے دعا شام و سحر' آہی گئے

قوم و ملّت کے لئے اللہ یہ محنت' یہ غم
پی رہے ہیں دم بدم خونِ جگر' آہی گئے

یَا فقید المثل فی الاکناف قواد الوریٰ
منذ ایام فکنت المنتظر' آہی گئے

ذاک نجل الشیخ مولانا حسین احمد فذا
عروۃ و تقٰی و انسان البصر ' آہی گئے

ساؤتھ افریقہ کی ساری ملّت بیضا انہیں
کہہ رہی ہے خیر مقدم ، خوب تر' آہی گئے

حیطۂ تحریر میں آتی نہیں ان کی صفات
پیکرِ اخلاص ' قصہ مختصر' آہی گئے

ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے آپ کو خوش آمدی
خیر مقدم کہہ رہے ہیں بحر و بر' آہی گئے

حاملِ علمِ شریعت' ہیں سیاست کے امام
اے رضا شیخ طریقت نامور' آہی گئے

پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی

علامہ عثمانیؒ نمبر پر ایوارڈ کا اعزاز

محترمی ومکرمی مولانا عبدالقیوم حقانی

السلام علیکم : فون پر آپ کی خیریت معلوم کر کے دل مطمئن ہوا۔آپ نے فرمایا کہ القاسم کا خاص نمبر مولانا سید اسعد مدنیؒ پر شائع ہو رہا ہے۔آپ اپنی نظم مولاناؒ پر تحریر کر کے جلد ہی روانہ کر دیں۔میں نے نہ جانے کس خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے فوراً ہی حامی بھر لی۔بعد میں میں یہ سوچنے لگی کہ کسی موضوع پر فوری طور پر کوئی نظم لکھنا بہت مشکل ہے۔ابھی کچھ دن پہلے میں نے چند قطعات مولانا سید اسعد مدنیؒ کی شخصیت پر تحریر کیے تھے۔اب ایسی مشفق وعظیم ہستی نے نظم لکھنے کا حکم دیا جن کو میں صرف القاسم کا ہی سرپرست نہیں مانتی بلکہ اپنی جیسی ہزاروں طالبات کا سرپرست مانتی ہوں۔قلم اُٹھایا، اللہ سے مدد مانگی اور پھر ایک نظم اور چند قطعات ہو گئے، جو القاسم کی نذر کر رہی ہوں۔اللہ کرے آپ کی طرف سے پسندیدگی کی سند مل جائے۔تین قطعات آپ کی عظیم شخصیت کیلئے......

اعزاز(۱) جو حقانی تجھے آج ملا ہے — جیسے کہ بہاروں میں نیا پھول کھلا ہے
یادیں جو اکابر کی سجی ہیں تیر دل مں — یہ اُنہی اکابر کی دعاؤں کا صلہ ہے

....

یہ تو کہہ سکتی نہیں کہ یہ بڑا اعزاز ہے — تیرے مداحوں کا لیکن یہ حسین انداز ہے
ربّ عالم جب عطا فرمائے گا اجر وثواب — یہ پذیرائی اُسی اِک وقت کا آغاز ہے

....

اعترافِ سعی و کاوش بھی بڑا اعزاز ہے — یہ بھی اظہارِ تشکر کا نیا انداز ہے
وہ جو اخلاص ومحبت سے یہاں معمور ہیں — اُن دلوں کی دھڑکنوں کا بولتا اعجاز ہے

....

گر قبول افتد زہے عز وشرف

فاضلی صاحب اور بچوں کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام۔میرے گھر والوں اور مجھ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں ہمیشہ رکھیں۔شکریہ۔

ناچیز ...... ریحانہ تبسم فاضلی

(۱) مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نمبر نکالنے پر آپ کو اعزاز وایوارڈ سے نوازا گیا۔(ڈاکٹر صلاح الدین ثانی کیطرف سے)

پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی

عاشقِ رسول ﷺ

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

جب مؤرخ آج کی تاریخ کو دُہرائیں گے
کارنامے تیرے آبِ زر سے لکھے جائیں گے

جب ترے افکار کے جھونکے دلوں تک آئیں گے
شعلۂ عشقِ نبی کو اور بھی بھڑکائیں گے

کام جو تو نے کئے انسانیت کے واسطے
ایسے اچھے کام تیرے نام کو چمکائیں گے

وہ رفاہی سلسلے پھیلے ہیں تیرے ہند (۱) میں
چاند سورج کی طرح وہ روشنی پھیلائیں گے

تیرے ارشاداتِ عالی مرکزِ دینِ مبیں
دیدۂ و دل میں وہ خوشبو کی طرح لہرائیں گے

ساری خلقت جاگ اُٹھے گی ترے افکار سے
بے حسی کی نیند سے سب ہوش میں آجائیں گے

تربیت پائی ہے جن لوگوں نے تیرے فیض سے
رفتہ رفتہ یہ ہی ذرّے کہکشاں بن جائیں گے

دینِ حق کے واسطے ہر سانس تیرا وقف تھا
تیرے فتویٰ قلب و جاں کو حشر تک مہکائیں گے

قضیۂ کشمیر اور آسام پر تیرے خیال
خونِ مسلم کو بہر انداز اب گرمائیں گے

سلسلے میں بابری مسجد کے جو تو نے کیا
کارنامے قوم کے جذبے کو یہ چمکائیں گے

کام جو اُردو زباں کے واسطے تو نے کیا
کام یہ ہی زیست کا عنوان اب بن جائیں گے

تو نے چھوڑے ہیں نقوش ایسے رہِ افکار میں
آئینوں میں اُن چراغوں کی جلا ہم پائیں گے

تیری رحلت کی خبر سے دل کو جو صدمہ ہوا
ہم دلِ مضطر کو اپنے کس طرح بہلائیں گے

کل تلک تو بولتا گلشن تھا اب خاموش ہے
ہم گلِ شاداب چننے اب کہاں پر جائیں گے

۱۔ ہندوستان

پروفیسر ریحانہ تبسم فاضلی

قطعات ...... امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ

جب حسین احمد جہانِ آب و گل سے چل بسے
اس خلا کو آ کے بھر دے کوئی بھی ایسا نہ تھا
اِک خلا اُن کے چلے جانے سے جو پیدا ہوا
آپ نے اپنے تدبر سے اُسے پُر کر دیا

اُن کی فطرت میں عجب شرم و حیا کا حسن تھا
میں تبسم کیا بتاؤں کیا تھیں اُن میں خوبیاں
وہ حسین احمد کی لہجہ کی حسیں تنویر تھا
سادگی میں ہو بہو وہ باپ کی تصویر تھے

علم کی عظمت سے اُن کو آشنا تم نے کیا
تاکہ اپنے دین میں بھی دسترس حاصل کریں
تم نے مسلم قوم پر تعلیم کے در وا کئے
یوں جمعیت کے تحت اُن کو وظیفے بھی دیئے

ہند میں جو شورشیں تھیں سب پہ تھی اُن کی نظر
سلسلے ملتے تھے اُن کے اپنے شیخ الہند سے
وہ نگاہِ تجزیاتی اب کہاں سے پائیں گے
ایسا عالم ہم تبسم اب کہاں سے پائیں گے

اپنے کردار و عمل سے تم نے ثابت کر دیا
روشنی اپنا سفر جاری رکھے گی حشر تک
زندہ قومیں زندہ رہتی ہیں کبھی مرتی نہیں
روشنی ہے روشنی یہ موت سے ڈرتی نہیں

مسجدوں کا اور مقابر کا تحفظ بھی کیا
حق دلانے کے لئے تم نے ہر اک حقدار کو
حوصلہ تم نے سدا مایوس لوگوں کو دیا
کام بے باکی و ہمت سے سدا تم نے کئے

یوں تو آنے والے آتے جائیں گے
بارگاہِ علم میں تیرے بغیر
سوجھ بوجھ ایسی کہاں سے لائیں گے
علم کے تیور کہاں سے آئیں گے

مولوی اسعدؔ حسین احمد کا اک عکسِ جمیل
حشر تک روشن رہیں گے ماہِ تاباں کی طرح
نام اپنے باپ کا کچھ اور روشن کر گئے
نقش ہائے زندگی میں رنگ ایسے بھر گئے

شخصیت کا باپ کی بیٹے پہ پڑتا ہے اثر
شخصیت میں جو حسین احمد کی وصفِ خاص تھا
اُس کے علم و فضل سے قطرہ بھی بنتا ہے گُہر
شخصیت میں وہ امیر الہند کی آیا نظر

جو فتنۂ ارتداد کا اُٹھا تھا ہند میں
جب بھی مہِ صیام کا وہ دور آئے گا
اس سلسلے میں تیرے عمل یاد آئیں گے
وہ تیرے اہتمام ہمیں یاد آئیں گے

محمد اصغر مدرس جامعہ عربیہ خادم الاسلام، ہاپوڑ

صد حیف ! آج نازشِ دوراں چلا گیا

صد حیف آج نازشِ دوراں چلا گیا
دنیا سے ایک نیرّ تاباں چلا گیا

سونی ہے آج انجمنیں محفلیں سبھی
درد آں کہ قصرِ دین کا درباں چلا گیا

چھائی ہوئی ہے تیرگی دارالعلوم میں
اس بزم کا وہ شمعِ فروزاں چلا گیا

غمگین ہے جماعتِ علمائے ہند آج
وہ رہنما وہ قائد ذی شان چلا گیا

سوتا ہے کل جہاں فضائیں خموش ہیں
کر کے سبھی کو رنج میں حیراں چلا گیا

مرجھا گیا ہے آج گل و غنچہ و شجر
وہ کیا گیا کہ حسنِ گلستاں چلا گیا

ساقی بغیر میکدہ بھی ہوگیا اداس
نجم و ہدیٰ و مشعل عرفان چلا گیا

ملت کا جو فدائی تھا اور ہند کا امیر
سرخیل قوم و پیکرِ ایماں چلا گیا

وہ جانشینِ شیخ تھا وہ میرِ کارواں
بے مثل قوم کا وہ نگہباں چلا گیا

شیدا تھے جس پہ دل سے مریدانِ باصفا
عشاق کا وہ دلبر و جاناں چلا گیا

بے چین غم میں قوم کے سیماب کی طرح
دُکھتے دلوں کے درد کا درماں چلا گیا

باطل کے آگے سینہ سپر تھا وہ عمر بھر
افسوس ہے کہ آج وہ انسان چلا گیا

ہر فتنہ و فساد میں جاتا تھا بے خطر
وہ شیر وہ مجاہدِ یزداں چلا گیا

تھا ملک کے لئے بھی پریشان و فکر مند
ملت پہ کرکے جاں کو قربان چلا گیا

تحریک جبکہ دین کی خاطر چلائی تھی
وہ سب سے پہلے بے جھجک زنداں چلا گیا

دورِ فتن میں جس کا سہارا سبھی کو تھا
ہم ناتواں ہیں قوم کا سلطاں چلا گیا

چشمے اُبل رہے تھے ہدایت کے جس کے گھر
وہ ہادی و قرارِ دل و جاں چلا گیا

تھا اس کو غم کہ ہند میں مسلم ہو سربلند
وجہ بقائے شانِ مسلماں چلا گیا

ہوتی تھی اس کی رائے اصابت لئے ہوئے — وہ دور بیں وہ مہر درخشاں چلا گیا
اُمت کے غم میں رات کو روتا تھا زار زار — قربانِ ضیف و خادمِ مہماں چلا گیا
پھیلا ہے ترا فیضِ ہدایت کہاں کہاں — دنیا سے وجہ بخششِ دوراں چلا گیا
دیوانے تیرے بسمل و بے جاں ہوگئے — تو کیا گیا کہ زیست کا ساماں چلا گیا
رویا کریں گے دیر تک ارباب ملک و دیں — ملت کے غم میں تھا جو پریشاں چلا گیا
تازیست ہو سکے گا نہ ہم سے ادائے شکر — اُمت پہ کرکے اَن گنت احساں چلا گیا
دیوانے منتظر کہ چنیں گفتگو کے پھول — خاموش ہو کے شہرِ خموشاں چلا گیا
کر دے خدایا شیخ کو فردوس میں مکیں — دنیا سے آج عاملِ قرآن چلا گیا
غمگین آج اصغرؔ ناچیز ہے یہاں — ملت کے سر سے سایۂ یزداں چلا گیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد راشد اسعد الرحیمی بٹیوی
استاذ دار العلوم محمدیہ میل کھیڑلا، میوات

چل بسے شیخ زمن

آہ اے اسلاف کی نامی گرامی یادگار
چل بسے شیخِ زمن اے آج اسعد نامدار

یہ خبر مغموم پہنچی ہوگیا دِل گریہ زار
کچھ نہیں بس آنسوؤں کی بندھ گئی پھر تو قطار

اے حسین احمد کے بیٹے ربّ کے پیارے ذی مقام
تیری فرقت کے الم ہیں جھیلنے اب ناگوار

نازِ ملت نازِ دوراں آہ اے رشکِ جمال
یاد تیری آئے گی تڑپائے گی جب لاشمار

شفقت و اُلفت کے گلشن مہ وطن شمس الحیاء
چھپ گیا تو ہمیشہ کے لئے کر اشکبار

اے محمد ﷺ کے نواسے حیدرؓ و زہراؓ کی جاں
ارشدؔ و اسجدؔ کے دلبر سوگئے تم کس کنار

نیک سیرت پاک طینت زینتِ دارالعلوم
جا ملے مولیٰ سے اپنے کرکے کتنے شاہکار

اے تمنائے زکریاؔ او رعلی ندویؔ کی یاد
ہم خیالِ حفظِ رحماں اے چمن کے افتخار

جانشینِ شیخِ اسلام اے امیرِ اولیاء
چل بسا محمود کو صدمے کا تو پہنا کے ہار

چھن گئی خوشیاں بھی مسعودؔ اور مودودؔ کی
ہے محمدؔ اور احمدؔ پہ نہایت غم کا بار

چھوڑ کر یہ پانچ بیٹے غمزدہ دو بیٹیاں
چل بسے دارالفنا سے جانب دارالقرار

اے کرم کے ابرِ باراں نسلِ سید کے چراغ
ہیں یہ پروانے بنا تیرے اُداسی کے شکار

تقویٰ و اخلاص کے گلدستہ و بحر العمل
کیسے بھولیں آہ تجھ کو اے وفا کے تاجدار

یاد میں راتوں کو ربّ کی آپ رہتے تھے فنا
اتباعِ مصطفیٰ میں دن دیئے سارے گزار

داستانِ دینِ حق کی آپ ہیں ایسی کتاب
جس کے ایک ایک لفظ سے ملتا رہے گا حق کا پیار

مصدرِ فضل وکمال و محورِ حسن و جمال
دانش وحکمت کے پیکر اے شجاعت کے مدار

اے گلستانِ طریقت اے شریعت کے پہاڑ
تیرے گل بوٹے سبھی ہیں آج بے رو بے بہار

اے ہمارے شیخ پیارے یہ تمہارے عاشقاں
غم کے مارے یہ بیچارے ہیں پریشاں وغمخوار

عاملِ قرآن و سنت حاملِ عالی صفات
چل بسے کر کے مکمل اپنے کل لیل و نہار

کارواں مایوس ہے بے رونق و بے شوق ہے
کارواں کے آج رہبر چل بسے تربت کے دُوار

عمر بھر جو خاطرِ ملّت تڑپتا ہی رہا — فکرِ اُمت آخری دَم تک رہا اُن پر سوار
صاحبِ ایماں حقیقی نائبِ حضرت رسول ﷺ — ہوگیا رخصت جہاں سے وہ امیر الہند یار
رُعب تھا اغیار میں دہشت زدہ باطل کبھی — جرأتِ ایماں تیری کیا شیر دل عالی وقار
ہر طرف ہیں چھا گئی اب رنج وغم کی بدلیاں — اُٹھ گئے کیونکہ جہاں سے آج صادق غمگسار
وہ تجربے اور جذبے اب نظر آتے نہیں — ہوگیا محروم عالَم چل بسا وہ جاں نثار
منتظر تھی کب سے جانے آپ کی جنت بریں — اور کتنا سخت تھا حور و ملک کا انتظار
سات محرم پیر کو آخر بلاوا آگیا — تھی یہ سن چودہ سو ستائیس قمری سوگوار
چھوڑ کر جس آل کو اولاد کو وہ چل بسے — صبر کی توفیق دے سب کو میرے پروردگار
بارشِ رحمت ہو تیری شیخ پر میرے خدا — جن کی ذات وبات پر سو دل سے ہے راشد نثار

ایک دن جانا ہے لازم آدمی غافل نہ ہو
کر لے جو کرنا ہے موقع ورنہ پھر کھائے گا مار

روشن آفتاب

جناب زاہد ٹانڈوی

بجھ گیا آخر کو زاہد، ایک روشن آفتاب ☆ خاک آخر خاک ٹھہری، زندگی آخر سراب
رہنمائی کے پیمبر، تھے شجر اک سایہ دار ☆ یاد سب کو آئیں گے، وہ محترم عالی جناب
با عمل تھے، با شریعت، سنتوں کے پاسباں ☆ ہو نہیں سکتا ہمیں اب ایسا گوہر دستیاب
ظاہر و باطن کا یار و چارہ گر جاتا رہا ☆ کھوگیا ہے آج ہم سے نسخہ ہائے کیمیاب
جانے کیا کیا نقش تھا، اس کے در و دیوار پر ☆ موت نے جس کو مقفل کردیا وہ ایک باب
فکر ملت نے کبھی تا، چین سے رہنے دیا ☆ نام تھا ان کا ہی سید اسعدِ مدنی جناب
ایک ہوجائیں چلو ہم سب خدا کے واسطے ☆ بس یہی ان کا رہا ہے قوم سے اکثر خطاب
لکھنے والوں نے لکھا ہے، جو بھی ان کو خیر سے ☆ میں نے ان کو لکھدیا ہے ماہ تاب و آفتاب
قید خانہ ہے یہ دنیا، ایک مومن کے لئے ☆ یہ حدیثِ پاک میں ہے، من وعن عالی جناب
ہے دعائے قلب میری، اے مرے پروردگار ☆ مومنوں کے ساتھ اٹھیں جب اٹھیں یوم الحساب
میرے مولا ہے دعا تجھ سے یہی شام و سحر ☆ ساقیِ کوثر پلائیں، خود انہیں کوثر کا آب

وہ پیامی تھے وفا کے دیکھنا زاہد میاں
قبر پر ان کی کھلیں گے، موتیا، بیلا، گلاب

ماجد بستوی، جنرل سیکرٹری بزم اسلم

فدائے ملتؒ کے اوصافِ حمیدہ

وقت کا مردِ مجاہد صاحبِ کردار تھا — قوم و ملت کے لئے وہ برسرِ پیکار تھا

کود پڑتا نرغۂ باطل میں بے خوف و خطر — ولولہ سینے میں دل میں جذبۂ بیدار تھا

قوم کی افسردگی کو وہ رہا دیتا حیات — سینۂ دل میں وہ رکھتا جذبۂ ایثار تھا

بے وطن کا وہ وطن تھا بے پناہوں کی پناہ — وہ یتیموں بیکسوں بیواؤں کا غمخوار تھا

دشمنوں کو بھی لگاتا پیار و اُلفت سے گلے — کیا سمجھ تھی کتنا اونچا آپ کا معیار تھا

اللہ اللہ فیض ان کا ہر گھڑی تھا فیض عام — بت کدہ بھی ان کے دَم سے جلوۂ انوار تھا

مشعلِ نورِ الٰہی جس نے روشن کر دیا — رہنما تھا راہبر تھا قوم کا سالار تھا

ہو رہی تھی قوم ساری پائے اقدس پر نثار — کیا حسیں کردار تھا وہ کیا حسین گفتار تھا

وصف میں صدیق تھا فاروق تھا عثمان تھا — عزم و ہمت خالد عبیدہ حیدرِ کرار تھا

منزلِ مقصد سے پہلے وہ نہیں کھاتا شکست — عزم و ہمت میں سراپا آہنی دیوار تھا

کون کودا بربریت کی دھکتی آگ میں — قوم و ملت کے لئے مرنا کسے درکار تھا

آنچ آئے قوم پر اور وہ تماشائی رہے — حق کی خاطر بند ان کا کب لب گفتار تھا

قوم و ملت کے لئے وہ جاں کو جاں سمجھا نہیں — سر ہتھیلی پر وہ لے کر ہر گھڑی تیار تھا

راہِ حق میں پائے استقلال کب کھایا شکست — وقت کا مردِ قلندر تھا کفن بردار تھا

عزم و ہمت پر زمانہ محوِ حیرت ہوگیا — سر جو دیدے حق کی خاطر وہ وہی سردار تھا

روزِ روشن کی طرح ہے ان کا کردارِ حسیں — وہ جمعیۃ کا علمبردار تھا معمار تھا

اللہ اللہ کیا رہا وہ پیکرِ حسنِ خلوص — ساری دنیا سے الگ ان کا طریقِ کار تھا

سینۂ باطل میں وہ چبھتا ہوا خنجر رہا — سر جدا کر دے جو تن سے وہ وہی تلوار تھا

ہر گھڑی رہتی تھی جس پہ ساری دنیا کی نگاہ — گویا میدانِ سیاست کا علمبردار تھا

تھا سراپا خاندانِ حضرتِ مدنیؒ کی لاج
جامِ میخانہ سے ان کے ہر کوئی سرشار تھا

زعمِ باطل کانپ جاتا سن کے جن کا نام بھی
وہ حسین ابن علی تھا حیدرِ کرار تھا

بے خطر لے کر سفینہ قوم کا بڑھتا رہا
موج تھی گرداب تھی طوفان تھا منجدھار تھا

اہلِ باطل خوف کھاتے تھے ملاتے آنکھ بھی
تمتماتا سرخ چہرہ کتنا شعلہ بار تھا

کون سا وہ درد تھا دل میں رلاتا تھا انہیں
کون سی سوزش تھی جس پر وہ سدا خوں بار تھا

سوزشِ فرقت میں روئے کیوں نہ ساری کائنات
کہہ رہے ہیں جانے والا قوم کا غمخوار تھا

دے رہا تھا ساری دنیا کو اخوت کا پیام
ظلم کا دشمن عدوئے نخوت و پندار تھا

لشکرِ برطانیہ سے کون تھا سینہ سپر
جب وطن کو خونِ دل خونِ جگر درکار تھا

جس کا سونا جاگنا سب قوم کی خاطر رہا
جس کا مرنا جینا ملت کے لئے درکار تھا

آرہی تھی چاروں جانب سے صدا لبیک کی
ہر کوئی بیتاب ہو کے طالب دیدار تھا

جب قدم اُٹھے کمر باندھی تھکا ہارا نہیں
منزلِ دشوار کا بھی راستہ ہموار تھا

یاد نے جس کی بھگا رکھی ہے اب تک آستیں
میں بھی ان کے میکدے کا ایک بادہ خوار تھا

نور سے پرنور چہرہ اور ملکوتی صفت
درحقیقت وہ غلامِ سید ابرار تھا

ہر کوئی بیتاب پھرتا شیخ مدنی کے لئے
کس قدر لوگوں پہ طاری نشۂ دیدار تھا

منتظر کس کے ہو ماجدؔ کون بھیجے گا خطوط
وہ قلم خاموش ہے جو تم پہ احساں بار تھا

اب نہ وہ ساقی نہ وہ بادہ نہ وہ پیمانہ ہے
دل شکستہ رند ہیں اُجڑا ہوا میخانہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لوح حادثہ جانکاہ دین پرور سید اسعد مدنی

۱۴۲۷ھ

لوح فرزند شیخ الاسلام

۱۴۲۷ھ

بسم اللّٰہ القدوس التواب الرحمن الرحیم

۱۴۲۷ھ

نحمد الخالق العزیز الحلیم و نصلی علی رسولہ الکریم

۲۰۰۶ء

قال الواحد الکریم : کل نفس ذائقة الموت

۱۴۲۷ھ

قال النبی الناصح : الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

۱۴۲۷ھ

وقد لقی ربہ الحی و المتعال ذاکرًا

۲۰۰۶ء

غفر الاحد الاول لہ ☆ ھمسفر شیخ الاسلام

۱۴۲۷ھ ۱۴۲۷ھ

آہ رہنمائے حق، فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی

۱۴۲۷ھ

آہ رکن رکین، وقار اہل مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند

۲۰۰۶ء

آہ جانسپار، زاہد پاک مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمار ہند

۱۴۲۷ھ

از: نیاز مند، عاصی محمد شاکر الاعظمی ❁ ایجاد شاکر نثار منجیر پٹی

۲۰۰۶ء ۲۰۰۶ء

صنعت مربع ، پاك لسان امير الهند

۱۴۲۷ھ

بیان وفات جانشین شیخ اسلام

۲۰۰۶ء

۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶
۲۰۰۶	عابد	قائد	صادق	شیر دل	طاہر	صابر	شاکر	ماہر	۲۰۰۶
۲۰۰۶	قائد	صادق	شیر دل	طاہر	صابر	شاکر	ماہر	عابد	۲۰۰۶
۲۰۰۶	صادق	شیر دل	طاہر	صابر	شاکر	ماہر	عابد	قائد	۲۰۰۶
۲۰۰۶	شیر دل	طاہر	صابر	شاکر	ماہر	عابد	قائد	صادق	۲۰۰۶
۲۰۰۶	طاہر	صابر	شاکر	ماہر	عابد	قائد	صادق	شیر دل	۲۰۰۶
۲۰۰۶	صابر	شاکر	ماہر	عابد	قائد	صادق	شیر دل	طاہر	۲۰۰۶
۲۰۰۶	شاکر	ماہر	عابد	قائد	صادق	شیر دل	طاہر	صابر	۲۰۰۶
۲۰۰۶	ماہر	عابد	قائد	صادق	شیر دل	طاہر	صابر	شاکر	۲۰۰۶
۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶	۲۰۰۶

یہ مصرعہ ۶۴ بار پڑھا جا سکتا ہے اور ہر چہار طرف سے حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی رکن رکین مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماءِ ہند کا سالِ رحلت ۲۰۰۶ء برآمد ہوتا ہے جو ۱۴۲۷ھ کے مطابق ہے۔

فرشتے آگئے لینے کہ حیف اب ہمیں سکوں آتا نہیں

۲۰۰۶ء

کاوش محبِ صادق محمد شاکر القاسمی

۱۴۲۷ھ

زرنجور، ملول محمد شاکر القاسمی

۱۴۲۷ھ

حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی مدظلہ

نفس نفس ہے غم نصیبِ زندگی تیرے بغیر

امیر الہند، فدائے ملت، شیخ العرب والعجمؒ کے نورِ نظر، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے سچے جانشین کے وصال پر دل و دماغ پر بہت اثر رہا اور اسی ضمن میں گزشتہ رات خواب میں اپنے آپ کو دیوبند کے قبرستانِ قاسمی میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے مزار مبارک کے قریب پایا اور علامہ انور صابری مرحوم کے پُر درد مرثیے کا ایک شعر میں بار بار دُہرا رہا ہوں اور اسے دہراتے دہراتے میری آنکھ کھل گئی تو اس وقت بھی زبان پر یہی شعر تھا ......

خزاں کی زد پر آ گیا رشیدِ وقت کا چمن ۔۔۔ اُجڑ گئی بہار باغِ قاسمی تیرے بغیر

یہ پُر درد مرثیہ ہمارے والد ماجد زاہد العصر شیخ التفسیر حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہٗ کبھی کبھار انتہائی سوز وگداز سے پڑھا کرتے تھے اور اس وقت حضرت کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات برس رہی ہوتی تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ کاملۃ واسعۃ۔ بار بار دل میں آیا کہ ان مبارک لمحات کو تحریر میں محفوظ کر کے آپ کے ماہنامہ کی وساطت سے تمام عُشاقِ مدنیؒ تک پہنچادوں۔ والسلام مخلص دعاگو و دعاجو

محمد ارشد الحسینی ...... ۲۶؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

سکونِ زندگی کی دوا پانے کہاں جائیں؟ ۔۔۔ جگر کے داغ دِل کے زخم دکھلانے کہاں جائیں؟

تیرے گیسوئے ہستی سے جنوں کی جن کو نسبت تھی ۔۔۔ بتا! روح حسین احمد! وہ دیوانے کہاں جائیں؟

نفس نفس ہے غم نصیبِ زندگی تیرے بغیر ۔۔۔ الَم کدہ ہے کائناتِ سرمدی تیرے بغیر

دماغ و دل سے چھن گئی ہے روشنی تیرے بغیر ۔۔۔ خموش ہے چراغِ علم و آگہی تیرے بغیر

حیات وعشق و معرفت کی دے رہی تھی جو خبر ۔۔۔ وہ نبضِ ذکر وشُغلِ دل بھی رُک گئی تیرے بغیر

ہیں تاحدودِ چشمِ شوق، ظلمتیں ہی ظلمتیں ۔۔۔ کہاں گئی تجلی رُخِ نبی ﷺ تیرے بغیر؟

کٹیں گی کیسے صبح و شام آرزو کی ساعتیں ۔۔۔ اُبھر رہی ہیں اُلجھنیں نئی نئی تیرے بغیر

قرنِ اوّلین کی یاد کس کے پاس آئے گی؟ ۔۔۔ ہے بند بابِ فیضِ دیدۂ علیؓ تیرے بغیر

محبتوں کا وہ مقامِ اتصال اب کہاں؟ ۔۔۔ نظر میں اپنی ہم بھی خود ہیں اجنبی تیرے بغیر

عجم کے شیخ، مرشدِ عرب، زعیمِ کائنات ۔۔۔ کرے گا کون بے کسوں کی دلدہی تیرے بغیر؟

خزاں کی زد پہ آ گیا رشیدِ وقت کا چمن ۔۔۔ اُجڑ گئی بہار باغِ قاسمی تیرے بغیر

شجاعتِ حسینؓ کو تھا ناز جس کی ذات پر ۔۔۔ ہے کون اب وہ جانِ سِرِّ احمدی تیرے بغیر

بنامِ نسبتِ قوی سکونِ روح کے لئے ۔۔۔ کِسے پکارتا پھرے گا صابری تیرے بغیر؟

باب : ۱۳
سفرِ آخرت

ایڈیٹر ''نئی دنیا''، دہلی
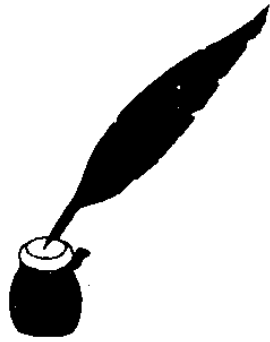
رحلتِ اسعد مدنیؒ ملک وملت کا نا قابلِ تلافی نقصان

ہندوستان کے شہرۂ آفاق عالم دین اور متحدہ ہندوستانی قومیت کی سب سے بڑی علمبردار مذہبی تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے صدر، امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ نے پیر (۶ رفروری) کی شام بعد نمازِ مغرب دہلی کے اپولو ہسپتال میں جہاں وہ پچھلے تین ماہ سے زیر علاج تھے، داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اگلی صبح بعد از نمازِ فجر دیوبند میں سپردِ خاک کیے گئے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک سچے غمخوار اور ایک دردمند رہنما نے جس وقت اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا، مغرب کے اُفق پر سورج ڈوب چکا تھا اور جب انہیں سپردِ خاک کیا گیا مشرق کے اُفق پر اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے کو مچل رہا تھا۔ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی جیتی جاگتی تفسیر ہماری نگاہوں کے سامنے تھی ......؎

جہاں میں مردِ مؤمن صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مولانا مدنیؒ نے زندگی بھر ہندوستانی مسلمانوں کو ایک باعزت زندگی دلانے کی جنگ لڑی۔ ملک کے سیاسی وسماجی نظام میں ایک مؤثر اور باوقار کردار ادا کرنے کی راہیں ہموار کرنے کی جدوجہد کی تاکہ وہ دنیا میں سر اُٹھا کر جی سکیں اور اس دارِ فانی سے گئے تو جاتے جاتے بھی اُمت مظلوم کو زندگی کا پیغام دے گئے۔ وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین اور ان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ قومی وملی خدمت کا جذبہ انہیں وراثت میں ملا تھا۔ ان کے ممتاز والد نے ملک کی تحریکِ آزادی میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ شخصی آزادی، خاندان اور عیش وآرام سب کچھ نثار کر دیا تھا۔ قید وبند کی صعوبتیں تک برداشت کی تھیں، جن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ سیاسی، سماجی، دینی اور علمی زندگی کے گوناگوں میدانوں میں قیادت کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ پیرانہ سالی کے باوجود انتہائی عزم واستقلال کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ ان کی قیادت میں جمعیۃ علماءِ ہند ہندوستانی مسلمانوں کی ایک مؤثر آواز اور تعمیر ملت کے داعی ونقیب کی حیثیت سے اُبھری۔

مولانا اسعد مدنیؒ نے اس خلاء کو پُر کرنے کی بڑی سخت جدوجہد کی تھی جو مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کی رحلت سے پیدا ہوا تھا، اور اس راہ میں انہیں ایک حد تک کامیابی بھی ملی۔ ان کے دور میں جمعیۃ علماءِ ہند نے فرقہ

وارانہ فسادات کے متاثرین کی راحت رسانی اور آبادی کاری کا جو گرانقدر کام کیا، وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ قومی وحدت کا جو نظریہ انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا، وہ اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ متحدہ قومیت کے نظریہ سے ان کی سچی وابستگی نے جمعیۃ علماءِ ہند کے سیکولر اور انسان دوست کردار کو قائم رکھا۔ انہوں نے اپنے کارکنوں اور عقیدت مندوں کو کبھی اس روش سے بال برابر بھی ہٹنے نہیں دیا، حالانکہ اس دوران آزمائشوں کے کئی مرحلے ایسے آئے جب اس راہ پر چلنا کٹھن ہو گیا تھا۔

بابری مسجد کی شہادت اور گجرات کے فسادات کے دور میں بھی جب ہندوستانی جمہوریت اور سیکولرازم کے بڑے بڑے قصیدے خوانوں کا ایمان ڈگمگا گیا، جمعیۃ علماءِ ہند نے اپنے سیکولر جمہوری کردار اور متحدہ قومیت کا دامن نہیں چھوڑا۔ وہ برصغیر میں امن وامان اور ہندو پاک میں ایک مضبوط ترین علمبردار کی حیثیت سے بھی برصغیر میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے اس مؤقف کو تقویت پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کے آخری تین چار برسوں کے دوران جدوجہد کافی تیز کر دی تھی۔ ضعف پیری کے باوجود پاکستان کے دورے کئے اور جمعیۃ علماء اسلام (پاکستان) کے رہنماؤں کو اس کے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا۔ یہ اس لئے ممکن ہوا کہ ان کی شخصیت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین کی حیثیت سے جس طرح ہندوستان میں احترام وعقیدت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی، اسی طرح پاکستان میں بھی۔ مولانا کی رحلت کے بعد علماء کی صفوں میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دونوں ملکوں میں میں یکساں احترام وعقیدت کا حامل ہو۔ وہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں علمائے دین کے سرگرم کردار کی آخری علامتوں میں سے ایک تھے۔

برصغیر میں رنج وغم کی لہر :

۶ رفروری کی شام مولانا اسعد مدنی کی رحلت کی خبر جیسے ہی پھیلی ملک وبیرونِ ملک ان کے چاہنے والوں میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہندوستان کے گوشے گوشے میں تعزیتی جلسے ہونے لگے۔ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ دنیا بھر میں مولانا کے ہزاروں چاہنے والوں کا رُخ دہلی اور دیو بند کی طرف تھا، جو ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے چل پڑے تھے۔

غیر ملکی وفود میں سب سے بڑی جماعت پاکستان سے آئی جس میں پاکستان کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ۱۶ رارکان شریک تھے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائد مولانا فضل الرحمٰن سمیت قومی اسمبلی کے ۸ رارکان، مختلف صوبائی اسمبلیوں کے ۷ رارکارن اور بلوچستان کے وزیر مولانا حافظ مطیع اللہ پر مشتمل اس وفد نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے نئی دہلی میں نامہ نگاروں سے کہا کہ دیو بندی مکتب فکر کے مسلمان مولانا مرحوم کو پاکستان میں بھی اپنا سب سے بڑا رہنما تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی موت پر پاکستان میں

بھی دور دور تک غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ قومی اسمبلی کے رُکن حافظ حسین احمد بتاتے ہیں کہ جس وقت مولانا مدنیؒ کے انتقال کی خبر انہیں ملی، وہ اسلام آباد میں پارلیمنٹ کی عمارت میں تھے، کیونکہ آج کل پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا ہے، وزیراعظم شوکت عزیز نے پارلیمنٹ کو بھی اس کی خبر دی اور پارلیمنٹ کی کارروائی روک دی گئی۔

پاکستان کے سبھی ٹی وی چینلوں اور ریڈیو نے اس خبر کو خاص اہتمام کے ساتھ نشر کرنا شروع کر دیا، پھر وزیراعظم نے خصوصی طیارے کا بندوبست کیا اور ہندوستانی ہائی کمشنر شکر مینن نے رات ۱۲ بجے اپنا دفتر کھلوا کر ویزے پر مہر لگائی تاکہ جمعیۃ علمائے اسلام (پاکستان) کی قائدین اپنے محبوب رہنما کے جنازے میں شریک ہو سکیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر موقع ملتا تو پاکستان سے ہزاروں لوگ جنازے میں آتے۔ بہرحال تاریخ میں پہلے کبھی کسی کے جنازے میں پاکستان سے اتنا بھاری بھرکم وفد ہندوستان نہیں آیا تھا۔

ادارہ ندائے شاہی

لوگ خضرِ کاروانِ حال کہتے ہیں تجھے

حضرت امیر الہند کی وفات کی خبر ملت اسلامیہ پر ایک صاعقہ بن کر گری، ہر طرف ایصال ثواب، تعزیتی جلسوں اور دعائے مغفرت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا، اور ملت کے ہر طبقہ نے آپ کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ انہی میں سے آپ کے ہم عصر علماء کے چند منتخب تأثرات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں جو عموماً تعزیتی جلسوں کی تقاریر سے ماخوذ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے تعزیتی جلسہ کی مفصل رپورٹ ہمیں حضرت مولانا شوکت علی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ موصول ہوئی۔ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے زیر اہتمام منعقدہ عظیم الشان تعزیتی جلسے کی تفصیلات مولانا عمران اللہ صاحب قاسمی نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ مرتب فرمائیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء۔ (مرتب)

دارالعلوم کی بے لوث و بے مثال خدمت

حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند: نے اپنے جذبات رنج وغم اور دلی تأثرات میں فرمایا، حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات ہم سب کے لئے بہت بڑا اندوہ ناک سانحہ ہے، بحران کے وقت میں دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داری کا بار میرے کاندھوں پر رکھ دیا گیا، مالی اعتبار سے بڑی پریشانی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں یہ موضوع زیر بحث آیا، انتشار کا وقت تھا، چندہ نہیں ہو رہا تھا، کبھی دس روپے کا منی آرڈر آتا، کبھی ۲۰ روپے کا، حضرت مولانا نے اس بحرانی اور مشکل ترین وقت میں دارالعلوم دیوبند کی بے لوث اور بے نظیر خدمت کی۔ حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ مجلس شوریٰ میں تشریف لائے اور روپیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا مجلس شوریٰ میں پیش کیا جس میں دارالعلوم کے ۹ ماہ کے خرچ کے برابر خطیر رقم تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے بحرانی دور میں اتنی بڑی رقم اتنی کم مدت میں فراہم کر کے پیش کرنا یہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی ہی کا کام ہے کسی اور کے لئے ممکن نہیں، انہوں نے نظام بہتر کرنے پر پوری توجہ دی۔ طلبہ عزیز کے معاملات سے خصوصی دلچسپی لی، ان کے وظائف بڑھوائے ان کے قیام وطعام کا نظم بہتر کرنے پر زور دیا۔ دارالعلوم میں حضرت کی رحلت سے بڑا زبردست خلا پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی خدمات قبول فرمائے، اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، دارالعلوم دیوبند کی اور جمعیۃ علماء ہند اور تمام مذہبی اداروں اور مسلمانانِ ہند کی حفاظت فرمائے۔

کشادہ دل، مردِ مومن تھے مولانا مرحوم

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم وقف دیوبند نے فرمایا کہ: مولانا اسعد مدنی اپنے اجتماعی فکر و ذہن اور اعمال وخدمات کی وسعتوں کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کی

ایک معتبر ومتعارف شخصیت تھے، اسی لحاظ سے ان کی وفات سے عمومی طور پر غیر معمولی غم محسوس کیا گیا ہے۔ مولانا مرحوم اختلاف اور اتفاق میں بھی اصولوں کو اہمیت دیتے تھے، نفاق کا مزاج میں دخل نہیں تھا ان کا ظاہر اور باطن یکساں تھا، ماضی میں باہمی روابط میں فی الجملہ فرق سے پیدا شدہ جماعتی بُعد میرے لئے طبعی طور پر تکلیف دہ تھا، اسی لئے تمام حوادث سے صرف نظر کرتے ہوئے جب میں نے مولانا سے رابطہ قائم کیا، تو مجھے بے حد خوشی اور مسرت محسوس ہوئی کہ مولانا مدنی نے حسب توقع فراخ حوصلگی سے لبیک کہا اور اس کے نتیجہ میں الحمد اللہ تمام جماعتی بعد ختم ہوگیا اور زمانہ طالب علمی کے خوشگوار لمحات کی یاد ایک مرتبہ پھر سے تازہ ہوگئی، اختلافات کو درکنار کر کے انہوں نے میرے اور اپنے دیرینہ تعلقات کو جو بعض وجوہات کی بنا پر کشیدہ ہوگئے تھے پھر سے استوار کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی، بعض حضرات نے تعلقات کی استواری کو طرح طرح کے معنی پہنائے لیکن مجھے اطمینان تھا کہ ہم دونوں کے درمیان ایک جذبہ صادق تھا جو اس کی وجہ بنا، جہاں تک مولانا کے کام اور خدمات کا سوال ہے وہ اظہر من الشمس ہے، عمر کے آخری پڑاؤ پر بھی وہ ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبودی کے لئے سرگرم عمل رہے۔

ابر سخا؛ کرم نفسی کے پیکر تھے

حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری، شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیوبند نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر فرمائے: مولانا اسعد مدنی کے والد مرحوم مرشد کامل، سپاہی مجاہد، نڈر انسان، سخی بلکہ ابر سخا، کریم، کرم نفسی کے پیکر تھے، مولانا اسعد مدنی صاحب مرحوم نے اپنی ان آبائی روایات کو بڑی حد تک نبھایا، وہ جمعیۃ العلماء کے صدر نشین رہے، دار العلوم دیوبند کے قائد، مسلم فنڈ دیوبند کے بانی اور بہت سی ملی وملکی تحریکات کے معمار وشریک تھے۔ خانقاہ مدنی ان کے انفاس سے گرم، ہندوستانی سیاست ان کے آتشیں نفوس سے تپتا ہوا ماحول، مستعد، فعال دوڑ دھوپ، جدوجہد ان کا امتیاز، لاریب وہ وسیع الحوصلہ وفراخ دل تھے، انہوں نے بڑے سے بڑے مجرم کو بھی معاف کرنے میں تأمل نہ کیا جس کا مظاہرہ خاتمہ عمر تک بھی ہوتا رہا، کون ایسا ہے جس کی تمام زندگی اختلاف کی زد میں نہ ہو؟ چنانچہ مرحوم کی سیاسی مصروفیات پر اشکالات بھی رہے اور بے چینیاں بھی، تاہم وہ ہر مخالفت کو برداشت کرتے، اور مصلحت شناسی ان کا عنصر غالب تھا، اپنے نامور باپ کی ہر گوشہ میں جانشینی کی اور کافی حد تک اس کا حق ادا کیا۔

عوامی خدمت اور تزکیہ نفس کا مثالی امتزاج

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا: مولانا سید اسعد مدنیؒ کی وفات ایک اہم حادثہ ہے ملت اسلامیہ خصوصا مسلمانان برصغیر کو قدم بہ قدم ایسی بالغ نظر شخصیات کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، جو علم وعمل کا حسین آئینہ دار ہو۔ درحقیقت انہوں نے اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی صحیح جانشینی اختیار کی اور انہوں نے ملک وملت کی فلاح وبہبود کے لیے بڑی جانفشانی سے کام لیا، تاریخ میں ایسی کم شخصیات گزری ہیں جنہوں نے سیاست کے ساتھ

اصلاح باطن کو بھی جمع کیا اور عوامی وسماجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی علمی اشغال اور تزکیہ نفس کی طرف توجہ کی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پوری ایمانی جرأت وحمیت کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا اور متعدد بار جیل بھی گئے، وہ ایک ربانی بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے، دوسری طرف تربیت وتزکیہ نفس اور دعوت واصلاح کا کام بھی کرتے تھے، ان سب خصوصیات کو ان کے فرزند اکبر مولانا سید اسعد مدنیؒ نے اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کی، چنانچہ وہ تعلیم وتدریس سے بھی وابستہ رہے، انہوں نے دعوت واصلاح کے کام کے ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اختیار کیا، جس کی انہوں نے ملت کے فلاح وبہبود کے لئے ضرورت سمجھی، چنانچہ انہوں نے پارلیمنٹ کی سطح سے مسلم مسائل کے حل کی کوششیں کیں، انہوں نے مسلمانوں کے مسائل کو اعلیٰ حکام وارباب اقتدار تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، انہوں نے عرب ممالک کے بھی دورے کئے، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے پروگرام میں بھی مدعو کئے جاتے تھے، جمعیۃ علماء ہند کے وہ صدر رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور متعدد اداروں کے سرپرست وروح رواں تھے، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔

مولانا اسعد مدنی عالم اسلام کی مثالی شخصیت تھے

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ : مولانا مدنیؒ نہ صرف ایک عالم دین تھے بلکہ عظیم الشان بھی تھے، مولانا مدنی ہندوستان کے ہی نہیں عالم اسلام کی مثالی شخصیت تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سولہ رکنی وفد کی قیادت کرتے ہوئے مولانا مدنیؒ کے ابدی سفر میں شرکت کے لئے خصوصی طیارے سے دیوبند آئے تھے، تاخیر کی وجہ سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو نماز جنازہ تو نہیں مل سکی، مگر انہوں نے مولانا مدنی کی آخری آرام گاہ پہنچ کر ایصال ثواب کیا، دارالعلوم کے مہمان خانہ میں مولانا مدنی کے خاندان کے افراد کے ساتھ تعزیت کی، انہوں نے کہا کہ مولانا مدنی قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات میں ہمیشہ بہتری لانے کی کوشش کرتے رہے تھے، مولانا نے کہا مولانا مدنی کے اندر ہمدردی غم گساری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ پاکستان میں ہلاکت خیز زلزلہ آیا تو مولانا مدنی نے کروڑوں روپیہ وہاں روانہ کیا، مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا مولانا اسعد مدنی جیسی شخصیت صدیوں میں جا کر پیدا ہوتی ہیں۔

عظیم باپ کی اداؤں کے امین

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب (صاحب زادہ حضرت شیخ الحدیثؒ) سرپرست جامعہ مظاہر علوم سہارن پور نے فرمایا : بھائی اسعد صاحب مرحوم کا تعلق میرے والد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ جتنا محبانہ اور بے تکلفانہ تھا اس کو دیکھنے والے آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب مولانا اسعد صاحب اپنے معاملات اور مسائل چاہے وہ گھریلو

ہوں اور چاہے ملی و دینی ہوں، میں مشورہ کرنے کے لئے بہت کثرت کے ساتھ سہارن پور کے گھر میں تشریف لایا کرتے تھے۔ عام طور سے یہ آمد اذان اور نماز فجر کے درمیان ہوا کرتی تھی، وہ تشریف لاتے اور خاموشی کے ساتھ تخلیہ میں والد ماجد سے مشورہ کر کے فوراً روانہ ہو جایا کرتے تھے، حضرت والد صاحب بھی ان کے ساتھ بہت بے تکلف ہو کر بات کیا کرتے تھے، اور عام طور پر زبانی گفتگو میں یا خط وکتابت میں پیارے اسعد کہہ کر مخاطب ہوا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مرحوم نے تحریک شروع کی اور اس کے لئے گرفتار ہو کر سہارن پور جیل گئے اور والد ماجد کو اس کی تفصیلات کا علم ہوا تو ان کو سن کر بے اختیار یہ جملہ فرمایا تھا کہ ''اب اسعد اپنے باپ کی اداؤں پر آگیا''، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور ان کی تمام دینی وملی نشانیوں کی بالخصوص دارالعلوم اور جمعیۃ العلماء کی پوری پوری حفاظت فرمائے اور اپنوں وغیروں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

قوم وملت کے سرپرست اور جماعت کے ستون اعظم

حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی دامت برکاتہم شیخ ثانی دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ قوم وملت کے سرپرست امیر الہند اور ہماری جماعت کے ستون اعظم تھے، باطل نے کہیں بھی سر اٹھایا، انہوں نے اس کا مقابلہ کیا، ہمارے اطراف میں جماعت اسلامی نے سر اٹھایا تو شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے سب سے پہلے اس کا مقابلہ کیا، بیت العلوم سرائے میر کے جلسے میں حضرت نے فرمایا کہ خوارج، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ اور قدریہ کی طرح مودودی جماعت بھی ضال اور مضل ہے۔ اسی طرح حضرت امیر الہند نے بھی تمام باطل فرقوں اور جماعتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ موت برحق ہے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا:

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی ۔۔۔ جان ٹھہری جانے والی جائے گی

لیکن جانے والے مختلف ہوتے ہیں ایک وہ ذات ہوتی ہے جس کی وفات پر زمین وآسمان، شجر وحجر، حتی کہ سمندروں میں مچھلیاں سب رو رہے ہیں اس لئے کہ وہ ذات باعث رحمت تھی، اس کی وجہ سے عالم میں رحمت آتی تھی، حضرت کی ذات بھی ملک وملت اور دنیا کے لئے رحمت تھی، ان میں بڑوں کا احترام اور توقیر بہت تھی آج ہم سب قابل تعزیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جامع کمالات شخصیت

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب زید مجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: تاریخ بتاتی ہے کہ ارباب اقتدار کے ظلم وجبر کے خلاف علماء کوفہ نے سب سے زیادہ آواز اٹھائی ہے اور ظالم وجابر حکمرانوں کے خلاف سینہ سپر رہے ہیں۔ علماء کوفہ ہی کی طرح علماء احناف بھی ہیں، ہندوستان میں حکومت کے فیصلوں کے خلاف جہاد سب سے پہلے انہیں علماء احناف نے کیا ہے۔ ان سے متاثر ہو کر دوسروں نے بھی یہ کام کیا ہے، علماء احناف میں حضرات علماء دیوبند کا تو طرہ امتیاز یہ وصف رہا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی بڑے کمالات اور اوصاف حمیدہ کی حامل تھی، اپنے معاصرین میں وہ تمام کمالات وخوبیوں کے جامع نظر آتے تھے، وہ سیاست کے میدان میں بھی نمایاں رہے، تعلیم وتدریس کے میدان میں بھی فائق رہے، سلوک وتصوف میں بھی کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ ان کے معاصرین میں کوئی علمی میدان میں نمایاں ہے، کوئی خانقاہی میدان میں ممتاز ہے، کوئی اصلاحی کام میں بڑھا ہوا ہے، لیکن اِن تمام کاموں میں جامع حضرت شیخ الاسلام کی ذات تھی۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام کمالات میں ان کے جانشین تھے، جو جامعیت ان میں تھی وہ ان کے معاصرین میں نہ تھی، وہ بڑے فہم وفراست اور تدبر کے حامل تھے، فتنوں اور حالات آئندہ کا بہت پہلے ادراک کر لیتے تھے، حضرتؒ نے جو نقوش چھوڑے ہیں ہم کو انہیں باقی رکھنا ہے۔

باطل کے خلاف سینہ سپر

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند دامت برکاتہم نے فرمایا: ہمارے حضرت اقدس امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی برد اللہ مضجعہ کی وفات کے صدمے میں ہم یہاں اتنی تعداد میں جمع ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں نے یہاں نہیں دیکھی، یہ بڑا مجمع شاہد عدل اور بہترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو برگزیدہ بنایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا درجہ عطا فرمایا تھا جو خال خال کسی کو ملتا ہے اور لاکھوں میں کسی کو ملتا ہے، حضرت مولانا کے اندر اتنی زیادہ خوبیاں تھیں، تھوڑے سے وقت میں ساری خوبیاں بیان نہیں کی جا سکتیں۔ دو تین باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں حضرت کی ایک اہم خوبی ان کی تواضع تھی وہ اپنے بڑوں کے سامنے بچھے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب نے اپنے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک ریلوے اسٹیشن پر حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے ہم چھوٹوں کا بڑا خیال رکھا اور ٹکٹ لینے کے لئے کھڑکی پر لائن میں خود لگ گئے ہم نے بہت اصرار کیا کہ ہم خود لے لیں گے لیکن حضرت نہ مانے۔ اُن کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ باطل کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے وہ باطل سے کمپرومائز کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ کو ہندوستان میں ان کے علاوہ کوئی نہ ملے گا جس نے مودودیوں سے ایسی ٹکر لی ہو، اسی طرح پورے ملک کو قادیانیوں کے خلاف حضرت مولانا نے بیدار کیا اور دار العلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کا شعبہ بہت پہلے قائم کرایا، وہ ملک اور دنیا کے حالات سے باخبر رہتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ پاکستان میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے بعد ضرور ہندوستان کا رخ کریں گے اور ایسا ہی ہوا، انہوں نے غیر مقلدین کا کامیاب رد کیا، اور تحفظ سنت کانفرنس کی جو بے حد کامیاب رہی، ان کے اندر خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں ان کی وفات سے ساری ملت کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔

صفاتِ محمودہ کی جامع ہستی

حضرت مولانا قمر الدین صاحب استاذ حدیث وسابق ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند زید مجدہم نے فرمایا: حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت

جاری ہے کہ جس ذات گرامی کے ذریعہ سے دین اور ملک وملت کا کام لینا ہوتا ہے تو اس میں خوبیاں اور صفات بھی ویسی پیدا کردی جاتی ہیں، حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی ذات گرامی رات میں شب زندہ دار اور دن میں مجاہد وشہ سوار کی مصداق تھی، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے جانشین تھے اور صفاتِ محمودہ کے حامل تھے، انہوں نے ملک وملت کی خدمت میں اپنی حیاتِ طیبہ کے روز وشب صرف کئے، اپنے راحت وآرام کا خیال نہ کیا، حضرت کے یہاں سب سے زیادہ اہتمام نماز کا تھا ان جیسی نماز پڑھنے والا میں نے کسی اور کو نہ دیکھا، حضرت بڑے سرپرست تھے جو ہر موقع پر دارالعلوم کے لئے اور قوم وملت کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا نے زندگی کا حق ادا کیا

کار گذار مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش زید مجدھم نے فرمایا: حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جتنا افسوس ہے، ان کی زندگی پر اتنی ہی خوشی بھی ہے، انہوں نے بڑی قابل رشک زندگی گذاری ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زندگی کا حق ادا کردیا اور بتادیا کہ دنیا میں اس طرح زندگی گذاری جاتی ہے، ان کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو دیکھئے، دین کے لئے اور امت کی فکر میں کتنے اسفار کئے، کتنی پریشانیاں جھیلیں، وہ سفر سے بھی تھکتے نہ تھے، یہاں دارالعلوم کی شوریٰ ہوتی، تو ایک دن پہلے معلوم ہوتا کہ وہ فلاں صوبے یا فلاں ملک میں ہیں لیکن وہ دور دراز کا سفر کرکے تشریف لاتے اور شوریٰ میں شریک ہوتے، حضرت مولانا کتنے تقویٰ اور عبادت کی زندگی گذارتے تھے سب سے بڑی ان کی خوبی یہ تھی کہ انہیں جس مقصد کے لئے اللہ نے پیدا کیا تھا انہوں نے اس مقصد میں اپنی زندگی گذاردی، مولانا نے اپنی پوری جوانی اس میں لگائی، مولانا نے اپنی دولت اس میں لگائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیماری بھی لگادو اور مولانا نے بیماری بھی لگادی، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہمہ جہت شخصیت

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی استاذ دار العلوم ومدیر ماہنامہ "دار العلوم دیوبند" زید مجدھم نے حمد وصلاۃ کے بعد فرمایا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ☆ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میرا دل ودماغ اس حادثہ جاں کاہ سے بے حد متاثر ہے، میں اپنی معلومات کی حد تک حضرت کی شخصیت پر اس وقت روشنی ڈالنے پر قادر نہیں ہوں، میں ۳۶ رسال سے زیادہ عرصہ تک حضرت سے وابستہ رہا ہوں حضرت مولاناؒ کی شخصیت بے حد ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی، حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کی بقاء واستحکام کے لئے جو تحریک شروع کی تھی اور ان کے فرزندار جمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے جس کو عروج وکمال تک پہنچایا، حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ اس تحریک کی آخری کڑی تھے۔ آپ نے زندگی کے

ہر شعبہ میں اپنی ایک چھاپ چھوڑی، وہ ایک طرف پارلیمنٹ میں حق وصداقت کی آواز بلند کر رہے تھے تو دوسری طرف ہزاروں مدارس کے سرپرست تھے۔ وہ مسلمانوں کے مسائل کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے دیوبندیت کے فروغ اور اسلامی عقائد کے تحفظ اور باطل کی سرکوبی کے سلسلہ میں ان کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ دیوبندیت اور مسلک حق پر یلغار ہوتی تو ان کی ذات سد سکندری بن جاتی، ہندوستان میں جب قادیانیوں نے سر اٹھایا یا عیسائیت کی تبلیغ ہوئی یا غیر مقلدین نے جارحیت شروع کی تو حضرت مولانا نے ذمہ داران واساتذۂ دارالعلوم کو متوجہ کیا اور دارالعلوم میں اپنے اثر ورسوخ سے تحفظ ختم نبوت، محاضراتِ علمیہ اور رد عیسائیت کے شعبے قائم کرائے، اسی طرح جب مدارس کے خلاف فرقہ پرستوں نے آواز اٹھائی تو انہوں نے پوری پامردی سے فرقہ پرستوں کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

ملک وملت فکرمند شخصیت سے محروم

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا کہ: ہندوپاک کے مسلمان ایک عظیم عالم ورہنما اور ملک وملت کیلئے فکرمند شخصیت سے محروم ہوگئے، وہ اپنے عظیم والد کے نقش قدم پر چلتے رہے، جب کبھی دین وملت کے خلاف کوئی نازیبا بات سامنے آتی تو وہ سینہ سپر ہوجاتے، اور آواز اٹھاتے، متعدد تاریخ ساز اجلاس جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے انہوں نے کیے اور" ملک وملت بچاؤ" کے عنوان سے تحریک چلائی، مولانا اعظمی نے کہا کہ کسی بھی رہنما اور قائد کیلئے یہ خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اسے مخلص وجاں نثار معاونین مل جائیں، جو اس کے مشن سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا سید اسعد مدنی کو ایسے رفقاء ومعاونین مل گئے تھے، جنہوں نے ان کی مہم اور مشن کو اپنا نصب العین بنایا حتیٰ کہ انہوں نے صورت اور وضع قطع میں بھی اپنے آپ کو مولانا سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، یہ تاثیر مولانا مرحوم کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

عظیم والد کی عظیم اولاد

مولانا محمد برھان الدین سنبھلی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا تأثر: مولانا مرحوم ایک عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ علم وعمل کے پیکر تھے، مولانا نے بھی ان صفات کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی، انہوں نے ملی مسائل کو بغیر کسی مرعوبیت کے پوری قوت وجرأت سے ایوان حکومت میں اٹھایا اور انہیں ارباب اقتدار وحکومت تک اپنی بات مؤثر انداز میں پہنچانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی، موجودہ دور میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، ان کا سیاسی مقام جو تھا وہ اپنی جگہ ہے، ان کا دینی مقام بھی بہت بلند تھا، وہ رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے تھے، سخاوت ومہمان نوازی اور ایثار ان کی نمایاں صفات تھیں، دوشنبہ کے دن ان کی وفات ہوئی اور اتنے بڑے مجمع نے ان کے جنازہ وتدفین میں شرکت کی جسے ایک تاریخی مجمع کہا جائے گا، یہ سب اچھے آثار وعلامات ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کی جھلک

مولانا امام علی دانش قصبہ محمدی لکھیم پور: حضرت والا کی زندگی صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ تھی، ایک شخص نے صحابۂ کرام کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے "**وھم فرسان بالنھار ورغبان باللیل**" وہ دن میں گھوڑ سوار ہیں، دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں اسلام کو غلبہ دلانے کے لئے قربانیاں دیتے ہیں، اور رات کو کچھ دیر آرام کیا پھر اللہ کے حضور کھڑے ہوگئے نماز پڑھتے ہیں، روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، جیسے دنیا کی لذت سے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ ہو، تو دن کے شہ سوار اور رات کو رونے گڑگڑانے والے صحابۂ کرامؓ تھے۔ اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھی ہمہ جہتی زندگی ہے، انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، حضرت کی زندگی میں صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ کی جھلک موجود تھی،

زندگی کے چند روشن پہلو

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی مہتمم مدرسہ شاہی: عزیز ساتھیو! ایک انسان بہت سی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے، وہ عالم بھی ہے، ڈاکٹر بھی ہے، بہت اچھا قاری بھی ہے، مگر ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ دیکھو کہ اس کے معاملات کیسے ہیں؟ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ اس کا لوگوں سے ملنا جلنا کیسا ہے؟ برتاؤ بھی دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ ہے جو مریدین کے ساتھ ہوتا ہے، متوسلین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ایک وہ جو خاندان والوں کے ساتھ ہوتا ہے، بھائی بہنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کی بہتری اور کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق بھی ادا کرے، اگر حضرت والا کی زندگی پر نظر ڈالو گے تو یہ خوبی پوری طرح روز روشن کی طرح عیاں دکھائی دے گی، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد ان کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پسماندگان میں بچتی ہیں، سب بھائی اور بہن چھوٹے ہیں اور حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی بڑے ہیں، ان یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں، جن کا باپ دنیا سے چلا گیا ان بہنوں کو کون وداع کرے گا، جن کے ہاتھ ابھی پیلے نہیں ہوئے جن کی رخصتی نہیں ہوئی، باپ جن کو نکاح کے بندھن میں نہیں باندھ سکا، ایک صرف بڑا بھائی ہے جس کو لوگ مولانا سید اسعد مدنی کہتے ہیں، اس بھائی نے اپنے بھائیوں اور بہنوں کی ایسی تربیت کی ہے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اس بھائی نے اپنی بہنوں کو، اپنے بھائیوں کو اور اپنی والدہ کو بھی والد کے جانے کا احساس نہ ہونے دیا، ساری پریشانی خود برداشت کی ان کو کوئی غم نہ اٹھانے دیا۔ حضرت مولانا کی زندگی کا یہ پہلو ہمیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اے مسلمانو اپنے اقرباء کی اپنے بھائی بہنوں کی حق تلفی سے بچو، ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت کی زندگی میں حقوق العباد کی ادائیگی کا پہلو صاف وشفاف نظر آتا ہے اب حقوق اللہ کو دیکھئے! جن لوگوں نے حضرت کی نماز کو دیکھا ہے، حضرت کے رمضان کو دیکھا ہے، جنہوں نے حضرت کی تلاوت کو دیکھا ہے، جنہوں نے حضرت کے تہجد کو دیکھا ہے اور جنہوں نے حضرت کی رات کو دیکھا ہے وہ گواہی دیں گے کہ اللہ کا یہ بندہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوا۔ جس کا ایک پاؤں گھر میں اور ایک پاؤں گھر سے باہر رہتا

ہو، وہ نماز باجماعت کا اتنا اہتمام کرے، اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور جب نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے جب نیت باندھ لیتے اب کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی، نہایت ہی اطمینان سے نماز پڑھتے، ارکان کی ادائیگی کا اس قدر لحاظ کرتے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ حقوق اللہ کو اس قدر دل چسپی سے ادا کرتے تھے، اور پھر حقوق العباد کو صرف اپنے خاندان والوں، اپنے رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں رکھتے، بلکہ اس کے احسانات اور اس کے عنایات سے امت کے ہر فرد نے فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ اسلام کے نام پر، قرآن کے نام پر، اللہ کے اور اس کے رسول کے نام پر، باطل کے سامنے سینہ سپر ہوجاتے تھے، کبھی کسی کے سامنے جھکنے اور مرعوب ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا، اللہ نے اس قدر قوت اور حوصلہ عطا کیا تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت کی مغفرت کے لئے ایک ہی کارنامہ کافی ہے کہ حکومت ہند نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ آسام کے مسلمان اور بنگال کے مسلمانوں کو غیر ملکی کہہ کر ان کو ہندوستان کی حدود سے باہر نکال دیا جائے۔ بارڈر سے باہر ان کو نکال دیا جائے، اور یہ ناانصافی صرف مسلمانوں کے ساتھ تھی، جو برسوں سے ملک کے اندر رہ رہے تھے، آپ ذرا سوچئے! کہ ان کو غیر ملکی کہہ کر ملک بدر کردیا جائے کہ بنگلہ دیشی ہیں تو ان مسلمانوں کی بربادی کا کیا عالم ہوگا؟ ان کے پاس رہنے کو مکان نہیں، کھانے کو کھانا نہیں، کیا عالم ہوگیا؟ تن تنہا مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات تھی، آپ کھڑے ہوئے، جمعیۃ العلماء کو کھڑا کیا، ایک ایک سیاسی لیڈر سے ملے اور بہت ہی جدوجہد فرمائی، جس کے نتیجے میں وہ لاکھوں مسلمان جو دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور تھے، حضرت کی کوششوں سے چین وسکون کی زندگی بسر کررہے ہیں، یہ سب مسلمان آخرت میں حضرت کی مغفرت کی سفارش کریں گے۔ آج اہانت رسول کا موضوع ہے اگر حضرت زندہ ہوتے تو رسول کی عظمت کی خاطر رام لیلا گراؤنڈ میں حضرت کی آواز پر لاکھوں آدمی لا الہ الا اللہ کا پرچم لہراتے۔

ایک مسلمان آسمانی آفات سے برباد ہوتا ہے یا فسادات کی وجہ سے برباد ہوتا ہے، جو بھی شکل ہو مولانا اسعد مدنی اس کی مدد کے لئے وہاں موجود ہیں، "خیر الناس من ینفع الناس" لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے، حضرت کی زندگی سے جو لوگوں کو فائدہ پہنچا، اس کو بیان کرنے کے لئے ایک دن نہیں ہفتے نہیں، اگر اس کو گنایا جائے تو اس کے بیان کے لئے مہینوں چاہئے، ہم سب یہاں پر ان کے محاسن کو بیان کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کو دو کام کرنے ہیں ایک کام تو یہ ہے کہ حضرت کی زندگی کی جو بات ہمارے سامنے آئے ہم اس کو اپنے دل ودماغ میں پیوست کرنے کی کوشش کریں۔ اولیاء کرام کے واقعات بیان کرنے کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ ہم اس کی روشنی میں خود کو سنوارنے کی کوشش کریں، اور دوسرا کام یہ ہے کہ ان کے رفع درجات کے لئے ایصال ثواب کریں، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔

ہم نے دیکھا تھا ایک فدائے قوم

جناب حافظ محمد صدیق صاحب سابق ایم پی: حضرت کی وفات ہمارے لئے بہت

تکلیف دہ ہے، حضرت کا میرے ساتھ جو مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک رہا ہے، اس کو میں ساری زندگی نہیں بھول سکتا، سفر میں ساتھ رہا، دہلی میں ساتھ رہا، اس میں کوئی شک نہیں اعتماد فرماتے تھے، اور میں کبھی کبھی گستاخی کرتا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ جمعیۃ العلماء کا اجلاس عام رام لیلا گراؤنڈ میں ہونا طے ہوا، گرمی کا موسم تھا حضرت سے درخواست کی کہ حضرت گرمی کا موسم ہے، فصل کٹے گی، تیاری نہ ہو سکے گی، لوگ نہ آسکیں گے، تو حضرت نے فرمایا کہ اسی موسم میں اجلاس ہوگا اور انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ آپ سب حضرات نے دیکھا کہ اجلاس کامیاب ہوا، اور اس کے نتائج بھی ہمارے سامنے آئے۔ آپ نے سنا، حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ حضرت کی تین زندگیاں تھیں: حضرت جہاں کٹر مذہبی تھے وہاں سیاسی بھی تھے، سماجی بھی تھے، مجھے خوب یاد ہے جب حضرت ایم پی تھے حضرت نے مجھ سے کہا کہ فیض آباد چلنا ہے، وہاں جھگڑا ہوگیا ہے کرفیو لگ گیا ہے، حضرت دیوبند سے دہلی کے لئے تشریف لانے لگے، میرٹھ میں ایکسی ڈنٹ ہوگیا، ٹانگ ٹوٹ گئی، اور اسپتال میں ایڈمٹ ہوگئے، میں دہلی پہنچ چکا تھا، اطلاع ملنے پر میرٹھ اسپتال حاضر ہوا، حضرت بے ہوش تھے، ہوش آنے پر فرمایا: تم فیض آباد جاؤ گے اپنا پروگرام کینسل مت کرنا، یہ ان کے اندر تڑپ تھی، کوئی بات وہ مسلمانوں کے بارے میں سننا گوارا نہیں کرتے تھے، ہر موقع پر سینہ سپر ہو کر میدان میں آتے تھے، مسلمانوں کے لئے ایسی تڑپ رکھنے والا انسان مشکل سے پیدا ہوگا، اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جیسا کوئی انسان پیدا کردے اور انشاء اللہ مدنی خاندان میں کوئی اور پیدا ہوگا جو جماعت اور قوم کی رہنمائی کرے گا، یہ اجلاس اس لئے ہو رہا ہے تاکہ ہم حضرت کی سوانح کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سدھاریں۔ علماء کرام نے حضرت کی نماز کا حال بیان کیا، میں نے خود دیکھا ہے کہ پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا ہے، مجھے بلایا کہ آؤ چلو نماز پڑھیں گے، مسجد عبدالنبی آکر ایسی نیت باندھی کہ پھر کوئی پتہ نہیں کہ مجھے کہاں جانا اور نہیں جانا ہے، اللہ کے ولی اس کے ایسے شیر بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بات نہیں ہے بلکہ اگر میں سناؤں تو ختم نہیں ہوں گی، بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر فساد ہوا، احمد آباد میں مسلمانوں کی املاک کو جلادیا گیا، اسی طرح بمبئی میں، اسی طرح بھوپال میں، حضرت نے فرمایا چلنا ہے، میں حاضر ہوگیا، گئے ایک ایک چیز دیکھی، ہر ہر جگہ گئے اور نماز جمعہ میں اس طرح کا خطبہ دیا کہ سننے والے سب کے سب رو رہے تھے، ان کے قلب میں درد بھرا ہوا تھا۔

آسام کے چیف منسٹر سے ملتے ہیں کہ مسلمانوں کی املاک کو جلایا گیا ہے؟ ان کو نقصان پہنچایا گیا ہے، آپ کو تدارک کرنا ہے اور ان کو معاوضہ دینا ہے، اور ان کے اندر جو احساس کمتری ہے اس کو دور کرنا ہے، اس بات چیت کے بعد مجھ سے فرمایا کہ ابھی اسی شام کی ٹرین سے بمبئی کا سفر کرنا ہے، اس وقت سفر اتنا مشکل ہو رہا تھا کہ مسلمان ڈر ڈر کر سفر کرتے تھے، اسی خوف کی حالت میں بمبئی پہنچے، وہاں پر مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا، ان کی بہت ساری املاک جلادی گئی تھیں، لوگ اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ اپنے متعلقین کو اسپتال میں دیکھنے نہیں جاتے تھے، آپ نے سب لوگوں کو لیا اور اسپتال گئے، لوگوں کے دلوں سے ڈر کو دور کیا، آسام میں ہندو مسلم فساد ہوا، مسلمانوں کی املاک کو جلا ڈالا گیا، ہم اور مولانا اسجد مدنی دورہ کرنے گئے، ایسی ایسی جگہ گئے کہ لوگ تصور نہیں

کر سکتے تھے، مسلمان ڈرے ہوئے تھے کیمپ میں رہ رہے تھے، ان کے مکان جلا دئے گئے تھے، وہ اب تک کیمپ ہی میں پڑے ہوئے تھے، چند دنوں کی بات ہے کہ آسام کی راجدھانی گوہاٹی میں اجلاس جمعیۃ علماء ہو رہا تھا، وہاں چیف منسٹر بھی تھے اور گورنر بھی تھے اور دیگر وزراء بھی تھے ان سب کی موجودگی میں آپ نے کہا کہ آج تک دس سال ہو گئے، ان مسلمانوں کو آباد نہیں کیا گیا، آخر کیا وجہ ہے؟ اور اس بات کا جب چیف منسٹر نے کوئی جواب دیا تو اس سے لاؤڈ اسپیکر چھین لیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس طرح کے کام کے لئے ہمت چاہئے، ایسا انسان ہم سب کے بیچ سے چلا گیا ہم سب کو ان کے لئے ایصال ثواب کرنا چاہئے۔

خانوادۂ مدنی کا گل سرسبد

حضرت مولانا الطاف الرحمن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم مرادآباد: حضرت مولانا کے خاندان سے میرے خاندان کا قریبی تعلق رہا ہے، اور علمی فیض جو کچھ بھی ہے وہ اسی خاندان کا فیض ہے۔ میرے والد مرحوم کی پرورش اور علمی تربیت حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے فرمائی، اور میرے اوپر بھی حضرت کی سرپرستی رہی، میرے والد صاحب مجھے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں لے کر پہنچے کہ حضرت اس کے لئے دعا کر دیجئے، اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے۔ حضرت نے پوچھا کیا نام ہے؟ والد صاحب نے بتلایا کہ: ''الطاف الرحمٰن'' نام ہے، حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا جاؤ! اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم رہے گا، عنایات رہیں گی۔ حضرت کی خدمات تاریخ کے انمول نقوش ہیں ان کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ حضرت نے مسلمانوں کے اندر وہ اجتماعیت پیدا کی ہے جس کی بہت زیادہ ضرورت تھی، آزادی کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا، حضرت نے اکابر کے ایک بڑے خواب کو پورا کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہئے، جس کی سب لوگ بات مانیں، اس سلسلے میں حضرت نے جمعیۃ علماء کے دفتر دہلی میں نومبر ۱۹۸۶ء میں ایک بہت بڑا اجتماع کیا، اس میں حضرت نے فرمایا کہ مسلمانوں کا شیرازہ جو بکھرا ہوا ہے، اس کا کوئی علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان کا ایک امیر ہو، لہٰذا اس اجلاس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ امیر الہند منتخب کئے گئے، اور آپ کو نائب امیر الہند منتخب کیا گیا، آج بھی الحمدللہ وہ نظام سارے ملک میں امارت شرعیہ کے نام سے قائم ہے، اور ہمارے شہر مرادآباد میں بھی قائم ہے، اور کافی مسائل طلاق ونکاح کے اس میں حل کئے جاتے ہیں۔

عالم اسلام کی عظیم شخصیت

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب مہتمم جامع الہدیٰ مرادآباد: موت برحق ہے، ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، جب حضور ﷺ اس دنیا میں نہیں رہے تو کون ایسی شخصیت ہے اور کون ایسا فرد ہے جو یہاں باقی رہے گا؟ لیکن جانے والوں کے کارنامے یاد کئے جاتے ہیں اور ان کو یاد کرنا بھی چاہئے، آپ کو معلوم ہے کہ عیدگاہ مرادآباد کے میدان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، اور گل شہید پر چند شرپسندوں کی

شرارت کی وجہ سے پورے علاقہ کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی گئی، آگ وخون کی ہولی کھیلی گئی، لاشیں تڑپ رہی تھیں، انہیں کتے گھسیٹ رہے تھے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ مراد آباد میں قدم رکھ سکے وہ پہلا مرد مجاہد تھا جو مراد آباد میں ایسے حالات میں آیا، وہ مولانا اسعد مدنی ہی تھے جو اس وقت کے وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ کو مراد آباد لے کر آئے اور انہیں وہ لاشیں دکھائیں کہ یہ ہے آپ کی جمہوریت، اس کی وجہ سے پندرہ اگست کو ملک کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو یہ کہنا پڑا کہ میں مراد آباد میں مارے گئے مسلمانوں کی وجہ سے غمگین ہوں، آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اپنے بیٹے سنجے گاندھی کے حادثہ پر مغموم ہوں، ایسا نہیں ہے بلکہ میں مراد آباد کے فساد کی وجہ سے مغموم ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مولانا کی خدمات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ یہ ہماری امت کا سانحہ ہے کہ جو لوگ کام کرتے ہیں ہم انہیں کو گالیاں دیتے ہیں اور جو شور مچاتے ہیں کام کچھ نہیں کرتے ہم ان کی تعریف کرتے ہیں۔

یہ جمعیۃ علماء ہند کا کارنامہ ہے کہ اگر آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء کے واقعات کے موقع پر جمعیۃ کھڑی نہ ہوتی اور جدوجہد نہ کرتی اور مسلمانوں کے اندر حوصلہ پیدا نہ کرتی تو وہی حشر ہوتا جو برما کے اندر ہوا، کچھ کو سمندروں میں پھینک دیا گیا، اور کچھ قتل کردئے گئے، اور بیچارے جگہ جگہ مہاجر بنے ہوئے ہیں، کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر جمعیۃ علماء سہارا نہ دیتی تو یہاں پر بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو سکتے تھے، جمشید پور کا فساد ہوا کس نے آواز اٹھائی؟ جبل پور کا فساد ہوا کس نے آواز اٹھائی؟ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے جمہوری کنونشن بلا کر یہ کارنامہ انجام دیا، ملک وملت بچاؤ تحریک چلا کر مسلمانوں کو کس نے یہ حوصلہ دیا کہ وہ میدان میں آئیں؟ اور وہاں جا کر قربانیاں دیں۔ یہ مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمات ہیں کہ آج مسلمان اس قابل ہیں کہ وہ اپنے مطالبات کو برسر عام حکومت کے سامنے رکھ سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کون سا مطالبہ پورا ہوا اور کون سا پورا نہیں ہوا؟ قوموں کی زندگی میں یہ حالات پیش آتے رہتے ہیں لیکن قوم کے اندر حوصلہ پیدا کرنا اس کو اس کے مطالبات کا احساس دلانا، اس میں ہمت وجرأت پیدا کرنا یہ ایک بہت بڑا کام ہے، جس کو الحمد للہ حضرت مولانا نے کر دکھایا۔ ہمیں امید ہے کہ جمعیۃ علماء اور اس کے اکابر آئندہ دنوں میں بھی یہ کام انجام دیتے رہیں گے، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اس خانوادے کے افراد حضرت کے مشن کو جاری رکھیں گے، حضرت کی کون کون سی خوبیاں شمار کرائی جائیں یہ حسین امتزاج تھا کہ راتوں کو نوافل وعبادت میں مصروف ہیں اور دن کو جمعیۃ کی میٹنگ چل رہی ہے، پورے، دن ریلیف کے لئے دوڑ رہے ہیں، چاہے مسلمانوں کا مسئلہ ہو، چاہے انسانیت کا مسئلہ ہو، زلزلہ آئے، فسادات ہوئے، گجرات میں آپ نے بلا تفریق مذہب وملت انسانیت کی خدمت کی اور اس سلسلے میں آپ نے کبھی امتیاز نہیں برتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

ہر معاملہ میں سینہ سپر

امام شہر جناب مولانا سید معصوم علی آزاد صاحب : حضرت کی وفات ملت کا ایک

بہت بڑا سانحہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ علماء دیو بند کا ایک خاص مزاج ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دین کی بھی رہنمائی کرتے ہیں اور دنیا کی بھی رہنمائی کرتے ہیں یہ دونوں باتیں عرصہ دراز سے چلی آرہی ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہیں گی، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی قدر ومنزلت انسان کے کارنامے اور انسان کی خصوصیات اس کے چلے جانے کے بعد ہی معلوم ہوتے ہیں زندگی میں مولانا نے قوم وملت کے لئے بہت کچھ کیا ان کے اندر تعمیری جذبہ تھا ہر معاملہ میں وہ سینہ سپر ہوکر سامنے آتے ملک کے ہر شہر میں دہلی اور متعدد مقامات پر آواز بلند کرتے ملت اسلامیہ کی عزت کے لئے اور اس کی حفاظت کے لئے اور اتحاد باہمی کے لئے جدوجہد کرتے تھے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تجویز تعزیت

بموقع: تعزیتی اجلاس منعقدہ ۹؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۸؍فروری ۲۰۰۶ء بروز بدھ بعد نماز ظہر، بمقام مسجد رشید دار العلوم دیو بند

حضرت امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ورکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیو بند کی وفات حسرت آیات پر، دار العلوم دیو بند کی جانب سے منعقدہ یہ تعزیتی اجلاس انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، حضرت مرحوم کا سانحۂ ارتحال، موت العالم موت العالم کا حقیقی مصداق ہے، اس سے جو زبردست خلا پیدا ہوگیا ہے اس کا پر ہونا بے حد مشکل ہے، ان کا انتقال پر ملال دار العلوم دیو بند، جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانانِ ہند ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا زبردست نقصان ہے۔

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تہدما

حضرت مولانا مرحوم خلوص وللّٰہیت، روحانیت وعزیمت اور حق وصداقت کا پیکر جمیل تھے، کاروان شیخ الہند کے سالار اور ملت اسلامیہ کے اس عظیم معمار نے ملک وملت کی تعمیر، اسلامیانِ ہند کی دینی وملی قیادت، ان کی جان ومال کے تحفظ، ان کے بنیادی دستوری حقوق کی بازیابی، اسلامی اوقاف کی نگہبانی، مدارس اسلامیہ کی پاسبانی، مسلم معاشرہ کی اصلاح، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور فرق باطلہ کی بیخ کنی کے لئے جو زریں خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی۔

حضرت مرحوم کی شخصیت اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی، جس کا ہمہ جہت فیض مسلمانانِ عالم اور اسلامیانِ ہند کے لئے نصف صدی سے زائد عرصہ سے جاری تھا۔ ان کی ہمہ جہتی قیادت سے ملت کو ہر میدان میں فائدہ پہنچا، ملت کے سیاسی مسائل ہوں یا مذہبی، اقتصادی مشکلات ہوں یا تعلیمی، ہر شعبہ میں وہ ایک دیدہ ور اور دور اندیش رہنما کا کردار ادا کرتے تھے، اور اپنی پر عزیمت اور مخلصانہ جدوجہد سے معاملات کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے، قوم ہر نازک موقع پر رہنمائی کے لئے ان کی طرف دیکھتی تھی اور وہ دست گیری فرماکر مردہ قلوب میں نئی روح پھونک دیتے تھے۔

ملت اسلامیہ کے اس میر کارواں کو خالق کائنات نے ذہانت، تدبر، دور اندیشی، اصابت رائے، بروقت صحیح فیصلہ کی صلاحیت اور پہاڑوں جیسا عزم وحوصلہ عطا فرمایا تھا، اپنے ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے سب سے عظیم رہنما اور ''ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان'' کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند جیسی عظیم اور تابناک تاریخ کی حامل جماعت کو انہوں نے اکابر کے نہج پر رہتے ہوئے حالات زمانہ کے تحت نئی سمت عطا کی، اس کو مسلمانان ہند کی نمائندہ جماعت کے مقام پر باقی رکھا اور اس کے پلیٹ فارم سے ملت کی ہمہ جہت خدمات انجام دیں۔

ملت اسلامیہ کے اس بے باک قائد نے سیاسی حلقوں اور ایوان حکومت میں بھی ملت کی جرأت مندانہ اور بے باک نمائندگی سے ایک تاریخ رقم کی اور ملت کے لئے فتنوں کے مقابلے میں ڈھال کا کام کیا۔

اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اور مسلک دیوبند کے لئے ان کی خدمات نہایت وقیع ہیں، دارالعلوم نے گذشتہ سالوں میں تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اور مختلف میدانوں میں دارالعلوم کی خدمات میں جو وسعت آئی ہے اس میں حضرت مرحوم کی مساعی جمیلہ کا بڑا دخل ہے انہوں نے ہر مشکل اور نازک گھڑی میں خدام دارالعلوم کی رہنمائی فرمائی اور ہر موقع پر دارالعلوم کے لئے سینہ سپر رہے، ان کی ذات مبارک سے خدام دارالعلوم کو بڑی تقویت حاصل ہوتی تھی، آج دارالعلوم کا یہ عظیم معمار ہم سے جدا ہو چکا ہے، اس موقع پر صبر ورضاء کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ إن للّٰہ ما أخذ ولہ ما أعطیٰ وکل شیٔ عندہ بأجل مسمیٰ۔

اس اندوہ ناک موقع پر یہ تعزیتی اجلاس، حضرت مرحوم کی والدہ محترمہ دام ظلہا اور صاحبزادگان وبرادران محترم، تمام اہل خاندان اور پوری ملت اسلامیہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو امت کے عظیم قائدین، خاص طور پر ان کے والد گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے جلو میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، ملت اسلامیہ اور دارالعلوم دیوبند کی دست گیری فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

تجویز تعزیت بروفات حضرت فدائے ملتؒ

بموقع: جلسہ تعزیت: منعقدہ ۱۵ ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق 14 ر فروری 2006ء بروز منگل، بعد نماز ظہر، بمقام جامع مسجد مرادآباد، زیر اہتمام: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا یہ تعزیتی اجلاس ملت اسلامیہ ہند کے قائد جلیل، جمعیۃ علماء ہند کے صدر عالی وقار، امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے المناک سانحۂ وفات پر گہرے رنج وصدمہ کا اظہار کرتا ہے۔

آج حضرت امیر الہندؒ کی جدائی کا غم جمعیۃ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی یا ملک کے کسی خاص ادارے اور آپ کے متعلقین تک ہی محدود نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سانحہ پر ملت کا ہر فرد تعزیت کا مستحق ہے۔

آپ کی اسی سالہ زندگی جہد مسلسل، بے مثال استقامت اور بے نظیر عزم واستقلال کی جیتی جاگتی تصویر تھی، جرأت وحق گوئی کے ساتھ گہری بصیرت اور جوش عمل کے ساتھ ہوش مندی اور دوراندیشی کی تابناک صفات آپ کی ذات میں جلوہ گر تھی، آزاد ہندوستان میں ہر آڑے وقت میں اور مصیبت کی ہر گھڑی میں یہ فدائے ملت بلاشبہ قوم وملت کا سہارا بن کر سامنے آیا۔ 1963ء کا کلکتہ کا فساد ہو، یا 1964ء میں راوڑکیلا اور جمشید پور میں فرقہ واریت کی دہکتی ہوئی آگ ہو، 1980ء کا مرادآباد میں پی اے سی کی ذریعہ مسلمانوں کا قتل عام ہو، میرٹھ اور ملیانہ بھاگلپور اور سورت کے فسادات ہوں، یا چند سال پہلے گجرات میں حکومت کی سرپرستی میں کھیلی جانی والی خون کی ہولی ہو، آخر کون تھا جو ان جگہوں پر خاک وخون میں تڑپتی لاشوں کو اٹھانے اور زخم سے سسکتے انسانوں کو دلاسہ دلانے کے لیے پہنچا؟ کس نے فسادات کے متاثرین اور کھلے آسمان کے نیچے رات گذارنے والوں کے لیے محلے اور بستیاں تعمیر اور آباد کیں؟ کس نے جیلوں میں بند بے قصور افراد کی معقول قانونی پیروی کرنے کا انتظام کیا؟۔ تاریخ جواب دے گی کہ ان کاموں کو انجام دینے والا جرأت واستقامت کا پیکر اور بلند حوصلہ شخص وہی تھا جسے دنیا نے بجاطور پر ''فدائے ملت'' کہا اور جس نے اپنے روشن کردار سے اس لقب کی سچائی دنیا کو دکھلادی۔

آج ہماری آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں اس صاحب بصیرت کو جس کی اصابت رائے سب کے نزدیک مسلم اور ملت کے لیے جس کی دردمندی اور فکرمندی اظہر من الشمس تھی جو اپنے سینہ میں ملت کے لیے دھڑکتا ہوا دل رکھتا تھا۔ جس کی پرواز خیال کا محور قوم وملت کی سربلندی اور ترقی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ملت کی دینی، دنیوی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی رہبری کے لیے ان کی خدمات آب زر سے لکھی جائیں گی۔ اور تادیر قدم قدم پر ان کی کمی کی کسک محسوس کی جاتی رہے گی۔

حضرت امیر الہندؒ اس دور میں اکابر کی وراثت کے سچے امین تھے، آپ جہاں ہزاروں افراد کے مرشد ومصلح تھے وہیں آپ کے ذات ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں دینی مدارس کے لیے مضبوط پشت پناہ کی حیثیت رکھتی تھی، آپ مسلم مسائل پر ارباب حکومت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، اور حکمت عملی کے ساتھ نازک مسائل ومعاملات کے حل کی بہترین صلاحیت کے مالک تھے، افسوس ہے کہ اب ایسی باوزن، پروقار اور جرأت مند شخصیت دور دور تک نظر نہیں آتی۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد آج اپنے سرپرست اعلی کی جدائی پر جتنا بھی غم کرے کم ہے یہ ادارہ حضرت فدائے ملتؒ کی فکر کا ہمیشہ سے حامی اور مؤید رہا، اس سے وابستہ افراد نے شروع سے لیکر آج تک حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ، حضرت امیر الہندؒ اور ان کی جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' سے ذہنی ونظریاتی وابستگی رکھی، اور الحمدللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ حضرت امیر الہندؒ نے اس ادارہ کو تقریباً 48 رسال تک مسلسل اپنے مفید ترین مشورں، تعاون اور سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔ اس لیے اس سانحہ پر اظہار غم کے لیے ہم اپنے پاس الفاظ نہیں پاتے، بس بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی خدمات کا عظیم الشان بدلہ آخرت میں عطا فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے اور بالعموم پوری ملت اور بالخصوص خانوادہ کے افراد: والدہ صاحبہ، صاحبزادگان وبرادران محترم کو صبر جمیل سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔

□□□

حضرت مولانا محمد شاہد ڈیروی
مدیر ماہنامہ الجمعیۃ راولپنڈی

رِحلتِ مدنیؒ ...... ایک علمی اور سیاسی حادثہ

۶ر فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ر محرم الحرام بروزِ پیر شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین اور جمعیت علمائے ہند کے قائد' امیر الہند' فدائے ملت حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ **انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون۔**

دریغا کہ وہ بے قرار دل جو اسلام اور مسلمانوں کی ہر مصیبت پر بے تاب ہو جاتا تھا اور اوروں کو بے تاب کرتا تھا، اب قیامت تک کے لئے ساکن ہو گیا۔ ان کے نام نامی کے ساتھ ہمیشہ قلم کو دامت برکاتہم العالیہ لکھنے کی عادت رہی، لیکن اب وہ وہاں کو سدھارے جہاں کی برکات واقعی ہمیشہ ہیں۔ بلا مبالغہ آپؒ کی رحلت اس دور کا سب سے بڑا علمی اور سیاسی حادثہ ہے۔ آپؒ کی رحلت سے جہاں کروڑوں مسلمانانِ ہند کو عظیم صدمہ پہنچا، وہاں اس سانحے سے پاکستان اور دنیا بھر کے فکرِ حریت سے سرشار مسلمان ایک عظیم سہارے سے محروم ہو گئے۔ آپؒ کی رحلت سے علم و معرفت کا وہ چراغ گل ہو گیا اور وہ مینارۂ نور بجھ گیا جس کی ضیاء پاشیوں سے لاکھوں افراد فیض یاب ہو رہے تھے۔ آپؒ کی شخصیت نہ صرف ایک باکمال عالم کے طور پر شہرت کے اوج ثریا پر پہنچی بلکہ ایک لائق سیاستدان اور زمانہ شناس رہنما ہونے کی حیثیت سے بھی آپؒ کو بے انتہا مقبولیت حاصل رہی۔

سچ تو یہ ہے کہ آپؒ نے جہدِ مسلسل کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے مشن اور ان کی جماعت ''جمعیت علماءِ ہند'' کو استحکام بخشنے کی خاطر اسی خلوص کے ساتھ محنت اور جدوجہد کی جس طرح کی محنت کی ذمہ داری بحیثیت جانشینِ شیخ الاسلامؒ ان پر عائد ہوئی تھی۔

حضرت امیر الہندؒ کی سیاسی بصیرت کے اعتراف میں بھارت میں مرکز کی حکمراں جماعت کانگریس نے ملت اسلامیہ سے اپنی قربت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں تین مرتبہ لوک سبھا (قومی اسمبلی) کی رُکنیت دی لیکن آپؒ بجائے اس کے کہ کانگریس سرکار کے ساتھ حق نمک ادا کرتے، ہر ایسے موقع پر جبکہ ملت امتحان و بحران کے دور سے گزری' سینہ سپر ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کے مفادات کو اُٹھایا اور مظالم کے خلاف آہنی عزائم کے اظہار میں جراُتمندی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ بالعموم ایسے مواقع پر جبکہ فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکائی جاتی حضرت امیر الہندؒ

اوران کے حلقۂ اثر کے لوگ مظلومین کی خبر لینے والوں میں سب سے آگے نظر آتے۔ آپ کی قیادت میں جمعیت علمائے ہند نے محدود دائرۂ عمل رکھتے ہوئے بھارت میں ملک گیر پیمانے پر خدمت انسانیت اور حق پرستی کے جونقوش چھوڑے، اس کی نظیر اور کہیں نہیں دیکھی جاسکتی۔

بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت امیر الہندؒ کی قیادت میں جمعیت علمائے ہند نے ملک گیر پیمانے پر ملت کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، اس کا مثبت پہلو بے انتہا روشن اور قابلِ تقلید ہے۔ ملت اسلامیہ کو آپؒ کی جدائی سے جو عظیم خسارہ ہوا، اس کی تلافی کسی صورت ممکن نہیں۔ آپؒ کی وفات پر ہم جہاں آپؒ کے جانشین مولانا محمود مدنی صاحب مدظلہ اور دیگر لواحقین کے لئے صبرِ جمیل کی دعا کرتے ہیں، وہاں آپ کی رحلت پر پاک و ہند میں آپ کے کروڑوں پیروکار بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی دینی وملی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

مفتی ذکاوت حسین قاسمی امروہی، دہلی

امیر الہندؒ کا سفرِ آخرت

اپولو سے مزارِ قاسمی تک

دین وسیاست کے مثالی امتزاج کی حسین تصویر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی علالت، وفات اور تجہیز وتکفین کا ایک ہلکا سا نقش ان لوگوں کے لئے خاص طور پر قابلِ اعتنا ہوگا جو آپ کی آخری رسومات میں شرکت نہ کر سکے، اسی جذبے کے تحت چند سطور مشاہدے کے بعد حافظے کے تعاون سے تحریر کی جارہی ہیں :

علالت :

مولانا سید اسعد مدنیؒ ۵/نومبر ۲۰۰۵ء مطابق ۲/شوال ۱۴۲۶ھ ہفتہ کے دن دیوبند میں اپنی وہیل چیئر سے گرنے کے سبب زخمی ہوگئے تھے اور آپ کے سر میں چوٹ آئی تھی، زخم کی شدت ودرد کی تاب نہ لاکر اسی دن عصر کی نماز کی تیاری کے دوران بے ہوش ہوگئے، آپ کو فوراً دہلی کے اپولو ہسپتال میں داخل کیا گیا، مگر قابلِ اطمینان افاقہ نہ ہوسکا، اگرچہ کبھی کبھار ہاتھ پیر اور آنکھوں میں معمولی حرکت کے آثار دکھائی دیئے، مگر ۵/نومبر ۲۰۰۵ء سے مسلسل تین ماہ ۶/فروری ۲۰۰۶ء انتقال کے دن تک غشی طاری رہی۔

وفات :

۷/محرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۶/فروری ۲۰۰۶ء پیر کے دن شام ۵:۴۵ بجے اپولو ہسپتال میں حیرت انگیز طور پر (غشی کی حالت میں) کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

ہسپتال سے دفتر جمعیۃ :

انتقال کے بعد تقریباً ۸ بجے شب کو مرحوم کے جسدِ خاکی کو اسپتال سے جمعیۃ علماءِ ہند کے صدر دفتر مسجد عبدالنبی، بہادر شاہ ظفر مارگ، آئی ٹی او، دہلی لایا گیا، جہاں تقریباً دو گھنٹے تک ہزاروں عقیدت مندوں اور عظیم

سیاسی رہنماؤں نے آخری دیدار کیا اور گلہائے عقیدت پیش کیے، جن میں ملک کے موجودہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ، کانگریس کی صدر سونیا گاندھی، شیلا دکشت (وزیر اعلیٰ دہلی) راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئر پرسن کے رحمٰن خان، ریلوے کے وزیر لالو پرساد اور شاہی جامع مسجد دہلی کے امام مولانا سید احمد بخاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دہلی سے دیو بند :

پھر تقریباً ساڑھے دس بجے آپ کی نعش مبارک کو دہلی سے دیو بند ایک عظیم قافلے کی معیت میں روانہ کیا گیا اور جمعیۃ کی نجی ایمبولینس میں رکھ کر ۲:۳۰ پر دیو بند پہنچے۔ جہاں پہلے سے مرحوم کے ہزاروں عقیدت مند دیدار کی تڑپ لیے موجود تھے۔ جگہ جگہ انتظامی سہولت کے پیش نظر پروگرام کی اطلاع اور امن وسنجیدگی کا ماحول بنائے رکھنے کے لئے مائک لگائے گئے تھے۔ دیو بند میں آپ کو دار العلوم دیو بند کی وسیع دار الحدیث میں رکھا گیا، جہاں ہزاروں لوگوں نے اپنی طاقت کا استعمال کر کے مرحوم کا آخری دیدار کیا۔ مجمع کی کثرت اور دیدار میں بدنظمی کے سبب ہزاروں لوگ دیدار سے محروم رہے۔ اسی بھیڑ بھاڑ اور بدنظمی میں تقریباً دو گھنٹے کے عام دیدار کے بعد جنازہ دار الحدیث سے نکال کر باہر صحن میں فوارے کے قریب باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا اور نمازِ جنازہ کی تیاری کا اعلان کر دیا گیا۔

نمازِ جنازہ :

نمازِ جنازہ کے لئے صفوں کی ترتیب ودرستگی کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے صاحبزادے، مشہور صوفی، شیخ طریقت اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی (سرپرستِ اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) کا نام لے کر مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا سید ارشد مدنی نے اعلان کیا کہ مولانا محمد طلحہ حضرت مدنیؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ مولانا جہاں تشریف فرما ہوں آگے تشریف لے آئیں۔ کثرتِ ازدہام کی وجہ سے مولانا کو جنازے تک پہنچنے میں کافی وقت لگا۔ ادھر سورج طلوع ہو رہا تھا، اس وجہ سے مولانا طلحہ کے پہنچنے کے ۵ منٹ بعد تک طلوعِ آفتاب کا انتظار کیا گیا اور جیسے ہی طلوعِ آفتاب کے بعد مکروہ وقت ختم ہوا، ویسے ہی مرحوم کے اولیاء مولانا سید ارشد مدنی اور بڑے بیٹے مولانا سید محمود مدنی نے مولانا طلحہ کو نمازِ جنازہ پڑھانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مولانا محمد طلحہ صاحب نے ۷:۲۰ بجے بھرائی ہوئی آواز اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کی صدا لگاتے ہوئے نمازِ جنازہ شروع فرمادی اور چند ہی لمحوں میں نماز کی تکمیل ہوگئی۔

تدفین :

نمازِ جنازہ کے بعد دار العلوم کے مدنی گیٹ سے جنازے کو ''مزارِ قاسمی'' کی طرف لے جایا گیا۔ یہ وہی

مقبرہ ہے جہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام قاری طیبؒ آرام فرما ہیں۔ مزار قاسمی کی مسافت دارالحدیث دارالعلوم سے پیادہ پا بمشکل تمام ۵ منٹ کی ہے، مگر عقیدت مندوں کی کثرت اور غم سے بوجھل قدموں کے سبب یہ معمولی مسافت تقریباً ایک گھنٹے میں طے ہوئی اور ۸:۲۰ بجے قبر مبارک میں اُتارا گیا۔

آپ کی قبر آپ کے والد بزرگوار شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بالکل پہلو میں تیار کی گئی ہے اوران سے بالکل متصل ان کے استاذِ گرامی شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ آرام فرما ہیں۔ تدفین کے موقع پر ضلع سہارنپور کی پولیس انتظامیہ کے اعلیٰ افسران پولیس فورس کے ساتھ موجود تھے، جنھوں نے مولانا مرحوم کو سرکاری اعزاز کے ساتھ ''گارڈ آف آنرز'' پیش کیا اور یو پی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کی طرف سے یو پی کے ریاستی وزیر جناب شاہد منظور نے شرکت کر کے گلہائے عقیدت پیش کیے۔ اس کے بعد جذبے سے معمور لوگوں نے اپنی طاقت و جسامت کا استعمال کر کے نحیف وکمزور انسانوں کو دھکیلتے ہوئے مولانا کی قبر پر ''منها خلقناكم'' کے ورد کے ساتھ مٹی چڑھانی شروع کر دی اور کمزور لوگ کھڑے اپنی بے بسی پر کفِ افسوس ملتے رہے، بھیڑ کے چھٹ جانے اور عملِ تدفین کی تکمیل کے بعد بھی ارادت مند دور دراز سے آتے رہے اور حصولِ ثواب وسعادت کے لئے قبر ہی سے مٹی اُٹھا کر دوبارہ قبر پر ڈالتے رہے اور یہ عمل تقریباً پورے دن جاری رہا اور قوم وملت کا بے لوث خادم جو ہمیشہ دوسروں پر احسان کرتا رہا اور خود احسان لینے سے باز رہا، آج احسان مند کی خاموش تصویر بنا رہا، شاید اس خادمِ ملت ومحسنِ قوم کی روح قبر پر مٹی ڈالنے والوں کے احسان کا ان الفاظ میں اقرار واعتراف کر رہی ہو .... ؎

شوق سے مٹھیاں بھر بھر کے مجھے مٹی دی

آج تو لاد دیا آپ نے احسانوں سے

واضح ہو کہ تدفین کے بعد دوپہر تقریباً دو بجے پاکستان کی قومی اسمبلی کا سولہ رکنی وفد' قومی اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر اور جمعیۃ علماءِ اسلام (پاکستان) کے صدر مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت میں دیوبند پہنچا، جس میں آٹھ (۸) ایم پی اور سات ایم این اے موجود تھے، اور مرحوم کے اہلِ خانہ سے ۴ بجے ملاقات کر کے اپنی اور اپنے ملک پاکستان کی طرف سے تعزیت کا اظہار کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ تقسیم (۱۹۴۷ء) کے بعد اب تک کسی بھی سیاسی ومذہبی رہنما کی وفات پر پاکستان سے اتنا عظیم وفد نہیں آیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ملک وبیرونِ ملک کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد نے نمازِ جنازہ اور آپ کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ اس سے مولانا مرحوم کی عند اللہ اور عند الناس مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ صرف ہند میں ہی ''سرمایۂ ملت کے نگہباں'' نہ تھے بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کے ''میرِ کارواں'' اور ساتھ ہی ''میدانِ سیاست کے عظیم شہسوار تھے''۔

دارالعلوم دیو بند کے ایک ممتاز استاذ مولانا محمد سلمان بجنوری نے فرمایا اور بالکل بجا فرمایا :

''یہ حادثہ ایک فرد کا نہیں ، ایک اُمت کا ہے ، رونا ایک خاندان کا نہیں ، پوری ملت کا ہے ۔ حادثہ صرف اہلِ مذہب کا نہیں ، اہل سیاست کا بھی ہے اور یہ حادثہ صرف مسلمانوں کا نہیں ، پورے وطنِ عزیز کا ہے'' ۔

قوم وملت کا روحانی طبیب اور ملت کے روحانی مریضوں کو دوائے دل اور شفائے قلب عطا کرنے والا حکیم ہم سے رخصت ہو گیا ۔ اب بظاہر کوئی ایسا حکیم وطبیب نظر نہیں آتا جو اس خلا کو پُر کر سکے ۔ اس کرب ویاس کی اضطرابی کیفیت میں ملت کے ہر فرد کی دلی صدا اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے .... ۔

سنے کون ہائے صدائے دل ' ملے آہ کس سے شفائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل ، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب : ۱۴
متفرقات

ضبط ! مولانا عبدالغنی　　　　　　　　　　　　　　شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ
ناظم جامعہ ابو ہریرہ

اُصول کے پکے

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ میں نے زیادہ وقت نہیں گزارا۔ حضرت جب وہاں مدینہ میں تشریف لاتے تو ہمارے سارے احباب انہیں چائے کی دعوت دیتے' چائے کی دعوت پر جب احباب مطالبہ کرتے کہ ہمیں کچھ نصائح بیان فرمادیں تو حضرت فرماتے! نہیں چائے کے لئے بلایا ہے تو صرف چائے پئیں گے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مکی بھی وہاں پر اپنی رباط میں اکثر موجود ہوا کرتے تھے۔ اسی رباط میں ہم لوگ چائے کی دعوت دیتے۔ یہ حضرت مولانا خیر محمد مکی احناف کے بہت بڑا عالم تھے۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے بہت محبت تھی، بہت زیادہ خاموش پسند اور خاموش شخصیت تھے۔ جب ڈیڑھ صد سالہ کانفرنس پشاور میں منعقد ہوئی تو حضرت مولانا اسعد مدنیؒ خصوصی طور پر مدعو تھے۔ ان کی تقریر کا وقت دوسرے شخصیات غالباً حضرت مولانا اجمل خان لاہوری اور حضرت مولانا عبدالمجید ندیم صاحب نے لے لیا۔ جب حضرت مولانا اسعد مدنیؒ صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میری تقریر کا جو وقت مقرر تھا وہ دیگر حضرات نے لے لیا، میں صرف خطبہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت نے خطبہ پڑھا اور آخر میں و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر اپنا بیان ختم کر دیا۔

اُصولوں کی پابند شخصیت تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بڑے مجاہد اور عظیم لیڈر بھی تھے' ہندوستان کے علماء کے سرپرست تھے اور مسلمانانِ ہند کے بہت زیادہ ہمدرد تھے۔ جہاں بھی فسادات شروع ہو جاتے تو حضرت اسعد مدنیؒ خود موقع پر پہنچ جاتے اور فساد کو ختم کر دیتے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے صحیح جانشین تھے، عظیم قربانیاں دی تھیں، سارا وقت مسلمانانِ ہند کے لئے وقف کیا تھا۔ تمام ہند علماء کی کمر ان سے مضبوط تھی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حیات تھے تو ان کی معیت ورفاقت میں حضرت (اسعد مدنیؒ) بھی بنگلہ دیش جایا کرتے تھے اور وہاں اپنے والد کی سرپرستی وہدایت میں مسلمانوں اور مریدوں اور متعلقین کو وعظ ونصیحت کرتے تھے ان کے چھوٹے بھائی مولانا ارشد مدنیؒ علمی لحاظ سے بہت بڑا مقام رکھتے ہیں۔ ان کی علمی استعداد بہت مضبوط ہے۔ وہ شیخ مدنیؒ کے علوم ومعارف کے امین ہیں۔ آج کل دارالعلوم دیوبند میں احادیث کا درس دیتے ہیں۔ مولانا اسعد مدنیؒ ہمارے ہاں جب بھی تشریف لاتے تو حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ کے ہاں ضرور تشریف لے جاتے حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ پر بہت زیادہ فریفتہ تھے۔ حضرتؒ اپنے اوقات کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔

حافظ حبیب الرحمٰن نقشبندی
رُکنِ القاسم اکیڈمی

چند لمحے دیدار کے تأثرات

ڈیڑھ سو سالہ دیوبند کانفرنس اور صرف ڈیڑھ منٹ کی تقریر وہ بھی اس شخصیت کی جس کا پچھلے ڈیڑھ ماہ سے انتظار ہو رہا تھا، جس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لاکھوں تشنگانِ دیدار کا دل بیقرار ہو رہا تھا، مگر یہ کیا کہ ......

نظر تو آئی تھی ہلکی کرن تبسم کی
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

تشنگی برقرار تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت نے جس وقت میں تقریر کرنی تھی وہ گذر چکا تھا، چونکہ حضرت وقت کے سختی سے پابند تھے۔ اپنے ہر اُصول کے پاس دار تھے، اس لئے تشنگانِ دیدار کے حصے میں یہی ڈیڑھ منٹ آیا، لیکن آپ کی یہ اُصول پسندی دل میں گھر کر گئی۔ یہ تھے مدنی ابن مدنی فرزندِ حضرت شیخ الاسلام سید اسعد مدنیؒ، آپ قائد حریت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا فضل الرحمٰن قائد جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی دعوت پر ہندوستان سے تشریف لائے تھے، گرچہ دونوں بڑے باپ کے بیٹے تھے، لیکن اپنی محنت سے، کوشش سے، اخلاص وعمل سے، جہدِ مسلسل سے مسلم اُمہ کی اپنے دِل میں تڑپ رکھنے کی بنا پر ہندوستان کے مظلوموں کے دل جیتنے کی وجہ سے جو مقام سید اسعد مدنیؒ نے نصف صدی میں بنایا، وہ شیخ الاسلامؒ کی نظرِ کیمیا گر کا اثر بھی تھا اور اپنی شبانہ روز کی محنتوں کا ثمرہ بھی ....

اپنی کوشش سے مقام اپنا بنانے والے
اپنی کشتی کو بچانے کے ہنر جانتے ہیں

ان کے اخلاص وعمل کا اندازہ ان کی مساعی کے بطن سے برآمد ہونے والے نتائج سے لگایا جا سکتا ہے، مگر شائد اندازہ لگانے میں اگلی صدی ناکافی ہو۔ جن کا ایک سجدہ معاصر کی چار رکعتوں سے بھی لمبا ہو، تو ان کے خشوع کا کیا عالم ہوگا۔ جو اپنا قد بڑھانے کے لئے لفظوں کا متلاشی نہ ہو بلکہ الفاظ ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ نابغۂ روزگار، بہترین مدرس، محقق، راسخ فی العلم، متدین، متصلب مفتی، شیخ الحدیث کے الفاظ والقاب دارالعلوم دیوبند کی علمی فضا میں ۱۲ سال تک ان کا طواف کریں۔ مسند نشین، مجازِ طریقت 'خلیفۂ شیخ الحدیث' خلیفۂ خلفائے شیخ

الاسلامؒ جانشینِ شیخ الاسلامؒ اور امیر الہند، فدائے ملت، جیسے حسین و دل نشین القاب نصف صدی تک ان کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہوں اور وہ کبھی راوڑکیلا میں، کبھی جمشید پور میں، کبھی مرادآباد میں، کبھی میرٹھ میں، کبھی کولکتے میں، کبھی ملیانہ میں، غرباء کے، مظلوم مسلمانوں کے بے خانماں برباد لوگوں کے، مصیبت زدگان کے، بیواؤں اور یتیموں کے دُکھ درد سمیٹتا پھرتا ہو، کڑکتی دھوپ میں پسینے سے شرابور، تھکن سے چور، اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دور مارا مارا پھر رہا ہو ....ے

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

علامہ اقبالؒ کا یہ شعر جن پر حرف بہ حرف صادق آتا ہو، جس کا دل گداز تھا، جگر سوختہ تھا، سینہ غم سے لبریز تھا، جسم آہنی تھا، چہرہ دِل آویز تھا، سراپا عطر بیز تھا، جس کی مسکراہٹ دلوں کو موہ لینے والی تھی، بولتے تو پھول جھڑتے، خاموشی میں سات سمندروں کا تلاطم پنہاں تھا، جس کا غصہ زندگانیوں کو سنوارنے والا، جس کی جھکی ہوئی نگاہیں لوگوں کو دیدار کی فرصت مہیا کرتیں، جس کی اُٹھی ہوئی نظریں لوگوں کو نظر جھکانے پر مجبور کر دیتیں، جن کا احترام شاگردوں سے زیادہ اساتذہ کے دل میں تھا، جو اکیلا اِک انجمن تھا جو انجمن میں بھی اکیلا تھا، جن کا پہلا گھر مدینہ میں تھا، جس کی ہجرت ہندوستان کی تھی، جن کی نصرت پاکستان والوں کے لئے تھی، جن کی آخری آرامگاہ شیخ الاسلامؒ کے پہلو میں بنی، جن کی قبر کو ان کی آمد کا انتظار تھا، لیکن وہ ....

.... تین مہینے سے بے ہوش تھے، تین مہینے پہلے حضرت نے نمازِ عصر کی اذان سنی تھی، کسی کو بلا کر کہا تھا ''میری وہیل چیئر وضو خانے تک لے جاؤ، وہیل چیئر برقی تھی، بٹن دبایا تھا اور خود دوڑ پڑے تھے، گر گئے تھے، سر میں چوٹ آئی تھی، جب اُٹھایا تھا تو فرمایا تھا، مجھے جلدی سے وضو کراؤ اور جب اہل خانہ نے کہا کہ آپ وضو نہیں کر سکتے تو فرمایا تھا جلدی سے تیمم کراؤ، تیمم کرتے وقت ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور اب تین مہینے سے بے ہوش تھے .... شاہ ولی اللہؒ کی فکر کا امین، شیخ الاسلامؒ کے واسطے سے بھی اور براہِ راست بھی شیخ الہندؒ کا شاگردِ متین شیخ الاسلامؒ کا جانشین، لاکھوں چاہنے والوں کے قلوب کی تسکین، تین مہینوں سے بے ہوش تھا، مسلسل اسفار میں رہتا تھا، مساجد کے تحفظ میں، مقابر کی نگہداشت میں، اکابر کی تقلید میں، مسلم اُمہ کے مسائل حل کرانے کی تگ و دو میں، بیواؤں کے سر پر دوپٹہ اور یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لئے فسادات کے زخمیوں کے زخم پر مرہم رکھنے کیلئے مسلمانوں کا مستقبل سنوارنے کے لئے، مریدوں کے قلوب کو نکھارنے کے لئے مسلسل سفر پر تھا۔

نہ دن میں چین تھا، نہ رات کو آرام، رات کو شب بیداری اور دن میں انسانوں کی غم گساری، کتنے لوگ ان کی اِس روش سے مسلمان ہوئے، کتنے مسلمان ان کی کوششوں سے صاحبِ ایقان ہوئے، کتنی خانقاہیں ان کے دم

قدم سے آباد ہوئیں، کتنی غیر آباد ویران مساجد میں اذانیں اور نمازیں شروع ہوئیں، اس ساری تگ ودو کا مقصد۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی — میں اسی لئے مسلماں ، میں اسی لئے نمازی

اس مقصد کے حصول میں وہ اللہ جل شانہٗ کے ذکر کو بلند کرتا رہا۔ دین کی سربلندی کے لئے مسلسل چلتا رہا اللہ کریم کو یہ ادائے دلنوازی پسند آئی۔ دنیا میں تھکن سے چور جسم کو دنیا ہی میں آرام دینا مطلوب ہوا۔ دنیا کی تھکن کو دنیا ہی میں اُتارا جا رہا تھا۔ اگلے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے کچھ تو آرام کرنا چاہئے۔ اسعد مدنیؒ کا کیا تھا وہ (ترمیم پرمعذرت کے ساتھ) ....۔

اگر اور جیتے رہتے تو ''وہی شعار'' ہوتا — تیری زندگی کا اسعد کوئی اعتبار ہوتا

اللہ جل شانہٗ نے اپنے بندے کو تین مہینے کا آرام دے کر الارم بجادیا' سر اُٹھایا تو ''نمازِ عصر'' سے فارغ ہو چکے تھے اور اللہ کے ذکر میں مشغول تھے، یہ آخری نماز تھی، ذکر سے فارغ ہوئے تو قبر اپنی باہیں پھیلا چکی تھی۔ فرشتے لینے آ گئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد سید اسعد مدنیؒ اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

مرسلہ ! سینیٹر قاری محمد عبداللہ بنوی

ایک طالب علم کا جذبۂ محبت

مَا ذا علی مَنْ شَمَّ تُربةَ أحْمدِ ☆ اَنْ لایَشُمَّ مَدی الزمانِ غَوالیا

صُبَّتْ عَلَیَّ مصائبٌ لو انّها ☆ صُبَّتْ علی الایام صِرْنَ لیالیا

حضور ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ مزارِ اقدس کی پاک مٹی سونگھنے کے بعد دنیا کی خوشبوؤں کی ضرورت نہیں رہتی' میرے اوپر اتنی زیادہ پریشانیاں آئیں اگر یہ پریشانیاں دن کے اوپر آتیں تو دن کی روشنی ختم ہو کر دن رات میں تبدیل ہو جاتا۔

فدائے ملت' امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔ انتقال کے بعد ایک تعزیتی مجلس میں ایک طالب علم نے یہ شعر پڑھا ....۔

مجھے اے موت ! تو اتنا بتا دے — یہ بے جا ظلم تو کب تک کرے گی

نہ تو کچھ کر سکی قاسم کو لے کر — سید اسعد کو لے کر کیا کرے گی

مولانا محمد ایاز حقانی کانگڑہ

حضرت مدنیؒ کی دینی غیرت وحمیت

جانشینِ شیخ العرب والعجم امیر الہند مولانا سید محمد اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ غالباً ۱۹۸۶ یا ۱۹۸۷ء ماہِ دسمبر میں پشاور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد ایوب جان بنوریؒ کے ہاں بھانہ ماڑی بنوری سٹریٹ تشریف لا رہے تھے۔

حضرت بنوری صاحبؒ اور مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب ودیگر علماءِ پشاور ائیر پورٹ تشریف لے گئے تھے اور بنوری ہاؤس میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب امیر جمعیۃ علماءِ اسلام وقائدِ حزب اختلاف اور پشاور کے دیگر علماءِ کرام موجود تھے، نمازِ عشاء کی جماعت میں پندرہ منٹ باقی تھے، کسی نے کہا کہ ہم اپنی جماعت کرا لیتے ہیں تا کہ حضرت والا کے استقبال کے لئے فارغ ہوں۔

ہم نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کی اقتداء میں نمازِ باجماعت پڑھی' اتنے میں امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی مرحوم تشریف لائے فرمایا کہ کتنا وقت جماعت میں باقی ہے؟ کسی نے کہا کہ پانچ چھ منٹ۔ تو حضرت مدنی صاحبؒ فوراً وضو خانہ تشریف لے گئے۔ جب باہر تشریف لائے تو کسی نے کہا حضرت! ہم نے تو یہاں نمازِ باجماعت پڑھ لی ہے۔ حضرت اسعد مدنی صاحبؒ بہت غصہ ہو گئے اور فرمایا بھائی! تم لوگوں کے سامنے مسجد ہے اور مسجد کی جماعت سے پہلے یہاں کیوں نماز پڑھی، آخر یہ مسجدیں کس لئے بنی ہیں' پھر جب علماء تساہل کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ تم لوگوں نے بہت ظلم اور زیادتی کی کہ مسجد کی جماعت سے پہلے یہاں گھر میں نماز پڑھ لی' غصہ میں بہت باتیں فرمائیں۔ ہم نے دوبارہ مسجد میں امام کے ساتھ نوافل کی نیت کی اور نماز پڑھی یہ تھی حضرت مدنی صاحبؒ کی دینی غیرت اور حمیت، نماز باجماعت کی پابندی کا اہتمام اور اس میں وہ کسی بھی بڑے چھوٹے کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد قاسم صاحبزادہ مولانا محمد امیر بجلی گھر صاحب بھی اس واقعہ کے گواہ ہیں اور مفتی محمد قاسم صاحب نے اسی رات حضرت مدنی صاحبؒ سے بیعت بھی کی۔

منیبۃ الزہراء ' درجہ عالیہ جامعہ ابوہریرہ

مدنی معمولات

ماہنامہ القاسم کی خصوصی اشاعت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ نمبر پریس میں جانے کو ہے اور الحمد للہ طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔ان شاء اللہ یہ خصوصی اشاعت ظاہری ومعنوی خوبیوں سے مرصّع ہوکر عنقریب منصۂ شہود پر آ جائے گی۔

امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ اپنے والد نامدار شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بلاشبہ حقیقی جانشین تھے اور ولد صالح یدعولہٗ کا مصداق تھے۔حضرت امیر الہندؒ نے اپنے والد گرامیؒ کے مشن کو آگے بڑھایا اور زندگی اسی میں کھپادی .... ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب جبکہ والدی المکرم مولانا عبد القیوم حقانی مدظلہٗ کی محنت وکاوش اور تگ ودَو سے حضرت امیر الہندؒ پر خصوصی نمبر شائع ہورہا ہے تو بطورِ تبرک مولانا اسعد مدنیؒ کے والد گرامی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے چند خصوصی اعمال ومعمولات بھی حیطۂ تحریر میں لائے جارہے ہیں،اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو انہیں اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔(آمین)و یرحمک اللہ عبدا قال امینا ۔

ارشاد مبارک :

اوّل اوّل ایک ارشاد ملاحظہ ہو :

نفس طبعی طور پر اصلاحِ نفس کے حوالے سے عالم تجرد سے متنفر ہے،چونکہ خود قاری ہے اسی کی اس کو طبعی رغبت ہے۔اس لئے ضرورت ہے کہ مثل اطفال اس کو بہلا پھسلا کر آہستہ آہستہ راہ پر لگایا جائے .... ؎

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی حب الرضا و ان تفطمہ ینفطم

اور نفس کی حالت تو اس شیر خوار بچے کی طرح ہے جو دودھ پیتا ہے اگر اس کے دودھ کو بچپن میں نہ چھڑایا جائے تو جوان ہونے میں دشواری ہوگی۔

اگر نفس کو افیون،سنکھیا یا گانجہ،بھنگ وغیرہ غیر لذیذ کا عادی بنایا جاسکتا ہے،اگر اس سے جفاکشی کے وہ کام جن پر غیر متعود ہرگز صبر نہیں کرسکتا لیے جاسکتے ہیں۔

اس سے انجنوں اور بھٹیوں کے سامنے دن و رات سخت گرمی میں خدمت لی جاسکتی ہے۔ وہ جمناسٹک کی ظاہر الاستحالہ باتوں پر قابو پاسکتا ہے تو کیا نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تدریجاً عالم قدس کا حاضر باش نہیں کیا جاسکتا، مگر محنت اور استقلال، قوتِ عزم شرط ہے ....۔

یقیں میداں کہ آں شاہِ نکونام   بدست سربریدہ مید ہد جام

(مکتوبات ج ۱ ص ۱۶۷)

روزانہ کے معمولات :

شیخ طریقت حضرت قاضی محمد زاہد الحسینی احمدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

''جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ حضرت مدنیؒ کے ذاتی وظائف اور اوراد قرآنِ عزیز کی تلاوت درود شریف اور نوافل پر آپ کا سفر و حضر میں عمل رہتا تھا''۔

(چراغ محمد ص: ۴۹۶)

''تاریخ دیوبند'' کے حوالے سے حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ :

آخر شب میں نمازِ فجر تک تہجد اور ذکر و وظائف وغیرہ اور نمازِ فجر کے بعد تقریباً تلاوتِ قرآن مجید اور مطالعۂ کتب، مغرب کی نوافل میں کم از کم ایک پارہ کی تلاوت روزانہ کا معمول تھا (دن میں اسباقِ حدیث کے اور دوسرے معمولات کے علاوہ) عشاء کے بعد بھی اکثر صحیح بخاری کا درس پڑھاتے تھے جو بارہ بجے تک جاری رہتا تھا۔ (تذکرہ حضرت مدنیؒ ص ۴۷)

ختم ہفت سلاطین :

حضرت قاضی محمد زاہد الحسینیؒ تحریر فرماتے ہیں :

''احقر جب ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر گھر آیا تو کئی مسائل درپیش تھے، والد صاحب مرحوم کا سایہ چھ سال پہلے اُتر چکا تھا، حقیقی بھائی کوئی نہ تھا، کوئی مخلص ہمدرد نہ تھا، اپنی پریشانیوں کے لئے دعا کا حضرت مدنیؒ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرتؒ نے سورۃ یٰسین شریف کے ختم کی اجازت اور طریقہ بھی تجویز فرما کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ختم آج ۱۹۹۴ء تک جاری ہے اور اس کی برکات مخصوص طور پر نازل ہو رہی ہیں۔ اس کا طریقہ یہ فرمایا کہ کلمہ یٰسین گیارہ بار پڑھ کر بارہویں بار تلاوت جاری کردی جائے، یہی طریقہ ہر ''مبین'' پر کیا جائے لیکن آخری ''مبین'' (فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْن) پر واپس نہ لوٹے بلکہ سورۃ پوری کرلی جائے اور مندرجہ ذیل بزرگانِ دین کے نام ایصالِ ثواب کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی مشکل آسان کرنے کی دعا مانگے۔ احقر کا عمل یہ ہے کہ سوموار کے ایصالِ ثواب بنام

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اور منگل کے دن بایزید بسطامیؒ اور بدھ کے دن محمد حسین سنجرؒ اور جمعرات کے دن حضرت احمد حضرویہؒ، جمعہ کے دن حضرت قاضی اسماعیل سامانیؒ، ہفتہ کے دن ابوسعید ابوالخیر اور اتوار کے دن حضرت سلطان محمود غزنویؒ کے روح پر ایصالِ ثواب کیا جائے۔

(چراغِ محمد ص ۴۹۶)

آشوبِ چشم اور ہر مرض کی دوا :

۱۹۴۲ء میں موسمِ سرما میں احقر آشوبِ چشم کا ایسا شکار ہوا کہ پڑھنا اور دیکھنا بھی مشکل ہوگیا۔ علاج اور ادویات کا استعمال کیا، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا، آخر حضرتؒ کی خدمت میں عریضہ لکھوا کر بھیجا، تو آپ نے قصیدہ برءالداء کا مندرجہ ذیل شعر سات بار پڑھ کر آنکھوں پر دَم کرنے کا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فوراً آرام ہوگیا اور آج تک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس مرض کا شکار نہیں ہو۔ عمر کے تقاضا کے لحاظ سے کبھی کبھی اثر ہوجاتا ہے لیکن اُس طرح کی تکلیف پھر نہیں ہوئی۔ اپنا معمول اُس وقت سے کہ ہر فرض نماز کے بعد سات بار پڑھ لیتا ہوں اور کسی بھی بدنی تکلیف کے لئے کالی سیاہی اور کلک کے قلم کے ساتھ لکھ کر مریض کو پلانے کے لئے دے دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شفاء ہوجاتی ہے، وہ شعر درج ذیل ہے ....

كَمْ اَبرَاَتْ وَ صَبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ   وَ اَطْلَقَتْ اِرْبًا مِّنْ رِّبْقَةِ اللَّمَمِ

۱۹۴۵ء میں ہمارے علاقہ کے ایک بزرگ پر کپڑے کے راشن کے خلاف ورزی کے الزام میں بعض شر پسندوں نے انتظامیہ کے بعض ارکان کے ساتھ مل کر مقدمہ بنا دیا۔ آپ کو گرفتار کرلیا گیا، دوسرے دن ضمانت پر رہائی ہوئی۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں دعا کی درخواست کی گئی تو آپ نے دعا کے ساتھ سورۃ الفتح اور سورۃ الطور روزانہ ایک ایک بار پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہ صرف آپ کو باعزت بری کیا گیا بلکہ مجسٹریٹ نے ضبط شدہ کپڑا بھی واپس کرنے کا حکم دیا اور پولیس کے خلاف ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

اولاد کے لئے حضرتِ مدنیؒ مندرجہ ذیل عمل ارشاد فرمایا کرتے تھے :

۴۱ سالم لونگ لے کر ان میں سے ہر ایک پر سات بار سورۃ النور کی آیت نمبر ۴۰ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ...... کامل آیت پڑھ کر دم کردی جائے اور لونگ وہ عورت روزانہ رات کو سوتے وقت منہ میں چبالے لونگ کے ساتھ پانی وغیرہ نہ لے بلکہ خشک چبالے اور لونگ کھانے کے بعد رات کو کچھ نہ کھائے، یہ عمل ۴۱ رات بلا ناغہ (ایام ماہواری میں بھی) کرے۔ ان شاء اللہ اولاد ہوجائے گی۔

احقر نے کئی بے اولاد خواتین کو لونگ دم کر کے دیئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بعض کو گیارہ سال بعد اور بعض کو اٹھارہ سال بعد بھی اولاد عطا ہوئی ہے۔

حضرتؒ نے اپنے ایک پریشان حال مرید کو ستر (۷۰) بار درود شریف تنجینا پڑھنے کا فرمایا کہ اس سے ان شاء اللہ سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔

از مرتب : یہ درود شریف ہمارے اکابر کے ہاں معمول رہا ہے، میرے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ بعد از نمازِ فجر ہم سب کو ساتھ بٹھا کر ۳۱۳ بار پڑھا کرتے تھے۔

مولانا عبدالسلام فیض آبادی نے فرمایا: ایک مولوی صاحب نے کہا میں ایک مصیبت میں گرفتار تھا، دشمن سازشیں کر رہے تھے، دامنِ مدنیؒ میں پناہ ڈھونڈی، فرمایا: روزانہ پانچ سو مرتبہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل پڑھ لیا کرو، چنانچہ چند ہی دن مداومت کرنے پر بادل چھٹ گئے اور دشمن ذلیل و ناکام ہو گئے۔

ایک مجنون کے لئے دُعا کی درخواست کی گئی، فرمایا کہ ایک گھڑے پانی پر سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ ۴۱ مرتبہ اور آیت کریمہ وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ط لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ط وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ٥(ابراہیم:۱۲) ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے مریض کو شب یک شنبہ سہ شنبہ کی ساتھ راتوں میں ۱۱ بجے کے بعد اور ۱۲ بجے سے پہلے چوراہے پر لے جا کر غسل دے دیں، اگر خارجی اثر ہوگا تو زائل ہو جائے، یہ عمل کیا گیا اور وہ مریض بالکل شفایاب ہو گیا۔

ایک شخص نے ضعفِ بصر کی شکایت کی، فرمایا ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ اوّل آخر درود شریف اور تین مرتبہ آیت کریمہ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآئَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ٥(ق:۲۲) پڑھ کر ہاتھ کے دونوں انگوٹھوں کی پشت پر دَم کر کے آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔

فرمایا دفع سحر و آسیب کے لئے نمک پر ایک ہزار مرتبہ آیت وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا تا تَعْقِلُوْن باوضو مع اوّل آخر درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دم کر کے مریض کو کھانے میں دیا کریں۔

دعا کی تلقین :

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اپنے ایک مسترشد مولانا حکیم انظار احمد صاحب انصاری کو تحریر فرماتے ہیں کہ:
”ذکر پر ہمیشہ مداومت رکھو، اثناء ذکر میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد (خواہ ایک تسبیح کے بعد یا کم و بیش کے بعد) یہ دعا دل سے مانگا کرو۔

يَارَبِّ اَنْتَ مَقْصُوْدِى تَرَكْتُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ لَكَ تَمِّمْ عَلَيَّ نِعْمَتَكَ وَارْزُقْنِى وَ صُوْلَكَ التَّام وَ رِضَا لَاسَخَطَ بَعْدَهٗ اَبَدًا ۔ اس کا التزام کرو۔ (مکتوبات ص ۳۴۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

بہ

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

	نام کتاب	صفحات
۱۔	جمالِ محمد ﷺ کا دلربا منظر	۲۰۶
۲۔	روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں	۱۵۶
۳۔	ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضَوافشانیاں	۲۱۰
۴۔	آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں	۲۰۲
۵۔	محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں	۱۹۷
۶۔	محبوبِ خدا ﷺ کی عبادت واعتدال	۱۸۷
۷۔	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر	۱۶۶
۸۔	شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع	۱۵۳

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اِسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی

پیشِ لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات، احادیثِ نبوی، عبادات، معاملات، اعمال کے فضائل، بلندیٔ اخلاق و خصائل، محبت واطاعتِ رسول، محرمات سے اجتناب، منہیات کی نشان دہی، فرقِ باطلہ کا تعاقب، ردِّ بدعات، دعوتِ سنت واتحادِ اُمّت، خدمتِ انسانیت ...... الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور، مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل واحکام، سلیس اور بامحاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلّم اور محسن کتاب، اپنے موضوعات کے تنوّع، تفہیم وتسہیل، افادیت اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 .... ریگزین .... قیمت : 350

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسرِ قرآن، شارحِ حدیث

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت

(مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم وعمل، دین ودنیا، مسنون وظائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست کی مضرت، دینی سیاست کی ضرورت، تصوف وسلوک اور شریعت وطریقت کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 .... قیمت : -/180 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی ایک تاریخی پیشکش

سوانح شیخ الاسلام حضرت مولانا

حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

☆ سلسلۂ نسب' ابتدائی تعلیم' اساتذہ اور دلچسپ واقعات ☆ احترامِ اساتذہ' شیخ الہندؒ سے عشق و محبت اور دورانِ اسارت خدمت و مصاحبت ☆ شیخ الہندؒ کا جانشین ☆ سیرت و کردار' اخلاص و للّٰہیت' جود و سخا' بے نیازی و استغناء اور جامعیت ☆ اندازِ تدریس' درسِ حدیث سے عشق و انہماک' طلبہ پر شفقت و محبت' محدثانہ جلالتِ قدر اور بعض درسی افادات ☆ خوفِ خدا' تقویٰ' ایثار و توکل' اعلیٰ اخلاقی اقدار' خدمت خلق اور مہمان نوازی ☆ انابت و عبادت' نماز سے محبت اور شوقِ تلاوت ☆ حضور اقدس ﷺ سے عشق و محبت' اطاعت' اتباع سنت اور استقامت ☆ سادگی و بے نفسی' صبر و تحمل' عفو و کرم اور تواضع و خاکساری ☆ احسان و تصوف اور سلوک و معرفت میں عظمتِ مقام' مرجعیت' محبوبیت اور فنائیت ☆ وعظ و خطابت' ارشادات و ملفوظات اور ایمان افروز باتیں ☆ رویائے صالحہ اور کرامات ☆ ذوقِ شعر و ادب اور پسندیدہ اشعار ☆ مکتوبات ☆ لطائف و ظرائف ☆ حضرت مدنیؒ کا سفرِ آخرت ☆ خوانِ یغما ...... اور اس جیسے دیگر دلچسپ واقعات کا حسین مرقع ۔

صفحات : 272 .... قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد پاکستان

جمالِ یوسف

(تذکرہ وسوانح مولانا محمد یوسف بنوریؒ)

از !

مولانا عبدالقیوم حقانی

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرہ وسوانح، تحصیل و تکمیل علم، فقر و درویشی، عبدیت وانابت، عشقِ رسول ﷺ واتباعِ سنت، درس وتدریسِ حدیث، محدثانہ جلالتِ قدر، عظیم فقہی مقام، فضل وکمال، دینی وعلمی کارنامے، سیرت واخلاق، مجاہدانہ کردار، دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف قادیانیت کا فاتحانہ تعاقب، اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مساعی، جہاد، الغرض دلچسپ، جامع اور رُلا دینے اور عملِ صالحہ کی انگیخت کرنے والے حیرت انگیز واقعات۔

صفحات : 304 .... قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان